(بسمہ القادر)

پہلا باب

"نوجوان فریادی"

دوپہر کا وقت تھا۔ گرمیوں کے دن عرب کا ملک، آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا تھا۔ کڑاکے کی دھوپ پڑ رہی تھی تیز و تند ہوا کے گرم و جھلسا دینے والے جھونکے چل رہے تھے۔ آسمان کی طرف تو کیا سنگلاخ زمین کو بھی دیکھنا دشوار تھا۔ آفتاب کی تمازت نے ہر چیز کو تپا رکھا تھا انسان پناہ گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دیارِ حبیبؐ یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والے آفتاب کی تپش اور لوؤں سے بچ کر گھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔ کچھ ایسے بھی خدا کے بندے تھے جو ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے ابھی سے مسجد نبوی میں پہونچ گئے تھے۔

مسجد کیا تھی کچی دیواریں تعمیر کر کے کھجور کی چھت ڈال دی گئی تھی۔ ایک مختصر سا چبوترہ بھی بنا دیا گیا تھا لیکن جس طرح ہندوستانی غریبوں کے جھونپڑے لیپ پوت کر صاف رکھے جاتے ہیں اسی طرح مسجد بھی نہایت صاف و شفاف تھی۔

مسجد میں کھجور کی چٹائیوں کا فرش تھا۔ چند دیندار بزرگ اس فرش پر لیٹے ہوئے تھے ایک طرف ایک لانبے قد کے بزرگ کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ ان کی عمر ۴۵ سال کے قریب تھی رنگ گندم گوں تھا۔ ڈاڑھی کے بال کھچڑی تھے۔ چہرہ سے رعب و جلال ظاہر تھا پاس ایک دُرّہ رکھا ہوا تھا۔ ان کا نام حضرت عمرؓ تھا۔

وہ خلیفہ یا بادشاہ وقت تھے انکی ہیبت سے قیصر (عیسائیوں کا بادشاہ) وکسریٰ (ایرانیوں کا بادشاہ) کانپ رہے تھے دشمنوں اور غیر مسلموں پر ان کا رعب بیٹھا ہوا تھا ساری دنیا ان کے نام سے کانپتی تھی بڑے بڑے بادشاہوں کے سفیر خوشامد کرنے کے لئے آستان بوسی کرتے تھے۔

دنیا سمجھتی تھی کہ مسلمانوں کا بادشاہ مومنوں کا خلیفہ حجاز کا فرمانروا نہایت شان و شوکت سے رہتا ہو گا اس کے رہنے کے لئے فلک نما قصر خدمت کے لیے سینکڑوں خادم، حفاظت کے لیے باڈی گارڈ کا رسالہ، بیٹھنے کے لئے تخت شاہی سر پر اوڑھنے کے لیے تاج زریں، پہننے کے لئے ملبوسات شاہی ہوں گے۔ جب دور دراز سے سفیر آتے، خلیفہ کو دیکھتے تو حیران رہ جاتے نہ ان کے پاس قصر تھے نہ خادم۔ نہ حفاظت کے لیے کوئی ساتھ رہتا تھا نہ تخت تھا نہ تاج نہ ملبوسات شاہی کچھ بھی نہ تھا۔

ایک کچا مکان رہنے کے لئے، ایک درہ اپنی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے مسجد کا فرش یا خدا کی زمین بیٹھنے کے لیے سفید عمامہ سر سے باندھنے کے لیے پیوند لگے کپڑے پہننے کے لئے تھے۔

حضرت عمرؓ خلیفہ تھے۔ دنیائے اسلام میں ان کا حکم چلتا تھا غیر مسلم ان کے نام سے لرزتے تھے ان کے ہم عصر بادشاہ ان سے ڈرتے تھے دنیا ان کی خدمت کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بیواؤں کی، یتیموں کی، مجاہدین کے اہل و عیال کی خود خدمت کرتے تھے ان کی ضروریات کی چیزیں خود خرید کر لا دیتے تھے۔

اگر بوجھ زیادہ ہو جاتا تو مزدور کو نہ بلاتے۔ خادم ساتھ ہوتا۔ اس سے نہ اٹھواتے اپنی کمر پر لاد کر لے جاتے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو اس جلیل القدر شہنشاہ اعظم کی تقلید کرتے ہوں۔ ہمسائیوں، بیواؤں، یتیموں کا سامان خرید کر لانا تو کجا خود اپنا سامان خرید کر نہیں لا سکتے۔ اس میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔

ہمسایہ کی پردہ نشین عورتیں، عصمت مآب، بیوائیں معصوم و یتیم بچے بھوکے پیاسے بیٹھے رہیں انھیں معلوم ہو جائے ممکن نہیں کہ ان کا کچھ کام کر دیں۔ نہ اخوت رہی نہ مساوات بو باقی۔ نام کے مسلمان اور نام کا اسلام باقی رہ گیا ہے۔ بھول گئے ہیں اس بات کو کہ ہر مسلمان سے ہمسایہ اور غریب مسلمانوں کے متعلق باز پرس ہو گی خدا اور خدا کے رسول کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ نکبت و افلاس میں پھنس گئے۔ ٹھوکریں کھا رہے ہیں

لیکن آنکھیں نہیں کھلتیں۔ آج غیر قومیں اسلام اور مسلمانوں کی باتوں پر عمل کر کے ارتقائی
منازل طے کر رہی ہیں۔ چھوت چھات کی لعنت دور کرنے کی فکر میں لیکن مسلمان جن کے
مذہب معاشرت، تمدن میں چھوت کا نام بھی نہیں غریب مسلمانوں کو پاس بٹھانا کسر شان
سمجھنے لگے ہیں۔

آنحضور صلعم کا فرمان تو یہ ہے کہ بزرگ وہ ہے جس کے اعمال خدا کے نزدیک
پسندیدہ ہوں لیکن آج مسلمان تمول کو بزرگی کا معیار سمجھنے لگے ہیں۔ کہاں وہ تعلیم۔
کہاں یہ عمل ہم بیان کر چکے ہیں کہ آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا تھا۔ دھوپ میں
اس قدر تمازت بڑھ گئی تھی کہ ہر چیز کو بھونے ڈالتی تھی۔

انسان تو انسان چرند اور پرند بھی سایوں میں بیٹھے شدت گرمی سے بے چین
ہو رہے تھے عین اس وقت ایک نوجوان اونٹنی پر سوار آیا مسجد کے قریب آ کر رکا
اونٹنی کو بٹھا کر اترا اور مسجد کے اندر داخل ہوا۔

اس نوجوان کا رنگ گندمی تھا۔ اعضا سڈول اور کسرتی تھے۔ آنکھوں سے حلم و مروت
کے آثار ظاہر تھے۔ چہرہ دلآویز تھا۔ اس کا تمام بدن پسینہ میں شرابور ہو رہا تھا وہ اس
وقت سفید سوتی ٹخنوں تک لمبا کرتہ اور گھیردار شلوار نما پاجامہ پہنے تھا۔

سر پر عمامہ تھا۔ عمامے کے اوپر رومال پڑا تھا جو دونوں کانوں کے پاس سے
گزرتا ہوا شانوں پر آ کر رک گیا تھا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دور
سے سفر کئے چلا آ رہا ہے کیوں کہ اس کا چہرہ گرم جھلسا دینے والے ہوا کے جھونکوں
سے تمتمایا ہوا تھا گرد و غبار نے پڑ پڑ کر اس کے سیاہ بالوں کو سفید سا کر دیا تھا۔

اس نوجوان کے ابھی داڑھی نہیں نکلی تھی مونچھوں کی روئیدگی شروع ہو گئی تھی
اس کے دونوں عارض تمتمانے اور پسینہ بہنے کی وجہ سے گلابی ہو رہے تھے پلکیں
ابرو اور سر کے بال غبار آلودہ تھے۔

وہ مسجد میں داخل ہو کر بائیں طرف چلا مسجد کا صحن عبور کر کے ایک حجرہ میں داخل
ہوا اس حجرہ میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد صلعم کا مزار مبارک ہے۔

اس تربت اطہر کے سرہانے دو معصوم ہستیاں نوخیز شہزادے خاموش بیٹھے تھے
یہ دونوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے آنے والے نوجوان نے ان دونوں کو نہیں
دیکھا وہ بڑھ کر مزار اقدس کے قریب پہونچا اور درد انگیز آواز سے کہا اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

آغثنی (ترجمہ۔ فریاد ہے اُسے خدا کے رسول فریاد ہے)

اس دردناک آواز سے حجرہ گونج گیا دونوں قبول صورت نوجوان بیچین ہو گئے انھوں نے اس فریاد کرنے والے کو دیکھا۔

فریاد کرنے والا آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے سے رنج و غم ٹپکے پڑتے تھے۔ دونوں معصوم شہزادے تڑپ کر کھڑے ہو گئے وہ اس نوجوان کے قریب آئے حضرت حسن نے کہا۔

یا اخی! اس درجہ سے فریاد نہ کرو خاتم النبین کی روح بے چین ہو جائے گی۔ نوجوان نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے آفتاب و ماہتاب کو کھڑے پایا حضرت فاطمہؓ کے ان لالوں کو کون نہیں جانتا تھا۔

اس نے کہا۔ معصوم شہزادہ۔ مقدس نبی کے محترم نواسو۔ میں برباد ہو گیا۔ دیار غیر میں لوٹا گیا۔ فریاد رس کے حضور میں فریاد کرنے آیا ہوں۔

ایک کڑکتی ہوئی رعب دار آواز آئی۔ کون فریاد کرنے آیا ہے؟ فوراً نوجوان نے مڑکر اور شہزادوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے حضرت عمرؓ کھڑے تھے۔ رعب داب کی وجہ سے تینوں کی نگاہیں جھک گئیں۔

حضرت عمرؓ نے پھر دریافت کیا۔ نوجوان! تم کہاں سے آر ہے ہو۔؟

نوجوان نے جواب دیا۔ بصرہ شہر سے۔

عمرؓ۔ تمھارا کیا نام ہے۔

نوجوان۔ عاصم۔

عمرؓ۔ کس قبیلے سے ہو۔؟

عاصم۔ بنو تمیم سے۔

عمرؓ۔ تم پر کیا افتاد پڑی؟

عاصم نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اس کے چہرہ پر فوراً رنج و غم سے پژمردگی چھا گئی حضرت عمرؓ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی انھوں نے تشفی کے لہجہ میں کہا۔

عاصم آزردہ نہ ہو جہاں تک عمرؓ تمھاری مدد کر سکتا ہے کرے گا۔

عاصم نے کہا۔ مجھے بھی ایسی ہی امید ہے۔ اور مجھے ہی کیا تمام مسلمانوں کی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔

عمرؓ: تم اپنا حال سناؤ۔

عاصم نے کہا۔ یا امیر المومنین[1]! چند مسلمانوں نے بصرہ شہر میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ میں بھی ان میں بسا تھا۔ ہم لوگ تجارت کرتے تھے ایک روز نا گہاں ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ نہ مسلمانوں کو اس حملہ کی امید نہ تھی نہ وہ مدافعت کے لئے تیار تھے بیدردا ایرانیوں نے گنتی کے چند مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب تک ہم معاملہ کی نوعیت سمجھیں بہت سے مسلمان قتل ہو چکے تھے۔ ہمارے بچے رو رہے تھے عورتیں گریہ وزاری کر رہی تھیں۔ مرد قتل کئے جا رہے تھے ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے قیامت نازل ہو رہی تھی۔ خدا کی وسیع زمین ہم پر تنگ ہو گئی تھی۔ میں کھڑا ہوا خون ریزی کو دیکھ رہا تھا۔ نہتا تھا اگرچہ جوش و غصہ آ رہا تھا لیکن مجبور تھا۔ کچھ نہ کر سکتا تھا۔

ایک ایرانی نے مجھ پر بھی تلوار کا وار کیا۔ تلوار میرے شانہ پر پڑی میں زخمی ہو کر گرا گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو ایسا روح فرسا منظر دیکھا کہ خدا پھر نہ دکھائے۔ تمام مرد قتل کئے جا چکے تھے اب معصوم بچے ذبح کئے جا رہے تھے۔ بیچارے روتے تھے۔ تڑپتے تھے، قاتلوں کی خوشامدیں کرتے تھے ننھے ننھے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بہائم صفت انسانوں کو ان پر ان کی غریب الوطنی پر مطلق رحم نہ آتا تھا وہ ان کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ نیزوں سے کچوکے دیتے تھے ٹانگیں پکڑ کر زمین پر دے مارتے تھے۔

آخر سنگدلوں نے تھوڑی ہی دیر میں سارے معصوموں کو بھی موت کے گھاٹ اتا

---

[1] امیر المومنین کا پر فخر لقب حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ سے شروع ہوا بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں امیر کا لفظ کوئی فخر کی بات نہ تھی۔ صرف عہدہ یا خدمت کے اظہار کیلئے ہوتا تھا۔ کفار عرب آنحضرت کو امیر مکہ کہا کرتے تھے عموماً افسران فوج بھی امیر کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ امیر المومنین کی ابتدا اسطرح ہوئی ایکدن لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم عراق سے حضرت عمرؓ فاروق سے ملنے آئے حضرت عمرؓ مکان کے اندر تھے انھوں نے عمرو بن العاص سے کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرو بن العاص اور دوسرے لوگوں کو یہ لفظ اچھا معلوم ہوا اسی روز سے سب حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کہنا شروع کر دیا حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت نہ کی۔
(صادق صدیقی)

دیا غریب بچے سسک سسک کر مر گئے ان کی مائیں تڑپ گئیں۔ فرطِ رنج و قلق سے دیوانی ہو گئیں میں نیم بیہوشی کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

میرا کلیجہ شق ہوا جاتا تھا۔ سینہ وفورِ غم سے پھٹا جاتا تھا۔ مجھ سے چھوٹی میری ہمشیرہ ہے اس کا نام لبنیٰ ہے وہ مجھے مردہ سمجھ کر دیوانی ہو گئی تھی۔ غم و رنج نے اس کی رگوں کا خون چوس لیا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اس نے دردناک آواز سے کہا۔ آہ بھائی تم مر گئے ... میں اسی قدر سننے پایا تھا کہ پھر بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو رات ہو چکی تھی۔

میں بدقت تمام اٹھا، لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ وفورِ ضعف سے کھڑا نہ ہوا گیا بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد پھر اٹھا سنبھل کر قدم قدم چلا۔ مردوں اور بچوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں میں نے سب کو ٹٹولا۔ سب مر چکے تھے ایک بھی زندہ نہ تھا۔

بے اختیار میرے آنسو جاری ہو گئے میں رویا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا جب رونے سے غبار چھٹ گیا۔ دل کی بھڑاس نکل گئی کچھ طبیعت کو سکون ہوا تو پھر اٹھا ابھی تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں افقِ مشرق سے چاند نمودار ہوا روشنی پھیلی میں نے لاشوں کو دیکھنا شروع کیا۔ میں اپنے ایک دوست کی لاش دیکھنا چاہتا تھا میں نے غور سے دیکھا ان مردوں میں میرا دوست نہ تھا۔

حضرت عمرؓ دونوں نوخیز شہزادے عاصم کی گفتگو نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے ان کی آنکھوں کی گہرائیوں سے غم و افسوس کا اظہار ہو رہا تھا حضرت عمرؓ نے قطع کلام کر کے دریافت کیا۔

"تمہارے دوست کا کیا نام ہے ـــ؟"

عاصم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا، "عبیدہ ـــ!"

عمرؓ: تم نے ان لاشوں کو اچھی طرح دیکھا۔!

عاصم۔ اچھی طرح! کئی مرتبہ، جب چاند نکل آیا۔ چاندنی اچھی طرح پھیل گئی میں نے ایک دفعہ نہیں کئی مرتبہ لاشوں کو دیکھا عبیدہ کا پتہ نہیں تھا۔

عمرؓ: اور عورتیں کیا ہوئیں؟۔

عاصم: ظالم ایرانی پکڑ کر لے گئے۔

جب عمرؓ نے غصہ کی شان سے اپنے لبوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا۔ بیرحم
بدمعاش!! کس قدر عورتیں تھیں؟
عاصم۔ سات عورتیں تھیں! میرا خیال ہے کہ عبید کو بھی ان ظالموں نے گرفتار
کرلیا ہے۔"
عمرؓ۔ قیاس تو یہی کہتا ہے! تم یہاں کیسے پہونچے؟"
عاصم۔ بڑی مشکل سے ہزاروں تکلیفیں اٹھا کر! میں رات کو گرتا پڑتا چلا صبح تک
کئی میل نکل آیا۔ دن میں ایرانیوں کے خوف سے چھپ رہا رات کو پھر چلا صبح ہوتے
مردجہ پر جو مشرقی دریائے فرات کا کنارہ ہے پہونچ گیا۔ خوش قسمتی سے وہاں ایک مسلمان
مل گیا اس کے پاس اونٹنی تھی وہ اونٹنی پر سوار کرا کر دریا پار لے آیا اس نے میرے
زخم کا علاج کیا جب مجھے آرام ہو گیا تو اس سے اونٹنی لے کر یہاں آیا ہوں۔
حضرت عمرؓ کو سخت ملال ہوا انھوں نے کہا کاش فارس اور عرب کے درمیان
آگ کا پہاڑ حائل ہوتا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی اس واقعہ کے سننے سے حضرت عمرؓ
کے جذبات کو سخت ٹھیس لگی تھی وہ نہایت نرم دل تھے یا بار خلافت کو اٹھا کر نرم دل
بن گئے تھے بے گناہ مسلمانوں اور معصوم بچوں کی موت نے انھیں بہت زیادہ غمگین کردیا
تھوڑی دیر بعد انھوں نے کہا۔ بے گناہ مسلمانوں کے خون کا انتقام لیا جائے گا۔
بدبخت ایرانیوں کو چیرہ دستی کی سزا دی جائے گی۔ ان سے عورتوں اور عبیدہ کو
واپس لیا جائے گا۔
عاصم کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مسجد سے شور و غل کی آواز بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ حضرت
حسنؓ حضرت حسینؓ اور عاصم نے حیران ہو کر اس آواز کو سنا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔
عاصم آؤ دیکھیں مسجد میں یہ کیسا شور بلند ہوا۔
یہ کہتے ہی حضرت عمرؓ لوٹے۔ عاصم ان کے پیچھے چلا۔ جب یہ دونوں مسجد کے صحن
میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان گرد و غبار میں اٹا ہوا کھڑا ہے اور بہت
سے مسلمان اسے چاروں طرف سے گھیرے کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور عاصم ان سب
کی طرف بڑھے۔

دوسرا باب
"قاصد"

حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی لوگ سمٹ گئے کسی قدر دب گئے۔ عمرؓ بڑھے غبار آلودہ شخص نے جسے مسلمان گھیرے کھڑے تھے نہایت ادب سے حضرت عمرؓ کو سلام کیا حضرت عمرؓ نے کہا۔ یہاں آفتاب کی تمازت سخت ہے۔ دھوپ میں کھڑا نہیں ہوا جاتا اندر چلے آؤ اور بتاؤ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

یہ کہتے ہی حضرت عمرؓ بڑھ کر مسجد کے اندر چلے گئے تمام مسلمان بھی ان کے پیچھے ہی پیچھے ہو لئے۔ حضرت عمرؓ بیٹھ گئے ان کے سامنے غبار آلودہ، فریاد کرنے والا اور سامنے بیضاوی دائرہ میں تمام مسلمان بیٹھ گئے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ اب بتاؤ تم کون ہو؟"

اس نے کہا میں قاصد ہوں۔"

چونکہ ایران سے وحشتناک خبریں آرہی تھیں۔ خلیفہ کی خلیفہ کے مشیروں کی تمام مسلمانوں کی نظریں اس طرف لگی ہوئی تھیں اس لئے حضرت عمرؓ قاصد کا نام سن کر چونکے ان کے چہرے سے غم و فکر کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ انھوں نے جلدی سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو۔؟

چونکہ ایرانی مسلمانوں پر مظالم کر رہے تھے ان مظالم کی خبریں پیہم دربار خلافت میں پہونچ رہی تھیں۔ ان اندوہناک خبروں سے خلیفہ اراکین خلافت اور تمام مسلمان مشوش و متفکر ہو رہے تھے اس لئے حضرت عمرؓ بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

قاصد نے کہا۔ میں ایران۔ سے آرہا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے۔ بے صبری سے جس میں بے چینی کا حصہ زیادہ تھا دریافت کیا۔ ایران میں مسلمانوں کا کیا حال ہے۔؟

تمام مسلمان، خود خلیفہ جواب کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ قاصد نے کہا۔
ایرانی مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کر رہے ہیں، کوئی قریہ کوئی قصبہ کوئی شہر ایسا نہیں
ہے جہاں بے گناہ مسلمانوں پردہ نشین عورتوں معصوم بچوں کو قتل نہیں کیا گیا۔
مسلمانوں کے چہروں سے یہ سنتے ہی جوش و غضب کے آثار ظاہر ہوئے عمرؓ پہلے
بے چین ہوئے پھر جوش سے کانپنے لگے انھوں نے پوچھا کیا بویب[1] کی شکست نے
ایرانیوں کے حواس درست نہیں کئے؟
قاصد۔ بویب کی شکست نے ایرانیوں کو اور برانگیختہ کر دیا اور پوران دخت[2]
کا دور حکومت ختم ہو گیا اب نوشیرواں کا پرپوتہ یزدگرد تخت نشین ہوا ہے۔ رستم[3] اور

---

[1] بویب کوفہ کے قریب دریائے فرات پر ایک مقام تھا جب ایرانیوں کی چیرہ دستیاں حد سے گزر گئیں اور مسلمانوں پر انکے مظالم عام ہونے لگے تو ایک مختصر لشکر مثنیٰ شیبانی کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا تھا اسوقت پوران دخت ایک عورت ایران کی ملکہ تھی اس نے مہران بن مہر دبہ کے ساتھ نہایت عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا بویب کے مقام پر دونوں لشکر ملے مہران بڑی شان و شوکت سے آیا تھا دوسرے دن دریائے فرات کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اگرچہ مسلمان بہت کم تھے لیکن نہایت جیداری سے لڑے مجوسیوں کو اپنی طاقت پر اپنی کثرت پر زعم تھا نہایت دلیری سے لڑے لیکن جس جوش و خروش سے مسلمان لڑے مجوسی نہ لڑ سکے نتیجہ یہ ہوا کہ مہران مارا گیا۔ ایرانی شکست کھا کر بھاگے مسلمانوں نے بڑھ کر وہ پل توڑ دیئے جس کے ذریعہ سے ایرانی دریائے فرات کو عبور کر کے آئے تھے اس سے ایرانی بھاگ نہ سکے سب کے سب بویب کے مقام پر قتل ہو گئے مورخین کا بیان ہے کہ بے شمار ایرانی اس جنگ میں قتل ہوئے تھے مدتوں کے بعد بھی جب مسافر ادھر سے گزرے تو انھوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔

[2] پوران دخت شاہی خاندان کی ایک عورت تھی چونکہ خاندان کسریٰ میں اولاد ذکور سے صرف یزدگرد باقی رہ گیا تھا اور وہ صغیر سن تھا اسلئے ایرانی درباریوں نے پوران دخت کو تخت نشین کر دیا تھا یہ عورت دل کی کمزور تھی لہو و لعب میں زیادہ مصروف رہتی تھی حکومت کرنے کے ناقابل تھی مجبوراً ایرانیوں نے اسے تخت سے اتار کر یزدگرد کو تخت نشین کر دیا تھا یہ واقعہ ۱۴ھ یا ۶۲۵ء میں ہوا۔

[3] دربار ایران میں رستم اور فیروزان با اثر، شہرہ اور بہادر سردار تھے دونوں (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

فیروز کی دیرینہ عداوتیں بھی مٹادی گئی ہیں۔ یہ دونوں سردار جلیل القدر اور شیر دل ہیں دونوں مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے متفق و متحد ہو گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کاش یہ بدبخت اپنی قوم کی فلاح اور بہبودی کے لئے اتفاق کرتے اور مسلمانوں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیتے۔

قاصد۔ ان دونوں بدبختوں نے متفق ہوتے ہی مسلمانوں کے خلاف تمام ایرانیوں کو مشتعل کر دیا ہے۔ ہر ایرانی ہر مسلمان سے نفرت کرنے لگا ہے روز روشن میں مسلمانوں کا قتل عام اسی تنفر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

عمرؓ: خدا مسلمانوں کی مدد کرے گا اب دربار ایران کے کیا ارادے ہیں۔؟

قاصد۔ ایران کا بادشاہ یزدگرد بیس سال کا نوجوان ہے جب تک پوران دخت تخت نشین رہی اسے محلوں کی چار دیواری میں قید رکھا گیا وہ حکومت اور آئین حکومت سے ناواقف محض ہے درباریوں نے اسے شطرنج بنا رکھا ہے تمام درباری اس بات پر متفق ہیں کہ عربوں کو عراق عجم سے نکال دیا جائے کوئی مسلمان حکومت ایران میں باقی نہ رہے اور پھر رستم اور فیروز لشکر لے کر حجاز پر حملہ کریں خاکم بدہن تمام مسلمانوں کو نیست ونابود کر ڈالیں۔

تمام مسلمان قاصد کی گفتگو نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے انھیں جوش آرہا تھا جوش سے ان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے حضرت عمرؓ جوش وغضب میں بھر رہے تھے انھوں نے کہا جو قوم تمرد ظلم اور فساد پر اتر آتی ہے وہ بہت جلد برباد ہو جاتی ہے انشاء اللہ ایرانی بہت جلد برباد ہو جائیں گے مثنیؓ[1] کا کیا حال ہے۔؟

(بقیہ صفحہ (۱۱) کا) حکومت میں دخیل تھے اپنا اپنا اثر ورسوخ بڑھانا چاہتے اس لئے دونوں میں نااتفاقی تھی ان دونوں کی نااتفاقی نے سلطنت کو کمزور کر رکھا تھا چنانچہ پوران دخت کو تخت سے اتار کر جب یزدگرد کو تخت نشین کیا تھا اراکین سلطنت نے رستم و فیروز سے کہا کہ تم دونوں ایک ہو جاؤ ورنہ ہم تم دونوں کا خاتمہ کر دینگے چنانچہ دونوں میں اتفاق ہو گیا یہ نفاق مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تھا۔

[1] مثنی شیبانی قبیلۂ وائلہ کے سردار تھے یہ عیسائی تھے جب حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے تو یہ دربار خلافت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے انکے مسلمان ہونیکی خبر سنکر ایرانیوں (۱۳ پر)

قاصد۔ دراصل مثنیٰ ہی کی دانشمندی اور دلیری سے ابھی ایرانی خائف ہیں ورنہ وہ کبھی کے مسلمانوں کا قتل عام کر دیتے لیکن افسوس انکی حالت نازک ہے انھوں نے میدان جنگ میں جو زخم کھائے تھے وہ بگڑتے چلے جا رہے ہیں خدا انھیں شفا عطا فرمائے۔

عمرؓ۔ خدا بہتر کرے گا۔ ایرانیوں کو اپنی بہادری پر غرہ ہے گھمنڈ ہے انشاء اللہ ان کا غرور توڑ دیا جائے گا۔

اب حضرت عمرؓ ان مسلمانوں سے جو ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے مخاطب ہوئے انھوں نے کہا۔ آپ نے قاصد کی گفتگو سن لی اب ایک اور واقعہ سنو! آج ہی۔ آج ہی کیا ابھی ایک اور شخص بھی ایران سے آیا ہے یہ بھی ایرانیوں کا ستایا ہوا ہے یہ میرے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے اسکا نام عاصم ہے اس نے جو دردانگیز واقعہ سنایا ہے اس نے مجھے سخت بے چین کر دیا ہے۔ ایرانیوں نے بلا وجہ بے قصور مسلمانوں پر دفعتاً حملہ کر کے مردوں کو قتل کر ڈالا معصوم بچوں کو چیر پھاڑ دیا اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔

عاصم کا دوست جبید اور اسکی ہمشیرہ لیلیٰ بھی گرفتار کر لیے گئے مجھے اس واقعہ کے سننے سے بے حد صدمہ ہوا ہے میں نہیں چاہتا تھا کہ ایران پر باقاعدہ لشکر کشی کروں لیکن درندہ صفت ایرانیوں کی چیرہ دستیوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں مسلمانوں کو بچانے

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا) نے انکے قبیلہ کو بھڑکا کر انکے خلاف کر دیا مثنیٰ اس خبر کو سنکر فوراً اپنے قبیلہ میں واپس آئے اور سمجھا بجھا کر تمام قبیلہ کو مسلمان کر لیا۔ ایرانیوں کو یہ بات ناگوار گزری انھوں نے قبیلہ وائلہ پر یورش کر دی مثنیٰ نے دربار خلافت سے مدد چاہی حضرت صدیقؓ کی وفات ہو گئی تھی حضرت عمرؓ فاروق خلیفہ ہو گئے تھے حضرت عمرؓ نے ابوعبید کو کچھ لشکر دیکر مثنیٰ کی مدد کیلئے روانہ کیا مثنیٰ اور ابوعبید نے مل کر ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ نمارق پر ایرانیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہو گیا ایرانیوں کے دو افسر جاپان اور مردان شاہ تھے اس معرکہ میں ایرانیوں کو شکست ہو گئی مردان شاہ مارا گیا، جاپان گرفتار ہوا جس شخص نے اسے گرفتار کیا وہ اسے پہچانتا نہ تھا جاپان نے چالاکی سے اس شخص کو دو غلام اپنے عوض میں دیکر رہائی حاصل کر لی اتفاق سے اسوقت جاپان پہچانا گیا لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے لیکن ابوعبید نے کہا کہ اسلام میں عہد شکنی جائز نہیں اگرچہ جاپان نے دھوکہ سے رہائی حاصل کی ہے لیکن وہ رہا کر دیا گیا ہے اور اب گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور پھر ایرانیوں نے یورش کی تھی اور مثنیٰ زخمی ہو گئے تھے۔ (صادق صدیقی)

شہیدوں کا انتقام لینے کے لئے ایران پر حملہ کردں۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ تمام لوگ قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اذان ختم ہوتے ہی سب اٹھے وضو کرتے چلے۔ باہر سے مسلمانوں کی آمد کا تانتا لگ گیا اذان سنتے ہی لوگ مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ لوگوں نے تمام کام بند کر دیئے۔

چشم زدن میں تمام مسجد مسلمانوں سے لبریز ہو گئی۔ جس کو جہاں جگہ ملی وضو کر کے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ سینکڑوں آدمی مسجد کے صحن میں تپتی ہوئی دھوپ میں جلتے ہوئے فرش پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ آفتاب کی تمازت، دھوپ کی حدت، فرش کی گرمی کسی بات کا بھی کسی کو خیال نہ ہوا سب نہایت اطمینان سے نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

دھوپ تیز تھی گرم ہوا کے جھونکے لوگوں کو جھلسائے دیتے تھے۔

سورج کی چمکدار شعاعیں آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھیں پسینے پر پسینے آ رہے تھے لیکن مسلمانوں کو ان میں سے کسی بات کی بھی پرواہ نہ تھی وہ اطمینان قلب اور خلوص دل سے نماز میں مشغول تھے۔

اللہ اکبر کیا زمانہ تھا۔ کیا لوگ تھے ادائے فریضہ میں کسی تکلیف کا خیال نہ کرتے تھے جانتے تھے ایک روز حشر ہونے والا ہے۔ آفتاب سوا نیزہ پر آنے والا ہے اس روز کی تپش اس زمانہ کی تپش سے ہزار گونہ بڑھی ہوگی۔ خدا کو خوش کرنے روز حشر کی تپش سے بچنے کے لیئے بے تکلف تپتی ہوئی دھوپ میں جلتے ہوئے فرش پر کھڑے ہو کر اطمینان سے نماز پڑھتے تھے۔

آج کتنے مسلمان ہیں جو اللہ اور اس کے رسول سے ڈر کر قیامت کے روز سے خوف کھا کر دھوپ میں تو کیا سایہ میں بھی پانچوں وقت جماعت کی نماز پڑھتے ہوں۔

اب مسلمانوں کے دلوں سے خدا کا خوف نکل گیا ہے۔ وہ صرف موت سے ڈرنے لگے ہیں حالانکہ ان کے بزرگ موت کا استقبال کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے اسی لیئے وہ دنیا پر بھاری تھے۔ ساری دنیا ان سے لرزتی تھی اور آج کل کے مسلمان ساری دنیا سے ڈرتے ہیں۔

مسلمانوں میں قاعدہ تھا کہ امیر یا بادشاہ خود نماز پڑھایا کرتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جماعت سے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے حضرت عمرؓ نے کاتب کو بلایا۔ حجاز کے رئیسوں کے نام خطوط لکھائے۔ تمام خطوط ایک ہی مضمون کے

تھے سب کو جہاد کی دعوت دی تھی۔ جلد سے جلد مدینہ پہونچنے کی تاکید کی تھی۔
سب کے بعد ایک خط مثنیٰ کو لکھایا اس میں لکھا کہ تم ان تمام مسلمانوں کو جو ایران کے اضلاع میں آباد ہو گئے ہیں۔ جمع کر کے حجاز کی سرحد پر لوٹ آؤ۔
عصر کے وقت تک یہ تمام تحریرات مکمل ہو گئیں رؤساء عرب کے پاس جو قاصد بھیجے جانے والے تھے وہ بھی نامزد کر دیے گئے مثنیٰ کو جو تحریر لکھی تھی وہ اس قاصد کے حوالہ کر دی گئی جو ان کے پاس سے آیا تھا اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔
چوں کہ حج کا زمانہ قریب آگیا تھا اس لئے عصر کے بعد حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ وہ جمعہ کے روز حج کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔
دوسرے روز تمام قاصد روانہ ہو گئے مثنیٰ کا قاصد بھی چلا گیا۔ عاصم کو حضرت عمرؓ نے روک لیا۔
چونکہ خلیفۂ وقت نے حج میں جانے کے لیے اعلان کر دیا تھا اس لئے اکثر لوگوں نے ان کی معیت میں چلنے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں اور نہایت بے چینی سے تاریخ معینہ کا انتظار کرنے لگے۔

تیسرا باب

"مجاہدین کا کوچ"

قاعدہ ہے کہ کوئی دن کوئی تاریخ کوئی مہینہ مقرر کیا اور آیا حضرت عمرؓ فاروق نے جمعہ کے دن حج کے لیے روانہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ جمعہ آگیا۔ چونکہ مسلمان جمعہ کی نماز سے قبل کوئی کام خرید و فروخت یا اور کسی قسم کا نہ کرتے تھے اس لئے بازار بند تھے ہر عورت، ہر مرد۔ ہر بچہ غسل کرنے، کپڑے بدلنے میں مشغول تھا۔
اس زمانہ میں جس زور و شور جس اہتمام جس شوق سے مسلمان عید کی تیاری کرتے ہیں۔ قرون اولیٰ میں اس سے زیادہ جوش اور تیاری صرف جمعہ کی نماز کے لئے کی جاتی

تھی، آنحضور صلعم نے فرمایا تھا کہ جمعہ مومنوں کی عید ہے اس لئے عید سے زیادہ جمعہ کا اہتمام ہوتا تھا لیکن اسراف کے ساتھ نہیں فضول خرچی کو گناہ سمجھتے تھے۔ سادہ اور دھلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ خوشبو لگاتے تھے اگر کسی کے پاس دھلے ہوئے کپڑے نہ ہوتے تھے تو صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے دھونے سکھانے بدلنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔

یتیم و بیکس بچوں کو ہمسایہ نہلاتے کپڑے بدلواتے اور اپنے بچوں سے پہلے انھیں تیار کر دیتے۔ رئیس۔ امیر، مفلس، غریب سب سفید سادہ ایک ہی قسم کے کپڑے پہنتے تھے نمول کا اظہار بیکار کپڑوں پر روپیہ ضائع کر کے نہ کرتے تھے۔

سب میں بے حد محبت تھی۔ اقفیت ہو یا نہ ہو صرف یہ معلوم ہو جانے سے کہ یہ شخص مسلمان ہے خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا حقیقی بھائی سے زیادہ اسکی مدارات ہوتی تھی۔

تیاریوں میں وقت گزر گیا۔ جمعہ کی اذان ہوئی لوگ فوراً مسجد کی طرف دوڑے خدا پرستوں سے مسجد لبریز ہو گئی۔ نماز پڑھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے تقریر کی کسی خاص موضوع پر تقریر نہ تھی مختلف مسائل بیان کئے عصر کا وقت آگیا۔ عصر کی نماز پڑھ کر لوگ رخصت ہو گئے جن لوگوں کو حج کے لئے جانا تھا وہ تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

عشا کی نماز پڑھ کر سب لوگ مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ باہر سینکڑوں اونٹ کھڑے تھے بعض اونٹوں پر عماریاں تھیں بعض پر دونوں طرف چھوٹی چھوٹی چارپائیاں بندھی ہوئی تھیں رات کا وقت تھا۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی ہر طرف کھیت کئے ہوئے تھی۔ چاندنی کے پرتو سے تمام چیزیں چمک رہی تھیں۔

چند عماریوں میں ام المومنین سوار تھیں۔ ایک محل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بیٹھی تھیں۔ تمام مسلمان حرم محترم کو اپنی سگی ماؤں سے زیادہ عزت کرتے تھے۔ ان کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ازواج مطہرات کی عماریوں اور محملوں کو دیکھا۔ یہ اطمینان کر کے ان کے جملہ آرام کی چیزیں موجود ہیں دوسرے مسلمان کی طرف متوجہ ہوئے۔

بعض ایسے لوگ تھے کہ ان کے پاس سواریاں نہ تھیں فوراً ان کے لئے سواریوں کا انتظام کیا گیا۔ اسی دیکھ بھال اور انتظام میں آدھی رات گزر گئی حضرت عمرؓ کا اونٹ

علیحدہ کھڑا تھا۔ غلام اس کی نکیل پکڑے ہوئے تھا۔

اس اونٹ پر کچھ خرمے تھوڑا سا جو کا ستو ایک مشکیزہ پانی کا ایک کاٹھ کا پیالہ ایک طرف کاٹھی سے بندھے ہوئے تھے۔ یہ تھا اس شہنشاہ اعظم کے کھانے اور پینے کا سامان جس سے قیصر و کسریٰ کانپ رہے تھے۔

یورپ اور ایشیا میں جس کی ہیبت کا غلغلہ تھا مسلمان جس کے ادنیٰ اشارہ پر جان و مال قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ یہ اطمینان کر کے کہ زائرین کوچ کے لئے تیار ہو گئے ہیں حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا۔

سب سے پہلے ازواج مطہرات کے اونٹ بڑھے ان سے چند قدم ہٹے ہوئے بیس ہزار سوار جوان کی حفاظت پر مامور کئے گئے تھے چلے ان کے پیچھے کعبۃ اللہ کے زائرین یا حج کرنے والے روانہ ہوئے۔

سب کے پیچھے حضرت عمرؓ پیادہ چلے ان کا غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ مسلمان انھیں رخصت کرنے کے لئے کچھ دور ان کے ساتھ چلے تقریباً تین میل چل کر حضرت عمرؓ نے انھیں رخصت کیا۔

تمام مسلمانوں نے۔ ان کے معصوم بچوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر خلیفہ یا امیرالمومنین کی مع الخیر واپسی کی دعا کی۔

حضرت عمرؓ سے لوگوں کو اس قدر محبت تھی کہ ان کی چند روزہ جدائی بھی انھیں شاق معلوم ہونے لگی۔ الوداع کہتے وقت بہت سے مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے سب لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ اونٹ پر سوار ہوئے غلام مہار پکڑ کر آگے چلا یہ بھی اور مسلمانوں میں مل گئے عرب میں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ ریگستانی ملک ہے دن میں دھوپ اور گرمی زیادہ ہوتی ہے خصوصاً ناقابل برداشت ہوتا ہے اس لئے رات کو قافلے چلتے ہیں۔

رات کو ہوا ٹھنڈی چلتی ہے دن بھر تپنے والا ریت آدھی رات کے بعد بالکل سرد ہو کر بھلا معلوم ہونے لگتا ہے خصوصاً چاندنی رات حد نگاہ تک سفید سفید چمکنے والا ریت ہی فرحت افزا معلوم ہوا کرتا ہے۔

اس قافلے والے چاندنی رات میں چمکنے والے ریت کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہو رہے تھے تقریباً پانچ میل چل کر حضرت عمرؓ اونٹ کے اوپر سے اترے انھوں

نے غلام کو اونٹ پر سوار کرایا اور خود مہار پکڑ چلنے لگے۔
دنیا کی کوئی قوم اپنے بادشاہ کا ایسا ایثار ایسی رواداری، ایسی اخوت پیش نہیں کر سکتی۔ چند میل اور چل کر صبح کی آمد کے آثار ظاہر ہوئے۔ اتفاق سے ایک نخلستان آ گیا جہاں کھجور کے درخت کھڑے تھے ایک کنواں تھا۔
حضرت عمرؓ نے یہاں قیام کر دیا سب نے ضروریات سے فراغت کر کے وضو کیا، اذان ہوئی صبح کی نماز پڑھی اور پھر روانہ ہو گئے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ آفتاب طلوع ہو گیا سورج کی آڑی ترچھی کرنیں سفید سفید ریت پر پڑ پڑ کر اسے ایسا جگمگانے لگیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا دشوار ہو گیا۔
جوں جوں آفتاب اونچا ہوتا جاتا تھا ہوا گرم ہوتی جاتی تھی دھوپ میں تمازت آ چکی تھی۔ ریت تپنے لگا تھا کچھ دور چل کر ایک اور نخلستان آیا حضرت عمرؓ نے یہاں قیام کر دیا۔ ایک طرف درختوں میں رسیاں باندھ کر چادریں ڈال دی گئیں۔
اس طرح پردہ کا اہتمام کر کے ازدواج مطہرات اور دوسری عورتوں کو پس پردہ اتارا گیا۔ مرد ایک طرف ٹھہرے سب نے کچھ کھجوریں کھائیں، کچھ ستو پیا اور فرش زمین پر چادریں بچھا بچھا کر لیٹ گئے۔
چونکہ ان سب لوگوں نے تمام رات سفر کیا تھا آنکھوں میں نیند کا خمار تھا اس لئے پڑتے ہی سو رہے۔ بڑھتے بڑھتے آفتاب نصف النہار پر آ گیا دھوپ میں اس قدر حدت بڑھ گئی کہ ہر چیز گرم ہو کر جلنے لگی۔ ریت ایسا گرم ہو گیا کہ اس پر دانے بھونے جا سکتے تھے۔
گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے چلنے لگے کھجوروں کی لمبی لمبی شاخیں جو صبح کے وقت شگفتہ اور تر و تازہ تھیں مرجھا کر جھک گئی تھیں۔ باد تند اس قدر زور و شور سے چلنے لگی تھی کہ اس کا مقابلہ ریت کے فلک نما تودے بھی نہ کر سکتے تھے۔
وہ بڑے بڑے پہاڑ جیسے تودوں کو اکھاڑ کر میلوں دور پھینک دیتی تھی ابھی ایک جگہ ریت کے انبار لگ رہے تھے۔ ابھی ہوا کے کوہ شکن جھونکے چلے تمام ریت اڑ کر میدان رہ گیا۔
گرمی اس بلا کی بڑھ گئی کہ الامان والحفیظ سارا میدان کرۂ نار بن گیا مسلمان چادریں تانے پڑے سو رہے تھے ان کے پاس ہی ان کا خلیفہ یا شہنشاہ بھی پڑا سو رہا تھا۔

ریت اڑا اڑ کر ان پر پڑ رہا تھا وہ چادر کو جھٹک جھٹک دیتے تھے۔

ان سب کے پاس ریت کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ بھلا ایسی حالت میں نیند کیا آتی تھوڑی بہت دیر سو کر اٹھے۔ ظہر کا وقت ہو گیا تھا سب نے وضو کر کے نماز پڑھی عشا کے وقت تک اسی جگہ قیام پذیر رہے۔

عشا کی نماز پڑھ چکے تھے کہ گرم ہوا بند ہوئی۔ کچھ جان میں جان آئی تیار ہو کر پھر سفر پر روانہ ہوئے اسی طرح سے دن کو ٹھہرتے اور رات کو سفر کرتے مکہ معظمہ میں پہونچے حج میں صرف چند ہی روز باقی رہ گئے تھے۔

دور دور سے مسلمان حج کرنے آئے تھے۔ مکہ کے چاروں طرف قافلے فروکش تھے تمام مسلمانوں کو خلیفہ کے آنے کی خبر پہلے ہی ہو گئی تھی سب اپنے بادشاہ کی زیارت کے مشتاق تھے۔

جس روز یہ قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا سارا مکہ تمام حاجی حضرت عمرؓ کی ملاقات اور ان کے استقبال کے لئے امڈ آئے حضرت عمرؓ کا نہایت شان دار استقبال ہوا تمام قبائل نے نہایت عقیدت سے ملاقات کی۔

آپ بھی ایک جگہ فروکش ہو گئے چونکہ آپ صرف خلیفہ ہی نہ تھے بلکہ فقیہ تھے مفتی تھے۔ مجتہد تھے علم اسرار الدین کے ماہر تھے اس لئے ہر قسم کے ذوق رکھنے والوں کا مجمع ہر وقت آپ کے گرد رہتا تھا۔

جس طرح شمع پر پروانے ٹوٹا کرتے ہیں اسی طرح شائقان زیارت ٹوٹ ٹوٹ کر آتے حضرت عمرؓ کے گرد بیٹھ جاتے اور ان کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تمام مسلمان احرام باندھے ہوئے تھے۔

سب کا ایک ہی لباس تھا ایک ہی صورت معلوم ہوتی تھی آپس میں اخوت تھی۔ ہمدردی تھی۔ سب کے سب حقیقی بھائی معلوم ہوتے تھے حج کا دن آیا طواف ہوا خطبہ پڑھا جانے لگا تمام مسلمان اطمینان اور سکون سے بیٹھ کر سننے لگے۔

مغرب کے وقت خطبہ ختم ہوا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت عمرؓ نے جہاد کے متعلق نہایت پر جوش تقریر کی۔ اس تقریر نے لوگوں کے مردہ جذبات کو زندہ کر دیا جوش کا طوفان امڈ آیا۔

سب جانتے ہیں کہ جو شخص کسی جگہ جاتا ہے وہ گھر کا گھر والوں کا انتظام اس جگہ

سے واپس آنے ہی کا کرجاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ کی تقریر نے حصول ثواب کے شوق نے جوش جہاد کے ولولہ نے کثیر التعداد مسلمانوں کو ایسا برانگیختہ کیا کہ وہ گھر کو گھر والوں کو بھول گئے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی مدینہ منورہ چلنے پر آمادہ ہو گئے حضرت عمرؓ نے آمادہ ہونے والوں سے پوچھا۔

تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار تو ہو گئے ہو لیکن گھر والوں کا بھی انتظام کر آئے ہو؟ متعدد لوگوں نے جواب دیا۔ گھر والوں کا انتظام اس خدا کے سپرد ہے جو کیڑے کو پتھر میں رزق پہونچاتا ہے۔

ہزاروں انسان ایسے ہیں جن کا کوئی وارث نہیں ان کی خبر گیری بھی خدا ہی کرتا ہے خدا ہی ہمارے گھروں کی بھی خبر گیری کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

مناسب یہ ہے کہ تم چلے جاؤ اور گھر والوں کا کچھ انتظام کر کے مدینۃ الرسول میں آجاؤ ایک شخص نے کہا یہ آپ کا مشورہ ہے تو مناسب لیکن اگر واپس جانے اور وہاں سے پھر آنے میں ہم لوگوں میں سے کوئی انتقال کر گیا تو وہ جہاد کے ثواب سے محروم رہ جائے گا۔

دوسرے اعرابی نے کہا۔ جب تک عمرؓ خلیفہ ہے ہمیں کسی بات کا فکر اور پرواہ نہیں ہے۔ حجاز کا فرمان روا مسلمانوں کا خلیفہ، دنیائے اسلام کا بادشاہ ہمارے اہل وعیال کی خبر لے گا۔

اسی قیل وقال میں عشا کا وقت ہو گیا سب نے عشا کی نماز پڑھی اور اپنے اپنے جائے قیام پر پہونچ گئے۔ آدھی رات کے بعد حضرت عمرؓ روانہ ہوئے۔ تمام مکہ سارے حاجی دور تک آپ کو رخصت کرنے آئے۔

جب آپ مدینہ منورہ سے حج کے لئے تشریف لائے تھے تو بہت کم آدمی آپ کے ساتھ تھے لیکن جب واپس چلے تو سینکڑوں مجاہدین آپ کے ساتھ ہو لیے۔

یہ سرشاران توحید کا قافلہ منزل منزل سفر کر کے مدینہ منورہ کے قریب پہونچا تمام مدینہ اس قافلہ کے استقبال کے لئے۔ امڈ آیا سب نہایت گرم جوشی سے ملے سب کے چہروں پر مسرت وشادمانی کی لہریں دوڑنے لگیں۔

مدینہ کے باہر سینکڑوں خیمے اور چھولداریاں نصب تھیں۔ حضرت عمرؓ کے خطوط رؤسائے عرب کے پاس پہونچ گئے تھے ان خطوں نے تمام عرب میں آگ

لگادی سارے رئیسوں تمام قبیلوں نے لبیک کہا۔

ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امڈ آیا۔ حضر موت۔ صدف۔ بذحج۔ قیس غیلان۔ بنو تمیم۔ رباب۔ بنی اسد کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔

ان سرفروش مجاہدین کو دیکھ کر فرط مسرت سے حضرت عمرؓ کا چہرہ چمک اٹھا جب یہ قافلہ مدینۂ منورہ میں پہونچا تو ہر شخص کا دل خوشی سے بریز ہو گیا۔ مرد، عورتیں بچے خوش خوش نظر آنے لگے۔

شہر کی تمام گلیاں سارے کوچے، سب راستے خلیفہ کی زیارت کرنے والوں سے پٹ گئے حضرت عمرؓ نے قیام کیا ساتھ آنے والے مجاہدوں کو بھی مناسب جگہ ٹھہرایا دوسرے روز ظہر کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے تقریر شروع کی۔

آپ مسجد سے باہر کھلے ہوئے میدان میں ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے مسلمان سخت ترین دھوپ میں تپتی ہوئی زمین پر حد نگاہ تک بیٹھے ہوئے تھے سب خاموش تھے ایسے خاموش کہ ہوا کی سنسناہٹ کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی آپ نے خدا کی حمد رسولؐ کی نعت، اسلام کی فضیلت بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

مسلمانو! ملک شام میں تمہارے بھائی عیسائیوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ اس جنگ کی ابتداء عیسائیوں کی طرف سے ہوئی ہے ہمارے بزرگ و محترم نبی صلعم نے حارث کو ملک شام میں سفارت پر بھیجا تھا۔ عیسائیوں نے اس سفیر کو قتل کر دیا اور ۶ھ میں تمام عیسائی ملوک نے حجاز پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا۔

چنانچہ رسول خدا صلعم خود پیش قدمی کر کے تبوک کے مقام پر پہونچے مسلمانوں کی یہ جرأت دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے لیکن وہ خفیہ طریقہ پر لڑائی کے لئے تیاریاں کرتے رہے۔

مجبور ہو کر ہم نے ان پر لشکر کشی کی۔ خدا کا شکر ہے کہ عیسائیوں کو ہر محاذ پر شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے بہت سے قلعے اور شہر فتح کر لئے صرف

ؔ از تاریخ اسلام

عیسائی ہی عربوں اور مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں بلکہ دنیا کی سب سے پرانی سلطنت فارس سخت ترین عناد رکھتی ہے۔

ایرانیوں کو زعم ہے کہ وہ ساری دنیا سے بہادر ہیں، قوی ہیں تعداد میں زیادہ ہیں شاہ پور[1] کے زمانہ میں حجاز پر حکومت کر چکے ہیں۔ عربوں کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے۔

انھوں نے مسلمانوں پر مظالم شروع کر دیئے ہیں محض یہ سمجھ کر کہ مسلمان کمزور ہیں۔ ملک شام میں لڑ رہے ہیں کوئی بے کس مسلمانوں کی مدد کرنے والا نہیں ہے لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ساری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی ہیں ایک بے کس۔ بے بس۔ مظلوم مسلمان کی حمایت کے لئے ساری دنیا کے مسلمان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ایرانیوں نے مجوسیوں نے، آتش پرستوں نے کمزور مسلمانوں کو پیس ڈالا ہے۔ مردوں کو بے دردی سے، بچوں کو شقاوت قلبی سے قتل کر ڈالا ہے۔ پردہ نشین عصمت مآب عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔

کیا مسلمان جو حقیقت میں مسلمان ہیں کمزور مسلمانوں کو پستا ہوا دیکھ سکتے ہیں؟ خدا کی قسم کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ اسلام دنیا سے ظلم و ستم مٹاتے غیر اللہ کی عبادت چھڑانے مغروروں ظالموں سنگدلوں کو سیدھا بنانے کے لئے نئی آب سے جلوہ گر ہوا ہے۔

مسلمانو! کیا تم بے گناہ مسلمانوں، بے کس مسلم بچوں عرب کی نازنین عورتوں کا انتقام لینے کے لئے تیار ہو؟

"سب طرف سے آوازیں آئیں تیار ہیں"

تمام مسلمان جوش و غضب میں بھر گئے غصہ سے سرخ ہو گئے۔ اور آنکھیں لال ہو گئیں خود حضرت عمرؓ کو بے حد جوش آ گیا آپ نے پر جوش لہجہ میں کہا۔

---

[1] شاہ پور ساسانی خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا اس نے حجاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ تمام عرب اس کے مطیع ہو گئے تھے۔ (از الفاروق)

میں ایران پر لشکر کشی کرنا نہ چاہتا تھا لیکن بے گناہ مسلمانوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے گرفتار شدہ عورتوں اور عاصم کے دوست بلیدہ کو رہائی دلانے کے لئے اب یورش کا ارادہ کر لیا ہے، ملوک عجم کا خوف کیانیوں کا دبدبہ، ایرانیوں کی بہادری میرے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ میں خود اس لشکر کے ساتھ چلوں گا یا تو خدا ایرانیوں پر عربوں کو فتح کامل عطا کرے گا۔ فارس سے کبر و نخوت ظلم و ستم کا جنازہ نکل جائے گا آتش پرستی سرد پڑ جائے گی یا مسلمان ہمیشہ کے لئے ایرانیوں کے محکوم ہو جائیں گے۔

حجاز فارس کا ایک صوبہ بن جائے گا۔ یہ جنگ حجاز و فارس کی فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ ملت اسلام پر مٹنے والو تیار ہو جاؤ اسلام کی عزت برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کی حمایت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مل لو جی بھر کے مل لو۔ الوداعی ملاقات کر لو اور کل عشا کی نماز پڑھ کر جہاد کے لیے چلو۔

اس تقریر نے لوگوں کے جوش کو ہیجان کے درجہ پر پہونچا دیا ہر شخص جہاد پر جانے کے لئے تیار ہو گیا خصوصاً اس وجہ سے کہ خلیفہ نے اس مہم پر خود جانیکا اعلان کر دیا تھا۔ یہ تقریر عصر کے وقت ختم ہوئی سب نے جماعت سے عصر کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر نہایت خلوص اور رجوع قلب سے فتح یابی کی دعا مانگی۔

اس کے بعد سب لوگ منتشر ہو کر اپنی اپنی قیام گاہوں پر پہونچ گئے لوگوں نے نہایت جوش اور شوق سے جہاد پر جانے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں وہ رات اور دوسرا دن تیاریوں میں گزر گیا۔

عشا کی نماز سے پہلے ہی مجاہدین روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے نماز پڑھتے ہی مجاہدین کو مدینہ منورہ سے باہر نکل کر صف بستہ ہونے کا حکم ہو گیا۔ لوگ جوق جوق شہر سے باہر نکلنے لگے تمام گلیوں کوچوں اور سڑکوں پر آدمی بکھرے ہوئے تھے سب کے سب نہایت تیزی سے شہر سے باہر جا رہے تھے۔

ان لوگوں میں مجاہدین بھی تھے اور انھیں رخصت کرنے والے بھی، بڈھے بھی تھے اور بچے بھی۔ جو مجاہدین اہل و عیال سمیت جا رہے تھے ان کی عورتیں بھی

تھیں آدھی رات تک لوگوں کی آمد جاری رہی۔

چونکہ چاندنی کی بسلی تاریخیں تھیں اس لئے اس وقت چاند نکل آیا تھا تمام کائنات چاندنی میں چمکنے لگی تھی۔ آج ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے سارے دن دھوپ کی تمازت سے تپنے والا ریت سرد ہوتے ہوتے بالکل ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ریت کے ذرے، چاند کی روشنی میں چمک کر نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ مجاہدین صف بستہ ہو گئے تھے سب سے آگے چار چار اونٹوں کی قطاریں تھیں چونکہ مجاہدین زیادہ تھے اس لئے ہر اونٹ پر دو دو آدمی سوار تھے۔

کاٹھی کے دونوں جانب ستو اور خرموں کے تھیلے بندھے لٹک رہے تھے آگے پانی کی چھاگلیں اور مشکیزے تھے پیچھے کی جانب اوڑھنے بچھانے کے لئے چادریں بھی بندھی تھیں۔ اونٹوں کے پیچھے چار چار کی قطاریں گھوڑے تھے۔

گھوڑوں پر صرف ایک ایک آدمی سوار تھا تمام مجاہدین ہتھیاروں سے مسلح تھے البتہ زرہ بکتر بہت کم لوگوں کے پاس تھیں عربوں کے نیزے چھوٹے چھوٹے تھے لیکن ان کی انیاں نہایت تیز اور صیقل کی ہوئی تھیں۔ تیر بہت ہی چھوٹے تھے لیکن ان کے پر صاف اور نوکدار تھے۔

اکثر مجاہدین کے میان بوسیدہ اور دریدہ تھے مگر تلواریں نہایت صاف اور باڑھ رکھی ہوئی تھیں اونٹ والوں کے برابر دائیں طرف پیدل چار چار کی قطار میں کھڑے تھے۔ سبز یمنی چادر کا علم زمین میں گڑا ہوا لہلہا رہا تھا اس اسلامی علم کو دیکھ دیکھ کر مجاہدین کے دلوں میں جوش و ولولہ کا دریا موجزن ہو رہا تھا۔

مجاہدین کے دونوں جانب سڑک کے کناروں پر مجاہدین کو رخصت کرنے والے مسلمانوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے کچھ مسلمان مجاہدین کو شربت اور ستو پلاتے پھر رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں حضرت عمرؓ تشریف لائے ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور چند اور جلیل القدر صحابی تھے خلیفہ کو دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا فلک بوس نعرہ لگایا۔ اس نعرہ سے تمام میدان گونج گیا۔

حضرت عمرؓ نے آتے ہی دریافت کیا۔ کیا مجاہدین کوچ کے لیے تیار ہو گئے؟
چند لوگوں نے متفق اللفظ ہو کر کہا۔ تیار ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے توحید پرستو! اسلام کے درخت کو اپنے خون سے سینچنے والو! میں مجاہدین کے ساتھ محاذ جنگ پر جا رہا ہوں میری عدم موجودگی میں خلافت کے کام کو بدستور چلانے کے لئے میرے جانشین کی ضرورت ہے میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو قائمقام خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ میری واپسی تک ان کا حکم مانو اور ان کے احکام کی تعمیل کرو۔

مسلمانو! مسلمان وہی ہے جو اسلام اور احکام اسلام کا احترام کرے شریعت کا پابند ہو۔ صرف مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے یا گوشت کھانے سے مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا مسلمان وہ ہے۔ جو اسلام کے لئے مٹ جائے۔ خدا اور خدا کے رسول کے احکام کی سختی سے پابندی کرے۔

جب تک تم قرآن شریف اور احادیث پر عمل کرو گے آل رسول کا احترام کرو گے کبھی ذلیل نہ ہو گے۔ تمام مسلمانوں نے نہایت غور سے حضرت عمرؓ کی اس مختصر تقریر کو سنا سب نے لبیک کہا۔

اب حضرت عمرؓ بڑھے آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر علم اٹھا کر ہاتھ میں لیا اونٹ پر سوار ہوئے اور تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اونٹ کو اشارہ کیا۔

وہ چلا! اس کے پیچھے پیدلوں کے دستے روانہ ہوئے پیدلوں کے بعد اونٹ سوار چلے ان کے عقب میں گھوڑ سوار بڑھے۔ قرون اولے میں یہ قاعدہ تھا کہ علم سردار اپنے ہاتھ میں لیتا تھا اور جب تک لشکر تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ نہ لگاتا اس وقت تک لشکر روانہ نہ ہوتا نہ لڑائی کے وقت حملہ کیا جاتا۔

اس زمانہ میں اسلامی لشکر میں باجے نہ ہوتے تھے۔ باجوں کی سخت ترین ممانعت تھی۔ مجاہدین اسلام کا لشکر نہایت شاندار طریقہ پر روانہ ہو رہا تھا مسلمان جوش میں ڈوبے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

رخصت کرنے والوں کے دلوں میں بھی جوش کی لہر دوڑ گئی۔ ان میں سے بھی اکثر لوگ بلا ارادہ کے لشکر کے پیچھے پیادہ ہی روانہ ہو گئے۔ جب سرفروش مسلمانوں اور مجاہدوں کا یہ لشکر دور نکل گیا اور گرد و غبار نے اس لشکر کو اپنے دامن میں چھپا لیا تو مدینہ کے رہنے والے اس لشکر کی فتح یابی کی دعا مانگ کر واپس لوٹ گئے۔

چوتھا باب
اہل مدینہ کا اضطراب

آج تک کسی مہم پر کوئی خلیفہ نہیں گیا تھا۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر خلیفہ وقت نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی دارالسلطنت میں بیٹھ کر احکام صادر کرتے رہے۔ مجاہدین بھیجتے رہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فارس کی مہم پر خود خلیفہ روانہ ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ نہایت جوشیلے تھے۔ بہادر تھے۔ تجربہ کار تھے سینکڑوں لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے۔ خلقی بہادری طبعی جوش۔ ضرورت سے زیادہ مآل اندیشی سب سے زیادہ مسلمانوں کی محبت نے انھیں اس مہم پر جانے کے لیے مجبور کر دیا۔ دوسرے دن جب مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ کو نہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں زمانہ تاریک ہو گیا۔

سب بے چین ہو گئے۔ تلملا گئے۔ انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے یکایک آفتاب ان کے سامنے سے روپوش ہو کر تیرہ و تار بادل چھا گیا۔ بحر ظلمات کی سی سیاہی پھیل گئی۔ آنکھیں ہیں۔ دیکھتی ہیں لیکن کچھ نظر نہیں آتا۔

بعض رقیق القلب لوگ یا حضرت عمرؓ سے بے حد محبت رکھنے والے چشم پر آب ہو گئے سب سے زیادہ متاثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے۔

سب چپ تھے سب کے دل گداز ہو رہے تھے۔ ہمیشہ لوگ نماز پڑھتے ہی چلے جایا کرتے تھے لیکن آج کوئی نہیں اٹھا سب چپ چاپ بیٹھے ایک دوسرے کو پُر بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کیا ہم امیر المومنین کی جدائی برداشت کر لیں گے؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ مجھے خوف ہے کہ برداشت نہ

کر سکیں گے عبدالرحمٰن نے جوش میں آکر کہا۔ خدا کی قسم ہرگز برداشت نہ کر سکیں گے
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام مسلمان ملول و غمگین ہیں۔
علی کرم۔ میرے خیال میں حضرت عمرؓ کو واپس لانا ضروری ہے۔
عثمانؓ۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اور عبدالرحمٰن ان کی خدمت میں حاضر ہو کر
انھیں واپس لانے کی کوشش کریں۔
علی کرم۔ ضرور جاؤ اور جس طرح بنے انھیں واپس لاؤ۔
ان تینوں بزرگوں کی اس گفتگو کو تمام مسلمانوں نے سنا سب کے دلوں میں مسرت
کی ایک ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی۔
عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ اٹھے جس وقت یہ دونوں مسجد سے باہر آئے ایک ادھیڑ عمر
کی عورت دروازہ پر ملی۔ اس نے اپنا چہرہ چادر سے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ سوائے
آنکھوں کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔
جب عثمانؓ اس عورت کے قریب پہونچے تو اس نے کہا۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔
حضرت عثمانؓ کھڑے ہو گئے انھوں نے کہا۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟
عورت۔ کیا امیر المومنین فارس کی لڑائی پر روانہ ہو گئے؟
عثمانؓ۔ ہاں! وہ رات چلے گئے۔
عورت۔ کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی کسی مہم پر گئے تھے؟
عثمانؓ۔ نہیں۔
عورت۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ کو کیوں جانے دیا؟
عثمانؓ۔ فارس کی مہم نہایت زبردست ہے اہل عجم بہادر ہیں فنون جنگ سے
پورے ماہر ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لیے حضرت عمرؓ ہی جیسے پختہ کار کی ضرورت تھی
عورت۔ گویا مسلمانوں میں حضرت عمرؓ سے زیادہ بہادر، زیادہ تجربہ کار
کوئی نہیں ہے۔
عثمانؓ۔ بہت ہیں لیکن حضرت عمرؓ خود ہی اس مہم پر روانہ ہوئے ہیں۔
عورت۔ آپ کو معلوم ہے کہ صرف امیر المومنین کے نہ ہونے سے مدینۃ الرسول
پر کیسی اداسی چھا رہی ہے۔ عورتیں اور بچے کس قدر غمگین ہیں۔ وہ بیوائیں اور یتیم
جن کی امیر المومنین خدمت کیا کرتے تھے کس قدر بے چین ہیں۔

عثمانؓ۔ مجھے ان باتوں کا احساس ہے۔

عورت۔ آپ نے شہر کے بازار دیکھے ہیں۔ سب بند پڑے ہیں ایک دکان بھی نہیں کھلی ہے۔ سارے شہر پر ماتم کا سا سکوت چھایا ہوا ہے۔

عثمانؓ۔ میں بازار میں نہیں گیا۔ لیکن قرائن کہتے ہیں کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو سارے مسلمان غمزدہ مسجد میں بیٹھے ہیں۔ بازار کون کھولتا اور بازاروں میں خریدنے کے لئے کون جاتا۔

عورت۔ مجھے خوف ہے کہیں غمزدہ مسلمانوں کے دل نہ الٹ جائیں۔ امہات المومنین سب پریشان ہیں کوئی بھی اس وقت تک مصلے پر سے نہیں اٹھی ہیں حرم محترم پر سخت افسردگی چھائی ہوئی ہے۔

عثمانؓ۔ چونکہ تمام مسلمان اپنے خلیفہ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں اس لئے ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔

عورت۔ یہی بات ہے۔ چلئے آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ[1] نے یاد فرمایا ہے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن دونوں اس عورت کے پیچھے چل پڑے قریب ہی ام المومنین کا مکان تھا۔ مکان پر پہونچ کر دونوں بزرگ دروازہ پر رک گئے۔ عورت اندر داخل ہوئی۔ تھوڑی دیر میں وہ آئی اور ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر مکان کے اندر داخل ہوئی۔

مکان نہایت معمولی اور کچا تھا صرف دو حجرے تھے دونوں میں کھجور کی چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا تھا ایک حجرہ کے دروازہ پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے سمجھ لیا کہ چادر کے پیچھے ام المومنین تشریف فرما ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول خدا کی پیاری بیوی تھیں آپ کے ادنیٰ اشارہ پر عالیشان قصر تیار ہو سکتے تھے۔ دنیا کا بہترین آرائشی سامان ان قصروں میں لاکر رکھا جا سکتا تھا۔ آپ سادہ مزاج تھیں۔ آنحضور کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ کبھی آپ

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی پیاری بیٹی اور آنحضرت صلعم کی سب سے چھوٹی بیوی تھیں آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں نوجوان تھیں نہایت سمجھدار اور زود فہم تھیں۔ (صادق صدیقی)

کی نظر دنیا کے ساز و سامان کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ جانتی تھیں حیات چند روزہ ہے قیامت لازمی ہے۔ خدا کے سامنے ضرور پیش ہوتا ہے۔ اعمال کا حساب دینا ہے اس لیے آپ کی توجہ سوائے روزہ نماز یا احادیث شریف بیان کرنے کے اپنے آرام و آسائش کی طرف مائل نہ تھی۔

آج مسلمانوں کی کتنی امیر عورتیں ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نقش قدم پر چلتی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے لئے حجرہ کے دروازہ سے باہر ایک چٹائی بچھادی گئی۔ دونوں چٹائی پر نہایت اطمینان سے بیٹھ گئے۔

یہ بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف روسائے عرب سے تھے۔ کافی مالدار تھے، صحابی تھے تمام مسلمان آپ کی عزت کرتے تھے لیکن اسلام کی سادگی نے آپ کو بھی سادہ وضع ہی میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور آپ سادہ طریقہ پر رہتے تھے۔

حضرت عثمانؓ بہت زیادہ مالدار تھے۔ شہر کے نہیں حجاز کے چیدہ رئیسوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ چونکہ عرب کے اندر پانی بہت دور تہ میں جاکر نکلتا ہے اس لیے وہاں کنواں بنوانا آسان نہیں ہے۔ بڑی لاگت لگتی ہے آپ نے آنحضورؐ کے ارشاد کے مطابق کئی کنویں بنوائے تھے۔

جب مجاہدین کسی مہم پر جاتے اور کسی مجاہد کے پاس سواری یا آلات حرب نہ ہوتے تو آپ خرید دیا کرتے تھے۔ باوجود اس قدر متمول ہونے کے آپ اسلامی شان کے ساتھ نہایت سادہ طریقہ پر رہتے تھے۔ خود خرید و فروخت کرتے تھے مسلمان بہت زیادہ آپ کی عزت اور آپ سے محبت کرتے تھے۔

جب دونوں بزرگ بیٹھ گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے ارشاد فرمایا! میں دریافت کرتی ہوں آج آفتاب پر اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ مدینۃ الرسول کی گلیاں ویران کیوں پڑی ہوئی ہیں۔ لوگوں پر رنج و غم کے بادل کیوں چھا گئے ہیں؟

حضرت عثمان نے جواب دیا۔ اس لئے کہ امیر المومنین اس شہر سے چلے گئے ہیں۔

عائشہؓ۔ آپ نے کیوں جانے دیا۔

عثمانؓ۔ اس وقت مجھے یہ خیال نہیں ہوا تھا کہ انکی جدائی اسقدر شاق گزرے گی۔

عائشہؓ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سی بیوائیں جن کی خدمت حضرت عمرؓ بجالاتے

سے سخت غمگین ہیں۔ میرے خیال میں خلیفہ کی جدائی کوئی شخص بھی برداشت نہیں کر سکتا۔
عثمان۔ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ تمام مسلمان خلاف معمول نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے رہ گئے ہیں اس وقت تک ایک شخص بھی مسجد سے باہر نہیں نکلا۔
عائشہؓ۔ جب یہ بات ہے تو آپ نے کیا سوچا ہے۔؟
عثمانؓ۔ میں اور بھائی عبد الرحمنؓ خلیفہ کے حضور میں جا کر انھیں واپس لانے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔
عائشہؓ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ جلدی جاؤ کہیں وہ دور نہ نکل جائیں۔
عثمانؓ۔ آج ان کا قیام چشمۂ ضرار پر رہے گا۔
عائشہؓ۔ چشمہ ضرار تو قریب ہی ہے۔
عثمانؓ۔ جی ہاں! قریب ہی تقریباً ۴ میل ہے۔
عائشہؓ۔ بس تو جائیے اور جس طرح ہو انھیں واپس لائیے۔ میری طرف سے بھی ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اگر میری عزت کرتے ہیں۔ اگر مجھے ام المومنین سمجھتے ہیں تو واپس لوٹ آئیں۔ یہ بھی کہہ دینا کہ اگر وہ واپس نہ آئے تو خدا کی قسم روز حشر آنحضور صلعم سے ان کی شکایت کروں گی۔
یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور عبد الرحمنؓ دونوں سخت متاثر ہوئے دونوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ اب ان کے واپس آنے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اول تو آپ کا حکم ہی ان کے لیے کافی تھا اور پھر یہ تہدید آمیز دھمکی جو آپ نے دی ہے انھیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گی۔
عائشہؓ۔ اچھا! آپ جائیے میں بے چینی سے آپ کے آنے کا انتظار کروں گی۔
حضرت عثمانؓ اور عبد الرحمنؓ کھڑے ہو گئے۔ دونوں مکان سے باہر آئے اور اپنے اپنے مکان پر پہونچ کر مسلح ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ سے نکل کر چشمۂ ضرار کی جانب روانہ ہوئے۔

پانچواں باب
خلیفہ کی واپسی

مجاہدین اسلام کا لشکر نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ خلیفہ وقت کی سرکردگی میں روانہ ہوا تھا۔ تمام مسلمانوں میں بے حد جوش پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص پیشۂ شجاعت کا شیر بن گیا تھا۔ چونکہ ایرانیوں کی دھاک ساری دنیا پر بیٹھی ہوئی تھی۔ انکی بہادری کا لوہا کل عالم مانے ہوئے تھا۔ رستم و اسفندیار کی بہادری کی داستانیں اب تک زبان زد خاص و عام تھیں۔

ملک شام کی عیسائی سلطنت پر انھوں نے فتح پائی تھی۔ جس ملک کی طرف وہ رخ کرتے تھے اسے یا تو تباہ کر دیتے تھے یا اپنا محکوم بنا لیتے تھے۔ اس لیے ان سے ہر سلطنت خائف رہتی تھی۔ کسی کو ان کے سامنے پڑنے کی جرأت نہ ہوتی تھی مسلمانوں نے ایران پر لشکر کشی کا اعلان کر دیا اس کی شہرت دور دور تک پہونچ چکی تھی دنیا نے حیرت سے اس خبر کو سنا تھا۔

بات یہ تھی کہ آنحضور صلعم کی بعثت سے قبل عربوں کی حالت نہایت مبتذل تھی دنیا بھر کے عیوب ان میں موجود تھے۔ سب سے زیادہ تباہ کن خانہ جنگی تھی۔ بات بات پر آپس میں کٹ مرتے تھے۔ اس نا اتفاقی کی وجہ سے ان لوگوں کا جو ان پر چڑھ کر آتے تھے متحد ہو کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے شکست کھاتے اور دشمنوں کے حلقہ بگوش ہو جاتے۔

جب آنحضور صلعم مبعوث ہوئے آپ کی تعلیم نے عربوں کو مسخر کر لیا تو خانہ جنگی اور نااتفاقی کی جڑ کٹ گئی۔ بہت جلد تمام قبائل میں اتفاق ہو گیا عربوں میں ہزار عیب تھے لیکن شجاعت میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا لڑ کر کٹ مرنا جانتے تھے پسپا ہونا انھیں نہ آتا تھا اسی لیے اسلامی علم کے نیچے انھوں نے وہ کارہائے نمایاں کئے جن کو دیکھ اور سن کر دنیا حیران رہ گئی۔

جب اقصائے عالم میں عربوں کی ایران پر لشکر کشی کی خبر مشہور ہوئی تو ساری دنیا

کی نگاہیں اس جنگ کی طرف لگ گئیں۔ کئی سلطنتوں نے واقعات جنگ معلوم کرنے کیلئے میدان جنگ کی طرف اپنے آدمی روانہ کئے۔

مجاہدین اسلام بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ روانہ ہوئے انھوں نے چشمہ ضرار پر جا کر قیام کیا۔ یہ چشمہ مدینۂ منورہ سے صرف ۴ میل کے فاصلہ پر تھا جو قافلہ یا لشکر اس طرف سے گزرتا تھا وہ مدینۃ الرسول سے چل کر اسی جگہ قیام کرتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی یہاں قیام کر دیا۔

خیمے نصب کر دئیے گئے۔ لشکر اسلام دور تک فروکش ہو گیا۔ مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ دیکھا جاتا ہے کہ جب لشکر کشی ہوتی ہے تو سپاہیوں کے چہرے موت کے خوف سے پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ اکثر پلٹنیں اور رسالے مارے باندھے سے محاذ جنگ پر جاتے ہیں۔

سپاہی۔ افسر۔ سردار سب متفکر ہو جاتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایک شخص بھی متفکر نہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ تنخواہ دار فوج مجبوراً میدان جنگ میں جاتی ہے مجاہدین تنخواہ دار نہیں تھے وہ اپنی خوشی سے بلا کسی جبر و اکراہ کے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے تھے انھیں فکر کس بات کا ہوتا۔

جب آفتاب نصف النہار کے قریب پہونچ گیا دھوپ تیز ہو گئی۔ گرم ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ ریت گرم ہو کر تپنے لگا۔ بگولے اڑنے لگے۔ ریت کے سفید ذرات چمک کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے۔ تو مدینہ کی طرف سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔

مسلمانوں نے اس غبار کو دیکھا۔ وہ دم بدم قریب ہوتا جاتا تھا۔ سب کی نگاہیں اس طرف لگ گئیں۔ حضرت عمرؓ ایک درخت کے نیچے کمبل کے فرش پر بیٹھے تھے آپ بھی اس غبار کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آپ نے کہا۔ غالباً یہ چند سوار آ رہے ہیں۔ شاید دو سوار ہیں۔

آپ کے پاس زہرہ[۱] بن عبداللہ۔ سلمان فارسیؓ[۲]۔ شرجیل بن السمط[۳]۔ زیادؓ بن ابی سفیان اور کئی دوسرے مشہور اعرابی بیٹھے تھے۔ زہرہ نے کہا۔ معلوم تو دو ہی سوار ہوتے ہیں

---

[۱] زہرہ زمانہ جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ تھے۔ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے اس مہم کے لئے بڑے جوش و شوق سے آئے تھے [۲] سلمان فارسیؓ (بقیہ ۳۳ صفحہ پر)

حضرت عمرؓ غور سے دیکھ رہے تھے انھوں نے کہا میرا دل کہتا ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک عثمانؓ ہیں۔ ابھی تک آنے والے گرد وغبار کے دامن میں چھپے ہوئے تھے یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کتنے آدمی ہیں اور کون کون ہیں۔

سلمانؓ نے کہا ممکن ہے آپ کا قیاس صحیح ہو لیکن عثمانؓ کو آنے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ یہ خدا ہی جانتا ہے شائد ملک شام سے کوئی تازہ خبر آئی ہو۔

ملک شام میں عیسائی مسلمانوں سے لڑ رہے تھے۔ اکثر وہاں سے قاصد آتے رہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں گرد وغبار کا دامن چاک ہوا آنے والے صاف نظر آنے لگے یہ دو ہی سوار تھے۔ مسلمان ان دونوں سواروں کو بڑے غور سے دیکھنے لگے۔

جب وہ قریب آئے تو جاننے والوں نے پہچان لیا۔ یہ دونوں حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ تھے۔ تمام مسلمان ان دونوں کو دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور متعجب بھی تھے۔

دونوں نہایت تیزی سے گھوڑے دوڑائے چلے آرہے تھے۔ حضرت عمرؓ اس طرح ان دونوں کو آتے دیکھ کر مضطرب ہو گئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے کہا۔ خدایا خیر کیجو کہیں مسلمانوں پر کوئی نئی افتاد تو نہیں پڑ گئی۔

اب عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ بہت قریب آگئے تھے دونوں پسینہ میں شرابور تھے گرد وغبار میں اٹے ہوئے تھے۔ لشکر کے قریب آکر دونوں گھوڑوں سے اترے اور حضرت عمرؓ کی جانب بڑھے

حضرت عمرؓ کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ آپ کو خوف ہو گیا تھا کہ کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے جو یہ دونوں بزرگ گھبرائے تیزی سے آرہے ہیں آپ ان دونوں کی طرف بڑھے آپ کے ساتھ آپ کے پاس بیٹھنے والے بھی بڑھے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ وہ دونوں پاس آگئے ان میں سے حضرت عثمانؓ نے کہا۔

السلام علیکم یا امیر المومنین۔ آپ نے فوراً جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

(بقیہ صفحہ ۳۲) فارس کے رہنے والے تھے آپ ایران سے چل کر رسول خدا کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے مشہور صحابی تھے ؎۲ شرجیل نہایت بہادر اور مشہور آدمی تھے ؎۳ زیاد بہادر بھی تھے اور بہترین منشی بھی۔ تمام عرب میں آپ کی شہرت تھی۔ (صادق صدیقی)

کیسے خیریت تو ہے؟ عثمانؓ نے کہا۔ سب طرح سے خیریت ہے فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔
عمرؓ۔ لیکن تم اس کڑکتی دھوپ میں باد تند کے طوفان میں گھبرائے ہوئے کیوں آ رہے ہو۔؟
عثمانؓ۔ دریں تیز گرمی۔ بدن کو جھلسا دینے والی ہوا سے بچنے کے لئے
عمرؓ۔ آؤ بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔
سب چلے حضرت عمرؓ کو قدرے اطمینان ہوا لیکن یہ فکر بدستور رہا کہ یہ دونوں اس وقت آئے کیوں۔
سب چل کر اس جگہ پہونچے جہاں حضرت عمرؓ پہلے سے درخت کے نیچے بیٹھے تھے سب کمبل پر بیٹھ گئے۔ گھوڑے ایک طرف کھڑے کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ اب بتاؤ تم کیسے آئے ہو؟
عثمانؓ نے کہا۔ آپ مدینۃ الرسول کی مسرت وشادمانی اپنے ساتھ کیوں لے آئے ہیں؟ حضرت عمرؓ کو حیرت ہوئی انھوں نے پوچھا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں سمجھا
حضرت عثمانؓ نے کہا آج تمام مدینہ پر اداسی چھائی ہوئی ہے سارے مسلمان متفکر اور غمگین ہیں۔ بازار بند ہیں۔ کاروبار معطل ہیں بچے گھروں میں مرد مسجدوں میں۔ عورتیں زنان خانوں میں پریشان اور اداس بیٹھی ہیں۔
عمرؓ۔ کس وجہ سے؟
عثمان۔ محض آپ کے نہ ہونے کی وجہ سے۔
عمرؓ۔ یہ بڑی غلطی کی بات ہے لوگوں سے کہدو کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہا ہے، میں بھی نہیں رہ سکتا۔ جب میرے عارضی طور پر چلے آنے سے وہ اس قدر پریشان اور غمزدہ ہیں تو میرے مرنے کے بعد کیا حال ہوگا۔
عثمانؓ۔ اس وقت سب کو صبر آجائے گا۔
عمرؓ۔ آج ہی سے صبر کرنا سیکھ لیں۔
عثمانؓ۔ یہ ناممکن ہے۔
عمرؓ۔ میں میدان جنگ کا عزم کر چکا ہوں میرا جانا ضروری ہے۔
عثمانؓ۔ اگر آپ عذر کریں تو سخت نقصان دہ ہے۔
عمرؓ۔ کس وجہ سے!

عثمانؓ۔ اس لئے کہ آپ خلیفہ ہیں۔ مسلمانوں کے بادشاہ ہیں اگر آپ کے سامنے خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست ہو تو ایک طرف تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے دوسری طرف غیر مسلموں کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور اگر آپ کی عدم موجودگی میں شکست ہو تو مسلمانوں کو یہ اطمینان رہے گا کہ خلیفہ ان کی اعانت کریں گے اور دشمنوں کو یہ خیال رہے گا کہ مسلمانوں کا بادشاہ اس شکست کا انتقام لے گا۔

زہرہؓ نے کہا۔ آپ یہ درست کہتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ امیرالمومنین نہایت بہادر، نہایت مدبر، نہایت تجربہ کار ہیں۔ ان کی موجودگی سے مسلمانوں کے دل قوی حوصلے بڑھے ہوئے۔ ولولے قائم رہیں گے ان کے واپس جانے سے خوف ہے کہیں وہ دل شکستہ نہ ہو جائیں۔

عبدالرحمنؓ نے کہا مسلمانوں میں جوش ہے۔ جرأت ہے۔ ولولہ ہے لڑائی کی امنگ ہے ان کے دل شکستہ ہونے کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔

سلمان فارسیؓ نے کہا۔ بیشک مسلمان بہادر ہیں لڑائی سے منہ پھیرنے والے نہیں۔ اکثر لوگوں میں شریک ہو کر فتحیاب ہو چکے ہیں۔ لیکن ایرانی بھی بہادر ہیں ان کی دھاک تمام دنیا پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اگر امیرالمومنین مسلمانوں کے ساتھ ہوں گے تو شکست کا امکان بہت کم ہے اور اگر آپ ساتھ نہ ہوں گے تو اندیشہ ہے کہ کہیں مسلمانوں پر ایرانیوں کا رعب غالب نہ آ جائے۔

عثمانؓ نے جوش میں آکر کہا۔ یہ ناممکن ہے کہ مسلمان ایرانیوں سے ڈر جائیں۔ وہ زمانہ لد گیا جب عرب والے عجمیوں سے ڈر جاتے تھے۔

سلمانؓ۔ یہ بات سچ ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ایرانی ہمارے مقابلہ میں کس شان و دبدبہ سے آنے والے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک پوری جمعیت سے مقابلہ کریں گے۔ بہترین لڑنے والوں کو بہترین ساز و سامان سے ہمارے مقابلہ میں لایا جائے گا۔ یہ جنگ معمولی نہ ہوگی اس جنگ پر ایک قوم کی لازوال فتح اور دوسری قوم کی دائمی بربادی کا انحصار ہے۔

عبدالرحمنؓ۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ میں کیا دنیا اس بات کو سمجھتی اور جانتی ہے کہ ایرانی اپنی پوری جمعیت سے سارے ملک کے چیدہ بہادروں کو لاکر ہمارا مقابلہ کریں گے۔ لیکن غور کرو اگر خدانخواستہ امیرالمومنین کی موجودگی میں ایسا ہوا تو مسلمانوں کو خلیفہ کی

تقویت رہے گی۔ دربار خلافت سے فوجیں جائیں گی اور انشاء اللہ ایک روز ضرور ایران کو فتح کر کے رہیں گی۔

سلمانؓ۔ بے شک، یہ آپ کا خیال صحیح ہے۔

عثمانؓ۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ صرف ایرانیوں ہی سے نہیں ہے بلکہ رومی (عیسائی) بھی لڑ رہے ہیں اس لئے خلیفہ کی موجودگی میدان جنگ سے زیادہ دارالخلافہ میں نہایت ضروری ہے۔

زبیرؓ۔ میرے خیال میں بھی امیر المومنین کا اس مہم پر جانا مناسب نہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ مناسب ہو یا نہ ہو میں نے ایرانیوں کے مقابلہ کا ارادہ کر لیا ہے اور میں اپنے ارادہ سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

عثمانؓ۔ لیکن آپ نے اس بات کو تو سمجھ لیا ہے کہ میدان جنگ سے زیادہ آپ کی موجودگی کی دارالخلافہ میں ضرورت ہے۔

عبدالرحمٰنؓ۔ بے شک، یہ آپ صحیح فرماتے ہیں لیکن مصلحت وقت یہی ہے کہ آپ تشریف نہ لے جائیں۔

عثمانؓ۔ سنیے! اگر آپ اپنی بات پر قائم رہے تو سارے مدینہ والے۔ ہم سب آپ کے جلو میں چلیں گے۔ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔

عمرؓ۔ یہ مناسب نہیں! جب دنیا کو یہ معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کا دارالخلافہ خالی ہو گیا تمام لوگ ایران پر چڑھ کر چلے گئے تو دشمنوں کو طمع ہو گی اور وہ مدینۃ الرسول پر چڑھ دوڑیں گے۔

عثمانؓ۔ یہی اندیشہ خلیفہ کے دارالخلافہ سے چلے جانے پر ہے۔

حضرت عمرؓ نے سر جھکا لیا اور غور کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے پھر کہا۔ آپ غور کر لیجئے آپ کا محاذ جنگ پر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے سر اٹھا کر کہا۔ اچھا آج عصر کے وقت تمام مسلمانوں سے استصواب کر لو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو بھی بلا لو۔ اگر تمام مسلمان میرے نہ جانے پر متفق ہو لیا تو میں نہ جاؤں گا۔ یہ سن کر عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ کو قدرے مسرت ہوئی فوراً ایک سوار حضرت علی کرم کے پاس دوڑایا گیا۔ جب آفتاب نصف النہار پر آگیا تو اسلامی لشکر نے کھانا کھایا۔ حضرت عمرؓ اور ان کے پاس بیٹھنے والوں نے بھی کھانا کھایا۔ کھانا کیا

تھا۔ کھجوریں اور ستو تھا۔ کھانا کھا کر سب لوگ آرام کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد لشکر میں ظہر کی اذان ہوئی۔ سب لوگ اٹھے وضو کیا نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ عصر کے وقت حضرت علی کرم معہ سعدؓ بن وقاصؓ کے آئے۔ سعدؓ نہایت بہادر مسلمانوں میں ذی عزت بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلعم کے ماموں تھے حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں نے ان دونوں کا استقبال کیا چونکہ عصر کی اذان ہو چکی تھی اس لئے پہلے سب نے جماعت سے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو روک لیا۔ سب رک گئے جب سے حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ آئے تھے۔ لشکر میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ ہر شخص نیا خیال کئے ہوئے تھا لیکن خلیفہ کے رعب کی وجہ سے کسی کو کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم سے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ دوپہر سے کیوں آئے ہوئے ہیں؟"

حضرت علی کرم نے جواب دیا معلوم ہے۔ بلکہ میری اجازت سے آئے ہیں۔

عمرؓ۔ گویا آپ بھی نہیں چاہتے کہ میں میدان جنگ میں جاؤں۔

علی کرم۔ میں شروع ہی سے اس کے خلاف ہوں۔

عمرؓ۔ لیکن آپ نے پہلے ہی کیوں نہ روکا۔

علی کرم۔ اس لئے کہ آپ بغیر مشورہ کے میدان جنگ میں جانے کا اعلان کر چکے تھے۔

عمرؓ۔ جب آپ کے خیال میں یہ میری غلطی تھی تو آپ کو متنبہ کرنا چاہئے تھا۔

علی کرم۔ غلطی نہیں تھی بلکہ بعض وجوہات سے مناسب نہیں ہے۔

عمرؓ۔ وہ وجوہات کیا ہیں؟

علی کرم۔ صرف ایرانیوں سے ہماری جنگ نہیں ہے بلکہ رومیوں اور عیسائیوں سے بھی لڑائی ہو رہی ہے۔ اس لئے آپ کا کسی محاذ جنگ پر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

اب حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے تمام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا اے اسلام کے شیدائیو۔ حرمت اسلام پر کٹ مرنے والو۔ ایرانیوں کے مظالم میں متواتر خبریں سنا کر میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے بلا کسی۔ بے مشورہ کئے ایرانی

مہم پر جانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ کل تمھارے ساتھ کوچ کر کے یہاں آیا۔
اب چند بزرگ تشریف لائے ہیں جو جنگ گاہ میں میرا جانا مناسب نہیں سمجھتے حالانکہ میرا دل مسلمانوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے، عورتوں کو ایرانیوں کے دست جفا سے چھڑانے کے لیے بے قرار ہے۔ میں تم سب لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ میرا مدینہ منورہ میں رہنا مناسب ہے یا تمھارے ساتھ میدان جنگ میں جانا؟
حضرت عمرؓ کے خاموش ہوتے ہی حضرت علی کرم کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا مسلمانو تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ حجاز پر دشمن تاک لگائے ہوئے ہیں وہ عربوں کو دنیا سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ ملک شام میں عیسائی برسر پیکار ہیں۔ ایرانی اپنی پوری قوت سے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں امیر المومنین کا اپنے ملک اپنے شہر اپنے دارالخلافہ کو چھوڑ کر باہر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔
حضرت علی کرم کے خاموش ہونے پر عاصم بن عمرو التیمی نے کہا۔ رومیوں کے مقابلہ میں خالد جیسا شیر اسلام ڈٹا ہوا ہے۔ رومیوں کے حوصلے اسکے سامنے پست ہو گئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں عثمانؓ جیسا مدبر علی کرم جیسا شیر دل موجود ہیں۔ ان دونوں کے خوف سے کسی کو دارالخلافہ تو کیا حجاز کی طرف دیکھنے کی بھی جرات نہیں ہو سکتی۔ ایرانی بہادر ہیں ان کے مقابلہ کے لئے عمرؓ جیسے شیر ببر کی ضرورت ہے۔
تمام فوج نے عاصم کی تائید کی یہ دیکھ کر عثمانؓ کھڑے ہوئے آپ نے جوش کے لہجہ میں کہا مسلمانو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خالد، علی کرم، عمرؓ یا اور ایسے ہی دلیر بہادروں سے فتوحات مل رہی ہیں یا مل سکتی ہیں۔ تو تم غلطی پر ہو۔ خدا سے بغاوت کرنے والے فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ عیسائیوں کو دیکھو ان کا شہنشاہ اعظم ہرقل اپنے پایہ تخت انطاکیہ میں بیٹھا ہوا ہے وہاں سے لشکر بھیجتا ہے آلات حرب روانہ کرتا ہے لیکن خود میدان جنگ میں نہیں آتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر عیسائیوں کو شکست ہوگی تو وہ اور لشکر پہلے لشکر سے زیادہ شان و شوکت کا روانہ کر دے گا۔ لیکن اگر وہ میدان جنگ میں چلا جائے تو اس کی اس کے لشکر اور ارکین سلطنت کی ہمتیں پست ہو جائیں اور وہ مسلمانوں کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ کر سکیں۔ تمام بادشاہوں کا یہی دستور ہے۔ امیر المومنین کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئیے۔
عبداللہ بن المعتصم ایک مشہور صحابی تھے آپ نے کہا جب بادشاہ خود میدان جنگ

میں جاتا ہے تو فوج کا حوصلہ بڑھا رہتا ہے۔ میرے خیال میں امیر المومنین کا ہمارے ساتھ جانا مناسب بھی ہے اور ضروری بھی۔

تمام مسلمانوں نے پھر کہا۔ بے شک امیر المومنین کا ہمارے ساتھ جانا نہایت ضروری ہے۔

حضرت عثمان رضؓ نے کہا۔ کثرت رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ امیر المومنین میدان جنگ میں تشریف لے جائیں۔ خود امیر المومنین کا بھی یہی خیال ہے لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حکم ہے کہ امیر المومنین میدان جنگ میں تشریف نہ لے جائیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر وہ واپس لوٹ کر مدینہ منورہ نہ پہونچے تو ام المومنین روز محشر رسول اللہ سے ان کی شکایت کریں گی۔

یہ سنتے ہی تمام مسلمان دم بخود ہو گئے سب متاثر ہوئے حضرت عمرؓ پر بھی بہت زیادہ اثر پڑا۔ تمام مسلمانوں کو امہات المومنین سے محبت تھی۔ ہر مسلمان ان کا احترام کرتا تھا ان کے کسی حکم سے سرتابی ناممکن تھی خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حکم کسی طرح نہیں ٹالا جا سکتا تھا اب سب طرف سے آوازیں آئیں۔ جب یہ بات ہے تو امیر المومنین کو میدان جنگ میں نہیں جانا چاہئیے۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ افسوس! میرے دل کی امنگ دل ہی میں رہ گئی عمرؓ کی یہ مجال نہیں ہے کہ ام المومنین کے حکم سے سرتابی کر سکے اب میں ایک قدم ایران کی طرف نہیں بڑھا سکتا۔ لیکن اس لشکر کا سالار اعظم کسے تجویز کیا جائے۔

عاصم نے کہا۔ سالار اعظم مثنیٰ ہی کو رہنے دیا جائے وہ موضع ذی وقار میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔

عمرؓ۔ لیکن آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ مثنیٰ زخمی ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے وہ تمھارے جانے سے پہلے وفات پا جائیں

یہ سن کر تمام مسلمانوں کو غم و فکر ہوا۔ انھوں نے اکثر آزمایا تھا کہ حضرت عمرؓ کی زبان سے جو کچھ نکلا وہ پورا ہوا۔ انھیں خوف ہوا کہ مثنیٰ ضرور ان کے پہونچنے سے پہلے ہی وفات پا جائیں گے۔

حضرت علی کرم نے کہا۔ مناسب یہی ہے کہ کسی اور ہی کو سالار اعظم منتخب کیا جائے عبد اللہ نے کہا۔ میرے خیال میں حضرت علی کرم نہایت موزوں ہیں ان سے

بڑھ کر سپہ سالاری کے قابل کوئی نہیں ہے۔

حضرت علی کرم نے کہا۔ میں نے کوئی تیاری نہیں کی ہے میرے تیار ہونے اور آپ کے ساتھ چلنے میں وقت ہوگا۔ نیز میں روضۂ آنحضور صلعم کو چھوڑ کر دور جانا بھی نہیں چاہتا اس لئے کسی اور ہی شخص کو منتخب کرو۔

عبداللہ نے کہا۔ بس تو حضرت سعدؓ سے بہتر کوئی سپہ سالار نہیں مل سکتا۔

تمام مسلمانوں نے عبدالرحمن کی تائید کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی کچھ غور و فکر کے بعد منظور کر لیا سعدؓ سے دریافت کیا گیا انھوں نے کہا میں مجاہد ہوں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے میدان جنگ میں جانا چاہتا ہوں۔ اب یہ آپ سب اصحاب کے اختیار میں ہے کہ مجھے ایک معمولی سپاہی رکھیں یا سالار اعظم بنا دیں لیکن یہ ضرور عرض کر دوں کہ

---

[1] حضرت سعد مکہ معظمہ میں ہجرت نبوی سے ۲۵ سال قبل پیدا ہوئے ۱۹ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور خدا پرستوں کے گروہ میں داخل ہوئے آپ مجاہد پر جوش تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ یاد الٰہی میں مصروف تھے کہ چند کافروں نے آپ کا مذاق اڑایا۔ آپ کو غصہ آگیا آپ نے اونٹ کی ہڈی سے کافروں کی خوب مرمت کی جن میں سے ایک کا سر پھٹ گیا یہ پہلا موقعہ تھا اس سے پہلے کسی صحابی نے کافروں کے اوپر ہاتھ نہ اٹھایا تھا نیز جب رسول خدا کے حکم سے ہجرت کے لئے پہلا قافلہ مدینہ منورہ گیا حضرت سعدؓ بھی اس قافلہ کے ساتھ تھے یہاں پہونچ کر حضرت سعدؓ قریش کی نقل و حرکت پر مامور ہوئے ساحلی علاقہ پر کفار کی ایک جماعت سے جھگڑا ہو گیا حضرت سعدؓ نے دشمنوں پر تیر چلائے خدا کی راہ میں مسلمانوں کی طرف سے یہ پہلا تیر تھا جو کافروں پر چلایا گیا۔ جنگ بدر میں کفار عرب کے ہزاروں بہادروں کے مقابلہ میں جو تین سو تیرہ ساتھی رسول اللہ کے ساتھ تھے انہیں حضرت سعدؓ بھی تھے آپ کا مقابلہ سعید بن العاص سے ہوا جو ایک بڑے بہادر کافر تھے۔ باوجودیکہ آپ نوعمر تھے مگر اپنے دشمن کو زیر کر کے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی تلوار کا نام "ذوالکتیفہ" تھا آپ نے تمام عمر اسی تلوار سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جنگ احد میں لڑتے لڑتے آپ کے نیزہ کا پھل ٹوٹ گیا مگر آپ بغیر پھل کے ہی لڑتے رہے اور اکثر مشرکین کو زخمی کر دیا۔ رسول خدا نے آپ کے حق میں دعا کی کہ خدایا سعدؓ کو مضبوط اور قوی بنا۔ چنانچہ یہی وہ بہادر ہے جس کی تلوار نے ایران جیسی زبردست سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے (صادق صدیقی)

میں اس جلیل القدر عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ جو شخص نام و نمود نہیں چاہتا اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے وہ سرداری کے قابل ہے میں نے تمام مسلمانوں نے سارے مجاہدین نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ ہمارے انتخاب کی لاج رکھو۔ اس عہدہ کو قبول کرو۔

سعدؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔ میں اس عزت کو منظور کرتا ہوں خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے استقلال، ہمت و جرائت عطا فرمائے۔ دشمنوں پر فتح دے اور جو عزت آپ نے تمام مسلمانوں نے مجھے دی ہے اس کا اہل ثابت کرے۔

سب نے آمین کہی۔ اب آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ مغرب کی اذان ہوئی سب نے جماعت سے نماز پڑھی۔ کھانا کھایا۔ جب عشا کا وقت ہو گیا تو نماز سے فراغت کر کے لشکر اسلام نے کوچ کی تیاریاں شروع کیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو ہدائتیں کیں۔ جو قبیلے ایران کی سرحد پر رہتے تھے ان کو جہاد کے دعوت نامے لکھا کر قاصد روانہ کئے۔ آدھی رات کے وقت لشکر کو کوچ کا حکم دیا تمام لشکر روانہ ہوا حضرت سعدؓ بھی چلے۔ جب گرد و غبار نے لشکر کو اپنے دامن میں چھپا لیا تو حضرت عمرؓ حضرت علی کرم۔ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن واپس لوٹے۔ یہ چاروں بزرگ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

ابھی تک تمام مسلمان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے وہ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر خوش ہو گئے فوراً حضرت عمرؓ کی واپسی کی اطلاع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کی گئی وہ بھی ابھی تک مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں اس خبر کو سن کر وہ بھی خوش ہو گئیں۔

تمام مدینہ پر پھر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت تو سب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں پر جا کر آرام کیا لیکن صبح سویرے ہی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے بازار کھل گئے خرید و فروخت ہونے لگی۔

چھٹا باب

ایک کافرادا نازنین

مجاہدین اسلام نہایت بے خوفی. بڑی جرأت. کمال استقلال سے ایران کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ قاعدہ کلیہ سا ہے کہ جب کسی گروہ کسی لشکر کسی قبیلہ کا ایسا آدمی جس پر سب کو بھروسہ ہو جس کی ذات سے امیدیں وابستہ ہوں. جس کی شرکت سے کامیابی کی شرطیہ توقع ہو. خلاف امید اچانک علیحدہ ہو جائے تو لوگوں کی ہمتیں پست ہو جایا کرتی ہیں. دل ٹوٹ جاتے ہیں مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کی وجہ سے قطعی فتح وکامیابی کی امید تھی. ان کے تدبر و شجاعت پر اطمینان تھا ان کی وجہ سے ڈھارس تھی لیکن جب وہ خلاف توقع یکایک واپس لوٹ گئے تو کسی مسلمان کو ان کے واپس چلے جانے سے ذرہ برابر ہراس یا دل شکنی نہیں ہوئی. بلکہ اسی عزم و استقلال اسی جرأت وہمت سے وہ روانہ ہوئے جس سے مدینہ منورہ سے چل کر آئے تھے. یہ محض اس لئے تھا کہ وہ مسلمانوں کو صرف خدا پر بھروسہ تھا وہ جانتے تھے کہ خدا ان کے ساتھ ہے. انھیں اطمینان تھا کہ خدا بہتر ہی کرے گا.

خدا پر بھروسہ رکھنے والے کبھی نراس نہیں ہوا کرتے. دنیا کی تمام طاقتیں تمام تعلقات جب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں خدا اس وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتا وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتا ہے. یہ ضرور ہے کہ پہلے وہ آزماتا ہے مصائب و تکالیف کی کسوٹی پر گھستا ہے جو کھرا ثابت ہوتا ہے اسے نوازتا ہے اس کے دکھ درد دور کر کے راحت و آرام عطا فرماتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس لشکر کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھی تھی. آپ مدینہ منورہ سے ہدایتیں بھیجا کرتے رہتے تھے. چونکہ آپ نے اکثر فارس کا سفر کیا تھا راستوں پہاڑوں شہروں سے واقف تھے اس لیے اس لشکر کی منزل بمنزل قیام گاہیں خود ہی مقرر کر دی تھیں. ہر منزل پر سواروں کی ڈاک بٹھا دی تھی تا کہ ہر واقعہ کی روزانہ اطلاع دربار خلافت

میں پہونچ جایا کرے۔

مسلمانوں نے ہر کام ایسا کیا جس سے دنیا حیران رہ گئی۔ یہ عجیب بات تھی کہ سیکڑوں میل دور رہ کر خلیفۃ المسلمین اس لشکر کی قیادت کر رہے تھے ان کے اشارہ پر لشکر کوچ و مقام کرتا تھا اس سے پہلے کسی بادشاہ نے ایسا انتظام نہ کیا تھا۔

اٹھارہ منزلیں طے کرنے کے بعد لشکر حدود ایران میں ہو کر مقام ثعلبہ پر مقیم ہوا حضرت عمرؓ نے اس نواح کا نقشہ منگوایا۔ سعدؓ نے ایک بڑا نقشہ تیار کرایا جس میں میدان پہاڑ۔ دریا۔ مواضعات۔ قصبات اور شہر سب واضح طور پر دکھائے گئے تھے۔ یہ نقشہ دربار خلافت میں بھیج دیا گیا۔ فوراً ہی فاروق اعظم کا فرمان آیا کہ ثعلبہ سے سیراف کی طرف بڑھو اور سیراف سے آگے چل کر قادسیہ میں مقیم ہو جاؤ۔ وہاں اپنے مورچے اس طرح سے قائم کرو کہ لشکر اسلام کے سامنے فارس کی زمین ہو اور پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں اگر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے تو جس قدر چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور اگر خدا نخواستہ معاملہ برعکس ہو تو پہاڑ پر آ کر ٹھہرو۔

سعدؓ اس فرمان کے پہونچتے ہی سیراف کی طرف روانہ ہوئے مدینہ منورہ سے کل ۴ ہزار لشکر روانہ ہوا تھا۔ گویا مسلمان ایران جیسی زبردست سلطنت پر اس مختصر لشکر سے حملہ آور ہونے چلے تھے۔ حالانکہ ایرانیوں کا لشکر لاکھوں کی تعداد میں تھا بڑے بڑے لشکر کے سردار تھے۔ کافی سے زیادہ سامان حرب تھا پھر ان کا ملک تھا جس قدر چاہتے لشکر فراہم کر لیتے۔ جس کو چاہتے پکڑ کر فوج میں بھیج دیتے۔ مسلمانوں کا ملک دور۔ لشکر کم۔ سامان حرب ناکافی تھا۔ لیکن مسلمانوں کو کسی بات کی پرواہ نہ تھی وہ نشۂ توحید سے سرشار تھے سوائے خدا کے اور کسی سے نہ ڈرتے تھے تدبیر پر بھروسہ نہ رکھتے تھے تقدیر کے قائل تھے واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر (ترجمہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) پر قطعی ایمان تھا اس لیے کبھی کسی معاملہ میں نہ گھبراتے تھے۔

چونکہ حضرت عمرؓ کو اس مہم کا سب سے زیادہ خیال تھا وہ لشکر کی فراہمی میں برابر مشغول تھے۔ انھوں نے تمام عاملوں کو لکھا تھا کہ جس قدر لوگ فارس پر جانا چاہیں فوراً بھیجے جائیں اس لئے روزانہ مجاہدین آ رہے تھے۔ چنانچہ ۴ ہزار لشکر امداد فراہم ہو گیا یہ لشکر بھی روانہ کیا گیا اور منزل بہ منزل کرتا ہوا ثعلبہ میں آ کر حضرت سعدؓ سے مل گیا اب کل لشکر کی تعداد ۸ ہزار ہو گئی۔

یہ تمام لشکر سیراف کی طرف روانہ ہوا۔ ثعلبہ سے دوسری منزل پر قبیلہ بنی اسد کے تین ہزار جوان اور آملے۔ ان کے آنے سے لشکر کی تعداد گیارہ ہزار ہو گئی۔ اب اسلامی لشکر لشکر کہلانے کا مستحق ہو گیا۔ ایک روز جب کہ سیراف قریب رہ گیا تھا صرف دوسری منزل کا فاصلہ تھا صبح کی نماز پڑھ کر مسلمان کوچ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ اس کی آڑی ترچھی کرنیں کھلے ہوئے میدان پر لوٹنے لگی تھیں۔ حضرت سعدؓ نے ہراول روانہ کر دیا تھا۔ لشکر روانہ ہونے کے لئے تیار تھا عورتوں بچوں کو محملوں میں سوار کر دیا گیا تھا۔ سعدؓ لشکر کے انتہائی شرقی کنارہ پر چلے گئے انھوں نے دیکھا کہ چند مسلمان گرتے پڑتے آرہے ہیں۔

سعدؓ ان کی طرف بڑھے جب ان کے قریب پہونچے تو دیکھا بے چاروں کے کپڑے پھٹے ہوئے۔ تمام بدن سر اور داڑھی کے بال گرد و غبار میں اٹے ہوئے تھے چہرے پر اداسی چھا رہی تھی ضعف و نقاہت سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔

سعدؓ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر بےچین ہو گئے وہ گھوڑے پر سوار تھے فوراً گھوڑے سے نیچے اترے۔ مسلمانوں کو سلام کیا۔ پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟

مسلمانوں نے سلام کا جواب دے کر کہا دور سے آرہے ہیں۔ بھوک پیاس زیادہ سفر کرنے کی تکلیف سے بات کرنے کا یارا نہیں ہے۔ تم ہمیں سعدؓ کے پاس لے چلو اس لشکر کے سردار سعدؓ ہی ہیں نہ؟

سعدؓ ان کی زبوں حالت دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بے اختیار ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے انھوں نے کہا۔ بدبخت سعدؓ میں ہی مسلمانوں کی یہ حالت دیکھنے کے زندہ ہوں۔

ایک مسلمان نے پوچھا۔ اس لشکر کے سردار تم ہو۔؟

سعدؓ نے جواب دیا۔ سردار نہیں اس لشکر کا سب سے زیادہ خدمت کرنے والا میں ہی ہوں۔

اس مسلمان نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ خدا کا شکر ہے تم مل گئے۔ اے سالار قوم ہماری مدد کرو۔

یہ کہتے ہی اس مسلمان کے آنسو جاری ہو گئے سعدؓ پر اس کے آنسوؤں نے یہ اثر کیا کہ وہ بھی رونے لگے۔ انھوں نے کہا تم پر کیا افتاد پڑی کچھ بتاؤ تو سہی۔

اس مسلمان نے کہا۔ طاقت گویائی کہاں ہے۔ ایک قدم چلنا۔ ایک لفظ کہنا دشوار ہو رہا ہے۔

سعدؓ نے کہا۔ تم بھوکے ہو۔ کمزور ہو۔ اسی جگہ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے کھانے اور سواری کا انتظام کرتا ہوں۔

مسلمان بیٹھ گئے۔ سعدؓ چلے گئے۔ یہ پانچ مسلمان تھے۔ ان میں دو ضعیف العمر تھے دونوں کی ڈاڑھیاں لمبی اور سفید تھیں۔ دو جوان تھے اور ایک نوعمر تھا لیکن پانچوں اس قدر کمزور اور نحیف ہو رہے تھے کہ ان کے بدن کی ہڈیاں صاف طور پر نظر آرہی تھیں معلوم ہوتا تھا وہ دور سے پا پیادہ بھوکے پیاسے سفر کئے آرہے ہیں۔ کپڑے بوسیدہ اور دریدہ ہو رہے تھے خط بڑھے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر میں سعدؓ واپس آئے ان کے ساتھ ایک آدمی کھانا لئے آرہا تھا زمین پر کمبل بچھا دیا گیا۔ پانچوں مسلمان کمبل پر بیٹھ گئے۔ سعدؓ بھی ان کے قریب بیٹھ گئے کھانا چنا گیا۔ سعدؓ نے کھانے کا اشارہ کیا۔ پانچوں اس طرح کھانے پر ٹوٹے گویا وہ مدت کے بھوکے تھے۔

کھانا سادہ تھا۔ گیہوں کے بلا چھنے آٹے کی روٹی تھی۔ اونٹ کا گوشت تھا تمام مجاہدین اسی قسم کا کھانا کھاتے تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو وہ کسی قدر تازہ دم ہوئے بدن میں کچھ قوت آئی۔ سعدؓ نے پوچھا۔ اب بتاؤ کہاں سے آرہے ہو۔

ایک بڈھے نے جواب دیا۔ حرہ سے آرہے ہیں۔

سعدؓ۔ تم کون لوگ ہو۔

وہی مسلمان۔ ہم سوداگر تھے۔

سعد۔ کس چیز کی تجارت کرتے تھے۔

وہی مسلمان۔ اون کی۔!

سعدؓ۔ تمہارا اسباب تجارت کہاں ہے؟

وہی مسلمان۔ ظالم ایرانیوں نے لوٹ لیا۔

اس مسلمان نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ اے امیر عسکر! ہمارے قافلہ میں بندرہ مرد سات بچے اور پانچ عورتیں تھیں۔ ظالم ایرانیوں نے اچانک ہم پر حملہ کیا ہمارا اسباب لوٹ لیا۔ مردوں بچوں اور عورتوں کو بیدردی سے قتل کر دیا ہم پانچوں بھی زخمی ہو گئے

تھے زندگی تھی بچ گئے۔ ہمارے بھائیوں۔ ہمارے بچوں اور ہماری عورتوں کی موت کے غم نے ہمارے دلوں میں ناسور کر دیا ہے۔ ہم زندہ ہیں لیکن مردوں سے بدتر ہیں کاش ہم بھی مر جاتے۔

یہ کہتے ہی وہ رو پڑا۔ اس کے ساتھی بھی رونے لگے۔ سعدؓ کے بھی آنسو جاری ہو گئے کھانا لانے والا بھی اشکبار ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد سعد نے آنسو پونچھے انھوں نے کسی قدر جوش میں آ کر کہا۔ ایرانیوں کے مظالم حد سے گزر گئے ہیں۔ خدا کا قہر جوش میں آنے والا ہے۔ پاپ کی ناؤ بھر ڈوبتی ہے۔ جب ظلم کی انتہا ہو جاتی ہے تو ظالم برباد ہو جاتا ہے۔ ایرانیوں پر بھی خدائی قہر نازل ہونے والا ہے۔

بے گناہ مسلمانوں کا خون رنگ لانے والا ہے۔ صبر کرو اور اپنا انتقام لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے مسلمانوں نے کہا۔ ایرانیوں نے ہر اس مسلمان کو قتل کر ڈالا جو ان کی گرفت میں آ گیا۔ خدا کی قسم ایرانی خونخوار بھیڑیئے بن گئے ہیں وہ انسان کو مٹی کے کھلونوں کی طرح توڑ کر پھینک دیتے ہیں اسلام اور مسلمانوں سے انھیں خاص دشمنی ہو گئی ہے۔ وہ مسلمانوں کو صفحۂ دنیا سے نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔

سعدؓ۔ خدا انھیں ہی مٹا ڈالے گا کچھ ایرانی دربار کی بھی خبر ہے۔

وہی مسلمان۔ سنا ہے یزدگرد نے رستم اور فیروز کو مدائن[1] میں طلب کیا ہے اس کا ارادہ حجاز پر لشکر کشی کا ہے۔

سعدؓ۔ کیا اسے اسلامی لشکر کی آمد کا حال معلوم نہیں ہوا۔

وہی مسلمان۔ اب سنا ہے کہ تمام ایران میں اسلامی لشکر آنے کی وجہ سے جوش پھیل گیا ہے۔ ایرانی جوق جوق مدائن کی طرف روانہ ہونے لگے ہیں لاکھوں آدمی پہونچ گئے ہیں۔

سعدؓ۔ خدا مسلمانوں کی مدد کرے گا اٹھو اب لشکر میں چلیں۔

سب لوگ اٹھے لشکر میں پہونچے ان مسلمانوں نے خط بنوایا غسل کیا کپڑے بدلے سعد نے ان کے لئے گھوڑوں کا انتظام کر دیا وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور لشکر کے ساتھ چل پڑے ان مسلمانوں کی آمد۔ ان کی بربادی۔ ان کے اہل و عیال کے قتل

---

[1] مدائن ایران کا دارالسلطنت تھا دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ (صادق صدیقی)

کی خبر رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں کو ہوگئی۔ سب کو جوش آگیا۔ ہر مسلمان، ہر ایرانی سے انتقام لینے کے لئے بے چین نظر آنے لگا۔

اس لشکر کے ساتھ مجاہدین کے اہل وعیال بھی تھے۔ عورتوں اور بچوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کی وجہ سے لشکر تیز رفتاری سے نہ چل سکتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے جو منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ ان کا خیال ضرور رکھنا پڑتا ہے۔

منزل منزل چل کر یہ لشکر سیراف میں پہونچا۔ چونکہ مسلمانوں نے لمبا سفر طے کیا تھا اس لیے آدمی و جانور سب تھک گئے تھے۔ سفر کی تکان دور کرنے کے لئے کچھ روز قیام کرنا مناسب معلوم ہوا۔ سعدؓ نے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ چار روز اسی جگہ قیام رہے گا لوگ اچھی طرح سے سستالیں اگرچہ مسلمان جنگ کے حریص تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ انھوں نے سنا تھا کہ ایرانی مسلمانوں پر مظالم کر رہے ہیں اس لئے وہ جلد سے جلد ایرانیوں پر حملہ کر کے انتقام لینا چاہتے تھے لیکن چند روز کسی ایک جگہ قیام کر کے سفر کا کسل دور کر کے تازہ دم ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے انھوں نے سردار کے حکم کو مناسب سمجھا۔

جس روز یہ لشکر سیراف میں پہونچا ہے اس سے دوسرے روز ایک بڑا لشکر مسلمانوں کا آیا۔ یہ لشکر مثنےؓ کا تھا۔ لیکن افسوس مثنےؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ لشکر ان کے بھائی مُعنی کی سرکردگی میں آیا تھا۔ یہ لشکر آٹھ ہزار تھا۔ اب مسلمانوں کا لشکر انیس ہزار ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو اس لشکر کے آنے سے بڑی تقویت اور مسرت ہوئی۔ چونکہ اب عظیم الشان لشکر ہو گیا تھا اس لئے میلوں کے میدان میں خیمہ زن ہوا تھا۔ حدنگاہ تک انسانوں کا جنگل نظر آتا تھا۔

سیراف میں جو ایرانی تھے وہ اس لشکر کو دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ راستہ ہی کو نکل بھاگے اور سیدھے مدائن پہونچے۔ راستہ میں جہاں کہیں ہو کر گزرے مسلمانوں کی کثرت و ہیبت کے افسانے سنا سنا کر ایرانیوں کو خوف کرتے گئے جو تھے روز اشعت بن قیس دو ہزار غازیوں کو لے کر سیراف میں آئے اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے اکیس ہزار تک پہونچ گئی۔ اب اس عظیم الشان لشکر نے قادسیہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر کو دیکھ کر ایرانیوں پر ہیبت چھا گئی۔ یہاں سے قادسیہ تک جتنے دیہات قصبات اور شہر تھے سب مسلمانوں کے خوف سے خالی ہوگئے ایرانی چاروں طرف

سے بھاگ کر مدائن پہونچنے لگے۔

شیران اسلام کا یہ لشکر نہایت شان و شوکت کے ساتھ عذیب میں داخل ہوا عذیب میں ایرانیوں کی چھاؤنی تھی۔ فوج میگزین سب کچھ رہتا تھا لیکن ایرانی فوج بھی شیران اسلام کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی بھاگ کھڑی ہوئی مسلمانوں نے آلات حرب پر قبضہ کر لیا بغیر لڑے بھڑے۔ بلا خون کا ایک قطرہ گرائے غنیمت ہاتھ لگی مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روز یہاں قیام کر کے لشکر نے کوچ کیا اور سیدھے قادسیہ پہونچ کر دم لیا۔

قادسیہ ایک مشہور شہر تھا تاریخیں بتاتی ہیں یہ کسی زمانہ میں دنیا کے بہترین شہروں میں شمار ہوتا تھا لیکن کب اور کس نے آباد کیا۔ کیسے اور کس زمانہ میں برباد ہوا اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا جس زمانہ میں اسلامی لشکر وہاں پہونچا ہے تو شہر کے نوحہ خوان کھنڈرات موجود تھے۔ ان کھنڈرات کے دامن ہی سے سرسبز و شاداب میدان شروع ہو گئے تھے جس طرف نظر جاتی تھی نہایت خوش سواد میدان نظر آتے تھے۔

میدان سطح تھے، متعدد نہروں نے ایک میدان کے متعدد میدان کر دیئے تھے ہر میدان میں چھوٹی چھوٹی سبز گھاس کھڑی تھی۔ گھاس گہرے سبز رنگ کی تھی۔ اس گھاس کی وجہ سے یہ میدان گھاس کا لان معلوم ہوتے تھے۔ اکثر و بیشتر جگہ خودرو پھولوں کے گنجان پودے لگے تھے پھول عجیب مگر خوش رنگ اور خوشبودار تھے نہروں پر دیسوں پل بنے ہوئے تھے۔ اگرچہ استبداد زمانہ نے پلوں کو مٹانے کوشش کی تھی لیکن ابھی تک ایک پل بھی نہ مٹ سکا تھا۔ البتہ بعض پل کسی قدر شکستہ ضرور ہو گئے تھے۔ اسلامی لشکر کھنڈرات کے قریب وسیع میدان میں دور تک خیمہ زن ہو گیا کھنڈرات کے ملحق شرقی جانب سراپردہ قائم کیا گیا۔ اس سراپردہ میں مخدرات عرب کے لیے خیمہ نصب کئے گئے۔

سعدؓ نے امیر المومنین کے حکم کے بموجب میمنہ اور میسرہ کی ترتیب دے کر ہر حصہ کا سردار علیحدہ مقرر کر دیا گیا۔ چنانچہ میمنہ (دایاں بازو) پر عبداللہ بن المعتصم میسرہ (بایاں بازو) پر شرجیل بن السمط۔ ساقہ (پچھلا حصہ) پر عاصم بن عمرو التمیمی۔ پیدلوں پر حمال بن مالک الاسدی۔ شتر سواروں پر عبداللہ بن ذی السہمین کو مقرر کیا۔ قلب لشکر میں خود رہے بے قاعدہ فوج پر سلمان بن ربیعۃ الباہلی کا تقرر کیا۔ طلایہ گشت پایابانی

کرنے والی فوج) پر سواد بن مالک کو مقرر کیا۔

چونکہ اسلامی لشکر دور تک خیمہ زن ہوا تھا اس لئے طلایہ کے کئی دستے کر دیئے تھے جو رات بھر لشکر کے گرد گشت کرتے رہتے تھے۔ ابھی اس لشکر کو قادسیہ میں آئے چار روز ہی ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان آیا کہ ایک سفارت یزدگرد شاہ ایران کے پاس روانہ کی جائے اس سفارت میں عاصم کو بھی جس کی ہمشیرہ کو ایرانیوں نے گرفتار کر لیا ہے بھیجا جائے سفیر شاہ ایران کو سمجھائیں جن مسلمانوں کو اس نے اس کے اراکین سلطنت نے۔ اسکی قوم نے گرفتار کر لیا ہے۔ انکی رہائی کا مطالبہ کریں اسلام کی دعوت دیں اگر وہ نہ مانے۔ لڑائی پر آمادہ ہو تو بلا تاخیر جنگ شروع کر دی جائے۔

اس فرمان کے پہونچتے ہی سعدؓ نے ۱۴ نامور اشخاص کا انتخاب کیا ان میں ہر قسم کے مشہور لوگ تھے۔ بعض ادیب تھے، بعض سقر رہتے، بعض مدبر تھے۔ بعض بذلہ سنج تھے بعض لطیفہ گو تھے، بعض جنگجو تھے۔ غرض کہ ہر شخص کسی نہ کسی بات میں کمال رکھتا تھا ان میں اشعث بن قیس۔ حارث بن حیان، عمرو بن معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معینی بن حارثہ مرحوم مثنےٰ کے بھائی۔ عاصم بنو تمیم کا رئیس جس کی ہمشیرہ کو ایرانی پکڑ کر لے گئے تھے خاص طور پر قابل ذکر تھے ایک عاصم بن عمرو بھی تھے جو امیر سفارت بنائے گئے تھے۔

یہ سفارت علی الصباح روانہ ہوئی چودہ آدمی دشمنوں کے ملک میں جہاں قدم قدم پر جان کا خطرہ تھا اتمام حجت کے لئے روانہ ہوئے جس زمانہ کا حال ہم لکھ رہے ہیں اس زمانہ میں سفیروں کے ساتھ انکی حفاظت کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں تجربہ کار سپاہی بھیجے جاتے تھے لیکن مسلمانوں کی جو بات تھی وہ نرالی انھوں نے سفیروں کے علاوہ ایک سپاہی بھی ساتھ نہ لیا یہ لوگ قادسیہ سے چل کر مقام برس پر پہونچے یہاں سے ایک راستہ بابل ہو کر مدائن گیا تھا اور ایک سیدھا کوثی ہوتا ہوا مدائن ہی پہونچتا تھا۔

چونکہ یہ لوگ جلد سے جلد مدائن پہونچنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے کوثی

لہ اس مقام کو تاریخ اسلام میں کوثی۔ الفاروق میں کوثی فتوح العجم میں کوثاریا لکھا ہے لیکن ابن اثیر وغیرہ اور تاریخ ابن خلدون میں کوثی لکھا ہے۔ صحیح نام کوثی ہی ہے۔ (صادق حسینی)

کا راستہ اختیار کیا۔ یہ سفارت کوثی ہوئی۔ کوثیٰ ایک تاریخی مقام ہے اسی مقام میں حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے قید رکھا تھا۔ قید خانہ کی جگہ بطور یادگار اب تک محفوظ ہے حضرت ابراہیمؑ کی وجہ سے دنیائے اسلام اس جگہ کو اچھی طرح جانتی اور اس کا احترام کرتی ہے۔ تاریخی یادگار کے علاوہ یہ مقام نہایت سرسبز و شاداب ہے قدم قدم پر باغیچے میوہ زار گلزار نہریں۔ آبشار، سبزہ زار میدان ہیں۔

ان لوگوں نے کوثی میں قیام کر دیا سب مل کر پہلے اسی جگہ پہونچے جہاں حضرت ابراہیمؑ قید رکھے گئے تھے اس کی زیارت سے فارغ ہو کر سب منتشر ہو گئے ان لوگوں کو یہ جگہ کچھ ایسی پرفزا معلوم ہوئی کہ ہر شخص سیر میں مشغول ہو گیا اور کچھ ایسا مشغول ہوا کہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔

عاصم غرب کی طرف چل پڑا اس طرف باغیچے زیادہ تھے۔ ہر باغیچہ میں پھولوں کے تختے تھے پھول کھل رہے تھے پھولوں کی بو باس سے تمام باغیچے مہک رہے تھے عاصم بڑھتا بڑھتا ایک ایسی جگہ پہونچ گیا جہاں ایک ڈھلوان میدان تھا یہ میدان گول تھا اس کے کنارے کٹورے کی طرح کھڑے ہوئے تھے کناروں پر سرو اور جھاؤ کے درخت کثرت سے کھڑے تھے ناف میدان میں ۲۰ گز سطح اونچا ٹیلہ تھا۔ اس ٹیلے پر سارے میدان میں گہرے سبز رنگ کی دوب کھڑی تھی۔ ٹیلے کے چاروں طرف خوش رنگ پھول کھل رہے تھے اس وقت آفتاب جانب مغرب کے قریب پہونچ گیا تھا۔ دھوپ سمٹ کر شرق کی طرف ڈوبنے لگی تھی اس میدان کی کاہی رنگ کی گھاس اس وقت نہایت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ عاصم اس میدان کو دیکھ کر لوٹ ہو گیا وہ آہستہ آہستہ میدان میں اترا ٹیلہ کی طرف چلا۔ چونکہ اس سے پہلے اس نے ایسا دلفریب میدان نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ اس کی دلفریبیوں میں کھویا گیا وہ سیر کرتا ہوا ٹیلہ کے دوسری طرف پہونچ گیا دوسری جانب پھولوں کا ایک کنج تھا بہترین رنگ کے شاداب پھول کھل رہے تھے عاصم بے دھڑک کنج میں جا گھسا۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ اس نے گھاس پر ایک پیکر نور کو بیٹھے ہوئے دیکھا، ایک ایرانی دوشیزہ بہترین ریشمیں کپڑے پہنے شان رعنائی سے پھولوں کے تختے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

یہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اس کا آفتابی چہرہ گول تھا پیشانی کشادہ اور پرنور تھی آنکھیں غضب کی کٹیلی اور رسیلی تھیں ابرو گھنی اور سیاہ، بچھو کی طرح تھیں رخسار سے

صاف بے عیب اور روشن تھے۔ دہن چھوٹا تھا لب موزوں اور کمان کی طرح سے تھوڑی چھوٹی سی تھی سر کے سیہ ریشم جیسے بال ایک سرخ فیتہ میں باندھ کر پیچھے چھوڑ دیئے تھے جو کمر پر پڑے لہرا رہے تھے اس کا چہرہ اس قدر روشن تھا گویا چاند اس کے رخ انور کا ہلکا سا عکس تھا اس کے روئے روشن کی طرف دیکھنا نہ صرف دشوار بلکہ غیر ممکن بھی تھا۔

اس کے تمام اعضا سڈول اور سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے سینہ کا ابھار غضب کا تھا اس کے نازک سر پر مشکبو زلفوں کی پردہ پوشی کے لیے نارنجی رنگ کا بڑا رومال تھا جس میں ہیرے کی کنی لگی ہوئی تھی وہ بت طناز ایسی از خود رفتگی سے بیٹھی تھی کہ اسے یہ خیال نہ رہا کہ اس کے سر سے رومال ڈھلک کر پیچھے جا پڑا ہے اور اس کا صراحی دار پر نور گلا نظر آنے لگا ہے۔ عاصم اس نظارہ کو دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا۔ اس کا ہر موئے تن شوق دید میں آنکھ بن کر محو نظارہ ہو گیا۔

عاصم کے قدموں کی چاپ سن کر وہ رشک قمر چونکی اس نے ادائے جانانہ سے نگاہ ناز اٹھا کر عاصم کو دیکھا۔ وہ جھجکی، خوفزدہ ہوئی لیکن فوراً سنبھلی اور حیرت بھری نظروں سے عاصم کو دیکھنے لگی۔

ساتواں باب

"آغاز الفت"

عاصم ہمہ تن دید بنا اس نور مجسم کو دیکھ رہا تھا۔ جب اس پیکر حسن و جمال نے ہوش ربا نگاہیں اٹھا کر اس محو دید کو دیکھا تو عاصم کے دل پر تیر نظر کی بوچھار پڑی کلیجہ چھلنی ہو گیا اس نے زیر لب ایک خفیف آہ کی۔ ایرانی دوشیزہ دست ناز کا سہارا لے کر ہزار اداؤں اور عشوؤں سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ عاصم نے دیکھا اس گل نو بہار کا قد بوٹا سا تھا۔ سرو کو اس کے قیامت نما قامت سے کوئی مناسبت ہی نہ تھی وہ نہیں سمجھ سکا کہ اس رشک حور کے قد کی کیا تعریف کرے۔ اس کے گداز سڈول اور سانچہ میں

ڈھلے ہوئے جسم کی تعریف کرے اس کے گول چہرے پر نور عارض کی تعریف کرے اس کی سیاہ جس میں قدرے سنہرا پن بھی جھلک رہا تھا زلف دراز کی تعریف کرے ان کی برق پاش ہوشربا آنکھوں کی تعریف کرے یا اس کے اس حسن کی تعریف کرے جس نے اسے بے نظیر حسینہ بنا دیا تھا۔ ایرانی دوشیزہ کھڑی ہو گئی تھی۔ عاصم کو دیکھ رہی تھی اس کے مسیحا صفت لبوں پر تبسم لوٹ رہا تھا۔ عاصم اس کے حسن سے ایسا مرعوب ہو گیا تھا کہ اس کی جرأت ہمت۔ طاقت سب جواب دے چکی تھیں۔

اس سے ایک قدم بڑھنا اس کی ملکوتی صفات نازنین تک پہونچنا اس سے ہمکلام ہونا ناممکن ہو گیا تھا حسن ایک ایسا جاذب نظر پیکر ہے جو امیر، غریب سپاہی اور بادشاہ سب پر یکساں اثر کرتا ہے اور جس پر اپنا پرتو ڈالتا ہے اسے اپنا اور صرف اپنا غلام بنا کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے پتہ نہیں چلتا آخر خالق حسن کا حسن کے تخلیق کرنے سے منشا کیا ہے کیا خرابات عالم کو حسن کی ستم گاریوں سے اور خراب کرانا منظور ہے یا اپنے پرستاروں کا امتحان مدنظر ہے۔

عاصم اس مست شباب کو نو گل شگفتہ کو، رشک مہ چہاردہ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر ٹک رہا تھا۔ وہ حور جمال بھی ذرہ دیدہ مگر بجلیاں گرانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جس قدر عاصم اسے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس سے زیادہ یا اسی قدر وہ ملائک فریب بھی حیران ہو رہی تھی۔

جب دونوں کو حیران وار کھڑے ہوئے کچھ دیر گزری تو اس بت ہوشربا نے ایسے نغمہ ریز لہجہ اور سریلی آواز سے جو ہزار وہ سانہ سے بہتر تھی فارسی میں کہا۔ آپ یہاں کیسے آ گئے؟

عاصم کو ایسا معلوم ہوا جیسے حوران بہشتی نے فردوس کی ساز چھیڑ دیئے اس سے پہلے اس نے ایسا روح پرور نغمہ نہیں سنا تھا اس کی ہر رگ تن نے ایک نئے حظ کا احساس کیا۔ عاصم ایران میں رہ چکا تھا فارسی زبان جانتا تھا سمجھتا تھا بول سکتا تھا اس نے کہا ایک نامعلوم کشش مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔

اس کمسن حور نے سحر کارانہ نظروں سے عاصم کو دیکھا مسیحا صفت لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا مردہ میں جان ڈال دینے والے یاقوتی لب کھلے سفید موتیوں کی چمکدار لڑیوں کو شرما دینے والے خوبصورت چھوٹے چھوٹے دانت نظر آئے اس نے

ترنم خیز لہجہ میں پوچھا۔ کیا تم بھی سفیر ہو؟

عاصم اس بت ہوش ربا کے اس استفسار پر حیران رہ گیا۔ وہ سفیر تھا سفارت پر جارہا تھا لیکن اس سفارت کا حال اس کے خیال میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کو بھی نہ تھا۔ اسے یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ پیکر حسن آسمانی حور تو نہیں ہے یقیناً حور ہے اور اسے فرشتوں نے ہی یہ بات بتاوی ہے کہ میں سفیر ہوں۔

ایرانی دوشیزہ عاصم کو حیرت میں دیکھ کر مسکرائی مسکرانے سے اسکے حسین چہرہ پر حسن کی جلوہ گر چمک دوڑ گئی اس کا چاند سے زیادہ روشن چہرہ آفتاب سے زیادہ چمکنے لگا۔ اس نے دلفریب ادا کے ساتھ پوچھا۔ تم حیران کیوں رہ گئے۔

عاصم اس کے بے نظیر حسن کو دیکھ کر حیران تھا۔ اس کے قیامت نما قامت کو دیکھ کر حیران تھا اسکے فردوسی نغمہ کو سن کر حیران تھا اب سب سے زیادہ اسکی غیب دانی پر حیران ہو رہا تھا اس نے کہا۔ میں تمھاری غیب دانی پر حیران ہو رہا ہوں۔

یہ سنتے ہی وہ ملکوتی صفات نازنین بے ساختہ ہنس پڑی ہنسنے سے اسکا چہرہ چمک کر بے حد دلفریب ہوگیا اس نے کہا۔ غیب داں تو صرف یزداں [1] ہی ہے۔

عاصم کو اس پیکر حسن کی ہر ادا انتوالا بنا رہی تھی اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پیکر حسن و ناز کے منھ سے بولنے کے وقت پھول جھڑ رہے ہوں۔ اس نے کہا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں سفیر ہوں لیکن سفیروں کی روانگی کا حال سوائے مسلمانوں کے کسی اور کو معلوم نہیں ہے اور معلوم بھی کیسے ہوتا سفارت کے متعلق دربار خلافت سے فرمان آتے ہی سفیروں کا انتخاب ہوا اور ہم لوگ چل پڑے پھر کسی کو کیسے معلوم ہو جاتا مجھے حیرت ہے کہ تمھیں کیسے معلوم ہو گیا۔

ایرانی دوشیزہ پھر مسکرائی۔ اس نے کہا صرف مجھے ہی نہیں بلکہ بہت سے ایرانیوں کو یہ بات معلوم ہے۔

عاصم۔ آخر کس طرح معلوم ہوئی؟

---

[1] ایرانی زردشتی مذہب رکھتے تھے زند وستا کتاب کو مقدس مانتے تھے آگ اور ستاروں کو پوجتے تھے اور دو خدا مانتے تھے ایک یزدان خدائے خیر و نیکی اور دوسرا اہرمن خدائے شر و بدی۔ (صادق صدیقی)

اس پیکر حسن و جمال نے مسکرا کر کہا تم ہمارے ملک میں لڑنے کے لئے آئے ہو تمھیں یہ بات نہیں بتائی جا سکتی۔ عاصم اس حور وش کی بھولی صورت دیکھ کر دھوکے میں پڑا ہوا تھا۔ اسے ایسا بھولا سمجھ رہا تھا کہ سوال کرتے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اسے سب کچھ بتا دے گی لیکن جب اس نے انکار کیا تب اسے معلوم ہوا کہ بھولی صورت نازنین کی باتوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے اس نے پھر پوچھا! اچھا آپ کو اپنے والد کا نام بتانے میں تو کوئی اعتراض نہ ہو گا؟

اس حور ادا نے کہا نہیں، ان کا نام "جوشن ماہ" ہے۔

عاصم۔ جوشن ماہ . . . کیا جلولا[1] کا مشہور رئیس؟

دوشیزہ۔ ہاں وہی!

عاصم لیکن وہ اس طرف کیسے آ گئے؟

ایرانی دوشیزہ نے بلا قصد و ارادہ بات کی رو میں بے ساختگی کے ساتھ جواب دیا۔ وہ سرحد کی اخبار نویسی پر مامور ہیں۔

یہ کہتے ہی اس کمسن نے اپنے موتی جیسے دانتوں میں اپنی نازک زبان دبائی گویا اس سے کوئی شدید غلطی سرزد ہو گئی اور اس طرح وہ اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کر رہی ہے۔ عاصم اگرچہ جوان تھا لیکن بلا کا ذہن تھا وہ سمجھ گیا کہ کسی طرح اس پری پیکر کے باپ جوشن ماہ کو اس سفارت کا حال معلوم ہو گیا اور اس سے کم تن نے سن لیا لیکن جوشن ماہ کو کس طرح معلوم ہوا یہ عقدہ حل کرنا باقی رہ گیا تھا۔

اس نے پھر پوچھا۔ آج ان کے جاسوسوں نے انھیں یہ اطلاع دی لیکن یہ اطلاع دی کب گئی؟ اس پیکر حسن و جمال نے جواب دیا۔ آج صبح!

عاصم۔ غالباً جوشن ماہ نے بادشاہ کو بھی اطلاع کر دی ہے!

دوشیزہ۔ ہاں فوراً خبر بھیج دی گئی ہے۔ اس سے تمھیں ایک فائدہ ہوا ہے۔

عاصم نے جلدی سے دریافت کیا۔ کیا؟

دوشیزہ۔ اب تمھارے لئے کوئی اندیشہ نہیں رہا تمام جگہ یہ خبر پہونچا دی گئی ہے کہ

---

[1] جلولا بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راستہ میں پڑتا ہے۔ (صادق صدیقی)

سفیر آرہے ہیں اور سفیروں کو کوئی آزار نہ ہونے پائے۔
عاصم۔ افسوس ہے ایرانیوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے۔
ایرانی دوشیزہ یہ سن کر کسی قدر محجوب ہو گئی اس نے کہا آپ سچ کہہ رہے ہیں بعض
اوباش ایرانیوں نے اپنے ناجائز فائدہ کی وجہ سے ظلم و جور پر کمر باندھلی ہے۔
عاصم۔ کیا ایرانی حکومت اس ظلم میں شریک نہیں؟
دوشیزہ۔ بالکل نہیں!
عاصم۔ لیکن وہ شورہ پشت ایرانیوں کو سزا کیوں نہیں دیتی؟
دوشیزہ۔ در اصل بعض ارکین سلطنت ان اوباشوں سے ملے ہوئے ہیں۔
عاصم نے گہری محبت بھری نظروں سے ایرانی دوشیزہ کو دیکھ کر کہا۔ مہربانی کر کے
آپ مجھے اپنا نام بتائیں گی؟
ایرانی دوشیزہ نے شرمیلے لہجہ میں جواب دیا میرا نام پروین ہے۔ بے اختیار عاصم
کی زبان سے نکلا۔ اف کیسا پیارا نام ہے۔ پروین نے شرما کر اپنا نازک سر جھکا لیا اس
پر دوشیزگی کی حیا نے اپنا قبضہ کر لیا اسکے شرمانے کی ادا تمام اداؤں سے بڑھ گئی وہ
بالکل شرمیلی دلہن معلوم ہونے لگی۔ عاصم نے کہا۔ پروین! آہ معاف کرنا میں نے کس بے تکلفی
سے تمہارا نام لے دیا۔
پروین نے اپنی شرمیلی نظریں اٹھا کر کہا۔ پرواہ نہ کرو کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔
عاصم نے محبت بھری نظروں سے اس حور کو دیکھ کر کہا کیا کہوں کیسے کہوں بہت کچھ کہنا چاہتا
ہوں لیکن کہہ نہیں سکتا۔ پروین عاصم کی محبت بھری نظروں کو دیکھ کر پھر محجوب ہوئی پھر اس
پر حیا غالب آئی پھر وہ شرم کی پتلی بن گئی پھر اس نے اپنا نازک سر جھکا لیا۔ عاصم کے دل
پر سب سے زیادہ اسکے شرمانے کی ادا چوٹ لگاتی تھی وہ جی بھر کے اس حسن مجسم کو دیکھنا
چاہتا تھا بہت کچھ دیکھنے پر بھی اسکی طبیعت سیر نہ ہوتی تھی بلکہ جس قدر وہ دیکھتا تھا اسی
قدر ہوس دید اور بڑھتی تھی وہ چاہتا تھا کہ برسوں برس اس کے سامنے بیٹھا اسکو
دیکھے مگر یہ کسی طرح ممکن نہ تھا نہ اسکو عمر نوح مل سکتی نہ وہ پیکر حسن اتنے عرصہ تک اسکے سامنے رہ سکتی تھی
اور نہ اسکی یہ آرزو پوری ہو سکتی تھی خدا جانے محبت کیا چیز ہے کیوں انسانوں کے دلوں پر مسلط
ہو جاتی ہے اور کیوں بے کلی داغ اپنے پرستار کے دل میں پیدا کرتی رہتی ہے۔ پروین نے اپنا نازک سر اٹھایا۔
بار حیا سے جھک جانے والی آنکھوں کو سیدھا کیا۔ شرمیلی نظروں سے عاصم کو دیکھا نغمہ ریز لہجہ میں

پوچھا۔ تم کیوں نہیں کہہ سکتے۔ آخر کیا رکاوٹ ہے۔
عاصم کیا کہتا کس طرح کہتا کہ رکاوٹ اس سیم تن کی خفگی کی ہے۔ اس نے کہا پروین میں عرب ہوں، مسلمان ہوں بہادر ہوں کبھی کسی سے نہیں ڈرا اب اگر ڈر نے لگا ہوں تو تیری نگاہ خشمگین سے۔ تیری خفگی کا خوف مجھے کچھ نہیں کہنے دیتا۔
پروینا۔ میں کیوں ناراض ہو جاؤں گی آخر؟
عاصم۔ خدا کرے تم ناراض نہ ہو۔
پروین۔ میں ناراض نہ ہوں گی۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟
عاصم نے بے ساختگی سے کہا۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔
پروین کی پیشانی پر بل پڑ گئے خنجر ابرو تن گئے نظریں ترچھی ہو کر تیر چلانے لگیں چہرہ گل لالہ بن گیا اس نے کسی قدر درشت لہجہ میں کہا۔ محبت!
عاصم نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ ہاں محبت! تم بگڑ لو۔ خفا ہو لو۔ سزا دے لو پروین تم نے مجھ پر سحر کر دیا ہے میری رگ رگ میں اپنی محبت کے جراثیم بھر دیئے ہیں
پروین کا غصہ بڑھتا جاتا تھا اس نے پہلے سے زیادہ تختی کے لہجہ میں کہا۔ تمھیں ایسی جرأت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ عاصم نے انتہائی عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ قصوردار ہوں۔ کہہ چکا سزا دے لو۔ پروین کو عاصم کی عاجزی پر رحم آگیا اس نے کہا سزا یہی ہے کہ آئندہ ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔
عاصم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حکم کی تعمیل کروں گا ورنہ گھٹ گھٹ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر جاؤں گا لیکن محبت کا لفظ زبان پر نہ لاؤں گا جانتا ہوں تم ایرانی ہو۔ ایرانی ظالم بن گئے ہیں۔ تم حسین بھی ہو حسین بے درد ہوتے ہیں تمھیں مجھ پر کبھی رحم نہ آئے گا میں رحم کی التجا کروں گا لیکن سن لو آخری بار سن لو مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے، یہ محبت میرے دل سے نکلنے والی نہیں اگر بھولے سے کبھی یاد آ جاؤں تو دعائے خیر سے یاد کر لیا کرنا! پروین عاصم کو دیکھتی رہی جو وہ کہتا رہا سنتی رہی جب وہ چپ ہو گیا اس نے کہا تم غیر کفو ہو غیر مذہب ہو میں کیسے تمھیں یاد کر سکتی ہوں۔
عاصم دل شکستہ ہو گیا وہ خود کو ملامت کرنے لگا کہ کیوں وہ یہاں آیا لیکن اب ملامت سے کیا ہو سکتا تھا اس لئے آزردہ خاطر ہو کر سر جھکا لیا۔ پروین نے ایسی نظروں سے جن میں رحم کے جذبات پوشیدہ تھے عاصم کو دیکھا۔ کچھ وقفہ کے بعد کہا

کیا میں بھی تمہارا نام دریافت کر سکتی ہوں؟ عاصم نے اپنی غمزدہ نظریں اٹھا کر اس بت ہوش ربا کو دیکھا اس کی رسیلی آنکھوں میں رحم کے جذبات نظر آئے اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ایک گمنام شخص کا نام دریافت کر کے کیا کرو گی؟۔
پروین نے کہا کچھ نہیں لیکن چاہتی ہوں کہ تمہارا نام معلوم ہو جائے۔ عاصم نے کہا میرا نام عاصم ہے۔ پروین نے دریافت کیا تم کہاں ٹھہرے ہو۔
عاصم۔ اس جنگل کے آخری کنارہ پر۔
پروین۔ غالباً صبح تم مدائن کی طرف روانہ ہو جاؤ گے؟
عاصم۔ جی ہاں۔
پروین خاموش ہو گئی۔ عاصم نے کہا۔ تم اس جنگل میں شام کے وقت تنہا کیسے آگئیں
پروین۔ میرے والد آئے ہوئے ہیں ان کے خیمے یہاں سے قریب ہی نصب ہیں آپ نے باتوں میں دیر لگا دی اب میں تنہا کیسے جاؤں گی۔
عاصم نے کہا۔ اگر آپ اجازت دیں گی تو میں آپ کو آپ کی قیام گاہ تک پہونچا دوں گا۔
پروین نے مسکرا کر کہا۔ میں آپ کی اس عنایت کی مشکور ہوں گی۔ عاصم نے کہا آفتاب غروب ہو گیا ہے میں نماز پڑھ لوں تو آپ کے ساتھ چلوں۔
پروین نے حیرت سے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ نماز کیسے پڑھو گے؟ نہ سامنے آگ ہے نہ ابھی کوئی ستارہ نکلا ہے تم کسے سجدہ کرو گے؟ عاصم نے کہا۔ اس خدا کو جس نے آگ اور ستاروں کو پیدا کیا ہے۔
پروین۔ آگ اس تجلی کا عکس ہے جسے تم سجدہ کرنا چاہتے ہو۔ جب اس کی تجلی (آگ) موجود ہے تو تم اسے سجدہ کیوں نہیں کرتے۔
عاصم۔ آگ خدا کی تجلی نہیں ہے اس کا نور آگ سے ہزار درجہ افضل اور لطیف ہے۔
پروین۔ تم مسلمان اس بات کو نہیں سمجھتے۔ اچھا تم نماز پڑھ لو۔
عاصم نے پوچھا یہاں کوئی چشمہ بھی ہے۔ پروین نے کہا ہے۔ آؤ میں بتاؤں دونوں مغرب کی جانب روانہ ہوئے اس میدان کے آخری سرے پر جہاں سے کنارہ اٹھنا شروع ہوا تھا پھولوں کے تختے کے نیچے ایک صاف و شفاف چشمہ بہہ

رہا تھا، عاصم نے وضو کیا وہ نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا پروین چشمہ کے کنارہ پر بیٹھ گئی وہ اپنا نازک سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔

آٹھواں باب

اظہار محبّت

آفتاب کو غروب ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے نکل آیا تھا۔ چاندنی سبز دوب۔ ہری شاخوں۔ خوش رنگ پھولوں پر لوٹنے لگی تھی۔ چاند کی ٹھنڈی روشنی نے ہر چیز میں تازگی اور چمک پیدا کر دی تھی اس وقت یہ منظر اور بھی دلفریب ہو گیا تھا صاف و شفاف چشمہ اب بھی خاموشی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ چاند کا عکس آئینہ جیسے صاف پانی میں پڑ رہا تھا۔ پروین دوب پر شان رعنائی اور ہزار دلربائی کے ساتھ بیٹھی اس چاند کو دیکھ رہی تھی جس نے کائنات کا ذرہ ذرہ چمکا دیا تھا پروین کے قریب ہی چشمہ کے کنارے پر سرو کا ایک درخت تھا اس درخت پر دو بلبل بیٹھے تھے دونوں کبھی کبھی اپنی دردناک آوازیں نغمہ سرائی کرنے لگتے تھے۔ پروین نوجوان تھی حسن و شباب کی مجسم تصویر تھی اس کا ہر عضو نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا قدرت نے اسے رعنائی اور دلربائی عطا کرنے میں فیاضی سے کام لیا تھا ادا و ناز اس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے شباب کی پہلی منزل نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے وہ اس زمانہ کی بہترین حسینہ تھی جو اسے ایک نظر دیکھ لیتا تھا اسکا بندۂ بے دام بن جاتا تھا اسکے حسن کی شہرت تمام ایران میں پھیلی ہوئی تھی ہر شخص اس کے نام کا وظیفہ پڑھتا تھا جس نے اس بت ہوشربا کو دیکھا تھا وہ پھر دیکھنے کی تمنا رکھتا تھا عام طور پر یہ مشہور تھا کہ شیریں جس نے فرہاد سے کوہ بیستون کٹوایا۔ جوئے شیر منگوایا خسرو شاہ ایران کو اپنے دام حسن میں پھنسایا اس قدر خوبصورت نہ تھی جس قدر پروین تھی۔

ہزاروں آدمی پروین پر نادیدہ شیدا تھے۔ یزدگرد شاہ ایران کے دل میں بھی پروین

کی محبت کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ پروین تھی بھی ایسی ہی اس کا گول چہرہ چاند سے زیادہ روشن تھا۔ وہ حسن کی ملکہ تھی بلکہ اس پر حسن کو ناز تھا حسن و خوبصورتی کے علاوہ پروین کے چہرہ پہ نہایت بھولا پن برستا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے عالم سوز حسن کی نیرنگیوں سے بالکل ناواقف ہے۔

پروین خاموش چشمہ کے کنارے بیٹھی تھی۔ کبھی تو وہ زیر آب چاند کے عکس کو دیکھنے لگتی کبھی بلبلوں کے نغمہ روح نواز سننے لگتی۔ عاصم نماز سے فارغ ہو گیا تھا پروین اسکے قریب ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس رشک قمر کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پروین نے اپنی صراحی دار پر نور گردن گھما کر رشک غزال چین آنکھوں سے عاصم کو دیکھا عاصم ٹکٹکی لگائے اس گل نو شگفتہ کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بے تحاشہ تک رہا تھا۔ پروین اس قدر گرم نظروں سے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے شرما گئی۔ اس کی بجلیاں گرانے والی آنکھیں جھک گئیں اس کے بھولے چہرہ سے ملکوتی صفات رعنائی ظاہر ہوئی۔ عاصم تڑپ گیا اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دھڑکنے والے دل کو پکڑ لیا اس کے چہرہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

عاصم کی یہ کیفیت دیکھ کر پروین متاثر ہوئی وہ اٹھ کر چلی۔ ہزار ناز و ادا سے بل کھاتی چلی۔ دل عشاق کو مسلتی چلی، فتنہ قیامت کو بیدار کرتی چلی۔ عاصم کے پاس آئی اپنے پرستار کے پاس کھڑی ہوئی۔ ہمدردی کے لہجہ میں بولی! عاصم! تم اس قدر بے چین کیوں ہو؟

عاصم حسن کی گہرائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا، عالم حسن میں ہو کر آفتاب حسن کی زیارت کر رہا تھا اس کو مہ جبیں پروین کے اٹھنے اور اٹھ کر اس کے پاس آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ ہاں جب اس کا نغمہ روح پرور سنا تو چونکا۔ حسن کی گہرائیوں سے نکلا۔ عالم حسن سے باہر آ کر سنبھلا دیکھا تو ماہ مبیں حسن کا منور چاند اس کے دل کی ملکہ اس کے قریب کھڑی ہے وہ بھی فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے کہا۔ پروین، ابھی کیا بے چین ہوں۔ ابھی تو ابتدا ہے بے چین ہوں گا اور اس قدر بے چین ہوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں، یہ جان عزیز تم پر نچھاور کر دوں گا۔ اس لئے کہ تمھارے بغیر زندگی زندگی ہی نہ معلوم ہو گی۔

عاصم کو جوش محبت نے از خود رفتہ کر دیا تھا مضراب عشق نے اس کے ساز محبت

کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ جوش بیخودی میں وہ سب کچھ کہہ رہا تھا جو اس کے منہ میں آ رہا تھا پروین کھڑی غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔
جب عاصم چپ ہوا تو اس نے کہا۔ محبت بری ہوتی ہے۔ محبت کرنا آسان ہے لیکن اس کا نبھانا مشکل ہے۔

عاصم۔ محبت کرنے والے محبت کو نبھاتے ہیں۔ دل دیکر محبت کا سودا خریدا جاتا ہے اور جان دیکر محبت کی آخری منزل طے کی جاتی ہے۔

پروین۔ لیکن ایسا سودا ہی کیوں کیا جائے۔

عاصم۔ یہ اختیاری بات نہیں کبھی کوئی جان بوجھ کر محبت نہیں کرتا۔

پروین نے ایسی نگاہوں سے جن میں بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھیں عاصم کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا تمھیں پہلے کسی سے محبت نہیں ہوئی؟ عاصم نے جلدی سے جواب دیا بالکل نہیں! میں اس لذت سے آشنائے محض تھا۔

پروین۔ کیا تمھارے ملک کی لڑکیاں خوبصورت نہیں ہوتیں!

عاصم۔ ہوتی ہیں۔ لیکن کسی کے حسن نے میرے دل پر اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر ۔ ۔ ۔ ۔

پروین نے قطع کلام کر کے کہا۔ میں نے ایک عرب لڑکی کو دیکھا ہے بلا مبالغہ وہ حسن کا آفتاب ہے اس سے زیادہ تو کیا اس جیسی خوبصورت لڑکی بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ جو اسے دیکھتا ہے دیوانہ ہو جاتا ہے۔

عاصم۔ کہاں دیکھا ہے!

پروین۔ مدائن میں!

عاصم۔ عربی لڑکی مدائن میں کیسے پہونچ گئی؟

پروین۔ بصرہ شہر سے گرفتار کر کے لائی گئی تھی!

خدا جانے بصرہ شہر کے نام میں کیا اثر تھا کہ عاصم سخت غمگیں ہو گیا اسکی آنکھوں سے غم و فکر کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس نے پوچھا کیا اس کا نام لیلے ہے۔
عاصم یہ کہتے ہی بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ پروین نے جواب دیا ہاں اس کا یہی نام ہے! کیا تم اسے جانتے ہو؟ عاصم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا وہ مظلوم میری حقیقی ہمشیرہ ہے! پروین نے کہا۔ مجھے بھی یہی خیال ہوا تھا۔ ایسی پری نژاد لڑکی

کا بھائی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔
عاصم نے اس کی یہ بات نہیں سُنی اُسے لیلےٰ کی یاد نے بے چین کر دیا تھا اُس نے پھر پوچھا لیلیٰ کہاں ہے؟
پروین۔ ہرمزان کے قصر میں ہے!
عاصم۔ ہرمزان کون ہے؟
پروین۔ ہرمزان میرا ابن عم ہے مدائن کا بڑا رئیس ہے!
عاصم نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ کیا تم مجھ پر ایک احسان کرو گی؟ پروین نے دل چھین لینے والے لہجہ میں کہا۔ کیا؟
عاصم۔ مجھے لیلےٰ سے ملا دو!
پروین۔ ناممکن ہے ہرمزان کے قصر میں پرندہ پر نہیں مار سکتا!
عاصم۔ اچھا اسے میرا یہ پیغام پہونچا دینا کہ میں اس کے لئے سخت بے چین ہوں۔ اور اس کی رہائی کی انتہائی کوشش کروں گا۔ نیز مسلمان اُسے اسکے رہا کرانے کے لئے ہی حملہ آور ہوئے ہیں۔
پروین۔ ہاں! تمھارا یہ پیغام پہونچا دیا جائے گا۔ خوش قسمتی سے میں مدائن ہی جا رہی ہوں۔
عاصم کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک کرخت آواز آئی۔ کوئی پیغام نہیں پہونچایا جا سکتا پروین تم غداری کر رہی ہو۔ اس آواز کو سُن کر دونوں چونک پڑے۔ دونوں سنبھلے۔ دونوں نے اس طرف جس طرف سے آواز آئی تھی دیکھا۔ ایک نوجوان لمبے لمبے قدم رکھتا انکی طرف آ رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی پروین کا چہرہ فق پڑ گیا۔ تر و تازہ گلاب کے پھول جیسے عارض کملا گئے۔ پر تپاش موتی آنکھوں سے خوف اور غم کا اظہار ہونے لگا۔ وہ کانپنے لگی عاصم کی طرف جھک گئی۔ عاصم نے بڑھ کر اس حورو ش کو سہارا دیا۔ نہ جانے پروین نے بے اختیارانہ طریقہ پر عاصم کے گلے میں باہیں ڈال دیں اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ آہ۔ بچاؤ عاصم! مجھے اس خونخوار درندہ سے۔ بچاؤ! آنے والا اور بھی قریب آتا جا رہا تھا۔ پروین کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔
عاصم حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں اس آنے والے کو دیکھ کر پروین خوفزدہ ہو گئی اس کے اس طرح سے خائف ہونے سے عاصم کے دل میں جوش کا۔ اموجزن

ہو گیا اس نے آہستہ سے تشفی آمیز لہجہ میں کہا۔

ناز آفرین دوشیزہ! بالکل خوف نہ کرو یہ میرے سامنے تمھیں گزند نہیں پہونچا سکتا
پروین بالکل عاصم کے اوپر جھک کر گر گئی۔ اس کا گداز اور معطر جسم عاصم کے جسم سے وصل ہو گیا۔ اس کی زلف۔ اس کے جسم۔ اس کے کپڑوں کی بہترین خوشبو عاصم کے دماغ میں پہونچی۔

اگر آنے والے کا خوف نہ ہوتا تو وہ فردوس مسرت کی کیف آگیں گہرائیوں میں ڈوب کر ما فیہا سے بے خبر ہو جاتا۔

"نواں باب"

مہران

عاصم کو بالکل بھی اس بات کی توقع نہ تھی کہ ایران کی مایۂ ناز حسینہ حسن و جمال کی ملکہ دنیا جہاں کی حور اس سے ہم آغوش ہو جائے گی اور اس کے پھول سے بدن کی بھینی بھینی خوشبو اس کے مشام جان کو معطر کر دے گی۔ اس کا نازک اور خوبصورت سر اس کے شانہ سے آ لگے گا۔ عاصم کو اس وقت اپنی خوش بختی پر ناز تھا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ پروین کی نازک اور پتلی کمر کے گرد بطور حلقہ کے ڈال دیا تھا۔ آنے والا خشمگین نگاہوں سے عاصم کو گھورتا بڑھا چلا آ رہا تھا عاصم بھی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
یہ آنے والا ایرانی نوجوان تھا۔ جوش غضب سے اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا آنکھوں سے چنگاریاں جھڑ رہی تھیں ایک ہاتھ میں ڈھال لیے تھا۔ وہ اس طرح تیزی سے آ رہا تھا۔ گویا وہ آتے ہی حملہ کر دے گا۔

عاصم نے اس کے تیور دیکھ لیے تھے، وہ سمجھ گیا تھا کہ ایرانی نوجوان بغیر لڑے نہ مانے گا اس نے آہستہ سے پروین سے کہا۔ ناز آفریں دوشیزہ! سنبھلو! حوصلہ سے کام لو! اگر تم اپنے سہارے سے کھڑی ہو جاؤ تو میں اس درندہ کے ٹکڑے کر ڈالوں۔

پروین نے آہستہ آہستہ عاصم کے شانہ سے اپنا خوبصورت سر اٹھایا۔ دست ناز سے اپنی پتلی کمر کے گرد سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور ایک قدم آگے بڑھ کر کھڑی ہو گئی اس وقت اس کی سنہری مائل سیہ زلفیں سرخ فیتہ سے نکل کر اس کے چاند جیسے چہرہ پر جھک آئی تھیں۔ چند گستاخ گھنگھر یالے بال پیچ و خم کھا کر اس کے پھول سے رخساروں کو چومنے کے لیے عارض تاباں پر بکھر گئے تھے۔

ریشمیں رومال جس میں ہیرے کی کنی لگی ہوئی تھیں سرک کر پیچھے کی طرف جا پڑا تھا چاند نے اپنا پر تو ڈال کر اس کے بالوں۔ اس کی بھولی اور پیاری صورت کو جگمگا دیا تھا۔ اس نے اداۓ جانانہ سے دست ناز اٹھا کر نصف انگڑائی لینے کی شان سے پتلی کمر کو بل دیتے ہوئے رومال کو سر میں کھینچا۔ بالوں کو پھول سے گالوں سے ہٹایا۔ اور ایک شہزادی کی سی شان سے کھڑی ہو کر آنے والے ایرانی سے کہا۔

مہران! اس عرب کا کوئی قصور نہیں ہے تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔

عاصم حیرت میں تھا کہ پروین اس ایرانی سے اتنا کیوں ڈرتی ہے اُسے دیکھ کر اس درجہ خائف کیوں ہو گئی ہے۔ جب مہ جبیں پروین نے غلط فہمی کا لفظ استعمال کیا تو اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ غلط فہمی کیسی!

آنے والے نوجوان کا نام مہران تھا۔ عاصم کو پروین کے کہنے سے اس کا نام معلوم ہو گیا تھا لیکن وہ کون تھا۔ یہ ابھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ مہران جوروش پروین کے پاس آکر رک گیا۔ اس نے کہا پروین! سچ بولو تم اس عرب سے کیا باتیں کر رہی تھیں؟ پروین نے جواب دیا کوئی خاص بات نہ تھی۔ میں ایرانی ہوں اور ایرانی کبھی اپنے ملک سے غداری نہیں کرتا۔

مہران۔ لیکن رات کے وقت تنہائی میں دشمن ملک و قوم سے ملنے کے کیا معنی۔

پروین۔ میں یہاں سیر کرنے آئی تھی۔ اتفاق سے یہ عرب بھی ادھر آ نکلا میں پوچھ رہی تھی یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے کہاں جا رہا ہے ابھی اس نے جواب نہ دیا تھا کہ تم آ گئے۔

مہران۔ یہ عذر لنگ ہے میں دیر سے کھڑا تمھیں باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

پروین۔ لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں اور تمھیں میری بات پر یقین کرنا چاہئیے!۔

مہران۔ اگر تم سچ کہتیں تو مجھے یقین آ جاتا!

عاصم کو طیش آگیا اسے گوارا نہ ہوا کہ اس کے سامنے اس کی تجویز کو کوئی جھٹلائے اس نے درشت لہجہ میں مہران سے کہا۔ ایک جھوٹا آدمی ہر ایک کی بات کو جھوٹ ہی سمجھا کرتا ہے۔ مہران عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے غیظ بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر ترش روئی کے لہجہ میں کہا۔ بد بخت عرب تمہارا یہ حوصلہ کہ مجھے جھوٹا بتاؤ؟ عاصم کو زیادہ غصہ آگیا اس نے کہا اجل رسیدہ ایرانی! جو جیسا ہوتا ہے دنیا اُسے ویسا ہی کہتی ہے۔

مہران کو اس قدر غصہ آیا کہ اس سے ضبط نہ ہو سکا اُس نے تلوار بلند کی عاصم کی طرف جھپٹا۔ عاصم کے پاس بھی تلوار تھی اس نے بھی میان سے تلوار کھینچ لی۔ دونوں سرفروش جان دینے اور جان لینے پر آمادہ ہو گئے۔ پروین یہ دیکھ کر تڑپ گئی وہ ادائے جانانہ سے چل کر ان دونوں کے درمیان کھڑی ہو گئی اُس نے کہا۔ تم میرے سامنے نہیں لڑ سکتے پہلے مجھے قتل کر ڈالو۔ پھر لڑنا۔

عاصم اور مہران دونوں نے پروین کو دیکھا۔ اس حور کو حسن کی تصویر کو۔ پیکر ناز کو دیکھ کر دونوں کے جوش ٹھنڈے پڑ گئے دونوں کی تلواریں جھک گئیں دونوں ایک ایک دو دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

مہران نے پروین کو دیکھ کر کہا۔ پروین! آخر تم اس عرب کو کیوں بچانا چاہتی ہو۔ پروین نے ملائم لہجہ میں لوچدار آواز سے کہا اس لئے کہ یہ سفیر ہے اور سفیر کو کسی ملک میں قتل نہیں کیا جاتا۔

عاصم نے کہا۔ مہران اس سیم تن کو دعا دو اس نے تمہیں بچا لیا۔ مہران نے کہا۔ معلوم ہو جائے گا کس کے سر کو قضا گھور رہی ہے۔ اب مہران پروین کی طرف متوجہ ہوا اُس نے کہا۔ پروین! کیا تم اس نوجوان کو پہلے سے جانتی ہو؟

پروین نے جواب دیا نہیں میں نے اسے آج ہی دیکھا ہے مہران نے کڑی نگاہوں سے پروین کو دیکھ کر کہا۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں اس قدر گھل مل کر باتیں کرنا مجھے مشکوک کرتا ہے۔ مہ جبین پروین نے اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا کر مہران کو دیکھتے ہوئے کہا آپ کا شک بجا ہے۔

عاصم کو ابھی تک حیرت تھی کہ آخر مہران کون ہے اور ناز آفریں پروین اُس سے کیوں ڈرتی ہے۔ مہران نے کہا۔ اچھا اس عرب سے کہو کہ یہ میرے ساتھ چلا آوے

خود کو ایک قیدی سمجھے۔ عرب آزاد رہتے ہیں۔ آزادی ان کی گھٹی میں پڑی ہے وہ آزادی کے سامنے دولت وحشمت حتیٰ کہ جان تک کی پرواہ نہیں کرتے۔

عاصم عرب تھا۔ عربی خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا آزادی کی ہوا میں سانس لیا تھا۔ اُسے مہران کی گفتگو سخت ناگوار گزری اس نے بگڑ کر کہا۔ مہران ہوش میں آؤ! مجھے حراست میں لینے والا قید کرنے والا دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

مہران کو پھر غصہ آگیا۔ وہ نوجوان تھا۔ ایرانی تھا۔ ایک بہادر قوم کی یادگار تھا اسکا ہاتھ پھر تلوار کے قبضہ کی طرف گیا۔ اس نے پروین کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔ نازک اندام پروین جھٹکے کی تاب نہ لا سکی۔ مشکل سے وہ گرتے گرتے سنبھلی۔

مہران نے کڑک کر کہا۔ پروین! ایک طرف ہٹ میں اس عرب کو اسکی بدزبانی کی سزا دوں گا۔ عاصم کو اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اُسکا خون اسکی رگوں میں کھولنے لگا۔ اس نے پروین کو اپنے پس پشت لے لیا اور آگے بڑھ کر کہا۔

ایرانی کتے! تیرا یہ حوصلہ ایک دھان پان دوشیزہ پر اپنی طاقت آزماتا ہے۔ سامنے آ۔ تیرے غرور کو توڑ کر تجھے خاک میں ملا دوں گا۔

مہران کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ غصہ نے اُسے بیتاب کر دیا۔ فوراً اس نے تلوار کھینچی اور لپک کر عاصم پر وار کیا۔ عاصم نے حیرت انگیز پھرتی سے اس کا حملہ روکا۔ پروین غم اور افسوس بھری نظروں سے ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھنے لگی ایک طرف اس کا ہم وطن۔ ہم مذہب تھا۔ دوسری طرف وہ تھا جو اُسے چاہنے لگا تھا۔ وہ حیران تھی کہ کس کی فتحیابی کی دعا مانگے!

وہ حیران و ارکھڑی ہو کر ان کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگی۔ مہران جوش میں آ کر لپک لپک کر حملے کر رہا تھا۔ عاصم نہایت اطمینان۔ نہایت استقلال نہایت ہوشیاری سے اُس کے حملے روک رہا تھا۔

مہران کے حملے کرنے اور عاصم کے روکنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دونوں لڑائی کے فن سے پورے ماہر ہیں۔ دراصل دونوں تجربہ کار لڑنے والے تھے تلوار کے دھنی تھے۔ نہایت ہوشیاری سے لڑ رہے تھے۔ عاصم نے دیر کے بعد پینترا بدل کر مہران پر حملہ کیا۔ یہ حملہ سخت اور جان لیوا تھا۔ مہران نے نہایت ہوشیاری سے

اس حملہ کو روکا اور خود جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔ عاصم نے مشکل سے اس حملہ کو روکا۔

اس وقت چاندنی پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ سبزہ زار میدان پر درختوں کی شاخوں پر چشمہ کے صاف پانی پر چاندنی نے سفید چادر پھیلا رکھی تھی!

گرمیوں کے دن تھے۔ ہوائے خوشگوار کے جھونکے چل رہے تھے۔ برف المیدان تھا۔ نہ شور سوا د منظر تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت ایسے مقام پر دو نوجوان حریف لڑ رہے تھے اور ایک پری زاد دوشیزہ اپنی ہوشربا مگر غم یاس میں بھری نگاہوں سے انہیں لڑتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

مہران نے ایک مرتبہ جوش میں آ کر حملہ کیا۔ عاصم نے تلوار کو چرخ دے کر اسکا حملہ روکا۔ عاصم کی تلوار کی نوک مہران کی کلائی میں زخم لگا کر لوٹی۔ مہران کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ عاصم نے لپک کر تلوار اٹھالی۔ مہران نہتا رہ گیا۔ عاصم نے کہا۔ بزدل مہران! مرنے کے لئے تیار ہو جا۔

مہران پیچھے ہٹا۔ عاصم بڑھا۔ پروین اپنی ستانہ خرامی سے قیامت برپا کرتی چلی وہ جلدی سے عاصم کے پاس پہنچی۔ اس نے کہا۔ عاصم معاف کر دو! مہران کو بھی معاف کر دو۔

پروین نے یہ فقرے کچھ ایسے عاجزی کے لہجہ میں کہے کہ عاصم کا دل بے چین ہو گیا وہ حور جسے وہ ہزار جان سے پیار کرنے لگا تھا اس سے کچھ کہتی یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ اس کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے کہا۔ مہران! اس حور جمال دوشیزہ کا شکریہ ادا کرو اس کی بدولت تمھاری جان بچ گئی۔

مہران کو خفت ہوئی تھی۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے گر کر اس کے حریف کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔ وہ نہتا رہ گیا تھا۔ اس وقت تعلی کرنا جان جانے کے مترادف تھا۔ وہ خاموش تھا۔ انتہائی طیش آلود نظروں سے عاصم کو گھور رہا تھا۔ اگر اس کا بس ہوتا تو وہ عاصم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔ اس نے ایک دفعہ اور اپنی شعلہ بار آنکھوں سے عاصم کو دیکھا۔ فوراً پلٹا۔ اور غصہ میں پیر زمین پر مارتا ہوا چل دیا۔

کاش! عاصم اس کا خاتمہ کر دیتا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا اگر ایسا ہو جاتا تو عاصم ہزاروں مصائب سے بچ جاتا اور ہمیں اس افسانہ کو لکھنے اور قارئین کرام کو اس کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

گل اندام پروین نے بڑھ کر عاصم کا شکریہ ادا کیا۔ اُس کے یاقوتی لبوں سے روح پرور نغمہ نکلا۔ عاصم اس نغمۂ جاں فزا کو سن کر کچھ کھویا سا گیا۔

دسواں باب

عاصم کی گرفتاری

نازنینِ آفرین پروین عاصم کی محویت دیکھ کر شرما گئی اس کے گلگونہ عارض پر حیاء سے رعنائی کا دلکش غازہ پھر گیا۔ اس نے اپنی حیاء بار آنکھوں سے عاصم کو دیکھا عاصم حسن کی گہرائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ فردوسی نغمہ میں سرمست تھا۔ آفتاب حسن کے نظارہ میں محو تھا۔ پروین کی برقپاش آنکھوں نے اس کے دل پر بجلی سی گرا دی وہ ہوشیار ہوا بالکل ایسے ہی جیسے کوئی محو خواب ناز آہستہ آہستہ بیدار ہوتا ہے۔ اس نے حوروش پروش کی آنکھوں کو دیکھا۔ جن میں حیا کے ساتھ بجلی جیسی چمک بھی تھی اس نے کہا پروین۔

وہ کچھ کہتا کہتا رک گیا یا تو رعب حسن نے اُسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہونے دی یا وہ اس بت ہوشربا کی خفگی سے ڈر گیا۔ پروین نے کہا۔ عاصم! اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارا اس جگہ ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں۔

عاصم نے اس گل نو بہار کے پھول سے رخساروں کو دیکھتے ہوئے کہا جب تک تم میرے سامنے موجود ہو مجھے کسی خطرہ کی پرواہ نہیں۔ پروین نے اپنی خوبصورت آنکھیں عاصم کی آنکھوں میں ڈال کر کہا۔ نہیں عاصم! میں کچھ نہیں کر سکتی۔ یزداں کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ آہ تم مہران کو نہیں جانتے۔

عاصم اُس بت ہوشربا کی مست و نشیلی آنکھوں سے مست و بیخود ہوتا ہوا۔ پھر اس نے پوچھا۔ مہران کون ہے؟ پروین نے جلدی سے جواب دیا وہ یزدگرد کا بھرانہ ہے۔ عاصم نے پھر دریافت کیا۔ تم اس سے اس قدر کیوں ڈرتی ہو؟ پروین نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ وہ بدترین انسان ہے بہائم صفت دیوان ہے ننگ خاندان

ہے اس سے ہر شریف انسان ڈرتا ہے۔

عاصم۔ کیا ایسے انسان کو حکومت بھی سیدھا نہیں کر سکتی؟

پروین۔ بالکل نہیں! اس نے شاہ ایران پر قابو حاصل کیا ہوا ہے۔ یزدگرد اس سے دبتا ہے۔ حکومت اس کا لحاظ کرتی ہے تمام ایرانی اس سے ڈرتے ہیں۔

عاصم۔ آخر شاہ ایران کیوں دبتا ہے؟

پروین۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔

عاصم۔ نہیں! پروین تم جانتی ہو۔ لیکن یا تو مہران کے خوف سے یا شاہ ایران کے دبدبہ سے یا قومی رسوائی کے خیال سے بیان کرنا نہیں چاہتیں!

پروین نے اپنی خوبصورت آنکھیں اٹھا کر عاصم کو دیکھا اس کے پیارے چہرہ سے حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے دریافت کیا تم نے یہ بات کیسے معلوم کی!

عاصم نے محبت بھری نظروں سے اس کے چاند سے چہرہ کو دیکھ کر کہا تمہاری ہوئی آنکھوں نے مجھے بتایا۔ پروین! انسان کی آنکھیں چغلخور ہوتی ہیں! مجھے بتاؤ شاہ ایران مہران سے کیوں دبتا ہے؟

پروین نے اپنا خوبصورت اور نازک سر جھکا کر جواب دیا۔ دراصل مہران نے یزدگرد کو حسن پرستی کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ وہ ایران کی خوبصورت لڑکیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قصر شاہی میں لے جاتا ہے۔ شریف ایرانی اس بدکار سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

عاصم نے غور سے اس ایرانی چاند کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا تم بھی اس سے نفرت کرتی ہو؟۔

مہران خوبصورت تھا۔ وجیہہ تھا۔ نوجوان تھا۔ بادشاہ وقت کا ہمراز تھا دستمر تھا۔ ایران میں اس وقت اس کا طوطی بول رہا تھا۔ اس لئے عاصم کو خیال ہوا کہ کہیں پروین پر اس کی ان باتوں میں سے کسی کا اثر تو نہیں ہے۔ اگرچہ جب مہران آیا تھا تو پروین نے کہا تھا کہ مجھے اس درندہ سے بچاؤ۔ اسی سے عاصم کو سب کچھ سمجھ لینا چاہئے تھا لیکن محبت میں بے اعتباری لازمی ہے۔ ہر عاشق اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ عاصم کیسے مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔

پروین نے جواب دیا۔ ہاں! میں اس سے نفرت کرتی ہوں!

عاصم کا چہرہ چمک اٹھا۔ گویا اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ لیکن ایک خلش باقی رہ گئی۔ پروین بہترین حسینہ تھی حسن کی بے نظیر تصویر تھی۔ ملکوتی صفات نازنین تھی۔ ملائک فریب مہ جبین تھی اس لئے اب عاصم کے دل میں یہ خلش یا خیال پیدا ہوا کہ مہران پروین کو چاہتا ہے۔

اس نے اس خیالی خلش کو مٹانے کے لئے پروین سے استفسار کیا لیکن مہران تم سے محبت کرتا ہے

چونکہ عاصم غور اور محبت بھری نظروں سے اس رشک قمر کو دیکھ رہا تھا پروین کی حیا بار آنکھیں اس کی آنکھوں سے چار ہوئیں وہ مرعوب ہوگئی۔ اس نے زیادہ دلیقہ بر بیا خنگی کے ساتھ شرمیلے لہجہ میں جواب دیا! ہاں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔

عاصم نے جوش بھرے لہجہ میں از خود رفتگی سے کہا۔ بدمعاش!! اوباش!!

پروین نے کہا۔ وہ فتنہ پرداز اوباش ہے!

عاصم کی آنکھوں سے اس وقت جوش غضب کی وجہ سے چنگاریاں جھڑنے لگی تھیں اس نے پھر دریافت کیا کیا اس نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا

پروین۔ کئی مرتبہ! آخری مرتبہ جب وہ مجھ سے ملا تھا تو اس نے مجھے دھمکی بھی دی تھی۔

عاصم جوش غضب سے سرخ ہوگیا۔ اس نے پوچھا۔ کیا کہا تھا؟

پروین۔ اس نے کہا تھا کہ وہ زبردستی میری عصمت تاراج کر ڈالے گا!

عاصم کو سخت غصہ آگیا۔ جوش غضب سے اس کی آنکھیں دہکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ کمینہ! بدمعاش!!

پروین نے کہا۔ وہ سفلہ مزاج بدمعاش ہے!

عاصم نے کہا۔ کیا تم نے اپنے والد سے نہیں کہا؟

پروین۔ کہہ دیا ہے لیکن وہ اس کا کچھ نہیں کر سکتے۔ اس بدبخت کے خوف سے مجھے اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

عاصم۔ لیکن تم نے اس رذیل بدمعاش کو میرے ہاتھوں سے کیوں بچایا۔

پروین۔ اس لئے کہ اس کی موت ہمارے خاندان کی تباہی کا باعث بن جاتی یزدگرد اس کا انتقام ہمارے سارے خاندان سے لیتا!

عاصم۔ معلوم ہوتا ہے ایرانی تہذیب و شائستگی ختم ہو چکی حیا سوز بداخلاقی کا دور شروع ہو گیا۔

پروین۔ تم ٹھیک کہتے ہو لوگ معصیت میں ڈوب گئے حضرت زرتشت کی تعلیم سے منحرف ہو گئے ہیں مقدس آتش کدہ استا کو بھول گئے ہیں یزداں کو چھوڑ کر اہرمن کی پوجا کرنے لگے ہیں ایک رسوائے عالم واقعہ سناتی ہوں۔ شاہ کسریٰ کے عین دربار کے وقت مزدک نے ملکہ ایران کی عصمت دری کی خواہش کی۔ لوگوں کو سخت ناگوار گزرا لیکن بادشاہ نے اس بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔ اس سے لوگوں کی اوباشی اور ترقی کر گئی ہے عورتوں کی عزت خطرہ میں پڑ گئی ہے۔[1]

عاصم۔ تعجب ہے۔ ایرانی جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار کہلاتے ہیں ایسے بداخلاق اور بدتہذیب ہو گئے ہیں۔

پروین مجھے شرم آتی ہے کہ میری قوم کے اطوار اس قدر حیاسوز ہو گئے ہیں۔ کہ جن کو بیان کرتے ہوئے شرم اجازت نہیں دیتی۔

عاصم۔ جب کوئی قوم صفحۂ دنیا سے مٹنے والی ہوتی ہے تو اسکے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ حیاسوزی آجاتی ہے۔ تمدن بدل جاتا ہے۔

پروین۔ یہی بات ہے عاصم! اب رات زیادہ آگئی ہے ہمیں اب یہاں سے چلنا چاہئیے۔

عاصم کا جی نہ چاہتا تھا کہ حسن کے اس جلوہ گر چاند سے علیحدہ ہو جائے جس نے اس کی آنکھوں میں نور ہی نور بھر دیا تھا۔ یا جس کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن یہ ممکن نظر نہ آتا تھا کہ وہ ہمیشہ اس بے نظیر حسینہ کے سامنے رہے جس نے اس کی زندگی کا نیا باب شروع کرایا تھا۔

چنانچہ اس نے افسردہ دلی سے کہا چلو۔ لیکن چلنے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔ پروین نے بھولے پن سے کہا کیا؟

عاصم نے انتہائی محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے محبت اختیاری نہیں ہوتی۔ میں بے اختیارانہ طریقہ پر تم پر فدا ہو گیا ہوں تمہاری

---

[1] از تاریخ اسلام ص

محبت کی آگ مجھے جلا کر چھوڑے گی۔
عاصم کا فقرہ ابھی پورا نہ ہوا تھا۔ کہ ایک کرخت آواز آئی غلط ہے تجھے شمشیر ابدا کی آگ موت کی آغوش میں پہونچائے گی۔
فوراً عاصم نے اور عاصم کے ساتھ حور وش مہ جبین نے گھوم کر اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ چند مسلح نوجوان اس طرف جلد جلد قدم اٹھائے چلے آرہے تھے۔ ان سب میں آگے مہران تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جو چاندنی میں چمک رہی تھی۔
انہیں دیکھتے ہی پروین کے چاند سے چہرہ کا شہابی رنگ پرواز کر گیا نازک مسیحا صفت عنابی لب پھیکے پڑ گئے۔ رسیلی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ اس نے دبی آواز سے کہا۔
''آہ عاصم جس بات کا اندیشہ تھا وہ سامنے آئی!''
عاصم نے مردانہ لہجہ میں کہا۔ پیاری خوف نہ کرو۔ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار۔ دل میں جوش جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی ہے یہ بزدل تمہیں یا مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔
مہران اور اس کے ساتھی قریب آگئے یہ سب آٹھ آدمی تھے انھوں نے آتے ہی عاصم کے گرد حلقہ کر لیا۔ مہران نے غضب آلود لہجہ میں کہا۔
''او گستاخ عرب! خیریت چاہتا ہے تو تلوار ڈال دے۔
عاصم کو غصہ آرہا تھا۔ جوش سے خون اس کی رگوں میں کھولنے لگا تھا اس نے کہا۔ بزدل بے حمیت! اپنے حاشیوں کے بل بوتے پر اتراتا ہے۔
مہران اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکا اس نے اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس دریدہ دہن کے ٹکڑے اڑا دو۔
سب نے تلواریں میانوں سے کھینچ لیں۔ صاف و شفاف صیقل کی ہوئی تلواریں چاندنی میں چمکیں۔ عاصم نے بھی تلوار تولی۔ پروین نے دیکھا۔ وہ تڑپ گئی۔ اس نے مہران سے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ مہران اس عرب کو بچالو!۔
مہران غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ ہرگز نہیں بچایا جاسکتا عاصم کو ناگوار گذرا کہ ایک بے مثل حسینہ کی استدعا رد کر دی گئی۔

اس نے کہا۔ پروین اس شقی سے کچھ مت کہو تم نے اسے بچا دیا تھا مگر اس کی موت اسے پھر میرے سامنے لے آئی۔ ...

مہران نے کڑک کر کہا۔ اب معلوم ہو جائے گا موت کس کی آئی ہے!

یہ کہتے ہی اس نے عاصم پر وار کیا۔ عاصم نے اس کا وار روکا۔ عاصم کے پاس پروین کھڑی تھی۔ اسے نہ صرف خود کو بچانا پڑتا تھا۔ بلکہ سب سے زیادہ پروین کا خیال کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ صرف مدافعت کر سکتا تھا اور مدافعت ہی کر رہا تھا!

مہران شیر ببر کی طرح حملے کرنے لگا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی للکار رہا تھا۔ اس کے ساتھی بھی عاصم پر ٹوٹے پڑنے تھے۔ جنگ شروع ہو گئی تھی۔

مہ جبین پروین حیران و ہراساں کھڑی اس خونریز لڑائی کو دیکھ رہی تھی۔ عاصم نے اس سے کہا۔ پروین! اگر تم ایک طرف ہٹ جاؤ تو میں بھی اپنے دل کے حوصلے نکال لوں۔ مہ جبین پروین موقع پا کر نکلی اور ایک طرف کھڑی ہو کر لڑائی کا رنگ دیکھنے لگی۔ عاصم کو اب موقع ملا۔

اس نے پینترا بدل کر حملہ کیا۔ اس کی تلوار ایک ایرانی کے سر پر پڑی سر کی دو پھانکیں کرتی ہوئی حلق تک پہنچی۔ ایرانی ایک خوفناک چیخ مار کر گرا۔

خاموش فضا میں مرنے والے ایرانی کی چیخ گونجی۔ فضا میں تلاطم پیدا ہوا نازک پروین سہم گئی۔

مہران نے بڑھ کر عاصم پر حملہ کیا۔ عاصم نے اس کا حملہ روکا اور جھپٹ کر داہنی طرف والے ایرانی پر جا ٹوٹا۔ اس نے جلدی سے تلوار کا وار کیا۔ ایرانی اسے ڈھال سامنے کرے اتنے میں تلوار اپنا کام کر گئی۔

اس کا سر اڑ گیا۔ وہ گرا لیکن عاصم اوپر گرا۔ عاصم دوسرے ایرانی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ گرنے ایرانی سے بچنے کے لئے تیار نہ تھا۔ جب اس پر لاش آ گری۔ تو وہ سنبھل نہ سکا۔ زمین پر جھک گیا۔ فوراً دو ایرانی اس پر گرے اور ان دونوں نے اس کی کمر پکڑ لی۔

مہران نے لپک کر اس کی تلوار تھام لی۔ عاصم بے دست و پا ہو گیا۔ ایک ایرانی نے کمند نکالی۔ پھندا عاصم کے گلے میں ڈالا جھٹکا دے کر ڈور کھینچی۔ کمند پھنس گئی۔ عاصم

گرفتار کر لیا گیا۔
پروین یہ دیکھ کر تڑپ گئی۔ وہ دیوانہ وار بڑھی۔ مہران کے پاس پہونچی! اس نے کہا۔ مہران! رحم کرو اس عرب پر رحم کرو۔
مہران کو غصہ آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ رحم۔ یہ اس جیل خانہ میں ڈالا جائے گا جہاں سے کبھی کوئی زندہ نہیں نکلا۔
پروین مہران کے سامنے دو زانوں ہو کر کھڑی ہو گئی اس نے انتہائی عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ نہیں نہیں مہران ایسا نہ کرو۔ آہ! مجھ پر مہربانی کرو۔
مہران کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے کہا پروین اٹھو اپنے باپ کے پاس جاؤ! میں اس گستاخ عرب کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔
پروین نے اس کا دامن پکڑ کر کہا۔ آہ نہیں میرا دل نہ توڑو! مہران میں اس غم کو برداشت نہ کر سکوں گی۔
مہران نے طیش بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ کیا تو اس عرب سے محبت کرتی ہے۔
پروین نے جلدی سے کہا۔ ہاں میں محبت کرتی ہوں مہران! اگر تم نے مجھ پر مہربانی نہ کی۔ اگر تم نے اس عرب کو نہ چھوڑا تو میں دفور رنج و غم سے ہلاک ہو جاؤں گی۔
مہران کو پہلے سے زیادہ غصہ آ گیا۔
اب اس غصہ میں کچھ رشک رقابت بھی شامل ہو گیا تھا اس نے درشت لہجہ میں کہا۔ او ننگ قوم دور ہو جا میں اس بدر بدہ دہن عرب کو ہرگز نہ چھوڑوں گا!
پروین کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ اویزدان مجھ پر رحم کر دیا تو اس عربی نوجوان کو رہائی دلا دے یا مجھے دنیا سے اٹھا لے۔
ہاشم کو اس حوروش کی یہ کیفیت دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ اس نے پروین سے اظہار محبت کیا تھا۔ اس نے محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔ لیکن ذرا ہی سی دیر بعد اب حور نے اس کی محبت کا اقرار کر لیا تھا اور اس کی گرفتاری سے اس قدر بے چین ہو گئی تھی کہ اپنی موت کی دعا مانگنے لگی تھی۔
وہ عورت کی فطرت سمجھنے سے قاصر رہا۔ ناز آفرین پروین کے پیارے بھولے خوبصورت چہرہ سے غم، حسرت۔ انکساری ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ حسن کی مالکہ تھی۔

رعنائی کی شہزادی تھی۔ دنیا اس کے سامنے جھک جاتی۔

اس کے ادنیٰ حکم کی تعمیل نہایت فخر سے کرتی۔ لیکن بے رحم مہران نے اس کی عاجزی پر بھی رحم نہ کیا۔ جب پروین نے دعا مانگی تو مہران کے دل پر نشتر لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اس گستاخ عرب کو مدائن لے جاؤ اسے شہنشاہ یزدگرد کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پروین جانتی تھی ایران کا بادشاہ اراکین سلطنت کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے مہران اس کے مزاج میں بہت کچھ دخیل ہے۔

اس کے سامنے پیش کر کے یا تو سزائے موت دلائی جائے گی یا اس کو جیلخانہ میں ٹھونس دیا جائے گا جس میں داخل ہو کر قیدی تازہ ہوا اور آفتاب کی روشنی کو ترس جاتا ہے اور اس وقت تک مقید رہتا ہے جب تک اس کا مرغ روح قفس عنصری پرواز نہیں کر جاتا۔

اس جانکاہ خیال سے ماہوش پروین بہت زیادہ غمزدہ ہو گئی۔ اس نے آخری مرتبہ مہران کی خوشامد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بڑھی مہران کے پاس پہونچی اس کے پیروں پر جھک گئی۔ اس نے اس کے قدموں کو چھو کر نازک ہاتھوں کو جوڑ کر ہونٹ با آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا کر عاجزی کے لہجہ میں کہا۔

مہران کو رشک رقابت نے از خود رفتہ کر رکھا تھا وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا اس نے کہا پروین اٹھو! میرے سامنے سے چلی جاؤ میں کبھی اس عرب پر رحم نہ کروں گا پروین کھڑی ہو گئی اب تک اس کے آنسو جاری تھے عاصم کو غصہ آیا اس نے کہا پروین تم نے عاجزی کی انتہا کر دی ایک وحشی انسان کے سامنے رحم و کرم کی اپیل کر کے اپنے جذبات خودداری کو ٹھیس لگائی۔

میرے احساسات کو مجروح کیا۔ بس اب اپنے مرتبہ سے زیادہ نہ گر جاؤ۔ تمہاری وفاداری کا نقش مرتے دم تک میرے دل پر رہے گا۔ پروین نے ان نگاہوں سے جن میں محبت کے گہرے جذبات کے ساتھ آنسو بھرے ہوئے تھے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ عاصم! میں نہیں جانتی آئندہ کیا ہو گا قسمت تمھیں کیا دکھائے گی میرے ساتھ کیا پیش آئے گا۔ میں اور تم پھر مل سکیں گے یا نہیں۔

سنو اور غور سے سنو! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے محبت نہیں عشق ہو گیا ہے۔

میں تمھاری یاد سے ایک لمحہ غافل نہ رہوں گی یقیں بچانے کی انتہائی کوشش کروں گی اگر میری کوششیں بیکار ہو جائیں گی تو تم سے پہلے اپنی جان دیدوں گی۔ عاصم اس کی اس گفتگو سے کمال متاثر ہوا۔

اسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ایران کی مایۂ ناز حسینہ جس کا جلوہ گر آفتاب دنیا جہاں پر حکومت کرنے والی دوشیزہ اس کی محبت کا اعتراف کرے گی نہ صرف اعتراف بلکہ اس کی محبت میں جان دینے کو تیار ہو جائے گی۔

اس نے انتہائی تشکرانہ نظروں سے اس حور وش کو دیکھ کر کہا۔ مجھے میری محبت کا ثمرہ مل گیا۔ میں اپنی خوش بختی پر ناز کروں گا لیکن پروین خدا کیلئے اپنی کوششوں کو ناکام دیکھ کر جان دینے کی کوشش نہ کرنا۔ اس سے مجھے میری روح کو بیحد ملال ہوگا۔

پروین نے جوش میں آکر کہا۔ عاصم! میں یزدان کو گواہ کرکے مقدس آتش کی قسم کھا کر اقرار کرتی ہوں کہ تمھارے ساتھ ہی اس بیوفا دنیا کو چھوڑ دونگی۔ تم میری دنیا مسرت کا روشن ستارہ ہو۔ میں تمھارے بعد ایک لمحہ بھی زندہ نہ رہوں گی!

پروین کی آنکھوں سے اب تک آنسو بہہ رہے تھے۔ عاصم اس کو روتے ہوئے دیکھ کر بے چین ہو رہا تھا۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا لیکن دست و پابستہ تھا مجبور تھا۔ مہران نے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ بس اس وحشی عرب کو لے چلو۔ پروین! تم بھی کوشش کرو! میں بھی کوشش کروں گا۔ دیکھوں تم اسے بچاتی ہو یا میں اسے موت کے آغوش میں پہونچانے میں کامیاب ہوتا ہوں۔

عاصم کو مہران کے ساتھی لے کر چلے۔ پروین نے کہا۔ رخصت! عاصم رخصت آہ! یزدان تجھے صبر دے۔ عاصم نے چلتے وقت کہا۔ خدا حافظ پروین خدا تیری حفاظت اور مدد کرے گا۔

مہران بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ پروین تنہا رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ دفور غم سے کھڑی ہونے کی طاقت نہ رہی وہ بیٹھ گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے گھومنے والے سر کو پکڑ لیا۔

چاند آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی نے سفید چادر پھیلا رکھی تھی۔ کائنات خاموش تھی۔ سبزہ۔ درخت۔ ستارے اور چاند سب ناز آفرین پروین کو حسرت بھری خاموش نگاہوں سے تک رہے تھے۔ سب کو اس رشک قمر حسینہ سے ہمدردی تھی۔

سب اس کا غم بٹانا چاہتے تھے۔ لیکن غم ایسی چیز نہیں ہے جو بٹائی جا سکے۔ پروین حسرت و غم کا مجسمہ بنی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اس کا بدن بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ دریائے غم میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی بھی اسے تسلی دینے والا نہ تھا۔

گیارہواں باب

جستجو

قارئین کرام بھولے نہیں ہوں گے۔ ہم ابھی تک کوثی کے واقعات قلمبند کرتے چلے آ رہے ہیں۔ غالباً یہ بھی یاد ہو گا کہ مسلمان سفیر اس جیل خانہ کی زیارت کر کے جس میں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو قید رکھا تھا متفرق و منتشر ہو کر کوثی کے مینو سواد مناظر کی سیر میں مشغول ہو گئے تھے۔

جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو چکا تو سب مسلمان اپنے جائے قیام آ آ کر جمع ہونے لگے دن چھپنے سے پہلے ہی اور تو سب آ گئے لیکن عاصم نہ آئے۔ مسلمانوں نے خیال کیا کہ وہ سیر کرتے دور نکل گئے ہیں اب آتے ہی ہوں گے۔ انھوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

وقت گذر گیا۔ کھانا تیار ہو گیا۔ عشا کا وقت آ پہو نچا۔ عاصم اب تک بھی نہیں آئے تھے۔ اب سب کو فکر ہوا۔ غیر مالک تھا۔ غیر مذہب والے تھے۔ مسلمانوں سے قلبی عناد رکھتے تھے۔ مسلموں پر مظالم ڈھا رہے تھے۔ ان کے ظلم و ستم کی داستانیں ناف عرب تک پہونچ چکی تھیں اس لئے مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں عاصم کو ایرانیوں نے گرفتار یا قتل تو نہیں کر دیا۔

اس اندیشہ نے انہیں بہت زیادہ متفکر اور مغموم کر دیا۔ چونکہ عشا کا وقت آ گیا تھا سب نے عشا کی نماز پڑھی۔ جب اس عرصہ میں بھی عاصم واپس نہ آئے تو نعمان نے کہا یقیناً عاصم کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ ہمیں فوراً انہیں تلاش کرنا

چاہیئے اشعث بن قیس نے کہا۔ ہم سے یہ بڑی غلطی ہوئی کہ ہم سب متفرق ہو گئے ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔

اس ناعاقبت اندیشی کا جو انجام ہونا تھا وہ سامنے آیا۔ عاصم گم ہو گئے ہمیں بہت جلد ان کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہیئے۔ حارث نے کہا۔ ہمیں چار چار آدمیوں کے تین گروہ بنانے چاہئیں اور تینوں گروہ تین مختلف سمتوں میں روانہ ہو جائیں۔

عاصم بن عمرو نے جو امیر سفارت تھے کہا۔ بیشک یہ مناسب تدبیر ہے لیکن تینوں گروہوں کو آدھی رات سے پہلے یہاں آ جانا چاہیئے۔۔۔

اشعث نے کہا بالکل مناسب ہے فوراً سب کے سب مسلح ہو کر تین گروہوں میں منقسم ہوئے اور روانہ ہوئے۔ تینوں گروہ مختلف سمتوں میں گئے یہ لوگ جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنگل ہی کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے تلاش و جستجو شروع کی۔ ہر طرف ڈھونڈا۔ آوازیں دیں لیکن عاصم کا پتہ نہ چلا۔

جس گروہ میں نعمان بن مقرن تھے وہ تلاش کرتا کرتا اس طرف جا نکلا جہاں جوشن ماہ قیام پذیر تھا۔ جوشن ماہ کے ساتھ تقریباً پانچ سو سوار تھے۔ دور تک خیمے سائبان اور پھولداریاں نصب تھیں۔

خیمے اور سائبان نہایت شاندار تھے جوشن ماہ رئیس اعظم تھا ایرانی تعیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عیش و آرام کا جملہ سامان اس کے خیموں میں موجود تھا خیموں پر چاندی کے کلس تھے جو چاندنی میں چمک رہے تھے۔

نعمان اور اُس کے دو ساتھی ایسی احتیاط سے جوشن ماہ کے آدمیوں کو ان کی موجودگی کی خبر نہ ہو کسی قدر اور آگے بڑھے۔ جب وہ خیموں کے پاس پہونچے تو انہیں نغمہ و سرور کی آوازیں آئیں وہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔

گانے کی آواز صاف طور پر آ رہی تھی۔ کوئی خوش گلو۔ خوش اندام نازنین سریلی آواز سے گا رہی تھی۔ ساز کے ساتھ گھونگھروؤں کی آواز بتا رہی تھی کہ گانے والی ناچ بھی رہی ہے۔ چاندنی رات میں پُر فضا مقام پر گانے کی آواز نہایت بھلی پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اسلام میں گانا سننا ناجائز تھا۔

مسلمان اسے گناہ سمجھتے تھے۔ وہ لوٹ پڑے۔ نعمان نے کہا۔ عاصم یہاں نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ وہ بغیر لڑے بھڑے یا ایک دو قتل کئے ہوئے آسانی سے گرفتار نہیں

ہو سکتا تھا۔ اور جب خونریزی ہوتی۔ ایک دو ایرانی مارے جاتے تو محفل نشاط گرم نہ ہوتی۔

اس کے دونوں ہمراہیوں نے اس بات کی تائید کی یہ تینوں واپس اور آہستہ آہستہ چل کر اسی مقام پر پہونچے جہاں گھوڑے نمایش گاہ تھی اور جس جگہ عاصم نے پروین کو دیکھا تھا۔

یہ منظر نہایت دلفریب تھا۔ اس کی جاذبیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ان تینوں کا دل بھی اس جگہ کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے مچل گیا۔ چونکہ گھوڑے اس جگہ نہیں جا سکتے تھے اس لئے انھوں نے گھوڑوں کو درختوں سے باندھا اور خود نشیبی میدان میں اترنے لگے۔

سبز سبز دوب چاندنی میں نہایت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ لوگ سیر کرتے اس مقام پر پہونچ گئے جہاں پروین سر جھکائے بیٹھی تھی۔ پروین ابتدائی رات میں یہاں آئی تھی غالباً آفتاب غروب ہونے سے پہلے آئی تھی۔

ابتدائی رات میں عاصم گرفتار ہوا تھا۔ اس وقت آدھی رات کے قریب آچکی تھی پروین کو کچھ خبر نہیں تھی وہ حالت استغراق میں بیٹھی ہوئی تھی۔

نعمان اور اس کے ہمراہی پروین کے پاس پہونچے۔ انھوں نے اس حور وش کو دیکھا وہ اس رشک قمر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حیرت کی معقول وجہ تھی۔ ایک مینو سواد جنگل میں۔ چاندنی رات میں۔ تنہائی کے عالم میں ایک پری جمال سر جھکائے بیٹھی تھی چاند اس کے رُخ روشن سے روشنی حاصل کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام جنگل اس کے حسن عالم افروز سے منور ہو رہا ہے۔

نعمان نے آہستہ سے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا عجب معاملہ ہے اس فردوسی مقام پر یہ حور ادا تنہا بیٹھی ہے یا تو ابھی کسی کے آنے کا انتظار ہے یا دنیا اور دنیا والوں سے تنگ آکر اس جگہ آگئی ہے۔

پروین نے اس کی گفتگو سن لی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا خوبصورت سر اٹھایا اس کا منور چہرہ چاندنی کے پرتو سے ایسا چمکنے لگا کہ نگاہ بھر کر دیکھنا دشوار ہو گیا۔

نعمان نے کہا۔ خدا کی قسم کس قدر خوبصورت نازنین ہے اس کے حسن کی ضو سے یہ تمام جنگل منور ہو رہا ہے۔

پروین ادائے جانانہ سے اٹھی۔ وہ سرو قامت تھی۔ اس کا عضو عضو سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا اس نے اپنی ہوشربا مگر سہم اگیں نگاہوں سے نعمان اور اسکے ساتھیوں کو دیکھا۔ عالم تنہائی میں تین عربوں کو دیکھ کر خائف ہوئی۔ اُس کے چہرہ کا شہابی رنگ کسی قدر پھیکا پڑ گیا۔

حسینوں کے خوف کا عالم بھی نہایت دلفریب ہوتا ہے پروین سہم کر اور بھی دلفریب ہو گئی۔ نعمان ایک قدم آگے بڑھا۔ اس نے پروین سے پوچھا۔ اے نازنین نادو شیزو! تم کون ہو؟

پروین نے اپنی مخصوص سُریلی آواز سے کہا میں ایک غمزدہ فلک کی ستائی ہوئی ہوں۔

نعمان۔ اس جنگل میں تنہا آنے سے کیا غرض ہے؟

پروین۔ کچھ نہیں سیر کرنے آئی تھی یکایک افتاد پڑ گئی بتلائے مصیبت و آلام ہو گئی۔

نعمان۔ سیر کرنے کب آئی تھیں؟

پروین۔ چار گھڑی دن رہے!

نعمان۔ جب سے اسی جگہ ہو؟

پروین۔ ہاں اسی جگہ۔

نعمان۔ تم نے کسی عرب کو تو ادھر نہیں دیکھا۔

پروین۔ دیکھا ہے غالباً تم عاصم کو دریافت کر رہے ہو۔

نعمان اور اس کے ہمراہیوں کو سُن کر حیرت ہوئی۔ نعمان نے کہا۔ ہم عاصم ہی کی تلاش میں ہیں۔

پروین نے غمزدہ لہجہ میں کہا کاش! تم دو گھنٹے پہلے یہاں آجاتے!

نعمان نے جلدی سے دریافت کیا۔ کیا عاصم کسی بلا میں گرفتار ہو گیا۔

پروین نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں اُسے ایرانیوں نے گرفتار کر لیا!

نعمان اور اُس کے ساتھیوں کو طیش آنے لگا۔ نعمان نے پوچھا! کس قصور پر؟

پروین: کوئی قصور نہ تھا۔

اس کے بعد پروین نے مختصر طریقہ پر تمام واقعہ سُنا دیا۔ لیکن اس نے محبت کا حال نہیں سنایا۔ یہ واقعہ سُن کر نعمان اور ان کے ہمراہیوں کے چہرے سرخ ہو گئے نعمان نے کہا۔ مہربان اُسے کس طرف لے گیا ہے؟

پرویناء مدائن کی طرف! وہ اُسے شہنشاہ ایران یزدگرد کے سامنے پیش کرے گا۔

نعمان نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہمیں تیزی سے اُنکا تعاقب کرنا چاہیئے شاید ہم انہیں راستہ ہی میں پکڑ لیں۔

پروین نے کہا۔ ناممکن ہے۔ وہ غالباً بہت تیز گئے ہوں گے! نعمان نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں! ہم ان سے تیز دوڑیں گے۔ ہمارے پاس عربی گھوڑے ہیں۔ یقیناً ہم انہیں پکڑ لیں گے۔

پروین نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا کاش! تم پکڑ سکتے... عاصم کو تم رہا نہیں کرا سکتے میں اس شیر دل نوجوان کو رہا کراؤں گی۔

نعمان نے حیرت سے اس پری پیکر کو دیکھ کر کہا۔ تم؟ پروین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ہاں میں۔ میں یزدان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں اُسے رہا کرا کر رہوں گی۔ آہ! اگر وہ رہا نہ ہوا تو اس کی رہائی کی جدوجہد میں اپنی جان دیدونگی۔

اس نازنین کے اس استقلال کو دیکھ کر نعمان اور ان کے ہمراہی سخت متحیر ہوئے نعمان نے پوچھا۔ اے ایرانی دوشیزہ! تم کون ہو کس کی بیٹی ہو؟

پروین نے جواب دیا۔ میں بوشن ماہ کی بیٹی ہوں..... تم مجھے میرے قیام گاہ تک پہونچا دو۔

نعمان نے کہا۔ ہم عورتوں کا احترام کرتے ہیں۔ تم ہم سے مطلق خوف نہ کرو اگر مناسب سمجھو تو ہمارے ساتھ چلو۔

پروین۔ افسوس میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ حالانکہ میرا دل تمہارے ساتھ جانے کو چاہتا ہے۔ لیکن عاصم کی رہائی اپنے لوگوں میں رہ کر ممکن ہے۔

نعمان نے اس کی رائے کی تائید کی۔ وہ اس کے ساتھی ماہ وش پروین کو ساتھ لے کر واپس لوٹے۔ وہ سب ڈھلوان کناروں پر چڑھ کر اس جگہ آئے جہاں انھوں نے گھوڑے باندھے تھے۔

گھوڑے کھولے۔ ان کی باگیں پکڑیں اور پاپیادہ جوشن ماہ کے کیمپ کی طرف چل پڑے۔ آہستہ آہستہ چل کر کیمپ کے قریب پہونچے۔ نعمان نے یہاں سے پروین کو رخصت کیا۔ وہ حور طلعت مستانہ خرامی سے کیمپ کی طرف چلی گئی ہے

تینوں واپس لوٹے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور مدائن کی طرف تیزی سے چل پڑے۔ انہیں خیال تھا کہ وہ مہران کو راستہ ہی میں جا پکڑیں گے۔ نہایت تیزی سے سرپٹ گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ دور تک جانے پر بھی انہیں مہران اور اس کے ساتھیوں کا کوئی سراغ نہ چلا۔ آخر مصلحت وقت سمجھ کر رک کے واپس لوٹے اور آدھی رات کے بعد اپنی قیام گاہ آ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچ گئے اور سب لوگ بھی واپس آ گئے تھے۔

سب ناکام آئے تھے۔ نعمان نے اپنی تلاش کے نتیجہ سے پروین کے ملنے اور اس کے واقعات سے سب کو مطلع کر دیا۔ سب نے بالاتفاق طے کیا کہ مدائن چل کر یزدگرد سے شکایت کریں گے۔ ممکن ہے وہ عاصم کو چھوڑ دے۔

اگرچہ ان کے پاس کھانا تیار تھا۔ لیکن عاصم کی گمشدگی نے ان کی بھوک اڑا دی تھی۔ سب بغیر کھانا کھائے پڑ رہے۔ پڑتے ہی سو گئے۔ صبح سویرے بیدار ہوئے۔ ضروریات سے فراغت کر کے صبح کی نماز پڑھی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔

بارہواں باب

یزدگرد

مہران کو پری جمال پروین پر مطلق رحم نہ آیا۔ پروین نے عاجزی کی۔ ہاتھ جوڑے آنسو بہائے لیکن مہران کا پتھر سے زیادہ سخت دل بالکل نہ پسیجا۔ وہ ایران کی فخر حسن دوشیزہ کو رات کے وقت تنہا جنگل میں دل شکستہ اور افسردہ خاطر چھوڑ کر چلا گیا۔

عاصم کو پروین سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ اسکے آنسوؤں کو موتیوں سے زیادہ قیمتی سمجھتا تھا۔ اسے نازک تر سمجھتا تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس آفتاب حسن کو جنگل میں تنہا غم و خوف مقابلہ کرنے کے لئے چھوڑ دے۔ لیکن وہ اپنے اختیار میں نہ تھا۔

قیدی تھا۔ دست و پا بستہ پروین کی کسی طرح کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ مہران کے ساتھی آ سے لیکر چلے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے پروین کو دیکھتا ہوا چلا جب تک پروین نظر آتی رہی وہ برابر پھر پھر کر اُسے دیکھتا رہا۔

جب پروین اپنے نازک ہاتھوں سے اپنا خوبصورت سر پکڑ کر بیٹھی۔ عاصم نے دیکھ لیا۔ اُسے بیحد ملال ہوا۔ اُس نے زور کر کے اپنے بند توڑنے چاہے لیکن ریشم کی مضبوط ڈوریں نہ ٹوٹ سکیں۔

مہران نے اُسے بند توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ ہنسا اُس نے ہنس کر کہا۔ بیوقوف عرب! تم ریشم کی ڈوروں کو نہیں توڑ سکتے! فضول اور مضحکہ خیز کوشش کرنے سے کیا نتیجہ؟

عاصم کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ریشم کی ڈوریں ٹوٹنے والی نہیں اُس نے بند توڑنے کی کوشش ترک کر دی اور کشاں کشاں مہران اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ چلنے لگا۔

یہ سب لوگ اس نشیبی میدان کے ڈھلوان کناروں پر چڑھ کر درختوں کے جھنڈ میں گھسے۔ چاند آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی ہر طرف کھیت کئے ہوئے تھی سبزہ۔ درخت۔ پودے۔ پھول سب چاندنی کے پرتو سے چمک رہے تھے۔ عاصم نے آخری نظر اس جگہ کھڑے ہو کر پروین پر ڈالی۔

پروین ابھی تک سر جھکائے بیٹھی غم و فکر کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی چاندنی میں اُس کے سر کار و مال۔ نازک کمر پر بل کھانے والی زلفیں۔ خوبصورت سر کو پکڑنے والے نازک ہاتھ صاف نظر آ رہے تھے۔

اس پیکر حسن کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر عاصم کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دفور غم سے اسکا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اُس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ خدایا پروین کی حفاظت کیجیو۔

اب یہ سب لوگ درختوں کے جھنڈ میں گھسے۔ چونکہ درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے وصل ہو رہی تھیں۔ پتوں پر پتے چڑھے ہوئے تھے اس لئے یہاں اندھیرا تھا کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔

یہ سب اس تاریک جنگل میں چلتے رہے۔ تھوڑی دیر میں یہ جنگل ختم ہوا سبزہ زار میدان آیا۔ یہاں چند آدمی اور ملے جو گھوڑے لئے کھڑے تھے۔ یہ سب مہران کے

ساتھی تھے۔

مہران نے ان کے پاس پہونچ کر گھوڑے طلب کئے فوراً انھوں نے گھوڑے پیش کئے۔ یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے ایک گھوڑے پر عاصم کو سوار کرایا اس کی ڈوریں دو سواروں نے پکڑیں اور شمالی جانب نہایت تیزی سے روانہ ہوئے۔

ان کے تیز چلنے سے یہ خیال ہوتا تھا کہ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کا تعاقب نہ کیا جائے کبھی کبھی وہ پیچھے پھر کر بھی دیکھ لیتے تھے۔ تمام رات وہ تیزی سے سفر کرتے رہے صبح ایک گاؤں میں پہونچے۔

اس گاؤں کے چاروں طرف پختہ فصیل تھی۔ صرف ایک بڑا دروازہ تھا دروازہ پر ایرانی سپاہی نیزہ لئے ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔

مہران دروازہ پر پہونچا۔ سپاہی کھڑے ہو گئے انھوں نے اسے سلام کیا۔ ہٹ کر راستہ دیا۔ مہران اور اس کے ساتھی دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہو گئے۔

یہ گاؤں کچھ زیادہ بڑا نہ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سو ۱۵۰ کچے پکے مکانات تھے۔ چونکہ یہ بصرہ شہر کے قریب تھا۔ اس لئے یہاں ایک معمولی دستہ فوج کا رہتا تھا۔

گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک شخص گھوڑے پر سوار آتا ہوا ملا۔ اس نے مہران کو سلام کر کے دریافت کیا۔ کیا یزدان نے آپ کو کامیاب کیا؟

مہران نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ ہاں مقدس آگ نے مہربانی کی۔ پاک یزدان نے کرم کیا۔ میں سرخرو ہوا کامیاب ہوا۔ عاصم کو گرفتار کر لایا۔

عاصم کو حیرت ہوئی کہ مہران اس کی گرفتاری کے لئے کیوں گیا تھا۔ اب تک تو وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اتفاقیہ مہران اس جنگل میں پہونچ گیا۔ اسے بروین سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔ لیکن اب جبکہ اس نے مذکرہ بالا گفتگو سنی تو اس پر حیرت چھاگئی۔

اس نے بہت کچھ غور کیا۔ بہت کچھ قیاس آرائی کی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

مہران نے آنے والے سے کہا۔ ہم سب رات بھر سفر کرتے رہے ہیں تعاقب کے خوف نے ہمیں ایک لمحہ آرام کرنے کی مہلت نہیں دی۔

ہم پر نیند کا غلبہ ہے۔ سفر کی صعوبت نے تھکا کر چور کر دیا ہے اب ہم آرام کرینگے تم معہ اپنے تمام آدمیوں کے دروازہ پر جا بیٹھو۔ کسی مسلمان کو کسی ایسے شخص کو جسے

تم نہ جاتے ہو گڑھی کے اندر نہ آنے دو۔

آنے والے سوار نے سر اطاعت خم کیا۔ وہ سلام کر کے چلا گیا۔ یہ لوگ اور آگے بڑھے۔ یہ چھوٹا سا گاؤں چاروں طرف فصیل ہونے کی وجہ سے گڑھی ہی کہلانے کا مستحق تھا۔

مہران آگے بڑھ کر ایک بڑے مکان کے دروازہ پر رکا۔ وہ گھوڑے اسے اترا اور سب بھی اترپڑے۔ عاصم بھی اتارا گیا۔ چند سائیس پہلے ہی سے آگئے تھے۔ وہ گھوڑے لے کر چلے گئے۔

مہران عاصم کو ساتھ لے کر مکان کے اندر پہونچا۔ اس کے ہمراہی بھی اسکے پیچھے ہی پیچھے چلے۔ یہ مکان کسی قدر بڑا تھا۔ ایرانی کاریگروں نے اپنی صنعت کے نمونے دکھا رکھے تھے۔

مہران کے خادم اس کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ انھوں نے اپنے آقا کو سلام کیا اور ایک طرف ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

مہران بڑھتا چلا گیا۔ وہ ایک وسیع کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ ضروری سامان سے آراستہ تھا۔ کئی مسہریاں بچھی ہوئی تھیں۔ کرسیاں سلیقہ سے پڑی تھیں۔ مہران ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور لوگ پرا باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوگئے۔

اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ اس کی منور شعاعیں او نچے درختوں سر بفلک عمارتوں پر پڑنے لگی تھیں۔ مہران نے عاصم کے سونے کے لئے برابر والا دوسرا کمرہ تجویز کیا عاصم اس کمرہ میں لے جایا گیا۔

وہاں پہلے ہی سے ایک مسہری پڑی تھی۔ عاصم اس پر بیٹھ گیا۔ اسکے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ دو آدمی اس کے کمرہ میں تعینات کر دیئے گئے۔ باہر پہرہ لگا دیا گیا۔ تازہ دم لوگ پہرہ پر مقرر کر دیئے گئے۔

مہران ان تمام انتظامات سے فارغ ہو کر ایک مسہری پر دراز ہو گیا اس کے ہمراہی دوسرے کمروں میں جا گھسے۔ چونکہ سب رات بھر سفر کرتے رہے تھے پڑتے ہی سو گئے۔

نیند نہ آئی تو عاصم کو۔ اسے اپنی گرفتاری کا ملال تھا۔ بہ دین کے تنہا جنگل میں رہ جانے کا خیال تھا۔ اس کے غم کا احساس تھا اسے کیسے نیند آتی! ان تمام باتوں

کے ساتھ اُسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ مہران اُسے گرفتار کرنے کے لئے کیوں گیا تھا۔

اس کی گرفتاری میں کیا بھید ہے۔ بہت کچھ غور و خوض کرنے پر بھی وہ اس معمہ کو حل نہ کر سکا۔ وہ دیر تک پڑا کروٹیں بدلتا رہا خیالات کی گہرائیوں میں اُلجھا رہا آخر اس کا دماغ تھک گیا۔

رفتہ رفتہ اس پر نیند نے تسلط کر لیا۔ وہ بھی سو گیا۔ سوتے میں بھی اُسے طرح طرح کے خواب پریشان کرتے رہے۔ جس شخص کا دل و دماغ صحیح نہ ہو جس کے دل پر غم و فکر کا ہجوم ہو جس کا دماغ پریشان کن خیالات سے لبریز ہو اُسے یکسوئی کی نیند کیسے آسکتی ہے۔

عاصم کا دل نشتر غم سے مجروح تھا۔ دماغ خیالات کی جولان گاہ بنا ہوا تھا اسے اطمینان کی نیند میسر نہ ہوئی۔ سوتا تھا خیالات سے پیچھا چھڑا کر سوتا تھا لیکن پریشان خواب اُس کے مجروح دل کو ٹھیس لگا کر اُسے بیدار کر دیتے تھے۔

جب کبھی وہ نیند میں غافل ہوا تو خیال یار نے چٹکی لی یار دین کی غم بھری صورت نظر آئی فوراً اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس طرح وہ دیر تک سو سو کر بیدار ہوتا رہا یہاں تک فجر کا وقت آگیا۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ اس نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ پانی کون اور کیوں دیتا۔ کسی نے نہ سنا کوئی پانی نہ لایا۔ مجبور ہو کر اس نے فرش اٹھا کر تیمم کیا۔

نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں مہران اس کے کمرہ میں آیا۔ اس نے کہا۔ عاصم چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ!

عاصم نے اُس سے دریافت کیا۔ کیا مہربانی کر کے بتاؤ گے کہ تم مجھے گرفتار کرنے کی فکر میں کیوں تھے؟

مہران نے غور سے اسے دیکھ کر کہا۔ تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

عاصم نے کہا۔ تمھاری گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ نکالا!

مہران۔ یہ بات تمھیں مدائن چل کر معلوم ہو گی۔ اب اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو۔

عاصم اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مہران کے ساتھ کمرہ سے باہر آیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ گھوڑوں کی باگیں پکڑے تیار کھڑے ہیں۔

مہران گھوڑے پر سوار ہوا۔ عاصم کو بھی سوار کرایا گیا۔ اور سب لوگ بھی سوار ہو گئے یہ سب دروازہ کی طرف چل پڑے۔

آفتاب چمک رہا تھا۔ دھوپ پھیل رہی تھی۔ نرم گرم دن تھے۔ دھوپ ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ عصر کے وقت یہ لوگ بہرہ شیر میں پہونچے۔

چونکہ سامنے ہی مدائن کی سربفلک عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ اس لئے انھوں نے یہاں قیام نہ کیا۔ بلکہ بہرہ شیر سے آگے بڑھ کر دریائے دجلہ پر پہونچے۔

دجلہ نہایت عظیم الشان دریا تھا۔ اس میں متعدد چھوٹی بڑی کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بعض کشتیاں اتنی بڑی تھیں کہ ان میں کئی کئی اچھے خاصے کمرے بنے ہوئے تھے۔

لوگ کشتیوں میں بیٹھے سیر کر رہے تھے۔ اس وقت آفتاب جملۂ مغرب کیطرف جھک گیا تھا۔ دھوپ سمٹنے لگی تھی۔ دھوپ کی رنگت نقرئی سے طلائی ہوگئی تھی۔ نیلگوں پانی پر آفتاب کی طلائی کرنیں پڑ پڑ کر عجب دلفریب منظر پیدا کر رہی تھیں۔

دریا پر ایک بڑا پل تھا۔ اس پل پر لوگوں کا اژدھام تھا۔ مدائن کے رہنے والے شام کے وقت تفریح کے لئے یہاں آیا کرتے تھے۔

یہ جگہ بہترین تفریح گاہ تھی۔ دریا کے دونوں کنارے سبزہ زار تھے پل پر کھڑے ہو کر کشتیوں کے دوڑنے کا تماشہ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔

مہران اور اس کے ساتھیوں نے نہ کشتیوں کی طرف دیکھا نہ سبزہ زار ڈھلوان دریا کے کناروں کو۔ نہ نیلگوں پانی میں طلائی شعاعوں کے انعکاس کو نہ پل پر کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے والوں کو۔

وہ برابر بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ساتھی بھی بڑھتے رہے۔ عاصم کے لئے تو اس منظر میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں۔ وہ بھی سر جھکائے چلتا رہا۔

ایرانیوں نے ان لوگوں کو دیکھا۔ ان کے ساتھ عاصم کو دیکھا۔ چونکہ اکثر عرب گرفتار ہو ہو کر آتے رہتے تھے اس لئے ان کے لیے بھی یہ کوئی عجوبہ بات نہ تھی۔

وہ برابر اپنی تفریح میں مشغول رہے۔ مہران پل عبور کر کے بڑھا اب اس کے سامنے مدائن کی مضبوط فصیل تھی۔

مدائن دریائے دجلہ کے کنارہ پر واقع نہ تھا۔ مغرب میں ڈوبنے والے آفتاب

کی سنہری کرنیں فصیل کی چوٹی پر طلائی غازہ بکھیر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں یہ لوگ قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ دروازے پر زبردست پہرہ تھا۔ فوج کا ایک دستہ تعینات تھا۔

مہران کو دیکھتے ہی سب لوگوں نے ادب سے سلام کیا۔ مہران سلام کا جواب دیکر دروازے میں داخل ہوا۔

دروازہ کے بعد ایک لمبی گیلری سی تھی۔ اس گیلری کو طے کرکے یہ لوگ دوسری طرف پہونچے۔ ایرانیوں نے مدائن کو نہایت سلیقہ سے آباد کیا تھا۔ یا یہ کہو کہ اس کے آباد کرنے میں اپنی صنعت کا ثبوت دیا تھا۔

بڑے بڑے تجربہ کار معماروں نے مکانات تعمیر کئے تھے۔ ہر مکان نہایت خوبصورت ہر بازار نہایت اچھا۔ ہر چیز قابل تعریف تھی۔

یہ سب ایک لمبی سڑک پر ہو لئے۔ یہی سڑک قصر شاہی کی طرف گئی تھی۔ اگرچہ قصر یہاں سے دور تھا لیکن ایک تو شام ہونے کی وجہ سے دوسرے قصر کی عمارت زیادہ بلند ہونے کی وجہ سے پاس ہی معلوم ہوتا تھا۔

آخر چلتے چلتے یہ لوگ قصر کے دروازے پر پہونچے یہاں بھی زبردست پہرہ لگا ہوا تھا۔ امپیرئل گارڈ (شاہی رسالے کے) چار ہزار سوار قصر کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔

دروازے پر کھڑے ہونے والے سواروں نے مہران کو دیکھ کر سلام کیا مہران اور اس کے ساتھی گھوڑوں سے اتر پڑے۔

عاصم کو بھی اتارا گیا۔ اور سب لوگ باہر ہی رہ گئے۔ صرف مہران اور رودادسری اور عاصم کو اپنی حراست میں لے کر دروازہ کے اندر داخل ہوئے۔

یہ دروازہ جس قدر اونچا تھا۔ اس سے بیس گنا لمبا تھا۔ نہایت اونچی ڈاٹ کی چھت تھی۔

دونوں طرف اونچے اونچے دروازوں کی سہ دریاں تھیں۔ ہر سہ دری کے بعد ایک برج تھا۔ تقریباً پندرہ سہ دریاں دونوں طرف تھیں۔

نہایت عالی شان عمارت تھی۔ عاصم نے آج تک ایسی عمارت نہ دیکھی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔

دروازے کو عبور کر کے جب وہ دوسری طرف گئے تو انہیں باغیچہ ملا جس کی تختہ بندی نہایت سلیقہ سے ہو رہی تھی۔

ہر قسم کے درخت چھوٹے بڑے موجود تھے۔ زمین سبزہ زار تھی۔ قدم قدم پر پھولوں کے تختے تھے۔

یہ پارک یا باغ بہت لمبا چوڑا تھا۔ باغ کو عبور کر کے ایک دروازہ اور آیا اس دروازے پر بھی سپاہیوں کا پہرہ تھا۔

یہ دروازہ اونچا تو اتنا ہی تھا جتنا پہلا صدر دروازہ تھا لیکن اس قدر لمبا نہیں تھا۔ البتہ اس سے زیادہ خوبصورت تھا۔

ان لوگوں نے اس دروازے کو بھی عبور کیا۔ دوسری طرف پہونچے تو ایک چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ ملا۔

اس باغیچہ کی خوبصورتی بیان کرنا دشوار ہے یہاں متعدد فوارے لگے ہوئے تھے جو ہر وقت پانی کی بارش کرتے رہتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چشمے جاری تھے بہترین پھول تھے۔

بہترین حوض تھے۔ بہترین روشیں تھیں غرضیکہ یہاں کی ہر ایک چیز جاذب نظر تھی۔ اب آفتاب غروب ہو گیا تھا۔

سارے باغیچہ میں اونچی اونچی لوہے کی بلیوں پر فانوس لگے ہوئے تھے فانوسوں میں بتیاں جل رہی تھیں۔ خوب روشنی ہو رہی تھی۔

اس روشنی میں باغیچہ اور بھی دلفریب ہو گیا تھا۔ کچھ پانی کے عکس نے کچھ فانوسوں کی روشنی نے ہر شاخ۔ ہر پتا۔ ہر پھول کو جگمگا دیا تھا!

یہ لوگ اس باغیچہ کو بھی عبور کر گئے۔ اب انہیں ایک نہایت وسیع سنگ مرمر کا چبوترہ ملا۔ وہ سیڑھیوں کے ذریعہ سے چبوترہ پر چڑھ گئے۔

یہاں چند عورتیں کھڑی تھیں۔ مہران کو دیکھ کر ان سب عورتوں نے اپنے نازک سروں کو کسی قدر خم کیا۔

مہران نے ان سے دریافت کیا۔ جہاں پناہ کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ ایک۔ ایک عورت نے جواب دیا کمرۂ خاص میں!

مہران پہلے ہی سے سب کمروں کو جانتا تھا۔ وہ بڑھ کر ایک کمرے کے دروازہ

پر پہونچا۔
دروازے کے باہر پانچ پری جمال۔ خوبصورت نوعمر لڑکیاں زرق برق پوشاکیں پہنے کھڑی تھیں۔ مہران نے ان کے قریب جا کر کہا۔ شہنشاہ کے حضور میں جا کر عرض کرو کہ مہران عاصم کو گرفتار کرکے لایا ہے۔
فوراً ایک عورت کمرہ کے اندر چلی گئی۔ سب لوگ خاموش کھڑے ہو گئے۔ عاصم مدائن کی نفاست۔ قصر شاہی کی جاذبیت۔ عورتوں کی زرق برق پوشاکیں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ لیکن اب سب سے زیادہ حیرت اُسے اس بات سے ہوئی کہ مہران نے اُسے شاہ ایران کے حکم سے گرفتار کیا ہے۔ مگر شاہ ایران نے اس کی گرفتاری کا حکم کیوں دیا۔
اس خیال نے اُسے کمال حیرت میں ڈال دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد جو عورت کمرے کے اندر گئی تھی واپس آ گئی۔
اس نے آتے ہی کہا تشریف لے چلئے!
مہران نے اس سے پوچھا کہ عاصم کو بھی طلب کیا ہے؟
عورت نے جواب دیا جی ہاں عاصم کو بھی ساتھ لے چلئے!
مہران نے عاصم کی ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سپاہیوں کو عورتوں کے پاس کھڑا رہنے کا حکم دے کر عاصم کو ساتھ لے کر چلا۔ کمرے میں داخل ہوا۔
یہ کمرہ مختصر تھا۔ بہترین آرائشی سامان سے سجا ہوا تھا۔ دیسوں فانوس میں اور قمقمے روشن ہو رہے تھے۔ روشنی سے تمام کمرہ جگمگا رہا تھا۔ اس کمرہ میں چند نازنیں عورتیں قالینوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔
ان کے سامنے بربط عود اور اسی قسم کے باجے رکھے ہوئے تھے۔ وہ گانے والیاں معلوم ہوتی تھیں۔ انھوں نے مہران کو سلام کیا۔
مہران سلام کا جواب دے کر بڑھا اور ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا۔ اس کی دیواروں میں چاروں طرف قد آدم جلی آئینے لگے ہوئے تھے۔ آئینوں سے اوپر بڑے بڑے چوکھٹوں میں تصاویر آویزاں تھیں۔
یہ تصویریں بادشاہوں، پہلوانوں، عورتوں اور ہتھیاروں کی تھیں۔ کاؤمی

رستم۔ گودرز۔ افراسیاب۔ اسفندیار۔ سہراب۔ زال۔ سام۔ فرینگش۔ گشتاسپ نوشیرواں خسرو۔ پوران دخت سب کی تصویریں تھیں۔

تصویریں نہایت صفائی سے بنائی گئی تھیں۔ ہر شخص کے ہر عضو کو نمایاں طور پر ظاہر کیا گیا تھا۔ اس زمانہ کے وہ بہترین شاہکار تھے۔

فرش دبیز قالینوں کا تھا۔ سامنے ایک چاندی کی بڑی چوکی تھی۔ چوکی پر خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔

اس قالینوں کے حاشیوں پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے آبدار موتی جھالر کی طرح لگے ہوئے لٹک رہے تھے۔

روشنی سے تمام کمرہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ سیکڑوں فانوس اور شمعیں روشن تھیں روشنی کی شعاعیں تڑپ تڑپ کر نکل رہی تھیں۔

ہر چیز اس روشنی میں چمک رہی تھی۔ خوشبو اس قدر مہک رہی تھی کہ تمام کمرہ طبلۂ عطار بنا ہوا تھا۔

چوکی پر ایک نوجوان خوبصورت لڑکا بیٹھا تھا۔ وہ ریشمیں کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں بڑے بڑے چمکدار موتیوں کی مالا ڈالے تھا۔ اس کے کپڑے روشنی میں جھلملا رہے تھے۔

یہی ایران کا بادشاہ یزدگرد تھا۔ اس کے بشرہ سے اس کی عمر بائیس ۲۲ سال سے کم نہ معلوم ہوتی تھی۔

چوکی کے دونوں طرف خوبصورت نازک اندام ماہوش لڑکیاں پرا باندھے کھڑی تھیں۔ ان کی رنگ برنگ کی ریشمیں پوشاکیں۔ ان کے زیورات روشنی میں جھلمل کر رہے تھے۔

تمام لڑکیاں نوعمر تھیں۔ خوبصورت تھیں۔ خوش رنگ کپڑے حسن کو چار چاند لگانے والے زیورات پہنے تھیں۔ کمال حسین معلوم ہو رہی تھیں!

ان کے چہرے چودھویں رات کی طرح چمک رہے تھے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند کے ٹکڑے اس کمرے میں جمع ہو گئے ہوں۔

ان کے بڑھے ہوئے حسن کی شعاعوں نے کمرے کو اور بھی جگمگا دیا تھا۔
چوکی کے قریب سامنے ہی ایک عربی دوشیزہ عربی لباس پہنے کھڑی تھی۔ یہ لڑکی

کمال حسین تھی۔
اس کا روئے تاباں چاند کو شرمانے والا تھا۔ اس کی خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں میں غضب کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔
اُس کے رخسارے سیب کی طرح چمکتے۔ صاف اور چاند کی طرح روشن تھے اُس کے چہرے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وہ اِس قدر خوبصورت تھی کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا دشواری نہیں بلکہ ناممکن تھا۔
اس کے بڑھے ہوئے حسن کے سامنے ایرانی دوشیزہ ماہوشوں کا حسن پھیکا پڑ گیا تھا۔ اگر ایرانی لڑکیاں چاند کے ٹکڑے تھیں تو وہ ماہ کامل تھی!
روشن کا عکس اُس کے خوبصورت چہرے پر پڑ کر بجلی جیسی چمک پیدا کر رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔
عاصم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے پر نظر ڈال کر ہر چیز کو دیکھ لیا۔ جب اس کی نظر عربی دوشیزہ پر پڑی تو اس نے ٹھنڈا سانس لیا۔
عاصم، اور مہران کو ایرانی ماہ پیکر لڑکیوں نے۔ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے عرب کی حور وش دوشیزہ نے دیکھا۔
یزدگرد نے خوش ہو کر کہا۔ مہران! خوب آئے۔ عاصم کو گرفتار کر کے تم نے اپنی وفاداری کا ثبوت دے دیا۔
"مہران دو زانوں ہو کر جھک گیا۔ نیم سجدہ کے طریقہ پر اس نے شہنشاہ ایران کو سلام کیا۔"
"عربی دوشیزہ نے عاصم کو دیکھ کر بے اختیارانہ طریقہ پر کہا!
"آہ! بھائی جان بالآخر ظالموں نے تمھیں بھی گرفتار کر لیا!
یہ لاجواب حسینہ عاصم کی بہن لیلےٰ تھی۔ عاصم اُسے یزدگرد کے حضور میں دیکھ کر اور بھی حیران ہوا۔
اُسے پروین نے بتایا تھا کہ لیلےٰ اس کے ابن عم ہرمزان کے پاس ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا۔ لیکن اب یزدگرد کے خاص کمرے میں دیکھ کر اس پر حیرت چھا گئی۔
پیکر حسن لیلےٰ نے عاصم سے ملنے کے لئے بڑھنا چاہا۔ لیکن اسکے نازک ہاتھوں میں سونے کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ زنجیر تخت کے پایہ سے بندھی تھی۔ نازنین

لڑکی اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔
عاصم اس کی مجبوری دیکھ کر تڑپ گیا۔ وہ خود بھی بندھا ہوا تھا۔ لیکن اس کی دوڑ مہران کے ہاتھ میں تھی۔ وہ بڑھ سکتا تھا!
چنانچہ وہ بڑھا۔ مہران نے اُسے بڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے ڈور کھینچ کر تحکمانہ لہجہ میں کہا۔
خبردار! ایک قدم آگے نہ بڑھانا!
عاصم رُک گیا۔ نہیں روک دیا گیا۔ اس کا دل اپنی بہن لیلیٰ سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔ لیلےٰ سامنے کھڑی تھی۔ لیکن دونوں بندھے ہوئے تھے۔ مجبور تھے۔ مل نہیں سکتے تھے۔
اُس نے ٹھنڈا سانس لیا۔ دل پر جبر کیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ لیلےٰ بھی اُسے غم و افسوس بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

تیرھواں باب

حُورِ جمال لیلےٰ

دونوں ستم زدہ مظلوم ہستیاں ایک دوسرے کو غم اور حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ دونوں پریشان اور غمگین تھے۔
سارے کمرے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یزدگرد کے رُعب سے پری جمال لڑکیاں سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہی تھیں۔ لیکن وہ اپنی طرف شاہ ایران کو متوجہ کرنے کے لئے ادا و ناز کے خنجر چلا رہی تھیں۔
تیر برسا رہی تھیں۔ اپنے سڈول نازک جسموں کو دلفریب ادا کے ساتھ حرکت دے رہی تھیں۔ یزدگرد نے خاموشی کا قفل توڑا۔
اُس نے کہا۔ لیلےٰ اب بتا کیا کہتی ہے۔

لہ یزدگرد عربی نہ جانتا تھا یہ گفتگو ایک ایرانی لڑکی کے ذریعہ شروع ہوئی (بقیہ ۹۳ پر)

لیلےٰ کی خوبصورت مگر ہوش ربا نگاہوں میں غم وحسرت بھری ہوئی تھی وہ غمگین نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔
اس کے سر کے سنہرے بال اس کی کمر اور کندھوں پر کھلے ہوئے پڑے سانپ کی طرح لہرا رہے تھے۔ اپنی طرف دیکھنے والوں کو ڈسنے کے لئے تیار تھے۔ وہ سنبھلی۔ یزدگرد کی طرف مخاطب ہوئی اور موسیقی نواز لہجہ میں بولی!
اے شہنشاہ! آپ نوشیرواں کے جانشین ہیں۔ ایران کے فرمانروا ہیں۔ رحم اور انصاف ایران کے بادشاہوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ آپ مجھ پر۔ میرے بھائی پر۔ اسیر مسلمانوں پر رحم کیجئے۔ خدا آپ پر رحم کریگا۔
لیلےٰ کی گفتگو ایسے دلکش لہجہ میں تھی جیسے بلبل چہک رہا ہو۔ اسکی سامع نواز آواز کانوں کے ذریعے سے دل کی گہرائیوں میں اُترتی چلی جارہی تھی۔
معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فردوسی حور نغمہ سرا ہے۔ مہران۔ یزدگرد۔ ایرانی لڑکیاں سب اس کے مسیحا صفت عنابی لبوں۔ موتیوں جیسے دانتوں کو دیکھ اور سریلی آواز کو سن رہی تھیں۔
یزدگرد نے کہا لیلےٰ سُن! میرے حرم میں دو چار نہیں سیکڑوں مہ جبیں لڑکیاں دسیوں چاند کو شرمانے والی شہزادیاں موجود ہیں لیکن مجھ پر نہیں دل پر تیرے حسن نے چھاپہ مارا ہے۔
تیری خوبصورت آنکھوں نے ڈاکہ ڈالا ہے۔ میں تیرا اور صرف تیرا پرستار ہوں۔ پجاری ہوں۔ میں پھر عاجزی کے ساتھ اپنی شان سے گر کر التجا کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم کر۔ تو میری اور صرف میری ہوجا۔
لیلےٰ کی ہوش ربا نگاہیں یزدگرد کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں اسکے بھولے اور منور چہرے سے بیرنگی ظاہر ہورہی تھی۔
اُس نے کہا حضور! غور کیجئے آپ ایرانی ہیں۔ میں عربی۔ آپ آتش پرست ہیں میں توحید پرست۔ آپ یزدان اور اہرمن دو خداؤں کو مانتے ہیں میں صرف ایک خدا کو۔ آپ بادشاہ ہیں۔ میں ایک بیکس قیدی امرتہ کی خلیج توہیت کا دریا۔

(بقیہ ۹۲ کا) جو عربی جانتی تھی۔ (صادق صدیقی)۔

مذہب کا سمندر بیچ میں حائل ہیں۔
یزدگرد نے کہا۔ مذہب کوئی چیز نہیں۔ ہر شخص اپنے دل کا مختار ہے جس کو چاہے سجدہ کرے۔ سجدہ سے مراد خدا کی پرستش ہے۔ کبھی چین کو خدا ہی سمجھ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔
مقدس آگ انوار الٰہی ہے جیسا خدا کو سجدہ کرنا ایسے ہی خدائے نور کے سامنے سر جھکانا۔ اسے جو راد الیلئے! مذہب کو درمیان میں ڈالنا ٹھیک نہیں۔
لیلئے نے کہا۔ خدا پرستی کھیل نہیں ہے۔ ہر چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ خدا کو کسی نے نہیں سمجھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آگ خدا کا نور ہے۔ جب اس پر وثوق نہیں تو آگ کو انوار الٰہی سمجھ کر سجدہ کرنا خدا سے بغاوت نہیں تو پھر کیا ہے۔
یزدگرد نے کہا۔ میں مذہبی معاملات میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں۔ کہ گشتاسپ میرا جد امجد بیوقوف نہ تھا۔ حضرت زردشت اس کے پاس تشریف لائے۔ اسے احساس کے اراکین سلطنت کو معجزے دکھائے!
وہ ایمان لائے۔ آتش پرستی شروع کی۔ اسفندیار نے تبلیغ کی۔ تمام ایران ایران کے قرب وجوار کا علاقہ جوق جوق اس مذہب میں داخل ہوا۔ اگر یہ مذہب قابل قبول نہ ہوتا تو ہرگز قبول نہ کیا جاتا۔
لیلئے مسکرائی! مسکرانے سے اسکے پیارے چہرے پر حسن وخوبصورتی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہونے لگی۔
اس نے کہا۔ میرے اباواجداد بھی بتوں کو پوجتے تھے۔ انہوں خدا سمجھ کر ان کے سامنے سر جھکائے تھے۔ بتوں کے پجاری بھی یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بے وقوف نہ تھے۔ جنھوں نے بتوں کی پوجا شروع کی۔ لیکن جب حضرت صلعم مبعوث ہوئے!
آپ نے بتوں کی مذمت کی۔ کفر وشرک کے خلاف وعظ کیا تب آنکھیں کھلیں غور کیا۔ آخر سمجھ میں آیا کہ رسولؐ عربی سچ فرماتے ہیں!۔
بت خدا نہیں ہو سکتے۔ سارے عرب نے ان کا کلمہ پڑھا۔ باغی بندوں نے خدا کو سجدہ کیا۔ اسی طرح آگ کی پوجا کرنے والے ہوں یا ستاروں کی، چاند کو پوجتے ہوں یا سورج کو سب مشرک ہیں۔

جب تک غیر اللہ کی پرستش چھوڑ کر خدا کو اور صرف خدا کو نہ پوجیں گے۔ خدا پرست کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے۔

یزدگرد نے کہا۔ یزداں کی قسم تو بہترین مقررہ ہے۔ تیری تقریر مدلل ہے تو سحر آفرین تقریر سے ساری دنیا کو مسخر کر سکتی ہے۔ لیکن اسے بت ہوش ربا! میں نہ اب آتش پرست رہا ہوں نہ خدا پرست!

میرے دل میں تیری تصویر نقش ہو گئی ہے۔ میں تیرا پجاری بن گیا ہوں۔ تجھے سجدہ کرنے کو تیار ہوں یا جسے تو کہے اس کے سامنے سر جھکانے کو موجود ہوں اگر تو چاہتی ہے تو میں مسلمان ہو جاؤں تو تیرے کہنے سے مسلمان بھی ہو سکتا ہوں۔

لیلےٰ نے کہا میرے کہنے سے نہیں سچے دل سے اقرار کرو۔

یزدگرد۔ یہ ناممکن ہے۔ میں تیرا پرستار ہوں۔ تیرا پجاری ہوں تیرے سامنے سر جھکانے کو تیار ہوں۔

یزدگرد کو کچھ ایسا جوش الفت ہوا کہ وہ کھڑا ہو گیا۔ تخت سے نیچے اترا پری پیکر لیلےٰ کے پاس آیا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

اے عرب کی حور اے پیکر ناز مجھے تیری محبت نے دیوانہ بنا دیا ہے۔ میں تیرے خوبصورت اور نازک پیروں پر ایران کا تاج ڈالتا ہوں تجھ سے محبت کی بھیک مانگتا ہوں۔

اے خدائے حسن مجھے نواز۔ میرے حال زار پر رحم کر۔ میری محبت کی قدر کر۔ پاک یزداں کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ عمر بھر تیری پوجا کروں گا۔ تجھے عظیم الشان سلطنت ایران کی ملکہ بنا دوں گا۔

یزدگرد کی طبیعت میں جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس جوش نے اُسے اندھا اور بہرہ کر دیا۔ وہ کچھ نہ سنتا تھا نہ دیکھتا تھا ماہ تمثال لیلےٰ اس کی گفتگو سن سن کر کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔ اگرچہ وہ زنجیر میں بندھی ہوئی تھی پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ مگر غیرت جوش غصہ نے اپنی حرارت دلائی کہ وہ پیچھے ہٹی!

اُس کے پیچھے ہٹنے سے زنجیر تن گئی۔ پھول سے زیادہ نازک ہاتھوں میں زنجیر کی کڑیاں گھس کر نشان پڑ گئے۔ اس سے اس پیکر ناز و حسن کو تکلیف ہوئی۔ مگر

اس نے تکلیف کا خیال نہ کیا۔

عاصم بھی یہ تمام کیفیت دیکھ رہا تھا۔ جوش و غیرت سے خون اس کی رگوں میں کھولنے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کے بند ٹوٹ جائیں اور وہ لیلےٰ کی تحقیر کرنے والے سے انتقام لے۔

لیکن بند مضبوط تھے۔ ٹوٹ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے وہ مجبور تھا۔ کھڑا ہوا شعلہ فشاں آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

حورادا لیلےٰ کے پیچھے ہٹنے سے یزدگرد کو ندامت ہوئی لیکن محبت جو بوالہوسی کی وجہ سے ہوتی ہے ندامت کے خیال کو دیر تک دل میں ٹھہرنے نہیں دیتی چنانچہ اس کے دل میں بھی ندامت کا خیال آیا اور ہوا کے جھونکے کی طرح نکلا چلا گیا۔

وہ عرب کی حور کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس پہونچا۔ اس نے قریب کھڑا ہو اس کے نازک شانہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا۔ مہ جبین لیلےٰ آؤ بات جاؤ جو تم کہو گی میں وہی کروں گا۔ کیا تم ایران کی ملکہ بننا نہیں چاہتیں؟

لیلےٰ نے سُریلی آواز سے جواب دیا۔ مجھے دنیا کا کوئی لالچ متزلزل نہیں کر سکتا اب یزدگرد کو قدرے غصہ آ گیا۔ اور ایک قدم پیچھے ہٹا اس نے کہا۔ لیلیٰ! کیا تم اپنی ضد نہ چھوڑو گی۔

لیلےٰ نے خوبصورت سر جھکا کر جواب دیا۔ ضد نہیں میں خدا سے ڈرتی ہوں۔

یزدگرد۔ کس لئے؟

لیلےٰ۔ کہیں وہ مجھے سیہ کاروں میں شامل نہ کرے۔

یزدگرد کو اب زیادہ غصہ آ گیا۔ اس نے کڑے تیوروں سے لیلےٰ کو دیکھ کر کہا۔ کیا میری آرزو پوری نہ ہو گی؟

لیلےٰ نے ملائم لہجہ میں کہا۔ اے ایران کے شہنشاہ ایک معصوم لڑکی کو لالچ سے نہ ورغلاؤ نہ شاہی رعب داب سے دھمکاؤ۔ میں میرا بھائی مسلمان قیدی بیکس ہیں۔ بے بس ہیں۔ مظلوم ہیں ہم پر رحم کرو۔

یزدگرد نے ترش رو ہو کر کہا۔ لیلےٰ اگر تو نے میری آرزو پوری نہ کی اگر اپنی ضد پر قائم رہی تو پچھتائے گی۔ خون کے آنسو بہائے گی۔

ابھی وقت ہے سوچ لے سمجھ لے ایک طرف عزت ہے۔ آرام ہے مسرت ہے

دوسری طرف تباہی ہے۔ تکلیف ہے مصیبت ہے!

لیلیٰ نے کہا۔ عصمت جیسی بیش بہا چیز گنوا کر اگر عزت و آرام حاصل کئے جائیں تو ان پر لعنت ہے۔ عورتوں کا زیور۔ عورتوں کی عزت۔ عورتوں کی لازوال مسرت اُن کی عصمت ہے۔

ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی عورت نے عصمت گنوا کر آرام نہیں پایا مجھے کنیز بناؤ۔ خدمت لو۔ قید کرلو۔ بھوکا رکھو۔ یانی نہ دو۔ سب کچھ منظور ہے لیکن خدا کے لئے جس نے مجھے تمھیں اور ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔ مجھ سے میری عصمت نہ چھینو!۔

لیلیٰ یہ کہتے کہتے آزردہ ہوگئی۔ اس کی دلیرانہ گفتگو کو ایرانی لڑکیوں نے حیرت سے سُنا۔ متعجب ہوکر اس کی طرف دیکھا۔

عاصم اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا شاباش لیلیٰ شاباش تیری رگوں میں عربی خون ہے۔ جوہر شرافت ہے ایک شریف لڑکی کے خیالات ایسے ہی ہونا چاہئیں!

یزدگرد کو عاصم کی گفتگو ناگوار گذری۔ اُسے طارہ آگیا وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح عاصم کی طرف پلٹا۔ اس نے عاصم کو گھور کر دیکھا۔ عاصم مرعوب نہ ہوا وہ بھی آنکھیں اٹھائے یزدگرد کو دیکھتا رہا۔

یزدگرد نے کہا۔ بیوقوف نوجوان اتم لیلیٰ کو شہ دے کر قعر مذلت کے گڑھے میں ڈھکیلنا چاہتے ہو۔ تم کیسے بھائی ہو تمھیں تو یہ چاہئیے تھا کہ اس ضدی عورکو سمجھاؤ اسے ایران کی ملکہ بننے پر آمادہ کرو۔

عاصم نے بیخوفی اور لاپرواہی کی شان سے کہا عورت کی عصمت وہ گوہر نایاب ہے۔ جس کی قیمت دنیا کی تمام سلطنتیں بھی نہیں ہوسکتیں۔

ان عورتوں سے پوچھو جو کسی لالچ۔ فریب یا خوف کی وجہ سے اپنی عصمت کھو بیٹھتی ہیں کہ وہ کس قدر پچھتاتی ہیں۔

یہ دنیا! دنیا کا نظام عصمت مآب عورتوں ہی کی پاک دامنی ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ یزدگرد نے غصہ میں آکر کہا۔

ابھی معلوم ہو جائے گا۔

"اب وہ لیلےٰ کی طرف لوٹا۔ اس نے سخت لہجہ میں کہا!"
لیلےٰ! کیا تم میری درخواست قبول کرنے سے انکار کرتی ہو؟
لیلےٰ نے کہا۔ میں مجبور ہوں!
یزدگرد کو بہت زیادہ غصہ آگیا اُس نے کہا۔
لیلےٰ پھر سوچ لے دیکھ پچھتائے گی!
لیلیٰ نے کہا۔ میں نے سوچ لیا۔ خیال کیجئے۔ میں خدا کو ماننے والی ہوں کیسے خدا کی نافرمانی کروں۔
یزدگرد کا چہرہ جوش غضب سے سُرخ ہوگیا اُس نے کہا میں نے جس قدر عاجزی کی تیرا دماغ اسی قدر آسمان پر چڑھتا گیا۔ اب میں وہ طریقہ اختیار کروں گا جس سے خود تو اقرار کرے گی۔
وہ غیظ و غضب میں بھرا ہوا مہران کی طرف لوٹا۔ اس نے کہا مہران۔
مہران ہاتھ باندھ کر بڑھا۔ اُس نے کہا۔ جہاں پناہ!
یزدگرد۔ عاصم کو آگے لاؤ!
مہران نے عاصم کو بڑھایا۔ یزدگرد نے کہا۔
عاصم تم تمھاری ہمشیرہ لیلےٰ دونوں موت سے کھیل رہے ہو۔ موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!
عاصم نے استقلال کے لہجہ میں کہا۔ جو انسان پیدا ہوا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور مرے گا۔ انسان کو ہر وقت موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔
یزدگرد نے انتہائی غصہ سے عاصم کو گھور کر دیکھا۔ اُس نے کرخت آواز سے کہا بہت اچھا! مہران اسے لے جاؤ اور اس تاریک جیل خانہ میں ڈال دو جو زندوں کا قبرستان ہے۔
مہران نے سر اطاعت خم کر کے کہا بہت خوب۔ پیر و مرشد!
مہران عاصم کو لے کر بڑھا لیلےٰ تڑپ گئی بھائی کی محبت نے جوش مارا برادرانہ محبت کا دریا اُمڈ آیا۔ اس نے یزدگرد سے مخاطب ہو کر کہا۔
آہ رحم کرو ایرانی بادشاہ رحم کرو۔ یزدگرد نے اس حور طلعت کو دیکھ کر کہا۔
اگر تو اپنی ضد چھوڑ دے تو میں تجھ پر۔ تیرے بھائی پر الطاف خسروانہ کی بارش کروں۔

دولت کے ڈھیر لگا دوں۔ ثروت و حشمت میں اپنا ہمسر بنا دوں۔

عاصم نے کہا۔ لیلےٰ! کمزوری نہ دکھاؤ تم مسلمان ہو۔ مسلمان تقدیر کے قائل ہیں جو قسمت میں لکھا ہے ضرور پیش آتا ہے۔

دغا۔ فریب جھوٹ۔ بے حیائی سے حاصل کی ہوئی دولت۔ ثروت حشمت باقی نہیں رہتے۔ خدا جو کچھ عطا کرتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔

لیلےٰ نے مغموم لہجہ میں کہا۔ آہ! بھائی میں اپنے اوپر مصیبتیں برداشت کر سکتی ہوں تکلیفیں اٹھا سکتی ہوں لیکن تمھاری تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔

عاصم۔ کیا تم خدا سے جنگ کرنا چاہتی ہو۔ سوچو جو خدا کو منظور ہے وہی ہوگا

لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

لیلےٰ۔ لیکن میرے دل صد پاش پاش کو تسکین کون دے گا۔

عاصم۔ خدا کیا تم خدا کو بھول گئی ہو۔ سخت تکلیف۔ انتہائی مصیبت۔ مایوسی کی حالت میں وہی مدد کرتا ہے۔ اس سے۔ اس کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے۔

لیلےٰ۔ آہ! نہ میں بھولی ہوں۔ نہ بھول سکتی ہوں۔ دعا کرو خدا صبر عطا فرمائے۔

یزدگرد سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ لیلےٰ! اپنی بھائی کو بچانے کیلئے ضد چھوڑ دو۔

لیلےٰ نے شہزادیوں جیسی شان کے ساتھ سرو قد کھڑے ہو کر استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ سنگ دل بادشاہ! بے کسوں پر ظلم کر کے خدا کے قہر کو بیدار کر لے۔

یزدگرد کو کمال طیش آیا۔ اس نے مہران سے مخاطب ہو کر کہا۔ مہران عاصم کو لے جاؤ۔ قید خانہ میں ڈال دو۔ محافظوں کو ہدایت کر دو کہ اسے صرف ایک وقت کھانا اور ایک پیالہ پانی کا دیا کریں۔

مہران عاصم کو لے کر چلا۔ لیلےٰ نے دیکھا اس کی شان خودداری شکستہ ہو گئی۔ دل سنگ غم سے ٹکرا کر چور چور ہو گیا۔ اور کلیجہ الٹنے لگا!

ایک دوشیزہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہے لیکن بھائی کی تکلیف بھائی کی مصیبت بھائی کا غم برداشت نہیں کر سکتی۔

لیلےٰ وفورِ غم سے تڑپ گئی۔ بے اختیار اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ ہوش ربا

آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا اُبلنے لگا. اس نے گہرا ٹھنڈا سانس لے کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔
آہ رخصت پیارے بھائی رخصت! ایک غمزدہ بہن کو بھول نہ جانا اس پری جمال کی مغموم صورت ، اس کی محبت بھری خوبصورت آنکھوں میں آنسوؤں کی لہریں دیکھ کر عاصم بھی تڑپ گیا۔
اُس کا دل بھی غم کے بھنور میں ہچکولے کھانے لگا اس کی آنکھوں میں بھی آنسو چھلک آئے۔ اس نے کہا۔
لیلیٰ! حوصلہ نہ چھوڑ و۔ میں تمہیں کسی طرح بھی نہیں بھول سکتا!"
مہران عاصم کو لے گیا۔ جب تک وہ نظر آتا رہا لیلیٰ آنسوؤں کا دریا بہا کر دیکھتی رہی۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس کے زخم خوردہ دل پر جرکا لگا۔ نشترِ غم سے سینہ میں ناسور ہو گیا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ خداوندا! میرے بھائی کی حفاظت کر اور مجھے صبر دے۔
یزدگر اس حورِ طلعت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ اسکے منوّر رخساروں پر آنسوؤں کی دھاریں حسن کی لہریں معلوم ہو رہی تھیں۔
ستم زدہ لڑکی کے نازک ہاتھ طلائی زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے وہ آنسوؤں کو آنچل سے پونچھ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ نازک سر جھکائے ہوئے رو رہی تھی۔ تمام کرے پر اُداسی کا عالم طاری تھا۔
پری جمال ایرانی لڑکیاں خاموش افسردہ خاطر کھڑی تھیں۔ یزدگرد پر بھی افسردگی چھا گئی تھی۔ اس نے ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ابیلا لیلیٰ کو لے جاؤ۔
اس لڑکی کا نام آبیلا تھا۔ اس نے تخت میں بندھی ہوئی زنجیر کھولی اور لیلیٰ کو لے کر روانہ ہوئی۔
یزدگرد تخت پر جا بیٹھا۔ اُس نے گانے والیوں کو طلب کیا۔ گانے والیاں آئیں۔ مودب بیٹھیں ساز درست کئے اور گانا شروع کر دیا۔

چودھواں باب

ایرانی دربار

بروین نے سچ کہا تھا۔ جوشن ماہ نے سفیروں کے آنے کی اطلاع شہنشاہ ایران کو کردی تھی۔ مدائن میں سفیروں کی آمد کا انتظار کیا جانے لگا تھا۔ دربار کی آراستگی شروع ہو گئی تھی۔

اسلامی سفیر نہایت سادہ طریقہ پر۔ بالکل معمولی حالت سے سفر کئے چلے آرہے تھے اگرچہ ان کا ہر قدم دشمنوں کے ملک کے اندر انہیں لئے جارہا تھا۔ عام طور پر ایرانی مسلمانوں کی جان کے لاگو۔ خون کے پیاسے مذہب کے دشمن تھے لیکن ان خدا کے بندوں کو ان کا کوئی خوف نہ تھا۔

دراصل خوف انہیں ہوتا ہے جو دل کے کمزور ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر ان لوگوں کے دل کمزور ہو جاتے ہیں جن کو عہد طفلی میں ان کی مائیں یا انائیں کسی چیز سے ڈرا کر ان کے دلوں کو کمزور بنا دیا کرتی ہیں۔

عرب۔ افغانستان۔ مصر۔ اندلس وغیرہ اسلامی ممالک میں ہمیشہ سے اس کا خیال رہتا آیا ہے کہ نہ بچے کو کسی چیز سے ڈرایا جائے نہ اس کے دل میں خوف بیٹھنے پائے اگر کسی چیز سے بچہ از خود ڈرنے بھی لگتا ہے تو اس کے والدین اس کا ڈر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کے لوگ قوی الجثہ اور بہادر ہوتے ہیں۔

وہ کسی چیز سے ڈرنا نہیں جانتے۔ ہندوستان میں علی العموم والدین اپنے بچوں کو ڈرا ڈرا کر کمزور بنا دیا کرتے ہیں۔ رات کو سوتے ہیں اگر بچہ بیدار ہو جاتا ہے تو اسے لولو۔ کلو۔ جن اور ایسے ہی اور خرافات ناموں سے ڈرا کر سلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے آرام میں خلل پڑنے کی وجہ سے اپنے نونہال بچوں کو ڈرا ڈرا کر کمزور بنا دیتے ہیں۔ اس سے ہندوستانی مسلمان کمزور ہو جاتے ہیں اور چھپنے کا بیٹھا ہوا

ڈر دل سے نہیں نکلتا۔

اسلامی سفیر کوفی سے روانہ ہو گئے تھے۔ انہیں عاصم کے گرفتار ہو جانے کا ملال تھا۔ وہ افسردگی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

وہ جس قریہ یا قصبہ میں پہونچے ہر جگہ ایرانی انہیں دیکھنے کے لئے امڈ آئے ایرانیوں کا خیال تھا کہ سفیر نہایت شان و شوکت سے آ رہے ہوں گے۔

چند سفیر ہوں گے ان کی حفاظت کے لیے کثیر التعداد لشکر ہوگا۔ سوار زرق برق وردیاں پہنے ہوں گے۔

سفیروں کی پوشاکیں بہترین ریشم کی ہوں گی۔ سونے چاندی کے زیور ہوں گے گھوڑوں کی کاٹھیوں میں سونے چاندی کا گنگا جمنی کام ہو رہا ہوگا۔ لیکن جب انھوں نے سفیروں کو دیکھا تو ان کی سادگی اور معدودے چند آدمیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

جب سفیر بہرہ شیر میں پہونچے تو ہزاروں ایرانی دریائے دجلہ کے کناروں پر انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ مرد عورتیں بچے سب آئے۔

سب نے سفیروں کو دیکھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔ واہ وا! یہی سفیر ہیں۔ زرق برق پوشاکیں ہیں نہ زیور ہیں۔ نہ ہتھیار ہیں نہ لشکر ہے۔ کچھ بھی نہیں چند مسلمان آئے ہیں۔

شاید ان لوگوں کے پاس دولت نہیں ہے فوج بھی زیادہ نہیں معلوم ہوتی ایرانی ہمیشہ سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے۔ عورتیں اور بچے ہی نہیں مرد بھی ریشمی کپڑے۔ سونے چاندی کے زیورات۔ ہیرے جواہرات کے ہار پہنے تھے۔

وہ مسلمانوں کو سادہ لباس میں دیکھ کر سمجھے کہ مسلمانوں کے پاس دولت نہیں ہے حالانکہ ان سفیروں میں کئی رئیس تھے۔ اچھے خاصے دولت مند تھے۔ ریشمیں لباس اور سونے کے زیورات بنوا سکتے تھے۔ پہن سکتے تھے۔ لیکن اسلام آرائش و نمائش کی ممانعت کرتا ہے۔

مرد ریشمین کپڑے۔ سونے کے زیورات پہن ہی نہیں سکتے اس لئے سفیر اپنے مخصوص سادہ قومی لباس میں تھے۔

مذہب وہی اچھا ہے جو دین اور دنیا دونوں کے متعلق ہدایتیں کرے اسلام

مذہبی زندگی کے ساتھ ہی معاشرت کی بھی رہنمائی کرتا ہے۔ سفیر نہایت اطمینان سے ٹھنڈی دل ایرانیوں کو دیکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

انھوں نے دریا کو عبور کر لیا۔ دریا کے دوسرے کنارہ پر ہزاروں مدائن کے باشندے سفیروں کو دیکھنے کے لئے آئے ہوئے کھڑے تھے ان میں بھی عورتیں بچے اور مرد سب ہی تھے۔

چونکہ سب نے ریشمین کپڑے اور چاندی کے زیورات پہن رکھے تھے۔ کپڑے مختلف رنگ کے تھے اس لئے آفتاب کی شعاعوں میں چمک رہے تھے۔ سفیران کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

سامنے مدائن کا سر بفلک قلعہ نظر آیا۔ قلعہ کے دروازہ پر سواروں کا ایک دستہ پرا جمائے کھڑا تھا۔

ان سواروں کی وردیاں بیش قیمت ریشم کی تھیں۔ گلے اور بازوؤں میں زیورات پڑے تھے۔ وہ ننگی تلواریں لئے ہوئے تھے۔ دھوپ میں سفید سفید تلواریں بجلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

جب سفیران سواروں کے قریب پہونچے تو انھوں نے ہٹ کر راستہ دے دیا۔ سفیر مدائن کے دروازے میں داخل ہوئے تو انھوں نے مدائن کو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ سر بفلک قلعہ کو دیکھ حیران رہ گئے۔

نہایت بلند اور مضبوط قلعہ تھا۔ جب انھوں نے دروازے کو عبور کیا اور قلعہ کے اندر پہونچے تو ایرانیوں کا اژدحام دیکھ کر حیرت میں آ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مدائن کے تمام باشندے انہیں دیکھنے کے لئے امنڈ آئے ہوں۔ تمام راستے ساری دکانیں۔ دکانوں کی چھتیں ایرانیوں سے پٹی پڑی تھیں۔ انسانوں یا سمندر موجیں مارتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

سفیر سر جھکائے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دور چل کر راستہ کے سروں پر دو رویہ ایرانی لشکر کھڑا ہوا ملا۔

تمام سواروں کی وردیاں زرق برق تھیں سارے سوار نہایت گرانڈیل تھے بہترین ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔

گو یا دربار ایران نے سفیروں کو مرعوب کرنے کے لئے فوجی نمائش کی تھی لیکن

سفیروں پر اس ہمائش کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ برابر سر جھکائے ہوئے قدم قدم بڑھے چلے جا رہے تھے۔

چلتے چلتے وہ دربار عام کے دروازے پر پہونچے۔ دربار عام کی عمارت نہایت بلند اور وسیع تھی، خوب آراستہ کی گئی تھی۔ باہر سواروں اور پیدلوں کے دستے اس قدر کثرت سے تھے کہ دربار کے سامنے کا وسیع میدان اُن سے لبریز ہو گیا تھا۔

یہاں پہونچ کر سفیر گھوڑوں سے اُترے۔ خلقت انہیں دیکھنے کے لئے جھکی پڑتی تھی۔ بر لستانوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ لوگ ایڑیوں پر اُبھر اُبھر کر سفیروں کو دیکھ رہے تھے۔

دربار کی عمارت دو منزلی تھی۔ دوسری منزل پر عورتیں تھیں۔ ان عورتوں میں زیادہ تر امیروں، وزیروں اور شاہی خاندان کی عورتیں تھیں۔ سب کی سب دریچوں اور جھروکوں میں کھڑی جھانک رہی تھیں۔

سفیر اگرچہ سادہ لباس میں تھے۔ سفید عربی جبے پہنے تھے۔ جبوں پر سفید چادروں کے لبادے ڈالے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے رومال سروں کے اوپر پڑے ہوئے تھے جن کے دونوں طرف حاشیے کانوں کے پاس سے نکلے ہوئے سینوں پر آکر رک گئے تھے۔ رومالوں پر سفید ہی عمامے بندھے ہوئے تھے۔ کندھوں پر یمنی چادریں پڑی تھیں۔

ہاتھوں میں کوڑے (درّے) لئے ہوئے تھے۔ کمروں میں تلواریں بندھی ہوئی تھیں پیروں میں چرمی موزے چڑھائے ہوئے تھے۔ ان کا یہ قومی لباس تھا۔ مگر اُن کے چہرے سے بے باکی اور دلیری ٹپک رہی تھی۔

تماشائیوں پر اس کا بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ سفیروں کے گھوڑے ایرانی سائیسوں نے پکڑ لیے۔ عربی گھوڑے زور زور سے زمین پر ٹاپ مارنے لگے۔ ٹاپوں کی آواز دربار کے اندر پہونچی۔

درباریوں نے سمجھ لیا کہ سفیر آ گئے۔ سفراء اپنی مخصوص شان کے ساتھ بڑی بے باکی بے خوفی سے دربار میں داخل ہوئے۔ تمام درباریوں کی نظریں اُن کی طرف اُٹھ گئیں۔

سب نے استعجاب کی نظروں سے دیکھا اُن پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی۔

دربار نہایت سلیقہ اور بڑے اہتمام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں روپے اس کی سجاوٹ میں صرف ہو گئے تھے۔

اگر دربار کی ہر چیز کی تعریف کی جائے تو ناول بہت طویل ہو جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ایرانیوں نے اُسے سجانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اظہار شان و شوکت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا تھا۔

درباری لوگ علیٰ قدر مراتب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اراکین سلطنت اُن سے آگے تھے۔ وزراء تخت شاہی کے قریب ذرا نیچے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ یزدگرد تخت پر بیٹھا تھا۔ اور شاہی لباس پہنے ہوئے تھا تاج زریں سر پر اوڑھے ہوئے تھا۔

اس کا لباس۔ اس کا تاج جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ تخت کے قریب نیم دائرہ میں چند ایرانی خوبصورت لڑکیاں کھڑی تھیں۔

اول تو وہ سب خوبصورت تھیں۔ پری رخسار تھیں۔ دوسرے بہترین پوشاکیں پہنے تھیں۔ سونے چاندی کے زیورات سے لدی ہوئی تھیں اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں۔

ان کے حسن سے دربار جگمگا رہا تھا۔ سفیروں نے سرسری نظر سے درباریوں کی نشست۔ شاہ ایران کا پُرتکلف لباس۔ نورکی پتلیوں کو دیکھا۔ وہ نہ ٹھٹکے نہ جھجکے برابر بڑھتے رہے۔

یہاں تک کہ تخت کے پاس پہونچ گئے۔ وزیروں کے قریب ہی انکے بیٹھنے کے لئے بھی کرسیاں ڈالی گئی تھیں۔

وزیر اعظم نے کھڑے ہو کر اُنہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ نہیں بیٹھے۔ سیدھے تخت کے پاس جاکر کھڑے ہوئے۔

اس وقت دربار میں ایران کے تمام سردار۔ تمام پہلوان۔ تمام بہادر موجود تھے۔ اگرچہ رستم کی فوجیں ساباط میں مقیم تھیں۔ لیکن وہ بھی دربار میں طلب کر لیا گیا تھا۔ اور اس وقت موجود تھا۔

فیروز۔ بہمن۔ مہربان۔ ہرمزان تخّرجان۔ شہرزاد جیسے شیر دل اور مشہور بہادر بیٹھے ہوئے تھے۔

انہیں سفیروں کی جسارت دیکھ کر وہ بڑھ کر تخت کے قریب جا کھڑے ہوئے سخت ناگوار گذری لیکن وہ سننا چاہتے تھے کہ سفیر کس لئے آئے ہیں۔ اس لئے خاموش رہے۔
یزدگرد نے سفیروں کو دیکھا۔ وہ ان کی بے باکی بے خوفی اور جسارت دیکھ کر کسی قدر خائف ہو گیا۔

ایرانیوں نے اس بات کو بھی محسوس کیا کہ مسلمانوں نے بادشاہ کو سلام نہیں کیا یہ بات انہیں سب سے زیادہ ناگوار گذری۔ لیکن اس پر بھی وہ خاموش ہی رہے تمام دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔
سب لوگ چپ تھے۔ یزدگرد نے قفل خاموشی توڑا۔ اس نے نعمان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔
نعمان نے جواب دیا بردا!
بیساختہ یزدگرد کی زبان سے نکلا۔ جہاں برد۔
ایرانی ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ انہیں بادشاہ کا یہ فقرہ بدفال معلوم ہوا۔ سب کے چہروں سے بربمی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔
یزدگرد نے پھر پوچھا! دکوڑے کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟
نعمان نے جواب دیا۔ سوط!
یزدگرد نے جلدی سے کہا۔ کیا سوخت ؟ . . . آہ فارس را سوختند۔
یزدگرد نے یہ الفاظ جان کر نہیں کہے تھے۔ قدرت کہلا رہی تھی۔ کاش ایرانی اس بات کو سمجھ جاتے۔ انجام پر غور کرتے اور مسلمانوں کے مطالبات منظور کر لیتے لیکن انھوں نے غور کرنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں کی۔
مآل اندیشی سے کام ہی نہ لیا۔ بلکہ ناعاقبت اندیشی کی بنا پر اپنے ہی بادشاہ سے برہم ہونے لگے۔
ہر شخص کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ مگر شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی شخص کچھ نہ کہہ سکا

---

[1] یزدگرد عربی نہ جانتا تھا۔ ابھی کوئی مترجم نہ آیا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی زبان میں اُس نے خود ہی گفتگو شروع کر دی تھی۔ عربی کے دو چار الفاظ اُسے یاد تھے وہ اچھی طرح نہ جانتا تھا۔ (صادق صدیقی)

یزدگرد عربی نہ جانتا تھا۔

وہ نوعمر تھا۔ قصر کی چار دیواری کے اندر مقید رہتا تھا۔ پوران دخت جو ایران کی فرماں روا تھی خود حکومت کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے نوجوان شہزادہ کے گرد حسن کی پریوں کو اکٹھا کر دیا تھا تاکہ وہ عیش و عشرت میں ڈوب کر سلطنت اور حکومت کا خیال بھی نہ کرے

یزدگرد بھی عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ ہر وقت مہوش لڑکیوں سے اختلاط کرتا رہتا تھا۔ وہ نہ آئین جہاں بانی سے واقف تھا۔ نہ سوائے اپنی زبان کے دوسری زبان جانتا تھا۔

اب ایک مترجم آگیا تھا۔ اور اس کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی یزدگرد نے کہا مسلمانو! تم کس لئے ایران پر حملہ آور ہوئے ہو؟

نعمان نے جواب دیا۔ اس لئے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر مظالم شروع کر دیئے ہیں بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو مار ڈالا ہے۔ بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیا ہے۔

ہم مسلمانوں کا خون بہا لینے کے لیے قیدیوں کو رہائی دلانے کے لئے ایران میں آئے ہیں۔

یزدگرد نے کہا۔ غلط ہے تم تلوار کے زور سے ایرانیوں کو مسلمان بنانے آئے ہو۔

نعمان نے نرم لہجہ میں کہا۔ کوئی شخص کبھی تلوار سے ڈر کر کسی مذہب کو قبول نہیں کرتا۔ آج تک ایک شخص بھی تلوار کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا خدائے بزرگ و برتر نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ ترجمہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ گمراہی اور ہدایت ظاہر ہوگئی ہے۔

خداوند عالم کے ارشاد کے خلاف ہم کیسے کسی شخص کو تلوار سے ڈرا کر مسلمان بنا سکتے ہیں کسی کو جبر کر کے مسلمان بنانا خدا کی نافرمانی کرنا ہے۔

یزدگرد۔ لیکن تم اکثر تین شرطیں پیش کیا کرتے ہو یا تو مسلمان ہونے کو کہتے ہو یا جزیہ دینے کو۔ یا لڑنے کو۔ کیا اس سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ تم جبراً مسلمان

بنانے پھرتے ہو۔

نعمان۔ اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہم نے آج تک کسی ملک پر خود لشکر کشی نہیں کی بلکہ ہمیں لشکر کشی کے لئے مجبور کیا گیا۔ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی فاتح کسی ملک کو فتح کر لیتا ہے تو مفتوحہ ملک کو برباد کر ڈالتا ہے۔ لوگوں کو غلام بنا لیتا ہے۔

دولت لوٹ لیتا ہے۔ آبادی میں آگ لگا دیتا ہے۔ لیکن ہم ان باتوں سے سخت متنفر ہیں۔ ہم جہاں کہیں جاتے ہیں۔ پہلے اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر مسلمان نہ ہوں تو جزیہ جو حفاظت کا ٹیکس کہلاتا ہے ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ جو ان دونوں باتوں کو نہیں مانتے ان سے لڑتے ہیں۔

یزدگرد۔ آپ اسلام کی دعوت کیوں دیتے ہیں؟

نعمان۔ اس لئے کہ اسلام صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے۔ آگ پتھر۔ چاند۔ ستاروں۔ دریاؤں۔ اور دوسری چیزوں کی پوجا کرنے سے منع کرتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے خدا ایک ہے۔ بڑی شان اور قدرت والا ہے یہ دنیا جو ہمیں نظر آتی ہے۔ اور وہ عالم جہاں ہم مر کر جاتے ہیں۔ اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ کسی کی عبادت واجب و فرض ہے۔ وہ دونوں جہان کا پروردگار ہے۔ ہر ذی روح کو رزق پہونچاتا ہے عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

یزدگرد۔ کیا تم بھول گئے کہ دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل کوئی قوم نہ تھی!

نعمان۔ خاموش ہو گئے۔ وہ رئیس تھے۔ شریف تھے۔ ایسی واہیات بات کا جواب دینا نہ چاہتے تھے۔

مغیرہ بن ضرارہؓ ایک صحابی تھے۔ انہیں طیش آ گیا۔ انہوں نے کہا۔

اے ایرانی بادشاہ! یہ میرے ساتھی۔ رؤسائے عرب سے ہیں علم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی پسند نہیں کرتے۔ آپ مجھ سے سنیئے۔ ہم عرب ہیں۔ عربوں کی قوم ذلیل نہیں ہے۔ ہم شریف ہیں اور خدا کی قسم ایرانیوں سے زیادہ شریف ہیں۔ تم تمہاری قوم۔ تمہارا ملک شرافت و نجابت میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم میں نااتفاقی تھی۔ ہم بت پرست تھے۔ کفر نے ہم میں

وہ تمام عیوب پیدا کر دیئے تھے۔ جو ننگ انسانیت کہلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں۔

ہماری حالت بدل گئی ہے۔ اسلام کی بدولت ہمارا قدیمی جوہر شرافت نکھر آیا ہے۔ یزدگرد ہنسا۔ اس نے کہا۔

جوہر شرافت! تم میں شرافت ہی کب تھی۔ تم وہ قوم ہو جو اپنی زندہ لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے۔

مغیرہ نے جواب دیا۔ تم نے سچ کہا۔ ہم ایسے ہی تھے۔ ہماری قوم نے ایک دو نہیں ہزاروں لڑکیاں، دفن کر دیں۔ لیکن ایرانی فرماں روا! اس سے بھی ہماری شرافت و غیرت کا پتہ چلتا ہے۔

ہمیں یہ تک گوارا نہ تھا کہ کوئی ہمارا داماد بنے اسی وجہ سے ہم اپنی زندہ لڑکیوں کو دفن کر دیا کرتے تھے۔ مگر جب خدا نے ہمیں تنبیہہ کی اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔

ترجمہ (جب زندہ دفن کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی) تو ہم ڈر گئے۔ کانپ گئے۔ خدا کے حضور میں گڑگڑائے۔ عاجزی کی معافی مانگی اب ہم لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر سمجھتے ہیں۔

یزدگرد۔ کیا تم مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کر ڈالا کرتے تھے۔

مغیرہ۔ یہ بھی سچ ہے۔ کثیر العیال مفلس اعرابی ایسا بھی کرتے تھے۔ لیکن یہ سب مذموم حرکتیں کفر کی حالت میں ہوئیں۔ کفر نے ہمیں راندۂ درگاہ کر دیا تھا جب ہم ایمان لائے مسلمان ہوئے!

خدا نے ہم پر مہربانی کی۔ ہمیں نوازا۔ ہماری غلطیوں پر ہمیں متنبہ کیا چنانچہ اسکے متعلق بھی ارشاد باری تعالے ہوا۔

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا۝

ترجمہ (اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے ہم رزق دیتے ہیں ان کو اور تم کو تحقیق ان کا مار ڈالنا بڑا گناہ ہے)

یزدگرد۔ کیا تم زنا نہ کرتے تھے، کیا یہ بے حیائی نہ تھی؟

مغیرہ۔ بے شک یہ بے حیائی تھی لیکن یہ بھی حالت کفر ہی میں ہوا۔ اور کافر اس کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد خدا نے اس کے متعلق بھی تنبیہ فرمائی ارشاد ہوا! وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ط

ترجمہ۔ اور مت جاؤ نزدیک زنا کے تحقیق وہ بے حیائی ہے۔ وَسَاءَ سَبِیْلًا (اور بری راہ ہے)۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ۔ اور حرام کیا گیا ہے۔ یہ اوپر مسلمانوں کے)۔

گویا اللہ تعالے نے بھی ارشاد فرمادیا کہ چونکہ کافر گمراہ ہوتے ہیں نہ ان کا کوئی مذہب ہوتا ہے۔ نہ وہ کسی بے حیائی کو بے حیائی سمجھتے ہیں۔ اس لئے مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسی بے حیائیوں سے باز رہے۔

یزدگرد۔ تم ایک ایسے شخص کے پیرو ہو۔ جو اُمی (ان پڑھ) تھا!

مغیرہ ہاں حضرت محمد صلعم اُمی تھے۔ بالکل پڑھنا نہ جانتے تھے۔ جب وہ مبعوث ہوئے۔ خدا نے انہیں خلعت نبوت عطا کی۔ انھوں نے وعظ فرمایا بتوں کے خلاف بت پرستوں کے خلاف تقریریں کیں تو سارا عرب۔ کل حجاز بھڑک اٹھا۔

خدا کا محبوب۔ خدا کا پیارا۔ خدا کا لاڈلا بی تنہا تھا۔ اس کے ہم وطنوں نے۔ اس کے ہم قوموں نے۔ اس کے عزیزوں نے اُسے انتہائی تکلیفیں دیں۔ انتہائی اذیتیں پہونچائی۔ لیکن وہ سنگی چٹان کی طرح جم گیا۔

پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ کسی تکلیف کسی سختی کی پرواہ نہیں کی۔ وہی کہتا رہا۔ جو کہتا تھا۔ یہاں تک کہ صداقت کی فتح ہوئی۔ حق غالب آیا۔

وہ لوگ جو اُسے ستاتے تھے اُس کے سامنے جھک گئے۔ ساری قوم نے گردن تسلیم خم کر دی۔ سارا ملک حلقہ بگوش ہو گیا۔ خدا کے باغی بندوں نے خدا کو پہچانا۔ خدا کے رسول کو پہچانا۔

سارے باغیوں کو ان باغیوں کو جن کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ یا اس سے کہیں زیادہ خدا تھے ایک خدا کے سامنے لا جھکایا۔ اے ایرانی شہنشاہ غور کر اگر خدا کا محترم نبی تلوار کے زور سے کسی کو مسلمان کرنا چاہتا تو وہ قتل کر ڈالا جاتا۔ کیونکہ وہ تنہا تھا کوئی اس کا مددگار نہ تھا۔

لیکن جب دین اسلام کو وہ لے کر آیا اس میں جاذبیت ہے۔ اسلام نے زبردستی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور قیامت تک کھینچتا رہے گا۔

تمام اراکین۔ تمام وزیر۔ تمام حور جمال لڑکیاں خود یزدگرد نہایت غور سے مغیرہ کی گفتگو سن رہے تھے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو یزدگرد نے کہا۔ تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟

مغیرہ نے انتہائی بے باکی اور بے خوفی سے کہا۔ تم مسلمان ہو جاؤ۔ آتش پرستی چھوڑ دو۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اسلام کے حلقہ بگوش بن جاؤ۔

تمام ایرانیوں کو اس کی بے باکانہ گفتگو سخت ناگوار گذری۔ یزدگرد بھی برہم ہوا۔ اس نے کہا۔

"میں! میری قوم قیامت تک بھی مسلمان نہیں ہو سکتے!"

مغیرہ۔ بس تو تم جزیہ دو۔ ہماری حفاظت قبول کرو۔ ہم تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ جو مسلمان تمہارے یہاں قید ہیں ان کو چھوڑ دو!

یزدگرد۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا!

مغیرہ۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو لڑو۔ لیکن لڑنے سے پہلے انجام سوچ لو۔ تباہی کو دروازہ پر کھینچ کر نہ لاؤ۔

یزدگرد کو سخت طیش آیا۔ اس نے برافروختہ ہو کر کہا۔ تم سفیر ہو۔ سفیروں کا قتل جائز نہیں ہے ورنہ میں تم سب کو مار ڈالتا۔

یہ کہتے ہی وہ اپنے آدمیوں کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے کہا۔ ایک ٹوکری مٹی سے بھر کر لاؤ۔

فوراً ایک آدمی روانہ ہوا۔ یزدگرد کو سخت غصہ آیا ہوا تھا۔ وہ غیظ و غضب کی وجہ سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا اس نے کہا۔

بے وقوف مسلمانو! تم خود اپنی موت کو بلا رہے ہو۔ دیکھو! میرے اس بہادر سپہ سالار کو دیکھو جس کا نام رستم ہے جس کے رعب و داب سے دنیا کانپتی ہے جس کا نام سن کر بہادر سے بہادر آدمی بھی لرز جاتا ہے۔

یہ رستم ثانی ہے تمہیں۔ تمہارے بھرائیوں کو۔ تمہاری ساری قوم کو زندہ زمین میں دفن کر دے گا۔

اشعثؓ نے جوش میں آکر کہا۔ شیخی بگھارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میدان جنگ میں بہادری کا امتحان ہو جائے گا!

قرون اولےٰ کے مسلمانوں کی جسارت حیرت میں ڈالتی ہے کیسے بے دل و گردہ لوگ تھے۔ کسی سے ڈرنا جانتے ہی نہ تھے۔ سمجھتے تھے ایرانی دربار میں ہیں۔ دشمن چاروں طرف سے گھیرے کھڑے ہیں۔

ایک ادنےٰ اشارہ پر ٹکڑے ٹکڑے کئے جا سکتے ہیں۔ مگر کسی بات کا مطلق خوف نہ تھا۔ بے دھڑک کھری باتیں کہتے تھے۔ آج کتنے مسلمان ہیں۔ جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوں۔

سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرتے ہوں سچ بات کہنے میں ذرا بھی باک نہ کرتے ہوں۔ جو آدمی گیا تھا۔ وہ ایک ٹوکری میں مٹی لے کر آگیا۔ یزدگرد نے پوچھا مسلمانو! تم میں کون سب سے زیادہ ذی عزت اور شریف ہے۔

عاصمؓ بن عمرو نے بڑھ کر کہا۔ میں ہوں!

عاصم بن عمرو رئیس تھے۔ معزز تھے یزدگرد نے اُن کے سر پر ٹوکری رکھا کر کہا ہم عزت والوں کو اس طرح ذلیل کیا کرتے ہیں!

عاصم نے ہنس کر کہا۔ تم نے اپنے ملک کی مٹی اپنی خوشی سے ہمیں دی ہے۔ یہ نیک فال ہے انشاء اللہ ہم تمھاری ساری زمین پر قابض ہو جائیں گے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایرانی فال کے زیادہ معتقد تھے۔ عاصم کی بات سن کر بھونچکے سے رہ گئے۔ سمجھے واقعی غلطی ہوئی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ مغیرہ نے کہا۔

اے ایرانی شہنشاہ! تم نے کہا تھا کہ ہم سفیروں کو نقصان نہیں پہنچاتے! ہمارا ایک ساتھی جو سفیر ہے۔ جس کا نام عاصم ہے گرفتار کر لیا گیا ہے کہ آپ اُسے رہا کر دیں گے؟

یزدگرد نے کہا۔ نہیں! وہ رہا نہیں کیا جا سکتا!

مغیرہ۔ لیکن وہ سفیر ہے؟

○ یہ دوسرے عاصم تھے۔ وہ عاصم نہیں جو قید کر دیے گئے تھے اور جو اس ناول کے ہیرو ہیں (صادق)

یزدگرد۔ ہوا کرے۔

مغیرہ۔ اس سے مسلمانوں کا جوش و غصہ بڑھ جائے گا!

یزدگرد۔ بڑھ جانے دو۔

مغیرہ۔ اس کا نتیجہ برا ہوگا!

یزدگرد۔ پرواہ نہیں! میں کل اسے قتل کرا دوں گا۔ دیکھوں! میرا مسلمان کیا کرتے ہیں۔

مغیرہ نے غصہ میں آکر کہا مسلمان اس کا انتقام لیں گے اور ہر اس شخص کو مار ڈالیں گے جو اس کے قتل میں شریک ہوگا!

یزدگرد نے کھسیانی ہنسی ہنس کر کہا۔ بدبختو! میں ہر اس مسلمان کو قتل کر ڈالونگا جو میرے ہاتھ آئے گا۔ کل آفتاب طلوع ہوتے ہی عاصم کو قتل کر دیا جائے گا۔

یزدگرد کی آواز کسی قدر اونچی ہوگئی تھی۔ سب نے اس آواز کو سنا کمرہ کے اوپر عورتیں تھیں کسی عورت نے چیخ ماری۔

چیخ کی آواز سارے دربار میں گونج اٹھی۔ تمام درباری حیران رہ گئے۔ سب نے آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ کچھ نظر نہ آیا۔ عورتیں پیچھے دبی ہوئی بیٹھی تھیں۔

مسلمان ایرانیوں کو حیران و ششدر چھوڑ کر۔ دربار سے نکلے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیزی سے روانہ ہوگئے۔

سفیروں کے جاتے ہی یزدگرد نے دربار برخاست کیا۔ سب لوگ رخصت ہوگئے۔ یزدگرد اٹھا لڑکیوں نے پیچھے ہٹ کر راستہ دے دیا وہ تیزی سے پیچھے کی طرف چل کر ایک کمرہ میں پہونچا۔

یہ کمرہ بھی وسیع تھا۔ وہ داہنے ہاتھ گھوما اس طرف زینہ تھا۔ لپک کر زینہ پر چڑھ گیا۔ زینہ نہایت کشادہ اور گھوم دار تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر بالاخانہ پر آیا۔ بالا خانے کی عمارت بھی نہایت نفیس اور خوب آراستہ تھی وہ تیزی سے چل کر اس جگہ پہونچا۔ جہاں عورتیں جمع ہو رہی تھیں۔ قریب قریب تمام عورتیں خوبصورت تھیں۔

یزدگرد کو دیکھتے ہی سرو قد کھڑی ہوگئیں۔ یزدگرد نے دیکھا۔ پر وینا بیہوش فرش پر پڑی تھی۔

پندرہواں باب

پیکر وفا

پروین نے عاصم کے ساتھیوں کو عاصم کی گرفتاری کا حال بتایا تھا۔ نعمان اس حور طلعت پری پیکر کو اس کے باپ جوشن ماہ کے کیمپ تک پہونچا گئے تھے۔ پروین مستانہ خرامی سے سبزہ کو پائمال کرتی اپنے خیمہ کی طرف بڑھی۔ اس کے لیے کیمپ کے وسط میں نہایت خوبصورت خیمہ استادہ کیا گیا تھا۔ خیمہ میں اس کے آرام کا جملہ سامان مہیا کر دیا گیا تھا۔

اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ کوئی چیز ایسی نہ رہ جائے جس کے نہ ہونے سے ماہ تمثال پروین کو تکلیف ہو۔

وہ ایک ایسے باپ کی بیٹی تھی جو اس پر ہزار جان سے شیفتہ تھا اپنے آرام سے زیادہ اس کے آرام کا خیال رکھتا تھا۔ اگرچہ پروین شباب کی مسرت انگیں منزلیں طے کر رہی تھی۔ جوانی کی راتیں، مرادوں کے دن تھے لیکن اس کے باپ نے ابھی اس کی شادی نہیں کی تھی۔

پروین حسین تھی۔ نازآفریں تھی۔ دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ سیکڑوں آدمی اس کے خواستگار تھے۔ لیکن جوشن ماہ چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسے شخص سے اپنی لڑکی کی شادی کر دے جس کو دنیا رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہو۔

خوبصورت ہو۔ خوب سیرت ہو۔ مالدار ہو۔ پروین پر ہزار جان سے مائل ہو۔ اور پروین بھی اُسے پسند کرتی ہو۔

ہر باپ کی اپنی بیٹی کے متعلق یہی خواہش ہوا کرتی ہے اور ہونی بھی چاہیئے۔ کون نہیں چاہتا کہ اُس کے دل کے ٹکڑے آرام سے رہیں۔

پروین جس وقت اپنے خیمے کے قریب پہونچی اُس کے قدم خود بخود اُس کے باپ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ آگے بڑھی۔

معصوم دوشیزہ اس وقت بے چین تھی اُسے رہ رہ کر عاصم کا خیال آرہا تھا اس کا دل دکھا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ چل کر وہ جوشن ماہ کے خیمہ پر پہونچی۔

اس خیمہ سے اب بھی ناچنے گانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ٹھٹھک کر دروازہ پر کھڑی ہوگئی۔ سوچنے لگی اندر جائے یا واپس لوٹ جائے۔

ایرانیوں میں اس زمانہ میں یہ بات کچھ معیوب نہ تھی کہ باپ، بیٹے یا بیٹی کی موجودگی میں ناچ گانا نہ ہو۔ بلکہ اکثر و بیشتر خاندان کے سارے ممبر جمع ہو جاتے تھے۔

پروین نے اپنے باپ کے پاس جانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ خیمہ پر پڑا ہوا ریشمیں پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوئی۔

خیمہ میں بہترین سبز رنگ کا پھول دار فرش بچھا ہوا تھا۔ سامنے پرانے زمانے کی چاندی کی خول چڑھی ہوئی مسہری بچھی تھی۔ مسہری پر چنگیزی تھی۔ تین طرف باریک ریشم کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ سامنے کا پردہ اُٹھا ہوا تھا۔ سامنے جوشن ماہ بیٹھا تھا۔

جوشن ماہ ادھیڑ عمر کا قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرہ سے مسرت و بے فکری کی علامتیں ظاہر تھیں۔ بارعب آدمی تھا۔ اُس کے سامنے فرش پر چار خوبصورت عورتیں بیٹھی تھیں وہ باجے لئے ہوئے تھیں۔

ایک پری جمال عورت کھڑی ہوئی تھی۔ خیمہ میں اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ دن کا سماں نظر آرہا تھا۔ جب پروین خیمہ کے اندر داخل ہوئی ٹھیک اسی وقت کھڑی ہوئی عورت نے گانا شروع کیا۔

اس کی آواز رسیلی تھی۔ تمام خیمہ میں رس بھری آواز سے ترنم شروع ہو گیا۔ ساز نے آواز کو اُٹھا لیا۔ سننے والوں کو وجد آنے لگا۔ جوشن ماہ ٹکٹکی لگائے اس مغنیہ کو دیکھ رہا تھا۔

پروین بڑھ کر اس کے پاس پہونچی۔ یکایک جوشن ماہ کی نظر پروین پر پڑی۔ اُس نے کہا۔

جان پدر آؤ۔ خوب وقت پر آئیں سنو کیسی رس بھری آواز ہے یہ مغنیہ دلفریب ادا کے ساتھ گاتی ہے۔ ناچ تو غضب ہی کا ہے۔ تم نے اس سے پہلے نہ ایسا ناچ دیکھا نہ گانا سنا ہو گا۔

جوشن ماہ پر اس وقت بے خودی سی طاری تھی۔ وہ رقص و سرود کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے فوراً ہی پروین کی حالت پر غور نہیں کیا۔ لیکن جب پروین اس کے بالکل قریب پہونچ گئی اور اس نے اس کے افسردہ چہرہ کو دیکھا۔

غم بھری آنکھوں پر نظر کی تو وہ بے چین ہو گیا۔ جلدی سے اٹھا اُس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ٹھہرو! گانا بند کر دو۔

فوراً گانا بند کر دیا گیا۔ گانے والیاں بھی مہ جبین پروین کو دیکھنے لگیں۔

پروین کے گلاب کے پھول جیسے گال پسیج رہے تھے۔ چاند پر چشمک زنی کرنے والے رخسار بے نم ہو رہے تھے۔ چہرے سے حسرت اور آنکھوں سے غم ٹپک رہے تھے۔

جوشن ماہ نے پروین کا دست نازک پکڑ کر دریافت کیا۔ جان پدر! تو کس وجہ سے غم زدہ ہو گئی ہے۔ تیرے رخسارے نم ناک ہیں کیا تو روئی ہے؟ بتا بتا تجھے کیا غم ہوا؟ کس نے تیرے نازک دل کو ٹھیس لگائی؟

اس کی دل دہی نے۔ اس ہمدردی نے۔ اس محبت پدری نے پروین پر بڑا اثر کیا۔ اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ ہمدردی سے ٹھیس لگی اور بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

جوشن ماہ تڑپ گیا۔ بے چین ہو گیا اُس نے جلدی سے کہا۔ نہ رو میری راحت میں تجھے غم زدہ نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے آنسو برداشت نہیں کر سکتا مجھے بتا تجھے کیا غم پہونچا۔

جوں جوں جوشن ماہ تسلی دیتا تھا۔ ہمدردی کرتا تھا۔ پروین پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی۔ وہ اپنے باپ کے شانے سے سر لگا کر ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ جوشن ماہ کا دل اپنی قرۃ العین کو روتے ہوئے دیکھ کر فرط رنج و قلق سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

اُس نے محبت و شفقت سے پروین کے چاند سے چہرہ کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ کر اُس کے رخ انور کو اوپر کی طرف اٹھا کر کہا۔

میری راحت جان۔ میری آنکھوں کے نور۔ یزدان کے لئے نہ رو۔ تو مجھے بتا تیرے غم کی کیا وجہ ہے۔ کس بیدرد نے تجھے صدمہ پہونچایا۔

پروین نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ابا جان! ہمارے خاندانی وقار کو ٹھیس لگائی گئی ہے۔ آپ کے مرتبہ کا۔ میری موجودگی کا کچھ خیال نہیں کیا گیا!

جوشن ماہ کو طارہ آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں خون کبوترین گئیں۔ اس نے پوچھا کس نے ایسی جرأت کی؟

پروین نے ہلکی سسکیاں بھرتے ہوئے کہا تنہائی میں عرض کر دوں گی۔

جوشن ماہ نے گانے والیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ میں تخلیہ چاہتا ہوں تم سب جا کر آرام کرو۔

گانے والیاں اٹھیں۔ جھکیں۔ نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور سب کی سب خیمہ سے باہر چلی گئیں۔

"اب جوشن ماہ نے پوچھا۔ جان پدر اب بتاؤ وہ کون اجل گرفتہ تھا!"

پروین نے بھولے پن کے لہجہ میں جواب دیا۔ "مہران!"

جوشن ماہ کو گویا سانپ نے کاٹا۔ وہ چونکا اس نے غور سے پروین کو دیکھ کر جلدی سے دریافت کیا۔ مہران یہاں کیسے آگیا؟

پروین۔ یزدان ہی کو خبر ہے!

جوشن ماہ۔ اس نے تجھے کیا کہا۔

پروین نے خوبصورت سر۔ چاند سا چہرہ۔ ہوش ربا آنکھیں جھکا کر جواب دیا۔ اس نے میری توہین کی۔ آپ کی توہین کی۔ ہمارے خاندان کی توہین کی!

جوشن ماہ کو زیادہ طیش آگیا۔ اس کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ آنکھیں ابل آئیں۔ اس نے غصہ کی حالت میں مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ اس قدر جسارت یزداں کی قسم! میں برداشت نہیں کر سکتا!

پروین نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اگر ایک خدا پرست نیک دل عرب نہ آجاتا تو وہ تمام اہرمنی طاقتیں مجھ پر ختم کر دیتا!

جوشن ماہ نے حیرت سے اس رشک قمر کو دیکھ کر کہا۔ عرب اور نیک دل؟

پروین نے اس طرح آہستہ آہستہ اپنا روشن چہرہ اٹھایا۔ جیسے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا کرتا ہے۔ اس نے جوشن ماہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ہاں! ایک نوجوان عرب۔

وہ نہایت نیک۔ نہایت حلیم۔ نہایت بہادر اور نہایت خدا ترس تھا وہ عرب پیروں میں سے تھا۔ اتفاقیہ سیر کرتا ہوا وہاں آنکلا مہران کی چیرہ دستی اور تہذیب کش نخی دیکھ کر خدا ترسی کے خیال سے مجھے بچانے کے لئے دوڑا۔ مہران پر اہرمن کا سایہ تھا۔ شیطانی جذبہ کا اثر تھا فرعونیت کا پرتو تھا۔

وہ تلوار نکال کر عرب پر حملہ آور ہوا۔ عرب نے بھی تلوار نکال لی۔ جنگ ہونے لگی۔ لیکن چندہی منٹ میں مہران زیر ہو گیا۔ میں نے عرب سے کہہ سن کر اس کی جان چھڑائی۔ وہ چلا گیا۔ عرب نماز پڑھنے لگا۔

چونکہ میں مہران کے خوف سے تنہا نہ آنا چاہتی تھی اس لئے کھڑی رہی اس خیال سے کہ جب یہ عرب نماز پڑھ لے گا تو اسے ساتھ لے کر کیمپ میں چلوں گی۔

پروین سانس لینے کے لیے رکی۔ جوشن ماہ کے چہرہ سے شکریہ کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا۔ شریف عرب! میں اس کا بہت مشکور ہوں۔ کیا وہ خیمہ کے باہر موجود ہے؟

پروین نے غم زدہ لہجہ میں کہا۔ نہیں ابا جان! وہ ظالموں کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا۔

جوشن ماہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ کس نے اُسے گرفتار کیا۔

پروین۔ مہران نے!

جوشن ماہ نے غصہ میں دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ دنیا کا بدترین انسان!۔۔۔وہ پھر کیسے آگیا؟

پروین۔ جب عرب نماز پڑھ چکا تو میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ مجھے خیمہ گاہ تک پہونچا دے۔ وہ تیار ہو گیا۔ ہم دونوں چلے۔ ابھی چندہی قدم چلے تھے کہ مہران بہت سے ایرانی سوار لے کر آپہونچا۔ آتے ہی اس نے اس عرب کو گھیر لیا۔ میں نے ہر چند سمجھایا۔ منتیں کیں۔ ہاتھ جوڑے۔۔۔۔

جوشن ماہ یہ سن سن کر غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے قطع کلام کر کے کہا لیکن اس نے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔ پروین نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ مطلق نہیں کی۔ اس نے۔ اس کے آدمیوں نے عرب پر تلواروں سے حملہ کر دیا عرب نے بھی تلوار نکالی۔

جنگ شروع ہو گئی دو چار ایرانیوں کو عرب نے مار ڈالا۔ اتفاق سے اُس نے ٹھوکر کھائی وہ گر گیا فوراً مہران کے ساتھیوں نے اُسے گرفتار کر لیا میں نے پھر مہران

کی خوشامد کی اور اس سے کہا۔ کہ اس عرب نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اس نے نہ مانا۔ بلکہ مجھے اس زور سے دھکا دیا کہ میں گر گئی۔ جوشن ماہ کو اس قدر غصہ آگیا کہ وہ ضبط نہ کر سکا!۔

وہ جوشن غیظ و غضب میں آکر ٹہلنے لگا۔ اس نے طیش آمیز لہجہ میں کہا۔ احسان احسان فروش خبیث انسان۔ ۔ ۔ یزدان کی قسم میں اس شیطان زادہ سے انتقام لوں گا۔ اچھا پھر کیا ہوا؟۔

پروین۔ میں ابھی اس توہین سے میرے دل کو بڑا صدمہ ہوا آج تک کسی کو اس قدر جرأت نہیں ہوئی تھی۔ میں بے چین ہو گئی۔ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

پروین جوشن ماہ کی رگ حمیت و جوش کو الفاظ کے نشتروں سے گفتگو کی اکھوکوں سے چھیڑ چھیڑ کر بھڑکا رہی تھی۔ جوشن ماہ اس وقت انتہائی غیظ و غضب میں بھر گیا تھا اس نے کہا۔ پروین! میں اس بہائم صفت انسان سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ اس کا خاندان سارا ایران اس پر آنسو بہائیں گے۔

پروین۔ ابا جان! وہ مجھ پر پھر سختیاں کرتا لیکن خوش قسمتی سے چند اور مسلمان آگئے۔ ان کے آنے سے پہلے ہی وہ اور اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ عرب کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ میں حسرت و افسوس بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ جب آنے والے مسلمان میرے پاس آئے اور انھوں نے اپنے ساتھی کے گرفتار ہو جانے کا حال سنا۔ تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے فوراً انہوں نے مجھے یہاں پہونچایا اور وہ سب مہران کے تعاقب میں گئے ہیں!۔

جوشن ماہ۔ پروین! اس محسن عرب کا نام تو نہیں معلوم ہوا!

پروین نے شرم سے سر جھکا کر جواب دیا۔ اس کا نام "عاصم" ہے۔

جوشن ماہ۔ کاش! مسلمان اسے چھڑا لیں لیکن اگر وہ نہ چھڑا سکے تو میں اسے رہائی دلاؤں گا۔

پروین نے یاس بھرے لہجہ میں کہا۔ ابا جان افسوس وہ نہیں چھڑایا جا سکے گا مسلمان تو اسے اس وجہ سے نہ پا سکیں گے کہ وہ نہایت تیزی سے روانہ ہوا ہے اور آپ شاید اس وجہ سے نہ چھڑا سکیں کہ مہران کے ہاتھ میں شاہ ایران کٹھ پتلی

بنا ہوا ہے وہ اسے ضرور قید کرادے گا۔
جوشن ماہ نے جوش میں آکر کہا۔ جان بہ رحس نے میری بیٹی پر احسان کیا ہے۔ میں اُسے رہائی دلانے میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کروں گا۔ اس وقت تو اپنے خیمہ میں جاکر آرام کر۔ صبح ہم سب مدائن روانہ ہو جائیں گے! مجھے پوری امید نہ صرف امید بلکہ یقین کامل ہے کہ میں اُسے چھڑاؤں گا!
پری جمال پروین نے ادائے جانانہ سے اپنے باپ کو سلام کیا۔ جوشن ماہ نے اُسے دعا دی۔ وہ خیمہ کے دروازہ تک اُس حور ادا کو پہنچانے آیا۔ خیمہ سے باہر آکر پروین اپنے خیمہ کی طرف چلی۔ اس وقت قدرے اُسے اطمینان ہو گیا تھا۔ باپ کی تسلی آمیز گفتگو نے ڈھارس دے کر اس کی بے چینی دور کر دی تھی۔
سچ پوچھو! تو اس نے اپنے باپ کو شیشہ میں اُتار لیا تھا۔ تمام واقعہ اس طرح سے بیان کیا جس کو سُن کر جوشن ماہ کو ہاشم سے ہمدردی اور مہران سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ یہ پروین کی طرز بیان کی خوبی تھی۔
پروین اپنے خیمہ میں پہونچی۔ اس کی ہم عمر تین چار لڑکیاں قالینوں کے دبیز فرش پر لیٹی ہوئی اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ سب لڑکیاں بھی کمال حسین تھیں۔ فانوسوں کے شیشوں سے تڑپ تڑپ کر نکلنے والی روشنی کی شعاعیں ان خوبصورت لڑکیوں کے چہروں پر لوٹ کر ایسی چمک پیدا کر رہی تھیں جن سے خیمہ کی روشنی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔
پروین کو دیکھتے ہی سب اٹھ کر سروقد استادہ ہو گئیں ان کی جھلمل جھلمل کرنے والی پوشاک آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔
پروین سیدھی مسہری پر جاکر بیٹھ گئی۔ فوراً دو لڑکیاں بڑھیں انھوں نے اس رشک آفتاب کے کپڑے اُتارنے شروع کئے۔ پروین نے نہایت نزاکت سے کپڑے بدلے اور مسہری پر دراز ہو گئی اُس نے مشک بو دراز گیسوؤں کا فیتہ کھول ڈالا۔ فوراً ہی سنہری مائل بال اُس کے رُخ تاباں پر اس طرح بکھرنے لگے گویا وہ انتظار ہی کر رہے تھے کہ کب فیتہ کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہوں اور کب چاند سے روشن گالوں کو چومیں!
جس طرح چودھویں رات کے گرد سیاہ بادل جمع ہو کر چاندنی کی خوبی کو دوبالا

کردیتے ہیں۔ اسی طرح سے پروین کے خوبصورت چہرہ کو سیہ زلفوں نے حلقے میں لے کر اس قدر جگمگا دیا کہ فانوسوں کی روشنی پھیکی پڑ گئی!

پروین کے لیٹتے ہی مسہری کے چاروں پردے گرا دیئے گئے اسکی پرستاریں یا سہیلیاں قالینوں پر نرم نرم مخملی گدّے بچھا کر پڑ رہیں۔ پروین سو گئی یا خیالات کی گہرائیوں میں غلطاں و پیچاں ہو گئی۔ وہ بے حس و حرکت پڑی رہی اس کی مہ پارہ سہیلیاں بھی سو گئیں۔

صبح سویرے یہ سب بیدار ہوئیں ضروریات سے فراغت کر کے کپڑے پہنے۔ پروین اپنے باپ کے پاس پہونچی۔ اس کا باپ بیدار ہو گیا تھا۔ اس نے پروین کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔ جان پدر تم مدائن چلنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

پروین نے جواب دیا۔ ابا جان بالکل تیار ہوں۔

جوشن ماہ نے فوراً کوچ کا حکم دیا۔ چشم زدن میں تمام خیمے سارا سامان خادموں نے بار برداریوں میں لاد دیا۔ پروین۔ اس کی سہیلیاں۔ دوسری عورتیں ان بہادار گاڑیوں میں سوار ہو گئیں۔ جن میں گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی ان لوگوں نے کوچ کیا۔ چونکہ جوشن ماہ جلد سے جلد مدائن پہونچنا چاہتا تھا۔ اس لئے نہایت تیزی سے روانہ ہوا۔ وہ اسی روز مدائن میں پہونچا جس روز مغیرہ دربار میں پیش ہوئے۔ اس نے اس کی بیٹی پروین نے غسل کیا۔ زرق برق پوشاک پہنی دونوں دربار میں پہونچے۔ جوشن ماہ دربار میں اپنی مخصوص جگہ پر جا بیٹھا۔ پروین بالاخانے پر پہونچی۔

دربار کی یہ بالائی منزل بھی نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ بہتر بن آرائشی سامان سے آراستہ تھی۔ فرش پر نہایت ملائم قالین بچھے ہوئے تھے۔ یہاں سیکڑوں لڑکیاں۔ نوجوان حورزادیاں۔ جوان۔ ادھیڑ اور عمر رسیدہ عورتیں بیٹھی تھیں۔ لڑکیاں سب کی سب خوبصورت اور شوخ تھیں زرق برق پوشاکیں چمکنے والے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔

حسن کی دیویاں۔ چاند کے ٹکڑے۔ نور کی پتلیاں معلوم ہو رہی تھیں۔ تمام کمرے در و دیوار ان کے حسن عالم افروز سے جگمگا رہے تھے۔ پروین بھی ایک طرف بیٹھ گئی۔ وہ دیکھنے اور سننے آئی تھی کہ ایرانی دربار اور اسلامی سفیروں میں

کیا باتیں ہوتی ہیں۔ وہ تمام وہ باتیں جو گذشتہ باب میں بیان ہوئیں بغور سنتی رہی۔ لیکن جب یزدگرد نے عاصم کے متعلق کہا کہ وہ اسے کل قتل کرا دے گا تو ناز آفریں پروین کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ ضبط نہ کر سکی بے ساختہ اسکی چیخ نکل گئی۔

تمام لڑکیاں ساری عورتیں حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے پروین بے ہوش ہو گئی۔ فوراً عورتوں نے اس کے گرد جھرمٹ کر لیا۔ اُسے ہوا کرنے اور خوشبوئیں سنگھانے لگیں۔

پروین کی آنکھیں بند تھیں۔ گلاب کے پھول کو شرمانے والے عارض سفید پڑ گئے تھے۔ سنہری مائل سیہ بالوں کی لٹیں رخ انور پر پھیل گئی تھیں۔ عورتیں اُسے ہوش میں لانے کی جد وجہد کر رہی تھیں کہ یزدگرد آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی تمام عورتیں ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

یزدگرد نے پروین کو دیکھا۔ استعجاب بھرے لہجہ میں کہا۔ ہائیں پروین ... یہ کب آئی؟

ایک عورت نے جواب دیا۔ ابھی آئی تھی! یزدگرد کچھ بے چین نظر آنے لگا اس نے دریافت کیا۔ یہ بے ہوش کیوں ہو گئی۔ اسی عورت نے جواب دیا یہاں گرمی زیادہ تھی غالباً گرمی برداشت نہ ہو سکی بیہوش ہو گئی۔

یزدگرد اُس کے پاس بیٹھ گیا اس نے کہا شاہی طبیب کو فوراً بلاؤ۔ جوشن ماہ کو بھی اطلاع دو کہ ان کی لڑکی بے ہوش ہو گئی ہے وہ لڑکیاں جلد جلد روانہ ہو گئیں یزدگرد نے اپنے ہاتھوں سے ماہ تمثال پروین کے چاند سے چہرہ سے مشک لیز زلفو کی لٹیں ہٹانی شروع کیں۔

اگرچہ پروین بے ہوش تھی۔ عارض تاباں کا شہابی رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا لیکن اسی حالت میں بھی وہ کمال حسین معلوم ہو رہی تھی۔ یزدگرد اُسے اس کے پیارے چہرے کو محویت کے عالم میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں طبیب آ گیا۔ ایک چھوٹی سی چاندی کی ڈبیا اس کے ہاتھ میں تھی اس نے نہایت ادب سے یزدگرد کو سلام کیا۔

یزدگرد نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ "اوہ تم نے بڑی دیر کی جلدی دیکھو اور بتاؤ یہ ماہوش لڑکی کیوں بے ہوش ہو گئی ہے۔

طبیب اظہار اطاعت کے لیے جھک گیا۔ وہ بڑھا پردین کے قریب بیٹھا نبض دیکھی۔ غور سے اس کے چاند سے چہرہ کو دیکھا۔ کچھ غور کرنے لگا۔

یزدگرد طبیب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد پردین کے بیہوش ہونے کی وجہ معلوم ہو۔ جب طبیب نے کچھ دیر کی تو اس نے کہا تم کیا غور کر رہے ہو کیا تمھاری سمجھ میں نہیں آیا کہ پری پیکر کیوں بے ہوش ہو گئی۔

طبیب نے جلدی سے کہا۔ عالی جاہ کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ قلب پر یکایک کوئی صدمہ پہونچا جس سے تمام اعضاء ماؤف ہو گئے اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔

یزدگرد نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا صدمہ! اس نازآفریں کو کیا صدمہ پہونچ سکتا تھا۔ اس کا باپ اسے شہزادیوں سے زیادہ آرام و آسائش سے رکھتا ہے۔

طبیب نے کہا۔ یہی مجھے بھی حیرت ہے!

یہ کہتے ہی اس نے ڈبیا کھولی۔ ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ اس کا ڈھکنا کھول کر پردین کی ناک سے لگایا۔ چند ہی سکنڈ میں پردین کو چھینک آئی چھینک آتے ہی اس نے اپنی ہوش ربا آنکھیں کھولیں۔

طبیب نے شیشی فوراً اٹھالی۔ ٹھیک اسی وقت جوشن ماہ آگیا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ سخت پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ پردین آہ! میری بیٹی کہاں ہے۔

یزدگرد نے اسے دیکھا اس نے کہا۔ جوشن ماہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ پردین یہ رہی۔ یہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اب ہوش آگیا ہے۔

جوشن ماہ پردین کے پاس پہونچ کر اس پر جھک گیا۔ اس نے کہا پردین اٹھ میری بیٹی۔

طبیب نے کہا۔ صاحب! ذرا صبر کیجئے اسے ابھی ہوش آیا ہے۔ بولئے نہیں اس سے اس کے نازک دماغ پر زور پڑے گا۔

جوشن ماہ، طبیب کے برابر بیٹھ گیا۔ محبت و شفقت کی نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھنے لگا۔ پردین کو ہوش آگیا تھا۔ اس کے حواس مجتمع ہونے لگے تھے وہ بجلیاں گرانے والی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھی۔ اس کے باپ نے اُسے سہارا دے کر اٹھایا اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ ایک خفیف آہ کی۔

جوشن ماہ تڑپ گیا۔ اس نے پوچھا۔ جان پدر تجھے کیا تکلیف ہو گئی!

پروین نے نقیہہ آواز سے کہا۔ کچھ نہیں! میں اچھی ہوں!

اب طبیب نے ایک دوسری شیشی نکالی۔ اس میں سنہرے رنگ کی گولیاں تھیں ایک گولی نکال کر پروین کو دیتے ہوئے کہا۔ بیٹی! تم یہ گولی کھالو۔ کمزوری ابھی باقی رہے گی۔

طبیب بڑھا تھا۔ پروین نے گولی لے کر کھالی۔ چند ہی منٹ میں اسکی حالت بہتر ہو گئی۔ یزدگرد نے جوشن ماہ سے کہا۔ یزدان کی مہربانی سے اب پروین کی طبیعت بحال ہو گئی ہے اسے بھی آرام کرنے کی ضرورت ہے یا تو اسے قصر شاہی میں بھجوا دیجئے۔ یا ہرمزان کے قصر میں لے جائیے۔

جوشن ماہ کو اپنی بیٹی سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ اس نے کہا "حضور کا۔ حضور کی کرم گستریوں کا ہزار ہزار شکریہ۔ چونکہ حضور بخوبی واقف ہیں کہ مجھے اپنی بیٹی سے بے حد محبت ہے اسلئے اگر اجازت ہو تو میں اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں۔

یزدگرد۔ شوق سے لے جاؤ لیکن مجھے اس کے حالات سے اطلاع دیتے رہنا

جوشن ماہ۔ میں خود حاضر ہو کر اطلاع دوں گا۔ حضور اپنے خادموں پر بہت زیادہ مہربانی کرتے ہیں۔

اب جوشن ماہ پروین کی طرف مخاطب ہوا۔ اُس نے کہا بیٹی! کیا تم میں چند قدم چلنے کی طاقت ہے؟

پروین نے کہا۔ ہاں! میں چل سکتی ہوں!

جوشن ماہ نے کھڑے ہو کر یزدگرد کو سلام کیا۔ پروین بھی اٹھی اور بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے ادائے جانانہ سے جھکی۔ اس نے سرو قد کھڑے ہو کر اپنے باپ کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور ہزاروں ناز سے اٹھلاتی ہوئی چلی۔ یزدگرد اس بُتِ ہوش ربا کو دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ چل کر یہ دونوں زینہ سے نیچے اُترے۔

کمرہ کو طے کر کے باہر نکلے۔ یہاں گاڑی موجود تھی۔ جوشن ماہ نے پروین کو گاڑی

میں سوار کرایا۔ پھر خود بیٹھا۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ چونکہ قصر شاہی بھی ایک مختصر قلعہ تھا۔ اس لئے کچھ دور چل کر گاڑی قصر سے باہر آئی اور جنوب کی طرف چلی۔ اس طرف معزز اُمراء کے مکانات تھے۔

کچھ دور چل کر ایک عالی شان مکان کے دروازہ پر گاڑی رُکی۔ جوشن ماہ اور پروین دونوں اترے۔ مکان کے اندر داخل ہوئے۔ یہ مکان نہایت وسیع عالیشان اور خوبصورت تھا۔ ایک خوبصورت کمرہ میں پروین اور جوشن ماہ پہونچے۔

پروین کے چہرہ سے ابھی تک ضعف کے آثار ظاہر تھے۔ دونوں ایک کوچ پر بیٹھ گئے۔ جوشن ماہ نے کہا۔ بیٹی! اب تیری طبیعت کیسی ہے؟

پروین نے کہا۔ اچھی ہے!

یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ جوشن ماہ نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا۔ جان پدر! آخر کیا بات ہے۔ کس غم نے تجھے اس قدر بے چین کر رکھا ہے۔

پروین نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ ابا جان! کیا تم اس مسلمان کو بھول گئے۔ جس نے مجھے مہران کے ہاتھوں سے بچایا تھا؟

جوشن ماہ۔ یزدان کی قسم میں اُسے نہیں بھولا۔ میں کل بادشاہ سے اس کے متعلق کہوں گا۔

پروین نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کل!... آہ! کل وہ قتل کر ڈالا جائیگا!

جوشن ماہ نے حیرت سے پروین کو دیکھ کر پوچھا۔ قتل کر ڈالا جائے گا۔ تجھے کیسے معلوم ہوا؟

پروین۔ کیا آپ نے بادشاہ کا حکم نہیں سنا؟ آہ بادشاہ نے سفیروں سے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ عاصم کو کل قتل کر ڈالا جائے گا۔

جوشن ماہ۔ بیشک تو سچ کہتی ہے در اصل مجھے اُس محسن مسلمان کا نام یاد نہیں رہا تھا۔ ورنہ میں اس وقت اس کی سفارش کرتا۔

پروین نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ ابا جان! اگر تم اُسے بچانا چاہتے ہو تو ابھی بادشاہ کے پاس چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ آج ہی اُسے قتل کرا دے۔

جوشن ماہ نے تسلی کے لہجہ میں کہا۔ میں ابھی جاؤں گا۔ تو ابھی اطمینان رکھ میں اپنی لڑکی کے محسن کو بچانے میں کوتاہی نہ کروں گا!

پروین۔ یزدان کے لیے ابھی چلے جاؤ!

جوشن ماہ۔ ابھی جاؤں گا۔ اسی وقت تو آرام کر۔

پروین پڑ گئی۔ جوشن ماہ اُٹھ کر قصر سے باہر آیا گاڑی ابھی تک کھڑی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور قصر شاہی کی طرف روانہ ہو گیا

سولھواں باب

ناکامی

پروین اور جوشن ماہ کے چلے جانے کے بعد یزدگرد بھی بالاخانے سے اُتر کر قصر شاہی میں چلا گیا۔ اس وقت وہ بھی افسردہ خاطر تھا۔ افسردگی کی معقول وجہ تھی۔ وہ ایران کا بادشاہ تھا۔ اس کا اس قدر دبدبہ۔ اس قدر رعب اور اس قدر خوف تھا کہ اس کے سامنے بات کرنے کی کسی کو جراءت نہ ہوتی تھی۔ شاہی دبدبہ گفتگو کرنے والے کی زبان پکڑ لیتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے نہایت بے باکی۔ بڑی بے خوفی اور نہایت صفائی سے گفتگو کی۔ انھوں نے مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ مسلمان نہ ہونے پر جزیہ ادا کرنے کو کہا اور جزیہ نہ دینے پر لڑائی کی دھمکی دی۔

تینوں باتیں نہایت سخت تھیں۔ چونکہ وہ جلیل القدر بادشاہ تھا اس میں اس نے اپنی توہین سمجھی اُسے مسلمانوں کی جسارت پر اب تک غصہ آرہا تھا۔

اُسے معلوم نہیں تھا کہ مسلمان سوائے خدا کے اور کسی سے نہ ڈرتے تھے کسی حاکم کا رعب۔ کسی بادشاہ کا دبدبہ انہیں مرعوب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تلواروں کے سایہ میں بھی کلمۂ حق کہنے سے نہ چوکتے تھے۔

یزدگرد اپنے خاص کمرہ میں پہونچا۔ اس نے گانے والیوں کو طلب کیا۔ خوبصورت گانے والیاں آئیں انھوں نے روح کو وجد میں لانے والے انداز سے گایا مگر یزدگرد کی افسردگی اس سے بھی دور نہ ہوئی۔ اُس نے انہیں رخصت کر دیا۔ اب وہ تنہا بیٹھ کر غور کرنے لگا۔

ابھی اُسے اس طرح بیٹھے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک پری چہرہ خادمہ حاضر ہوئی۔ اس نے کہا۔ عالیجاہ مہران باریاب ہونا چاہتے ہیں۔
یزدگرد نے کچھ سوچا۔ پھر کہا بلاؤ!
خادمہ چلی گئی۔ چند ہی منٹ کے بعد مہران داخل ہوا۔ اس نے زمین بوس ہو کر سلام کیا۔ یزدگرد نے کہا۔ مہران! خوب وقت پر آئے آؤ بیٹھو۔
مہران یزدگرد کی سامنے والی کوچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ اس وقت جہاں پناہ کے چہرہ سے کچھ افسردگی ٹپک رہی ہے کیا میرا قیافہ غلط ہے؟
یزدگرد نے کہا۔ تم نے ٹھیک اندازہ کیا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کس وجہ سے ایسا ہے۔ مہران نے غور سے یزدگرد کو دیکھ کر کہا۔ حضور نے پروین کی کیفیت ملاحظہ فرمائی
یزدگرد نے کہا۔ ہاں دیکھا وہ جس قدر خوبصورت ہے۔ اسی قدر نازک بھی۔ نازآفریں لڑکی گرمی برداشت نہ کر سکی بے ہوش ہو گئی۔ لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا۔ تم وہاں موجود نہ تھے۔
مہران: حضور مراجل کو نہ بھولے ہوں گے!
یزدگرد۔ مراجل روزبہ کی پری جمال بیٹی! میں اُسے نہیں بھول سکتا۔ بڑی بھولی لڑکی ہے۔
مہران۔ اسی نے مجھے بتایا ہے۔ میرے حضور پروین گرمی کی وجہ سے بیہوش نہیں ہوئی۔
یزدگرد نے حیرت سے مہران کو دیکھ کر دریافت کیا۔ پھر کس وجہ سے بیہوش ہوئی۔
مہران۔ میں نے حضور سے عرض کیا تھا کہ پروین کو لیلیٰ کے بھائی عاصم سے محبت ہو گئی ہے۔
یزدگرد۔ ہاں! تم نے کہا تھا!
مہران۔ چونکہ حضور نے حکم دیا تھا کہ کل عاصم کو قتل کر ڈالا جائے گا! پروین اس حکم کو سن کر بیہوش ہو گئی۔
یزدگرد۔ نہیں مہران ایک آتش پرست ایرانی دوشیزہ کبھی ایک عرب سے اس قدر محبت نہیں کر سکتی۔
مہران۔ خداوند! میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ پروین نے عاصم کو رہائی دلانے

کے لئے میرے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے اُسے عاصم سے بہت محبت ہوگئی ہے۔

یزدگرد کو جوش آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے جوش بھرے لہجہ میں کہا یہ بڑی بے حیائی ہے! میں اسے کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا!

مہران۔ یہ بات تمام ایران کے لیے باعث ہتک ہے میرا خیال ہے کہ پروین اپنے باپ پر زور دے گی اور وہ حضور کے پاس آکر عاصم کی سفارش کریگا۔

یزدگرد نے غصہ میں آکر کہا۔ میں کسی کی سفارش نہ سنوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت عاصم کو قتل ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اگر بچا سکتی ہے تو لیلےٰ! لیکن وہ ضد پر تلی ہوئی ہے میرے قصر میں رہنے کو تیار نہیں ہوتی۔ مہران! کیسے میں اس بت ہوش ربا کو رضامند کروں۔ تم نے کہا تھا کہ جب اُس کا بھائی گرفتار ہو کر آجائے گا تو وہ اُسے بچانے کے لئے ضد چھوڑ دے گی۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔

مہران۔ مجھے بھی تعجب ہے ایک لیلےٰ ہے جو عربی لڑکی ہے کسی لالچ کسی خوف سے بھی رضامند نہیں ہوتی۔ ایک پروین ہے کہ غیر کفت کی محبت میں اندھی ہوگئی ہے۔

یزدگرد نے جوش میں آکر کہا۔ پروین کا ذکر مت کر وہ ننگ ملک و قوم ہے لیکن لیلےٰ کو کس طرح رضامند کیا جائے۔

مہران۔ اُسے رات کو بلا کر پھر سمجھائیے صاف کہہ دیجئے کہ اگر وہ لبضد رہی تو صبح اُس کے بھائی کو قتل کر دیا جائے گا۔ شاید بھائی کی محبت اُسے جھکا دے۔

یزدگرد۔ مجھے توقع نہیں! وہ بڑی خوددار لڑکی ہے لیکن ایک مرتبہ اور کوشش ضرور کی جائے گی۔

مہران۔ حضور انور نے مسلمانوں کے متعلق کیا طے کیا ہے!

یزدگرد۔ اسی کشمکش و پیچ میں ہوں کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ تاج سر پر رکھتے ہی سیکڑوں فکر ہزاروں غم دامنگیر ہوگئے۔

مہران۔ میرا خیال ہے کہ سفیروں کے واپس جاتے ہی مسلمان پیش قدمی کریں گے۔

یزدگرد۔ تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ تم نے مسلمان سفیروں کے تیور نہیں دیکھے تھے کمبخت آنکھیں ملا کر باتیں کرتے تھے۔ نہ جھجکتے تھے نہ گھبراتے تھے۔ ایسے گفتگو کر رہے تھے جیسے اپنے گھر میں اپنے لوگوں میں ہوں۔

مہران۔ عالی جاہ! مسلمانوں کی بے باکی اور بے خوفی تو ساری دنیا میں مشہور ہو گئی ہے۔ اُن کے نبیؐ نے سارے عربوں کی کایا پلٹ دی ہے۔ ہر عرب بہادر اور موت کے خوف سے بے نیاز ہو گیا ہے۔

یزدگرد۔ یہی بات ہے۔ دیکھتے نہیں ہو مٹھی بھر تو یہ عرب ہیں اور قیصر و کسریٰ کی زبردست سلطنتوں سے ٹکرا رہے ہیں۔

مہران۔ حضور والا دراصل عیسائیوں کی بزدلی۔ نے ہی انہیں شیر بنا دیا ہے۔ وہ ایرانیوں کو بھی شامی عیسائیوں کی طرح بزدل اور کمزور سمجھنے لگے ہیں لیکن جب ہماری فوجیں یلغار کرکے انکے سروں پر پہونچ کر ائیں گی تب انہیں قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔

یزدگرد۔ کیا خاک قدر و عافیت معلوم ہو گی۔ رستم اُن کے مقابلہ سے کتراتا ہے وہ ساباط ہی میں ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔

مہران۔ عالی جاہ! میں رستم کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ حضور اسے حکم دیں کہ وہ فوراً ساباط سے بڑھ کر قادسیہ پہونچ جائے۔

یزدگرد نے جلدی سے کہا۔ تم نے آتے ہی اطلاع کیوں نہ کی اُسے فوراً بلواؤ۔

مہران نے تھیلی بجائی۔ وہی خوبصورت خادمہ جو مہران کی اطلاع کرنے آئی تھی آئی مہران نے کہا۔ رستم دروازہ پر موجود ہے اسے بلا لاؤ!

خادمہ چلی گئی۔ یزدگرد نے کہا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ رستم جنگ کو کیوں ٹال رہا ہے۔

مہران۔ وہ حضور آخری حکم کا منتظر تھا!

اب رستم داخل ہوا۔ اس نے بھی زمین بوس ہو کر سلام کیا۔ رستم نہایت توی ہیکل گرانڈیل عظیم الجثہ بارعب ایرانی تھا۔ یزدگرد نے کہا اے ایرانی سپہ سالار آؤ بیٹھو۔ رستم مہران کے قریب بیٹھ گیا۔ یزدگرد نے کہا۔ تم نے مسلمانوں کی بے باکی دیکھی، سر دربار کیسے نڈر ہو کر گفتگو کی ہے۔

رستم۔ عالی جاہ یہ سفیر تو عرب تھے ان کی بے باکی تو قابل حیرت نہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو شخص بھی مسلمان بن جاتا ہے وہ ان کی طرح ہی دلیر اور نڈر بن جاتا ہے۔

یزدگرد۔ تم سچ کہتے ہو آخر مسلمان کیا گھوٹ کر پلا دیتے ہیں

رستم۔ کچھ نہیں وہ ہر اُس شخص کے دل میں جو مسلمان ہو جاتا ہے یہ ذہن نشین کر دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے اور کسی سے ڈرنا خدا کی نافرمانی کرنا ہے۔

یزدگرد۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کل صبح روانہ ہو کر ساباط پہنچو اور وہاں سے قادسیہ جا کر لڑائی شروع کر دو۔

رستم۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں لیکن انجام پر غور فرمالیجئے۔

یزدگرد۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ مٹھی بھر مسلمان ایران جیسی زبردست سلطنت کو پارہ پارہ کر دیں گے؟

رستم۔ یزدان نہ کرے کہ ایسا ہو بلکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یزدگرد نے برافروختہ ہو کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں تمام اوہام کو تہہ کر رکھو۔ کوئی عذر و حیلہ نہ کرو۔ مجھے خوب معلوم ہے مسلمانوں کی کل تعداد اکیس بائیس ہزار ہے۔ تمہارے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار کا عظیم الشان لشکر ہے۔ جاؤ۔ فوراً جاؤ اور مسلمانوں کو پیس ڈالو۔ یزدگرد کے غصہ نے رستم کو کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہونے دی۔ اس نے کہا میں صبح ہی روانہ ہو جاؤں گا اور مسلمانوں کو یہ بتادوں گا۔ کہ ایران پر لشکر کشی کرنا اپنی۔ اپنے ملک کی۔ اپنی قوم کی تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ یزدگرد خوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔

شاباش! میرے بہادر سپہ سالار شاباش!! جب تم مسلمانوں پر فتح پا کر آؤ گے، کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کی تم خواہش کرو اور تمہیں نہ دی جائے! یہ کہتے ہی یزدگرد نے اپنی پیٹی میں سے تلوار مع میان کے نکالی۔ میان بیش قیمت تھا۔ تلوار کے دستہ پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے رستم کو تلوار دیتے ہوئے کہا۔ یہ تلوار لو۔ تمہارے بادشاہ کی تلوار ہے۔ اس تلوار کی عزت رکھو۔ دشمنوں کے سر اس سے اڑا دو۔ فتح کر کے آؤ اور میری نہیں تمام ملک کی نظروں میں عزت حاصل کرو۔

رستم نے جھک کر۔ دو زانو ہو کر تلوار لی۔ سر پر چڑھایا۔ چوما اور جوش وفاداری سے کہا میں یزدان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عزت افزائی کو عمر بھر نہ بھولوں گا اور اس تلوار کی شان بڑھانے میں اپنی جان تک دینے سے دریغ نہ کروں گا۔ اس نے پھر جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ کی عبا کو بوسہ دیا اور تلوار لے کر سیدھے قدموں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خوشی حاصل ہوئی۔ اس نے کہا۔ اب رستم لڑائی میں اپنی جان تک لڑا دیگا

مہران۔ بے شک حضور نے اسے نوازا ہے وہ اس عنایت کا عمر بھر مشکور رہیگا۔
یزدگرد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خادمہ پھر آئی اس نے اپنا خوبصورت سر جھکا کر کہا۔ عالی جاہ! جوشن ماہ باریاب ہونا چاہتے ہیں۔ یزدگرد کچھ حیران سا رہ گیا اُس نے کہا۔ بلاؤ۔ خادمہ چلی گئی۔ مہران نے کہا۔ حضور نے دیکھا! میرا قیاس کس قدر جلد ٹھیک نکلا۔
یزدگرد۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کے آنے کی غرض کیا ہے۔ ممکن ہے اُسے کوئی تازہ خبر معلوم ہوئی ہو اور وہ اطلاع دینے آیا ہو۔
مہران۔ لیکن میرا اغلب خیال یہی ہے کہ پروین نے اُسے بھیجا ہے۔
ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ جوشن ماہ آ گیا اُس نے بھی حسب دستور قاعدہ زمین بوس ہو کر سلام کیا۔ بادشاہ کی عبا کو چوما۔ یزدگرد نے کہا۔ آؤ بیٹھو بتاؤ تم اس وقت کس لئے آئے ہو۔ جوشن ماہ نے آتے ہی مہران کو دیکھ لیا تھا۔ وہ نہ صرف اس سے ناراض تھا بلکہ اس کی صورت دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا۔ وہ اُسے خود غرض مطلب آشنا اور دغاباز سمجھتا تھا۔ اس نے کہا عالی جاہ! مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اُس کے لئے تخلیہ کی ضرورت ہے۔
یزدگرد نے مہران کو دیکھا۔ مہران فوراً سلام کے لیے جھکا اور قدرے کبیدہ خاطر ہو کر چلا۔
یزدگرد نے اُس کے چلے جانے کے بعد کہا۔ تخلیہ ہو گیا۔ اب کہو کیا کہتے ہو؟
جوشن ماہ نے کہا۔ عالی جاہ! خوب جانتے ہیں کہ میں تاج کا کس قدر وفادار رفادار حضور کا کس درجہ جان نثار غلام ہوں۔
یزدگرد۔ بادولت کو تمہاری وفاداری اور جان نثاری میں کسی طرح کا کلام نہیں۔
جوشن ماہ۔ کیا میں کسی ایسی بات کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں جس کے متعلق حضور کا کوئی حکم پہلے صادر ہو چکا ہو۔
یزدگرد۔ تمہیں پوری آزادی ہے۔
جوشن ماہ۔ مجھے حضور کے الطاف خسروانہ سے ایسی ہی امید ہے۔ عالی جاہ! میں ایک مسلمان قیدی کے لئے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!
یزدگرد نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ مسلمان قیدی کے متعلق؟ وہ کون سا قیدی ہے؟

جوشن ماہ۔ عاصم!

یزدگرد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا

عاصم کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟

جوشن ماہ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔

ذرہ نواز اُس نے میری لڑکی پروین پر احسان کیا تھا میں چاہتا ہوں کہ اس احسان کے معاوضہ میں حضور اُسے رہا کر دیں۔

جس طرح سے ایک عقرب گزیدہ شخص بچھو کے ڈنک مارتے ہی اچھل پڑتا ہے۔ اُسی طرح سے یزدگرد اچھل پڑا۔

"اس نے درشت لہجہ میں کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا!"

جوشن ماہ اس کے سامنے دو زانو کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے ایران کے شہنشاہ! اپنے وفادار خادم کی درخواست کو پائے استحقار سے نہ ٹھکرائیے جس طرح آپ نے آج تک مجھے نوازا ہے اب بھی نوازئیے!

یزدگرد نے کہا۔ تم اور جو مانگو اور جو کچھ چاہو تمھیں دینے کو تیار ہوں لیکن عاصم کے متعلق جو حکم دیا جا چکا ہے۔ اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔

جوشن ماہ نے عاجزانہ طریقہ پر گڑگڑا کر کہا!

عالی جاہ! میری اس گستاخانہ مگر عاجزانہ درخواست کو منظور فرمائیے۔ اس سے میری وفاکیشی میں اور اضافہ ہو جائے گا!

"یزدگرد نے کسی قدر جوش میں آکر کہا۔ نہیں! نہیں!! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

جوشن ماہ نے پھر کہا حضور فرمائیے مسلمانوں سے جنگ ہونے والی ہے کوئی نہیں جانتا کہ جنگ کا نتیجہ کیا ہو۔ عاصم عربوں میں ذی عزت ہے ممکن ہے وہ کسی وقت ایران کی خدمت انجام دے سکے۔

یزدگرد نے ترش روئی کے لہجہ میں کہا۔ سب فضول اور واہیات ہے مسلمان ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

جوشن ماہ۔ اچھا حضور اتنا ہی منظور فرمالیں کہ اسے کل قتل نہ کرا دیں۔

یزدگرد نے کچھ سوچا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا۔ خیر اس میں کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔

جوشن ماہ کھڑا ہوا۔ اُس نے مشکورانہ نظروں سے یزدگرد کو دیکھ کر کہا حضور کی اس کرم گستری کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا!

یزدگرد۔ اور کچھ کہنا ہے!

جوشن ماہ سمجھ گیا۔ کہ اب یزدگر تخلیہ چاہتا ہے اُس نے کہا اور کچھ کہنا نہیں ہے۔

یزدگرد نے کہا سُنو! تمھارے آنے سے عاصم کی زندگی! ایک ہفتہ کی اور نکل آئی۔ کل نہیں ایک ہفتہ کے بعد ضرور قتل کر ڈالا جائے گا اب تم اس کی سفارش کے لئے نہ آنا۔

جوشن ماہ نے زمین بوس ہو کر سلام کیا اور کہا!

عالیجاہ! جس طرح ایک ناسمجھ بچّہ اپنے باپ سے بضد ہوتا ہے اسی طرح ایک ناسمجھ رعایا کا وفادار خادم بھی مجازی باپ یعنی بادشاہ سے بار بار عرض کرنے کا حق رکھتا ہے!

یہ کہہ کر جوشن ماہ واپس چلا گیا۔ یزدگرد کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

حصہ اول ختم شد

خلیفہ دوم کے زمانہ کا تاریخی ناول

جنگِ ایران

یعنی

ایران کی حسینہ کا

دُوسرا حِصّہ

جنگ ایران

باب اوّل

ایک اور کافر ادا دوشیزہ

پروین سخت غمزدہ تھی اس کا دل بے چین تھا اگرچہ جوشماہ عاصم کی سفارش کے لئے یزدگرد کے پاس گیا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بادشاہ اس کے باپ کا خاص طور پر احترام کرتا ہے یقین ہے کہ عاصم کے حق میں انکی سفارش کارگر ہو جائے گی۔ مگر اس کا دل مضطرب تھا وہ اس اضطراب کی وجہ نہ سمجھ سکی ہرمزان اسکا چچازاد بھائی تھا اس وقت کہیں گیا ہوا تھا محل میں کنیزیں موجود تھیں اسے سب جانتی تھیں وہ سب سے مانوس تھی جسے چاہے بلا لیتی مگر اسے تنہائی پسند تھی وہ تنہا بیٹھی ہجوم افکار و غم میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کے کان آہٹ پر اور آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی تھیں وہ بے چینی سے جوشماہ کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ جوں جوں دیر ہوتی جاتی تھی اس کا انتشار بڑھتا جاتا تھا۔ اس کا پھولوں جیسا شاداب چہرہ مرجھا گیا تھا۔ اور آنکھیں غم و حسرت کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ ابھی تک وہ لیٹی ہوئی تھی اس کے تا بکمر پہنچنے والی زلفیں فیتہ سے نکل نکل کر اس کے خوبصورت چہرہ پر بکھری ہوئی تھیں وہ اٹھی بالوں کو ٹھیک کر کے فیتہ سے باندھا۔ ابھی وہ اس سے فارغ نہ ہوئی تھی کہ ایک پری جمال دوشیزہ کمرہ میں داخل ہوئی۔ یہ لڑکی بھی کمال خوبصورت تھی اس کا چہرہ چہاردہم کی مانند چمک رہا تھا۔ بیش قیمت ریشمی کپڑوں اور مرصع زیورات

نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے۔ تھے اس کے کمرہ میں آنے سے بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کہ آسمان سے چاند اتر آیا ہو۔ اب اس کمرہ میں دو چاند جمع ہو گئے تھے۔ ایک پروین دوسرے آنے والی دوشیزہ۔ پروین نے اسے دیکھا اس کے چہرہ سے کچھ کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے مگر اس نے جلدی سے کبیدگی کے آثار دور کر کے ایسے تبسم سے جس میں حسرت بھری تھی اس حورِ وش کو دیکھ کر کہا۔

آسیہ کو! بیٹھو مگر یزدان کے لئے اپنے بھائی کے متعلق مجھے کچھ کہکر پریشان نہ کرنا آسیہ بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا آج میں بھائی جان کے متعلق کہنے نہیں آئی۔ بلکہ ایک اور ہی بات مجھے تمہارے پاس کھینچ لائی ہے۔ پروین نے آسیہ کو دیکھ کر کہا وہ کیا بات ہے آسیہ!

آسیہ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری یہ حالت کیا ہو گئی حسن کا چاند گہن میں کیوں آ گیا۔ تر و تازہ پھولوں جیسے شرمانے والے عارض کملا گئے ہیں۔ بجلیاں گرانے والی آنکھوں میں حسرت کیوں بھری ہے؟

اس کی اس گفتگو سے پروین کے نازک دل کو ٹھیس لگی۔ قریب تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے آسیہ تمام کوائف سے مطلع ہو جائے لیکن وہ سنبھلی اور اس نے کہا۔ شاید راہ کے کسل کی وجہ سے ایسا ہوا ہو

آسیہ اسے غور بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا غلط ہے تمہارے چہرہ کی اداسی اور اداسی سے ملی ہوئی حسرت۔ حسرت میں غم کی جھلک صاف بتا رہی ہے کہ تمہارے نازک دل کو غم وحسرت نے چور چور کر رکھا ہے۔

پروین۔ نہیں آسیہ مجھے کوئی خاص غم نہیں ہے آج تم دربار دیکھنے کے لئے نہیں گئی تھیں۔

آسیہ۔ دربار میں جا کر کیا کرتی۔ جانتی تھی کہ مسلمان سفیر آئے ہیں لڑائی جھگڑے کی باتیں چھڑیں گی۔ مجھے ایسی باتوں سے نفرت ہے۔ بھائی جان نے مجھے پہلے بتا دیا تھا۔

پروین۔ آسیہ مسلمان بڑے ہی نڈر ہیں سفیروں نے سر دربار ایسی بیباکی سے گفتگو کی کہ سارے درباری حیران رہ گئے۔

آسیہ نے کہا ہو گا مجھے ان باتوں سے کیا مطلب ہے میں اس وقت تم کو افسردہ

دیکھ کر آزردہ ہوگئی ہوں۔ مجھ پر اعتبار کرو مجھے اپنے غم کی وجہ بتادو۔

پروینا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا آسیہ کیا بتاؤں کوئی وجہ ہو تو بتا بھی دوں۔

آسیہ نے غور سے پروین کو دیکھ کر کہا۔ تم نہ بتاؤ مجھے معلوم ہے۔

بھولی پروینا نے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ کیا معلوم ہے۔!

آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کسی سے محبت ہوگئی ہے۔

یہ سنتے ہی پروینا چونک گئی۔ اس نے کہا۔ کیسی محبت۔

آسیہ۔ جس کا حال بہت سے لوگوں کو معلوم ہوگیا۔

پروین ہکی بکی رہ گئی اس نے کہا آسیہ کیا تمہارے بھائی نے مجھے بدنام کرنا بھی شروع کردیا ہے۔

آسیہ نے نرم لہجہ میں کہا۔ پہلے تم اقرار کرلو میں پھر تمام باتیں بتادونگی کس سے معلوم ہوا اور کس کس کو معلوم ہے۔

بھولی پروین نے سر جھکا کر کہا۔ آسیہ تو سچ کہہ رہی ہے۔ اب بتا تجھے کیسے معلوم ہوا؟

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ یزدان کی قسم مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ بھائی مہران نے بھی مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ نہ اور کسی کو معلوم ہے۔ تمہاری حالت بتارہی ہے کہ تم کسی کی محبت میں اسیر ہوگئی ہو۔ میں نے فریب دیکر تم سے تمہارا حال معلوم کرلیا ہے آسیہ مہران کی ہمشیرہ تھی پروین کو اس کی اس چالاکی پر حیرت ہوئی۔ آسیہ نے کہا لو اب سارا حال بتادو۔ یزدان کی قسم میں تمہاری مدد کرونگی۔ پروینا کو ایک ہمدرد کی تلاش تھی آسیہ اسکی ہم جنس تھی۔ اگرچہ وہ مہران کی بہن تھی۔ مہران اس کے درپے آزار تھا بھائی کے مقابلہ میں بہن سے کسی ہمدردی کی کیا امید ہوسکتی تھی لیکن محبت میں ایسی باتوں پر خیال نہیں کیا جاتا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے ایسے ہی محبت کرنے والا دشمن سے بھلائی کی توقع کرنے لگتا ہے۔ پروین نے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ کیا تم اپنے بھائی کی مخالفت کرسکو گی؟

آسیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ضرور کرونگی۔ پروین جو تم کو دیکھتا ہے وہی تم پر فریفتہ ہوجاتا ہے مرد تو مرد عورتیں تمہیں چاہتی ہیں۔ مجھے تم سے بیحد محبت ہوگئی ہے میں چاہتی ہوں کہ میں اور تم ہمیشہ ایک جگہ رہیں اس لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ بھائی مہران سے شادی کرلو مگر تم نے یہ منظور نہ کیا۔ میں پھر یزدان کی قسم کھا کر تمہیں یقین دلاتی

ہوں کہ تم جو کہو گی وہی کروں گی۔ جو شبہ میری طرف سے تمہارے دل میں بیٹھ گیا ہے اُسے دور کر دو۔

آسیہ نے یہ باتیں کچھ ایسے لہجہ میں کہیں کہ جس سے پروین کے نازک دل سے تمام شکوک حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اس نے تشکرانہ نظروں سے آسیہ کو دیکھکر کہا۔ آسیہ میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں اور یقین دلاتی ہوں کہ میرے دل میں تمہاری طرف سے اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ اب بتاؤ وہ کون خوش قسمت ہے جسے تم پیار کرنے لگی ہو۔ پروینا نے غم بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ آسیہ یہ پوچھو رہنے دو۔ مجھے خوف ہے جب تم کو سب حال معلوم ہوجائے گا تو تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔

آسیہ نے جوش میں آکر کہا۔ یزدان کی قسم کبھی ایسا نہ ہوگا۔ پروین میں تم سے نفرت کرہی نہیں سکتی سوچو میں اپنے بھائی کی مرضی کے خلاف تم سے تمہاری امداد کا وعدہ کر چکی ہوں۔

پروین۔ لیکن تمہیں اپنے بھائی کے خلاف بہت کچھ کرنا ہوگا۔

آسیہ۔ سب کچھ کروں گی۔

پروین۔ سخت مشکلات میں پھنس جاؤگی۔

آسیہ۔ کچھ پرواہ نہیں۔ تمہارے لئے تمام مشکلیں اور ساری تکلیفیں برداشت کرلونگی۔

پروینا نے حیرت سے آسیہ کو دیکھکر کہا۔ آسیہ اس طرح تو تو حسن کی دیوی اور نیکی کی ملکہ ہے۔

آسیہ۔ پروین میری جان اگر تیرے کام آجائے تو میں سمجھوں کہ حق محبت ادا ہوا۔ پروینا ہمہ تن شکریہ بن گئی۔ اس نے کہا۔ اوہ آسیہ تمہارا تو شکریہ ہی ادا نہیں ہوسکتا۔

آسیہ۔ اب بتاؤ تم کسے پیار کرتی ہو۔

پروین نے خوبصورت سر جھکا کر شرم افزا لہجہ میں کہا۔ ۔ ایک مسلمان کو۔

آسیہ نے حسرت سے پروین کو دیکھا اس نے زور دیتے ہوئے کہا مسلمان کو!

پروین۔ ہاں ایک مسلمان کو آسیہ! میں اسکی محبت میں گھل رہی ہوں۔ تم نے ہمدردی کا۔ اعانت کا۔ مہربانی کا وعدہ کیا ہے کیا اپنا وعدہ نباہو گی؟

ایران کی حسینہ کا دوسرا حصہ

پروین کی آواز فضا میں ڈوب گئی تھی۔ آسیہ پر اس کی اس درد بھری آواز نے بڑا اثر کیا۔ اس نے کہا بتا ہوں گی وہ مسلمان کون ہے؟

پروین۔ ایک مصیبت زدہ قیدی۔!!

آسیہ۔ وہ کیسے قید ہو گیا۔

پروین۔ تمہارے بھائی نے قید کیا۔

آسیہ۔ کیا تم اس سفیر کا ذکر کر رہی ہو جس کی بہن کے حسن نے سارے مدائن میں شہرت حاصل کر لی ہے۔

پروین۔ ہاں اُسی کا۔

آسیہ۔ میں نے اسکی بہن لیلی کو دیکھا ہے اس قدر خوبصورت ہے کہ میں نے اس جیسی لڑکی کو نہیں دیکھی اس کا بھائی بھی ضرور خوبصورت ہوگا۔

پروین۔ ہاں وہ خوبصورت ہے نیک ہے اس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔

پروین نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ آسیہ سنو مہران نے کوٹی کے مقام پر مجھ پر سختی کی اس مسلمان نے مجھے بچا لیا کیا یہ اس کا احسان نہیں ہے۔

آسیہ۔ بے شک احسان ہے مہران حد سے گذر گئے ہیں۔

پروین۔ آسیہ بادشاہ نے اسے قتل کا حکم دیدیا ہے اگر وہ قتل کر دیا گیا تو میں کسی طرح زندہ نہ رہو نگی۔

یہ کہتے ہی پروین کی نرگسی آنسو چھلک آئے آسیہ نے پیار سے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ پروین جب تک آسیہ زندہ ہے وہ مسلمان قتل نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی جان دیکر بھی اسے بچاؤں گی۔

پروین نے انتہائی شکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ تم ہمیشہ کے لئے مجھے اپنی کنیز بنا لوگی۔ آسیہ نے کہا تم میری بہن ہی رہوگی؟ جب میں آئی ہوں تو تمہاری نظروں سے پایا جاتا تھا کہ تم کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

پروین اپنے والد کا۔ وہ بادشاہ کے حضور میں گئے ہوئے ہیں۔

آسیہ۔ کس لئے۔

پروین۔ عاصم کی رہائی کی درخواست کرنے۔

آسیہ۔ عاصم کون؟ کیا وہی مسلمان جس کا ذکر تم کر رہی تھیں۔

پروین۔ ہاں اس کا نام عاصم ہے۔
آسیہ۔ بادشاہ اسے ایک شرط سے رہا کر سکتا ہے۔
پروین۔ کس شرط سے؟
آسیہ۔ اگر اس کی بہن قصر شاہی میں داخل ہونے پر رضامند ہو جائے۔
پروین۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا۔
آسیہ۔ تو عاصم ضرور قتل کر ڈالا جائے گا۔
پروین کے کلیجہ پر گھونسہ سا لگا۔ وفور قلق سے اس کا دل الٹنے لگا اس نے خفیف سی آہ کی۔ آسیہ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی اس نے کہا پروین غم نہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنی جان دے کر بھی اسے بچاؤں گی۔
پروین نے غم بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا آہ کیسے بچاؤ گی۔
آسیہ۔ تم نوبہار[1] کے برفع[2] کو جانتی ہو۔!
پروین۔ جانتی ہوں لیکن اس سے کیا ہو سکے گا۔
آسیہ۔ بادشاہ بغیر ان کی منظوری کے عاصم کو قتل نہ کر سکے گا۔
پروین۔ لیکن نوبہار کے مقدس برفع بادشاہ کی مرضی کے خلاف کیسے کچھ کر سکیں گے۔
آسیہ۔ رات کے وقت تم میرے ساتھ مقدس آتشخانہ میں چلنا۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہماری امداد کو تیار ہو جائیں گے۔
ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ جوشناہ آگیا۔ دونوں سیم تن لڑکیاں اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ جوشناہ کے چہرہ سے مایوسی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے نازک اندام پروین نے اس کی صورت دیکھتے ہی سمجھ لیا۔ اسکا دل خشک پتے کی طرح لرزنے لگا۔ نازک لب کانپنے لگے آسیہ نے جوشناہ سے دریافت کیا۔ فرمائیے بادشاہ سلامت نے کیا حکم دیا جوشناہ نے کہا جہاں پناہ نے میری درخواست رد کر دی۔!

---

[1] نوبہار سب سے بڑے اور مشہور آتش خانہ کا نام ہے۔
[2] آتش پرست مہا پجاری کو برفع کہا کرتے تھے عرب برفع کو برمک کہنے لگے خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر اعظم یحییٰ برفع کی اولاد تھا اس لئے برمکی کہلاتا تھا۔ (صادق حسین صدیقی)

پروین پر غم و فکر نے غلبہ کیا۔ وہ کانپنے لگی۔ آسیہ اور جوشماہ نے اسے نہیں دیکھا آسیہ نے دریافت کیا کیا عاصم کل قتل ہو جائیں گے۔؟

جوشماہ۔ میرے بہت کچھ کہنے سننے پر ایک ہفتہ کی مہلت دی گئی ہے اس عرصے کے بعد وہ قتل کر دیا جائے گا۔

پروین بار غم سے دوہری ہو گئی۔ چہرہ سے حسرت آنکھوں سے غم ٹپکنے لگا۔ جوشماہ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس نے کہا آسیہ تم اسے سمجھاؤ فضول غم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جوشماہ درباری کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ تھک گیا تھا۔ کپڑے بدلنے اور آرام کرنے کے لئے اس کمرہ سے نکلکر دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پروین کے ضبط و استقلال رخصت ہو گئے۔ بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا پھول سے رخسارے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ آسیہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر بےچین ہو گئی۔ اس نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا پروین رو رو کر کوشش کرنے کے لئے ابھی بہت وقت ہے یقین ہے کہ ہم اسے بچا لیں گے۔

پروین نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا بس بچ چکا آخر کوشش کر لی گئی۔ آہ یزدان میں کیا کروں۔ پروین رو رہی تھی۔ آسمان کی طرف کہہ رہی تھی۔ آسیہ سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس کے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ ایک افسردہ خاطر ایک افسردہ دل دوسروں کو بھی افسردہ کر دیا کرتا ہے آسیہ بھی بہت زیادہ افسردہ ہو گئی۔ دیر تک دونوں آنسو بہاتی رہیں۔ کاش عاصم کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے لیے وہ سیم تن غلط دو چاند دنیا کی دو حوریں آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ یہ دیکھ کر اپنی خوش بختی پر ناز کرتا۔ لیکن اسکی قسمت میں یہ نہ تھا۔ وہ زندہ انسانوں کے قبرستان (قید خانہ) میں پڑا ہوا تھا اور زندگی کے آخری سانس پورے کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آسیہ نے اپنے آنسو اپنے ریشمیں آنچل سے خشک کئے اس نے کہا۔ یزدان کے لئے ضبط کرو۔ دیکھو آخری سعی باقی ہے ابھی مایوس نہ ہو۔ پروین کا خوبصورت سر حور وش آسیہ کے شانہ پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ کوئی امید باقی نہیں کاش عاصم کی موت مجھے آجائے۔ آسیہ بہت زیادہ متاثر ہوئی اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس نے کہا۔ پروین سنو اگر برزخ کی کوششوں سے بھی عاصم نہ بچ سکا تو اپنی جان پر کھیل کر قید خانہ میں جاؤں گی اور پھر یا تو اسے بچا لاؤں گی

یا اس کے بچانے میں اپنی جان دے دوں گی۔

پروین پر اس بات کا اثر ہوا وہ اس کے شانہ سے اپنا سر ہٹا کر سروقد کھڑی ہوگئی اور غم اندوز نظروں سے جن میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ آسیہ کو دیکھ کر کہا۔
تم قید خانہ میں جاؤ گی۔

آسیہ نے پرجوش لہجہ میں کہا۔ ضرور جاؤں گی۔ جب عاصم زندہ نہ رہے گا تو تم نہ رہو گی اور جب تم نہ رہو گی تو میں کیسے نہ ہوں گی!

پروین نے عاجزی کے لہجہ میں کہا آسیہ غریبوں، بیکسوں اور مظلوموں کی دعائیں لے لو۔ بچالو۔ جس طرح بھی ممکن ہو میرے سرمایۂ حیات کو بچالو۔

آسیہ بچاؤں گی اور ضرور بچاؤں گی۔ تم ضبط کرو آنسو پونچھو منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو۔ دن چھپتے ہی ہم دونوں نوبہار چلیں گی۔

پروین نے اچھا کہا پھر کوچ پر بیٹھ گئی۔ اپنی حالت درست کرنے کے لئے آسیہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں آئندہ تدابیر پر بحث کرنے لگیں؟

دوسرا باب

آتش خانہ

اسی روز دن چھپنے کے بعد دونوں سیم تن لڑکیاں نوبہار میں چلنے کے لئے تیار ہوگئیں جس کمرہ میں بیٹھی تھیں اس میں شمعیں کثرت سے روشن تھیں۔ کافی روشنی ہو رہی تھی۔ ان دونوں نے ایسے کپڑے پہن رکھے تھے جن پر موتیوں کی لڑیاں ٹکی ہوئی تھیں ان کی پوشاکیں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔ کچھ روشنی کی تڑپ کچھ پوشاکوں کی چمک نے ان کے حسین چہرہ کو اس قدر جگمگا دیا تھا کہ ان کی طرف آنکھ بھر کر نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ ان کی صورتیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی کا انتظار کر رہی ہیں اگرچہ دونوں افسردہ خاطر تھیں۔ مگر پروین زیادہ غمزدہ معلوم ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک نوجوان مع ایک مہوش لڑکی کے کمرے میں داخل ہوا۔ نوجوان

خوبصورت تھا۔ لڑکی بھی نہایت حسین تھی۔ دونوں بیش قیمت پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ خصوصاً لڑکی کی پوشاک نہایت عمدہ تھی۔ صراحی دار گردن میں ایک آبدار موتیوں کا ہار تھا جس نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ نوجوان نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی کہا آہا ہا دو چاند ایک ہی کمرہ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کمرہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ دو نہیں اب تین چاند جمع ہو گئے ہیں۔ خیزران کو دیکھو کہ اس کے گال کیسے چمک رہے ہیں۔ آنے والی لڑکی کا نام خیزران تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ تھیں چھیڑا تو بھائی جان نے اور برس پڑی مجھ پر۔

آسیہ نے کہا کیا تم چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو۔ خیزران تم غضب کی حسین ہو۔ تمہارے عارض تاباں چاند پر چشمک زنی کر رہے ہیں۔

خیزران نے مسکرا کر کہا۔ تم بھولتی ہو آسمانی چاند کو شرمانے والی تو پروین ہے۔ یزداں کی قسم آج ایران میں اس سے بڑھ کر تو کیا اس جیسی کوئی حسینہ نہیں۔ نوجوان نے کن انکھیوں سے پروین کو دیکھ کر کہا۔ خیزران تم نے بالکل سچ کہا۔ ایسی حسینہ چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھی ہو گی۔

خیزران نے بر قیاش تبسم کے ساتھ کہا۔ آسمان تو جب دیکھتا جب کوئی ایسی حسینہ ہوتی۔ پروین مسکرائی۔ اداکی آمیز تبسم سے مسکرائی۔ اس نے کہا۔ ہرمزان یہ تم اور خیزران مجھ پر کیوں عنایت کرنے لگے نوجوان ہرمزان تھا۔ پروین کا چچازاد بھائی وہ مع اپنی ہمشیرہ خیزران کے باہر گیا ہوا تھا چار گھڑی دن رہے واپس آیا تھا۔ ہرمزان نے کہا ابھی خیز کی تعریف کرنی ہی پڑتی ہے پروین تو اپنے حسن کی نحجر کاری سے بے خبر ہے تیرے حسن عالم افروز نے دنیا کو تہ و بالا کر رکھا۔ اس کے بے تکے پن پر سب کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ مگر وہ پروین بھی بیساختہ مسکرا اٹھی۔

آسیہ نے شوخی آمیز لفظوں سے جن میں شوخی سے چمک پیدا ہو گئی تھی ہرمزان کو دیکھ کر کہا۔ دیکھئے عالم تہ و بالا ہو رہا ہے۔ کہیں آپ بھی قلا بازی نہ کھا جائیں۔ اس بات پر تینوں پری چہرہ لڑکیاں ہنس پڑیں۔ ہرمزان نے کہا آسیہ تمہاری شوخی تو مشہور ہے۔ تم جواب دینے میں کب چوک سکتی ہو۔

آسیہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ جوشاہ آگیا۔ اس نے کہا بائیں! تم سب لوگ تو ابھی یہیں موجود ہو۔ میں سمجھا چلے ہی گئے اس لئے لپکا ہوا باہر گیا جب تمہاری گاڑیاں باہر کھڑی دیکھیں تو واپس آیا۔ جلدی چلو آج دیر بہت ہوگئی ہے۔ جو شاہ کا سب احترام کرتے تھے فوراً سب اس کے ساتھ ہو گئے۔ باہر آکر گاڑیوں میں سوار ہوئے اور آتش خانہ نوبہار کی طرف چل پڑے۔

نوبہار قصر کے قریب واقع تھا۔ نہایت وسیع عمارت تھی نوبہار کے دروازہ پر جاکر یہ لوگ رک گئے۔ یہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں ایک طرف ان کی بھی گاڑیاں کھڑی ہوگئیں۔ یہ تمام لوگ گاڑیوں سے اتر اتر کر دروازہ میں داخل ہوئے نوبہار کا صدر دروازہ نہایت ہی عالی شان تھا۔ دروازہ کے اوپر ایک لمبی لاٹ تھی اس میں گھنٹہ لگا ہوا تھا۔ گھنٹہ بج رہا تھا۔ دروازہ کو عبور کرکے باغیچہ تھا یہ سب باغیچہ کی کشادہ روشوں پر چلنے لگے۔ باغیچہ کی تختہ بندی نہایت سلیقہ سے کی گئی تھی۔

تمام باغیچہ میں سرخ رنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے روشنی کے عکس میں سرخ پھول بالکل ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے تمام باغیچہ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ چونکہ آگ کا رنگ سرخ ہوتا ہے اس لئے آتش پرستوں نے آتش خانہ کے ملحقہ باغیچہ میں سرخ رنگ کے پھول لگا کر اپنی اس عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ جو انہیں آگ کے ساتھ تھی۔

آتش خانہ نوبہار نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ لوگوں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ اس آتش خانہ میں حضرت زردشت کی لائی ہوئی آسمانی آگ موجود ہے۔ حالانکہ زردشت کو وفات پائے صدیاں گذر چکی تھیں لوگ اس آتش خانہ کا سب سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ شاہی خاندان والے بھی اس آتش خانہ میں عبادت کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔

نوبہار کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں شمعیں روشن تھیں ہر طرف کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ باغیچہ کو عبور کرکے ایک کھلے میدان میں پہنچے۔ یہ میدان وسیع تھا اس میں ملائم گہرے سبز رنگ کی گھاس جمی ہوئی تھی۔ یہاں سے نوبہار کی عمارت صاف طور پر نظر آتی تھی۔

یہ لوگ اس گھاس کے لان کو بھی طے کر گئے۔ اب وہ ایک چبوترہ پر پہنچے یہ چبوترہ وسیع تھا۔ آتش خانہ کے عین سامنے واقع تھا۔

آتش خانہ ایک بڑے کمرہ میں واقع تھا۔ یہ کمرہ اس قدر وسیع تھا کہ بیک وقت ہزاروں آدمی اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ اس کمرہ میں سنگ مرمر کی نشستیں بنی ہوئی تھیں سینکڑوں آدمی خاموش بیٹھے ہوئے آتش خانہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سامنے آتش کدہ تھا۔ کمرہ کے اندر ایک ہشت پہلو برج بنا ہوا تھا۔ برج کے اندر آگ دہک رہی تھی۔ برج کے باہر چاروں طرف سونے کی ہلکی چادر چاندی کے چوکھٹوں میں آویزاں تھی۔ جوشماہ۔ ہرمزاں اور رہنبوں ماہوش لڑکیاں بھی سنگ مرمر کی نشستگاہوں پر بیٹھ گئے۔

صدر دروازہ کا گھنٹہ ابھی تک بج رہا تھا۔ گویا وہ آتش پرستوں کو آتش خانے میں آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ تمام کمرہ میں اس کثرت سے شمعیں روشن تھیں کہ وہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

کمرہ میں مرد بھی تھے اور پری زاد عورتیں بھی تھیں۔ یہ سب بیش قیمت کپڑے پہنے ہوئے تھیں نوعمر لڑکیاں زیادہ تھیں۔ سب کی سب خوبصورت تھیں۔ اچھے کپڑے اور مرصع زیورات پہنے تھیں۔ کمال حسین معلوم ہو رہی تھیں۔ سارے کمرہ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ہر شخص خاموش تھا۔ سب آتش خانہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آتش خانہ کمرہ کے ایک طرف آخری حصہ میں بنا ہوا تھا۔ اسکی کرسی کمرہ کی سطح سے دو فٹ اونچی تھی آتش خانہ سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا۔ جس پر قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔

اس چبوترہ سے ہٹ کر نشستیں تھیں۔ تھوڑی دیر میں گھنٹہ بجنا بند ہو گیا تمام آتش پرست اپنی اپنی جگہ سنبھل سنبھل کر بیٹھ گئے سب نے غور بھری نظروں سے آتش خانہ کو دیکھنا شروع کیا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دس نوجوان لڑکیاں دوسرے کمرہ سے نکل کر آئیں اور آتش خانہ کے سامنے والے چبوترہ پر قالینوں کے اوپر ادھر ادھر قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ یہ دسوں لڑکیاں کمال خوبصورت تھیں۔ سرخ رنگ کی پوشاکیں پہنے ہوئے تھیں ان کے زیورات میں سرخ رنگ کے پتھر لگے ہوئے تھے کانوں میں سرخ رنگ کے ایرنگ تھے۔ سرخ کپڑوں سرخ زیورں

نے ان کے چاند سے چہروں کو جگمگا دیا تھا۔

ان لڑکیوں کے بعد اسی طرف سے جس طرف سے وہ لڑکیاں آئی تھیں ایک ضعیف العمر آدمی آیا۔ اسے دیکھتے ہی تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ سرخ کپڑے پہننے والی لڑکیوں نے کسی قدر اپنے سر جھکائے۔

آنے والا ضعیف العمر آدمی بھی سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور سرخ عبا تھی، سرخ ٹوپی تھی۔ سرخ لبادہ تھا۔ گلے میں سرخ رنگ کا رومال غرضیکہ اس کی ہر چیز سرخ تھی صرف داڑھی سفید تھی۔ یہی برنغ تھا اور آتش پرست اس کا بہت احترام کرتے تھے۔

برنغ آتے ہی قالین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بلند آواز سے کہا اے میرے بچو بیٹھ جاؤ مقدس آگ کو پوجنے والو بیٹھ جاؤ سب لوگ بالکل خاموشی سے بیٹھ گئے سب کے بیٹھتے ہی کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز جو مرد اور عورتوں کے حرکت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی بند ہو گئی۔ پھر تمام کمرہ میں سکوت چھا گیا۔ چند ہی لمحہ کے توقف کے بعد کمرہ میں آہستہ آہستہ سریلی آواز بلند ہونی شروع ہوئی۔

یہ آواز بیلے کی قسم کے باجے کی تھی۔ جو مدھم سروں میں بج رہا تھا۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ آواز کہاں سے پیدا ہوتی ہے اور کیسے تمام کمرہ میں بھر جاتی ہے نہایت کیف انگیز آواز تھی، رفتہ رفتہ بلند ہوتی جاتی تھی۔ جوں جوں وہ بلند ہوتی تھی دلوں کی گہرائیوں میں اُترتی جاتی تھی۔ مردوں اور عورتوں پر سرور آگیں اثر شروع ہوا۔ سب کے سب اس سریلی آواز کی لے میں ڈوب گئے۔

جب باجہ کی آواز کافی بلند ہو کر تمام کمرہ میں چھا گئی تو سرخپوش لڑکیاں نے ایک نغمہ شروع کیا۔ نہایت مدھم آواز سے جو اول وال تو باجہ کی لے میں جذب ہو کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ انکی آواز بھی بلند ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ ان سریلی آواز باجہ کی آواز پر غالب آگئی۔ لڑکیاں کی آواز بلا کی سامعہ نواز تھی، نہایت سُریلی تھی۔ رس بھری تھی۔ کانوں کے ذریعہ دلوں کے اندر اُترتی چلی جارہی تھی۔ اس نغمہ میں مقدس آگ کی تعریف کی گئی تھی۔ اسے نور الٰہی بتایا گیا تھا۔ خدا کے حکم سے تعبیر کیا گیا تھا۔ آخر میں اس سے خیر و برکت کی دعا مانگی گئی تھی۔ جب لڑکیوں نے اس نغمہ روح افزا کو ختم کیا تو ایک ہلکی آواز آئی جیسے کسی تختہ کو کھینچا گیا ہو۔ دراصل کسی کمانی کے ذریعہ سے آتش خانہ کے سامنے والی سونے کی چادر کھینچی گئی تھی۔

آواز کیساتھ سامنے سے چادر پھٹ گئی اور آناً فاناً دونوں طرف سرک کر کمرہ کی دیواروں سے جا ملی۔ سونے کی چادر ہٹتے ہی آتش خانہ نظر آیا۔ سامنے آگ نہایت تیزی سے روشن ہو رہی تھی۔ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے لیکن وہ شعلے معمولی لکڑی کی جھلک سے زیادہ نہ تھے اس آگ کو دیکھتے ہی تمام عورتیں سارے مرد، سرخ پوش گانے والی لڑکیاں۔ برزع غرضیکہ سب سجدہ میں گر گئے۔ سب نے نہایت آرام سے بڑے خلوص سے کمال عقیدت سے آگ کو سجدہ کیا۔ اس آگ کو دیکھ کر ہر آتش پرست پر ہیبت سی چھا گئی۔ ہر آدمی نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اسوقت خدا کے سامنے کھڑا ہے۔ یا خدا اس کے روبرو ہے۔ دیر تک سب کے سب سجدہ میں پڑے ہوئے آہستہ آہستہ مقدس کتاب ژند اور استا کے فقرے پڑھتے رہے۔ ان فقروں کا مطلب بھی قریب قریب وہی تھا۔ جو لڑکیوں کے نغمہ کا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد برزع نے کچھ کہا۔

سب نے سجدہ سے سر اٹھا یا۔ نہایت احترام سے آگ کو دیکھا اور دعا میں مصروف ہو گئے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کس نے کیا دعا مانگی۔ ہاں مہوش پروین نے نہایت عاجزی سے گڑگڑا کر رجوع قلب سے عاصم کی رہائی کی دعا مانگی۔ دعا کے ختم ہوتے ہی کھٹکے کی آواز آئی پھر سونے کی چادر سرکی اور دونوں طرف سے بڑھ کر ایسی مل گئی گویا وہ ساری ایک ہی چادر ہے۔ اس میں کوئی شگاف نہیں ہے۔ چادر کے ملتے ہی باجہ کی آواز پھر آہستہ آہستہ شروع ہوئی اور بلند ہونے لگی۔ حتیٰ کہ تمام کمرہ میں بھر گئی ماہوش سرخ پوش لڑکیوں نے پھر اپنے سامنے نواز روح افزا لہجہ میں ایک نغمہ شروع کیا ان کی رسیلی آواز نے تمام سننے والوں کو از خود رفتہ کر دیا۔ اس نغمہ میں مقدس آگ سے التجا کی گئی تھی کہ وہ اپنے پرستاروں کو امداد دے اور ان کے دشمنوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دے نیز اپنے پجاریوں کی ہر آرزو پوری کرے۔ نغمہ ختم ہو گیا باجہ بند ہو گیا۔ لڑکیاں چلی گئیں۔ برزع بھی چلا گیا۔ مگر موسیقی کے جادو نے کسی کو ان کی باتوں کی خبر نہ ہوتے دی۔ سب کے کان گونج رہے تھے۔ کمرہ ابھی تک رسیلی آواز سے بھرا ہوا معلوم ہوا تھا۔ سب یہی سمجھے کہ نغمہ ابھی گایا جا رہا ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی از خود رفتگی دور ہوئی ہوش آیا سب اٹھے اور کمرہ سے نکل نکل کر باہر جانے لگے۔

چونکہ آدمی زیادہ تھے۔ دروازے تنگ تھے۔ سب کو جانے کی جلدی تھی اس لئے ہلڑ مچ گیا۔ جس نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ تو ساتھ رہے باقی سب بھیڑ میں بچھڑ گئے۔ جمشاہ، ہرمزان اور خیزران تینوں ایک ساتھ اٹھے۔ ساتھ چلے اور ساتھ ہی کمرہ سے باہر آئے۔ پروین اور آسیہ ان سے علیٰحدہ ہو گئیں وہ ایک طرف کھڑی ہو کر بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرنے لگیں ابھی انہیں کھڑے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مہران آ گیا۔ اس نے کہا آہا۔ آسیہ تم مجھ سے پہلے ہی چلی آئیں۔ پروین اور آسیہ نے اسے دیکھا دونوں ہکی بکی رہ گئیں وہ بر نغ کے حضور میں جانا چاہتی تھیں اس کا اس وقت آنا ان کو ناگوار گذرا۔ خصوصاً پروین کو اس نے اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔

تیسرا باب

ناکام تمنّا

مہران نے پروین کو دیکھا وہ اس بت ہوشربا کی طرف بڑھا اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کے چاند سے چہرہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ پروین نے گویا اسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کمرے کی تمام روشنی جیسے اس پر اس کے پھول سے رخسار پر، چاند سے چہرہ پر نثار ہو رہی ہو۔ اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا آنکھیں چمک رہی تھیں۔ سر کے سنہری مائل بال غضب ڈھا رہے تھے۔ مہران نے کہا پروین کیا مجھ سے کچھ خفا ہو؟

پروین اس طرح چونکی۔ گویا ابھی اس نے مہران کی آواز سن کر اسے دیکھا ہے وہ اس کی طرف مخاطب ہوئی۔ اس نے کہا۔ میں کسی سے کیوں خفا ہوں۔

مہران۔ تمہارا دلفریب چہرہ۔ تمہارے پیارے تیور کہہ رہے ہیں کہ تم ناراض ہو۔

پروین نے باہر کی طرف چلتے ہوئے کہا۔ میں ناراض نہیں ہوں آسیہ آؤ اباجان

باہر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مہران راستہ روک کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اس نے کہا۔ پروین سنو عاصم کو کوئی قوت قتل ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ تمہارے باپ نے اس کی ایک ہفتہ کی زندگی اور نکالی ہے لیکن کل نہ سہی ہفتہ گذرنے پر قتل کر ڈالا جائیگا ایک ایسے جاں بلب شخص کے پیچھے جو چند دنوں کا مہمان ہے اپنے چاہنے والے سے بے رخی کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ پروین کو غصہ آگیا۔ خون اس کی نازک شریانوں میں تیزی سے دورہ کرنے لگا۔ اس نے بجلیاں گرانے والی ہوشربا آنکھیں اٹھا کر مہران کو دیکھا۔ مہران اس کی ان غصہ آمیز نگاہوں کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ بدن میں ارتعاش پیدا ہوگیا۔ پروین نے کہا مہران آگے سے ہٹ جاؤ۔ راستہ دو۔ فضول سمع خراشی نہ کرو۔ پروین نے یہ الفاظ شہزادیوں جیسی شان سے کہے۔ مہران میں جرأت نہ ہوئی کہ وہ رستہ روکے کھڑا رہے وہ ایک طرف ہٹ گیا پروین بڑھی۔ اس کے پیچھے آسیہ چلی۔ مہران نے چپکے سے آسیہ سے کہا۔ آسیہ اس ستم شعار سے میری سفارش کرو۔ آسیہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے کہا بھائی جان کیا تمہیں پروین پر ترس نہیں آتا؟

مہران۔ ترس؟ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔

آسیہ۔ کیا تم عاصم کو نہیں بچا سکتے۔

مہران۔ بچا سکتا ہوں۔

آسیہ۔ اسے بچالو۔

مہران۔ کس لئے۔

آسیہ۔ پروین کی حیات کے لئے۔

مہران۔ کیا عاصم کی زندگی کے ساتھ پروین کی زندگی وابستہ ہے؟

آسیہ۔ ہاں وہ اپنے دل سے ناقابل برداشت غم سے روح فرسا قلق سے اس قدر تنگ آگئی ہے کہ جان دیدینے پر آمادہ نظر آتی ہے۔

مہران۔ آسیہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ایک ایرانی دوشیزہ وحشی عرب کی محبت میں جان دینے پر آمادہ ہے۔

آسیہ۔ یہ دلوں کا سودا ہے۔ محبت ذات کو نہیں پوچھتی۔

مہران کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا۔ پروین مرنا چاہتی ہے تو مرنے دو۔

آسیہ مہران کے سامنے دو زانو ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا بھائی جان اس ستم زدہ پر رحم کرو۔ اس حسن کے چاند کو فنا کے ابر میں نہ چھپاؤ۔

مہران نے تعجب اور غصہ بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا آسیہ کیا تجھ پر پروین نے جادو کر دیا ہے کیوں تو اس کی اس قدر سفارش کر رہی ہے۔

آسیہ نے عاجزی سے کہا۔ پروین میری مسرت کا آفتاب ہے زندگی کا سہارا ہے جسم کی روح ہے اس کے بعد میں کبھی زندہ نہ رہوں گی۔

مہران کو سخت غصہ آگیا۔ اس نے خوبصورت نازک اندام آسیہ کو جھٹکا دیکر کہا بد بخت لڑکی دور ہو جا تو بھی پروین کے ساتھ ہی مر!

ناز آفریں آسیہ گر پڑی۔ اس کے نازک ہاتھ میں جھٹکا آنے سے تکلیف ہوئی اس کے چہرہ کا شہابی رنگ اڑ گیا۔ اس نے اپنے عنابی لب موتیوں جیسے دانتوں میں دبا کر تکلیف برداشت کرنے کی کوشش کی۔ وہ اٹھی بڑی دقت سے کھڑی ہوئی۔

اس نے کہا بھائی جان بے رحم نہ ہو۔ میرے ہاتھ میں جھٹکا آگیا ہے۔ مجھے تکلیف ہو گئی ہے۔ ہاتھ بے کار ہو جانے کی وجہ سے میں تمہارا دامن پکڑ کر تم سے رحم کی التجا نہیں کر سکتی۔ . . . .

مہران انتہائی طیش میں تھا۔ اس نے گھور کر آسیہ کو دیکھا اور غضب سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ التجا مجھ سے کرنا بیکار ہے۔ آسیہ سن، مجھے پروینا سے نہ کبھی محبت تھی نہ ہے میں اس سے شادی اس کی دولت۔ حشمت خاندانی عزت کی وجہ سے کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے مجھے دھتکار دیا ہے۔ سوتے شیر کو جگا دیا میں اس سے اس کے باپ سے اس کے سارے خاندان سے اپنی توہین کا بدلہ لوں گا۔

آسیہ نے عاجزی سے کہا۔ ایک حور کو ایران کی حسین دوشیزہ کو، حسن کے آفتاب کو، شیطانی جذبہ کے انتقام کے، غصہ کے دیوتا کے بھینٹ نہ چڑھاؤ۔ مہران اس معصوم کو بچالو۔

مہران نے طیش میں آکر کہا۔ کبھی نہیں یزدان کی قسم کبھی نہیں میں اس کے خاندان کو تباہ ہوتے اسے مرتے دیکھوں گا۔

آسیہ نے متانت سے کہا کہ پروین کو آمادہ کر دوں کہ وہ تم سے شادی کرنے پر رضامند ہو جائے۔

مہران۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ جس نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ میری توہین کی ہے مجھے دھتکارا ہے میں اس سے شادی نہیں کر سکتا اسے اس کے خاندان کو تباہ کر کے دم لوں گا۔

آسیہ۔ بھائی جان اس قدر بے رحم نہ بنو۔

مہران نے ڈپٹ کر کہا۔ آسیہ خبردار اب کچھ نہ کہنا۔

آسیہ نے عاجزی سے کہا (امید افزا نظروں سے مہران کو دیکھکر کہا) میں کہوں گی اسوقت کہوں گی۔ جبتک تم مہربان نہ بن جاؤ۔ مہران، نے نازنہ آفرین آسیہ کا ہاتھ پکڑا اور جھٹکا دے کر کہا۔ دور ہو چلی جا میں کسی پر کبھی مہربان نہ بنوں گا۔

آسیہ نے جھٹکا دینے کی پرواہ نہ کی۔ اور اس نے عاجزی سے کہا۔ بھائی جان مجھ پر اپنی بہن پر مہربانی کرو!!

مہران۔ کبھی نہیں کبھی نہیں۔

اب آسیہ بے حد قد کھڑی ہو گئی۔ اسے جوش آگیا۔ اس کے پیارے چہرے پر ہلکا گلابی رنگ دوڑ گیا۔ اس نے کہا کچھ پرواہ نہ کرو۔ جو تم کر سکتے ہو کرو۔ مہران نے غصہ سے بھر کر کہا ضرور کروں گا۔ اسے تباہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ آسیہ نے سنجیدگی سے کہا تم کبھی تباہ نہ کر سکو گے۔

مہران۔ کون بچائے گا۔

آسیہ۔ یزدان۔

مہران۔ وہ نہیں بچا سکتا،

آسیہ۔ غم نے تم کو دیوانہ کر دیا ہے

مہران۔ تجھے پروین کی محبت نے دیوانہ کر دیا ہے۔

آسیہ۔ بے شک پروین کے لئے میں اپنی جان تک دے ڈالوں گی۔

مہران۔ تو بھی ان کے ساتھ فنا ہو جائے گی۔

آسیہ۔ پرواہ نہیں۔!

مہران۔ اچھا تو پروین کے ساتھ تو بھی موت کا انتظار کر۔

یہ کہتے ہی مہران غصہ سے بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ آسیہ پروین کی طرف بڑھی قریب ہی پروین بھی کھڑی تمام باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا بہن آسیہ تمہاری ہمدردی کا ہزار ہزار شکریہ۔ آسیہ افسردہ خاطر تھی۔ غمزدہ تھی۔ بھائی کی سرد مہری نے اسے مغموم بنا دیا تھا۔ اس نے کہا۔ پروین شکریہ کس بات کا۔ مہران نے مجھے موت کی دھمکی دی ہے میں جانتی ہوں وہ بڑا بے رحم ہے میرے اور تمہارے دونوں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرے گا لیکن پرواہ نہیں میں اس کی بہن ہوں اسے دکھا دوں گی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔

آسیہ کو جوش آگیا تھا۔ پروین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سامنے سے برزخ آگیا۔ اس کو دیکھتے ہی دونوں پریزاد لڑکیاں خاموش ہو کر نہایت ادب سے کھڑی ہو گئیں برزخ ان کے پاس آیا۔ دو لڑکیوں نے دو زانو کھڑے ہو کر اس کی عبا کو بوسے دیئے برزخ نے دونوں کے نازک اور خوبصورت سروں پر دست شفقت رکھا انھیں دعائیں دیں۔

برزخ کو دیکھتے ہی پروین کی طبیعت ایسی بگڑ گئی۔ دل ایسا مچل گیا کہ ہزار رکنے پر بھی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے موتیوں کی طرح لڑھک لڑھک کر خوشنما رخساروں پر بہنے لگے۔

برزخ نے اسے روتے ہوئے دیکھا ضعیف العمر پجاری بے چین ہو گیا یہ عجیب بات ہے کہ کوئی نوجوان ہو یا ضعیف العمر دنیادار ہو یا زاہد و متقی کسی حسین دوشیزہ کو دیکھ کر بیقرار سا ہو جایا کرتا ہے کسی خوبصورت ماہ پیکر کا رونا دیکھا ہی نہیں جاتا۔ برزخ سے بھی نہ دیکھا گیا۔ اس نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔

معصوم دوشیزہ۔ ایرانی حور پیکر حسن نازنین رو۔ آخر تو کیوں روتی ہے تجھے کیا غم ہے۔

پروین کو ایک ہمدرد مل گیا۔ ایسا ہمدرد جس کی تمام ایرانی عزت کرتے تھے وہ اور بھی بلک بلک کر رونے لگی۔ برزخ سخت پریشان ہوا۔ وہ ریاضت کرتا تھا۔ یزدان کے سامنے خود روتا تھا۔ آج تک کوئی حسینہ اس کے سامنے کبھی نہ روئی تھی۔ وہ اس رشک قمر کو روتے ہوئے دیکھ کر اس قدر بے قرار ہوا کہ بے قراری کے آثار اس کے جھریاں پڑے چہرہ سے صاف ظاہر ہو رہے تھے۔

اس نے پھر کہا۔ پروین رشک قمر پروین یزدان کے لئے نہ روؤ مجھے بتاؤ تم کیوں روتی ہو۔ میں تمہارا غم دور کرنے کی کوشش کروں گا پروین نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا اے مقدس بزرگ مجھے بچاؤ۔۔۔۔ آہ میں کیسے غم برداشت کروں
برفع نے جلدی سے کہا۔ میں بچاؤں گا۔ مجھے اپنا درد دل تو بتا۔ مگر رونا بند کر میں تجھے روتا نہیں دیکھ سکتا۔!
پروین کی کچھ ڈھارس بندھی۔ اس نے آنسو پونچھے۔ اشک آلودہ آنکھوں سے برفع کو دیکھا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ میں ایک التجا لے کر آئی ہوں نہیں بھیک مانگنے آئی ہوں۔
برفع۔ جو تو مانگے گی دیا جائے گا۔
ابھی تک دونوں سیم تن لڑکیاں دو زانو کھڑی تھیں۔ پروین نے اپنے نازک نازک ہاتھوں کو جوڑ کر۔ بھولی صورت کو اور بھی بھولا بنا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے برفع کو دیکھکر کہا میں ایک شخص کی زندگی کی خیرات مانگتی ہوں۔
برفع نے متعجب ہو کر کہا مجھ سے؟
پروین۔ ہاں تم سے اس کی زندگی تمہارے ہاتھوں میں ہے۔
برفع۔ وہ کون ہے؟۔
پروین۔ ایک بے گناہ مسلمان!
برفع مسلمان کا نام سنتے ہی چونک پڑا اس نے کہا مسلمان! اس سے تجھے کیا مطلب؟
پروین۔ وہ میرا محسن ہے۔
برفع۔ اس کا نام۔
پروین۔ عاصم۔
عاصم کا نام سنتے ہی۔ برفع نے افسردہ خاطر ہو کر اپنا سر جھکا لیا اسکی آنکھوں سے افسوس کی جھلک نمودار ہوئی۔ اس نے کہا افسوس وہ نہیں بچایا جا سکتا پروین کا کلیجہ ہل گیا۔ اس نے جلدی سے کہا کیا آپ نے۔۔۔۔
برفع نے رحم و افسوس بھری نظروں سے پروین کو دیکھ کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نے اس کے محضر نامہ پر دستخط کر دیئے۔

اتنا سنا تھا کہ حوروش پروین دونوں ہاتھوں سے اپنا نازک سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ یہ اس کی آخری کوشش تھی۔ اس آخری کوشش کی ناکامی نے اسکے زخم خوردہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر بیجمال آسیہ تڑپ گئی۔ اس نے کہا پروین پروین اس قدر غم نہ کرو۔ آہ اے یزدان میں اس نازک دل لڑکی کو کیسے تسلی دوں۔

برفع بھی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سخت متاثر ہوا۔ وہ اس حوروش کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔ حوروش آسیہ نے پروین کو دیکھا اسکی ہوشربا آنکھو میں حسرت وغم کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے وہ پیکر غم بنی ہوئی تھی۔ اس نے کراہنے کے طور پر ایک آہ کی!!

اس کی اس دلدوز آہ نے آسیہ اور برفع دونوں کو تڑپا دیا۔ برفع نے کہا پروین تم دن چھپتے ہی میرے پاس کیوں نہ چلی آئیں۔ میں اسے بچا لیتا۔ پروینا نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا۔ یزدان کو منظور نہ تھا۔ کاش میں اپنی جان دے کر اسے بچا سکتی۔

ایک آواز آئی۔ کوئی اپنی جان دے کر کسی کو نہیں بچا سکتا بھولی اور معصوم لڑکی گھر جا اور یزدان کی قدرت کا تماشہ دیکھ!!

پروین۔ آسیہ اور برفع نے آواز دینے والے کو دیکھا۔ تینوں حیران رہ گئے۔ انکے سامنے پوران دخت کھڑی تھی۔ پوران دخت ایران کی ملکہ رہ چکی تھی۔ یزدگرد سے پہلے وہی مالک تخت وتاج تھی۔ عجمیوں نے مسلمانوں کو حملہ آور دیکھکر اسے معزول کر کے یزدگرد کو تخت نشین کر دیا تھا۔ لیکن ابھی ہر ایرانی اس کی ویسی ہی قدر ومنزلت کرتا تھا۔ جیسی ملکہ ہونے کے زمانہ میں کی جاتی تھی۔

پوران دخت جوان تھی۔ خوبصورت تھی۔ اچھے کپڑے بیش قیمت زیورات پہنے تھی۔ پروین اور آسیہ دونوں اسے دیکھکر کھڑی ہو گئیں پروین نے کہا آہ آپ کا پُر امن دور حکومت ختم ہوتے ہی ظلم وستم کی حکومت شروع ہو گئی۔ کس قدر افسوس ہے کہ ایک بے گناہ شخص کو نہیں بچایا جا سکتا۔

پوران دخت نے کہا۔ اس وقت حکومت ظالموں کے ہاتھوں میں ہے۔ ظلم کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پروین تیری افسوسناک حالت۔ حسرت بھری صورت

غم بھری آنکھیں دیکھی نہیں جاتیں تو صبر کر اور استقلال کو ہاتھوں سے نہ دے
گھر بیٹھا اور دیکھ کر تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ پروین نے ایسی نظروں سے جن میں یاس
کے ساتھ آس بھی کچھ کچھ جھلک دینے لگی تھی۔ پوران وخت کو دیکھکر کہا کیا میں
بالکل ہی ناامید ہو جاؤں۔

پوران وخت۔ تیری تمام کوششیں بے کار ہو چکیں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
اب تقدیر کا کرشمہ دیکھ!

یہ کہتے ہی پوران وخت آگے بڑھ گئی۔ پروین کو قدرے تشفی ہو گئی۔ اسکی
بیقراری کچھ کم ہوئی۔ اس نے برفع کی طرف دیکھ کر کہا مقدس بزرگ میرے حق
میں دعا کیجئے۔ برفع نے کہا دعا کروں گا بیٹی میں تیرے سکون قلب کے لئے
دعا کروں گا۔ پروین اور آسیہ دونوں نے پھر برفع کی عبا کو بوسے دیئے۔

اب دونوں چلیں۔ برفع انھیں اس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا جب تک کہ
وہ دونوں نظر آتی رہیں جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں تو اس نے اپنے
ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور پروین کے لئے دعا کی۔ دونوں نازآفرین لڑکیاں
نوبہار سے باہر آئیں۔

یہاں جوشاہ، ہرمزان اور خیزران تینوں کھڑے ان دونوں کا انتظار
کر رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی خیزران نے کہا۔ پروین آسیہ کہاں رہ گئی تھیں؟
آسیہ نے جواب دیا کہ مقدس برفع تشریف لے آئے تھے۔ ہم نے ان سے
اپنے لئے دعا کرائی ہے!

خیزران۔ بڑی خوش نصیب ہو۔

اب یہ سب گاڑی پر سوار ہوئے اور گاڑیاں ہرمزا کے قصر کی طرف
روانہ ہوئیں۔

چوتھا باب

شیر دل طلیحہ

مسلسل پیش آنے والے واقعات نے مسلمانوں کو عجمیوں کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا۔ اگرچہ ان واقعات کی بہت سی کڑیاں باقی رہ گئی تھیں لیکن اس دوران میں قادسیہ میں جو واقعات پیش آئے ان کا بیان کرنا بھی نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے اسلامی سفیر مدائن سے نہایت تیزی سے روانہ ہوئے۔ مٹی کی ٹوکری عاصم اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھے چونکہ یہ لوگ جلد سے جلد قادسیہ پہنچنا چاہتے تھے اس لئے سرپٹ گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے۔ وہ عصر کے وقت قادسیہ میں پہنچے۔ عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ مگر ابھی نماز نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ایک وسیع میدان میں نماز کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ سعدؓ نے کھنڈرات کے قریب ایک بالاخانہ کو اپنی جائے رہائش قرار دیا تھا۔ یہ بالاخانہ کسی زمانہ میں نہایت ہی اچھا ہوگا کسی بڑے قصر کا دو منزلہ تھا۔ اگرچہ استبداد زمانہ نے اور عمارتوں کی طرح اسے بھی مٹانے کی کوشش کی تھی لیکن ابھی وہ بالکل نہ مٹا تھا بلکہ اپنی سنگی بنیادوں پر بدستور قائم تھا۔ البتہ قدرے شکستہ ضرور تھا۔ سعد نے اسکی مرمت کرا کر درست کرا لیا تھا۔ اس بالاخانہ میں متعدد کمرے تھے جو اپنے تصرف میں لے لئے گئے تھے یہ بالاخانہ وسیع میدان کے سرے پر ہی واقع تھا بلندی پر تھا۔ یہاں سے بیٹھ کر دور تک بلکہ سامنے کا سارا میدان آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ اس جگہ بیٹھ کر لشکر کی نقل و حرکت۔ میدان کارزار کی حالت بخوبی نظر آ سکتی تھی۔ اس لئے سعدؓ نے اسے اپنے لئے قیام گاہ کا انتخاب کیا تھا۔ سعدؓ بالاخانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مدائن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے سفیر کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بے قراری سے ان کے اپنے پاس آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کے آنے کی اطلاع ہوئی سعدؓ کے پاس اس وقت ان کا ندیم

جسان یا ہمرازہ۔ بیوی سلمیٰ بیٹھی تھیں سلمیٰ جوان تھیں خوبصورت تھیں۔ پرجوش اور رحمدل تھیں۔ تمام مسلمان ساری مسلم عورتیں ان کی عزت کرتی تھیں۔

سعدؓ نے سلمیٰ کو دوسرے کمرہ میں چلے جانے کو کہا۔ سلمیٰ چلی گئیں۔ سفیر سعدؓ کے پاس پہنچے۔ عاصم نے مٹی کی ٹوکری سعدؓ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ فتح مبارک۔ عجمی بادشاہ نے خوشی سے اپنی زمین کی مٹی ہمیں دی ہے انشاء اللہ ہم اس کی تمام زمین پر قابض ہو جائیں گے۔ سعدؓ نے فوراً کہا۔ انشاء اللہ انہوں نے سب کو بیٹھنے کو اشارہ کیا۔ سب کمبلوں کے فرش پر بیٹھ گئے۔ سعدؓ نہ صرف جلیل القدر صحابی تھے بلکہ آنحضرت صلعم کے ماموں تھے۔ عرب کے رئیس تھے قریش کے سردار تھے اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔

اگر وہ چاہتے تو دیبائے رومی یا ایرانی قالینوں کا فرش کرا سکتے تھے مگر وہ قرون اولےٰ کا زمانہ تھا۔ اسلام نے اسلام کے پیرو نے۔ خدا کے حبیب نے مسلمانوں کے محترم پیشوا نے جس سادگی کا حکم دیا تھا۔ مسلمان اسی سادگی سے رہتے تھے۔ وہ اپنے تمول اپنی بزرگی اپنی ریاست کا اظہار فضول نمائش سے نہ کرتے تھے بلکہ جس کے اعمال نیک ہوتے تھے وہ بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ آبائی شرافت خاندانی نجابت۔ دولت اور ریاضت کی وجہ سے کوئی آدمی بزرگ و صالح نہ سمجھا جاتا تھا۔ بات بھی دراصل یہی ہے ایک امیر ایک رئیس ایک نجیب۔ اگر اس کے اعمال و افعال قبیحہ اور مذموم ہیں۔ شریف وہ ہے جو شرع کا پابند ہے جس کے اعمال حسنہ ہیں خواہ وہ روپیہ گر فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ حشر کے دن امیر و غریب۔ بادشاہ فقیر تمام ایک حالت میں ہوں گے۔ اس وقت کسی کی ریاست کسی کی دولت کچھ کام نہ آئے گی۔ کام آئیں گے تو اعمال حسنہ آج ہم جن کو اپنے پاس بٹھانے کے روادار نہیں۔ جن کی پیشانی پر نماز سے پڑے ہوئے داغ دیکھ کر ہم تمسخر اڑاتے ہیں۔ روزہ رکھنے والوں کو گھر میں اناج نہ ہونے کا طعنہ دیتے ہیں کل قیامت کے دن ان کو نجات پاتے دیکھ کر خود اپنے اعمال کی وجہ سے مبتلا ہو کر کڑھیں گے پچھتائیں گے اس وقت نہ نجابت کام آئے گی نہ دولت ہم پھر افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہم نے بھی نیک اعمال کئے ہوتے روزے رکھتے نماز پڑھتے۔ زکوٰۃ دیتے۔ حج کرتے حقوق العباد کا خیال کرتے ہمسائیوں

کو نہ سناتے۔ غریب اور مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد کرتے مگر اس وقت کچھ کام نہ آئے گا۔ تمام سفیر حضرت سعدؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے دربار ایران میں پیش آئے ہوئے تمام واقعات کہہ سنائے۔ سعدؓ نہایت غور سے سنتے رہے۔ سب کچھ سننے کے بعد انھوں نے کہا۔ پرواہ نہیں ہمارا خدا پر بھروسہ ہے اور وہی ہماری مدد کریگا۔ تم جاؤ۔ نماز پڑھو۔ آرام کرو۔ افسوس میری طبیعت علیل ہے نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ سعدؓ واقعی بیمار ہو گئے تھے ان کے بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑ کر زخم ہو گئے تھے ان زخموں کی وجہ سے چل پھر نہ سکتے تھے۔

بجز خاص لوگوں کے عام مسلمانوں کو ان کی بیماری کا علم نہ تھا۔ سعدؓ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ عام طور پر لشکر میں ان کی بیماری کا چرچا ہوتا۔ اس سے اندیشہ تھا کہ ایرانی جاسوس جو اسلامی لشکر میں بکھرے پڑے تھے دشمن کو ان کی بیماری اور وجہ معذوری۔ یعنی چل پھر نہ سکنے کی خبر کیمپوں کو پہنچا دیتے۔ اس سے ایرانیوں کے دل شیر ہو جاتے تھے اور حوصلے بڑھ جاتے جس سے وہ مسلمانوں پر آ کوٹتے۔

سفیر اٹھ کر بالا خانے سے نیچے اترے اس میدان میں پہنچے جہاں مسلمان نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ جلد جلد وضو کیا۔ جماعت سے نماز پڑھی نماز پڑھ کر سب نے اپنے اپنے جائے قیام کا رخ کیا۔

چونکہ سعد کو معلوم ہو گیا تھا کہ کسریٰ نے جنگ کی دھمکی دی تھی وہ جانتے تھے کہ ساباط میں ایرانی لشکر پڑا ہے انہیں یقین ہو گیا کہ اب وہ لشکر قادسیہ میں کوچ کر کے آئے گا انھوں نے تمام لشکر کو ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم دیدیا۔ اسود بن مالک کو جو طلایہ کے سردار تھے انہیں خاص طور پر نگرانی کی تاکید کی۔ احتمال تھا کہ مبادا ایرانی لشکر ایک دم حملہ نہ کر دے اس لئے تمام لشکر ہر وقت مستعد رہتا تھا مسلمانوں کو انتظار کرتے ہوئے کئی دن گذر گئے۔ آخر ایک دن ساباط کی طرف سے گرد و غبار بلند ہوا سب سے پہلے اس غبار کو اسود اور ان کے طلایہ دستے نے دیکھا وہ لشکر سے آگے بڑھ کر صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سعدؓ بھی بالا خانے پر بیٹھے ساباط کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے بھی غبار اڑتا ہوا دیکھا وہ سمجھ گئے کہ ایرانیوں کا ٹڈی دل لشکر آ رہا ہے انھوں نے سوار بھیج کر لشکر کے تمام سرداروں کو حکم دیدیا کہ

تمام لشکر کیمپ سے آگے بڑھ کر صف بستہ ہوئے اس حکم کے پہنچتے ہی تمام اسلامی لشکر
میں ہلچل شروع ہو گئی مجاہدین مسلح ہو ہو کر کیمپ سے آگے وسیع میدان میں جا جا کر
صف بستہ ہونے لگے تھوڑی ہی دیر میں تمام سبزہ زار میدان مجاہدین اسلام سے
لبریز ہو گئے۔ وہ اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ ایرانی لشکر کس قدر ہے غبار کا دامن چاک
ہوا۔ ایرانی سواروں کی زرق برق وردیاں آفتاب کی شعاعوں میں چمکتی نظر آنے
لگیں۔ ایرانی لشکر نہایت شان کے ساتھ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ کھلا ہوا سبزہ زار
میدان تھا آفتاب عالم تاب چمک رہا تھا دور تک کی چیزیں صاف نظر آتی تھیں۔
مسلمان گردنیں ابھارے ایرانی لشکر کا دور تک تانتا لگا ہوا تھا۔ حد نگاہ تک
پیدل اور سوار پھیلے ہوئے تھے۔ برابر بڑھے چلے آ رہے تھے ان کے لشکر کا اگلا حصہ
آنکھوں کے سامنے تھا اور پچھلا حصہ افق میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ معلوم ہی نہ ہو سکا تھا
کہ لشکر کس قدر ہے اور کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ انسانوں کا دریا موجیں لیتا ہوا ابل
کھاتا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مسلمان اس ٹڈی دل لشکر کو نہایت غور سے دیکھ رہے
تھے۔ ایرانی لشکر دو اڑھائی میل کے فاصلے پر آ کر رک گیا پیادے اور سوار
میدان میں پھیلے ہوئے تھے سامنے والا وسیع ترین میدان ایرانیوں سے لبریز ہو گیا
حد نگاہ تک انسانوں کا جنگل نظر آنے لگا لیکن اب بھی برابر لشکر آ رہا تھا۔
افق میں اڑنے والا غبار لشکر کی آمد کی خبر دے رہا تھا۔ مسلمان اس عظیم الشان لشکر
کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں پہلے ہی سے خیال تھا کہ شاہ ایران اس قدر لشکر بھیجے
گا جو مشرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک زمین کو ڈھک لے گا۔ اس
لئے انہیں اس ٹڈی دل لشکر کو دیکھ کر کوئی ہراس نہ ہوا۔ ایرانی لشکر کی آمد
ظہر کے وقت سے شروع ہوئی تھی اور آفتاب غروب ہونے تک برابر جاری
رہی۔ نہ یہ پتہ چلا کہ کب تک لشکر آتا رہا نہ یہ معلوم ہوا کہ کس قدر لشکر تھا مغرب
کے وقت تک تمام صف بستہ رہے۔ مغرب کے بعد واپس لوٹ آئے صرف طلایہ
کا دستہ کھڑا رہ گیا۔ دوسرے دن جاسوس ایرانی لشکر میں بھیجے گئے وہ خبریں لائے
کہ ایرانی لشکر دو لاکھ کے قریب ہے بڑے بڑے ایرانی سورما لشکر کے ساتھ
ہیں نہایت جوش بڑے حوصلے اور عزم صمیم سے آئے ہیں۔ سعدؓ نے کہا کچھ پروا
نہیں خدا ہمارا مددگار ہے وہی اعانت کرے گا۔ خدائے عزوجل نے اپنے

کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔
کَم مِن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ
(ترجمہ) اکثر چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر خدائے بزرگ و برتر کے حکم سے غالب آتی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے)

سعدؓ نے ان تمام واقعات کی اطلاع دربار خلافت کو کردی قادسیہ سے مدینہ منورہ تک ڈاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ہر روز کی خبریں امیر المومنینؓ کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں۔ ہر رپورٹ کا جواب آتا تھا۔ چنانچہ سب سے آخری فرمان جو دربار خلافت سے آیا وہ یہ تھا کہ خدا پر بھروسہ رکھو۔ صبر و استقلال سے کام لو۔ جب تک دشمن میدان کارزار میں آکر لڑائی کا خواستگار نہ ہو۔ تم بھی میدان جنگ میں نہ نکلو۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ ملک شام میں حکم بھیجدیا گیا ہے وہاں سے کچھ امدادی لشکر تمہارے پاس آئے گا۔

باوجود اس قدر ایرانی لشکر کے دیکھنے کے خوفناک اور حوصلہ شکن باتیں سننے کے مسلمانوں کو کسی قسم کا ہراس نہ تھا۔ وہ لاپرواہی سے پڑے ہوئے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح جنگ کا آغاز ہو جائے۔ مگر ایرانی کسی مصلحت کی بنا پر لڑائی کو ٹال رہے تھے۔ ایک دن طلیحہ رات کے وقت تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر ایرانی لشکر کی طرف چلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ دراصل ایرانی لشکر کس قدر ہے رات اندھیری تھی۔ قمری مہینہ کا آخری عشرہ تھا ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر تارے نکلے ہوئے اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ ان کی چمک سے زمین پر خفیف سا اجالا تھا کہ چند قدم کی چیز نظر آجاتی تھی کھلا ہوا سبزہ زار میدان تھا۔ ہوائے لطیف کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ طلیحہ کسی قدر تیزی سے اپنا گھوڑا بڑھائے چلے جارہے تھے۔ طلیحہ نہایت بہادر نڈر اور پورے تجربہ کار تھے۔ وہ کئی میل کا لمبا میدان طے کر کے نہر کے کنارے پر پہنچے۔ نہر کے دوسرے کنارہ پر ایرانی لشکر پڑا ہوا تھا تمام لشکر میں کافی روشنی ہو رہی تھی۔ بلیوں پر قد آدم سے اونچی جگہ آئینوں کے اندر شمعیں روشن تھیں دور سے ان شمعوں کی روشنی ایسی جھلملا رہی تھی جیسے برسات میں تارے جگمگایا کرتے ہیں۔ اس قدر نزدیک آنے پر بھی طلیحہ کو لشکر دیکھنے کا قصد ہوا۔ یہ قصد نہایت خطرناک تھا۔ ایک

تنہا آدمی کا ہزاروں دشمنوں کے اندر گھس آنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مگر قرون اولیٰ کے مسلمان بھی معمولی مسلمان نہ تھے وہ جس بات کا ارادہ کر لیتے اسے پورا کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ نہر پر ایک پل غرب کی جانب اس جگہ سے جہاں طلیحہ کھڑے تھے۔ ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ طلیحہ اس پل کی جانب بڑھے نہر کے کنارہ کنارہ چلنے لگے نہر کا صاف اور شفاف پانی نہایت خموشی سے کنارے سے ٹکراتا ہوا بہ رہا تھا۔ طلیحہ چلتے چلتے پل پر پہنچے۔ پل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر گئے اور بے دھڑک ایرانی لشکر کی طرف چل پڑے ایرانی لشکر سامنے ہی تھا دو ہی فرلانگ چل کر لشکر آگیا یہ ایرانی لشکر کا غربی کنارہ تھا اس وقت رات زیادہ آگئی تھی۔ کچھ ایرانی جاگ رہے تھے کچھ سو گئے تھے جو جاگ رہے تھے وہ روشنی میں چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ طلیحہ کنارے ہی کنارے شمال کی طرف بڑھے زیادہ رات ہو جانے کی وجہ سے خاموشی طاری تھی۔ گاہے اس بڑھی ہوئی خموشی کو لشکر والوں کی آواز یا کسی خیمہ سے آنے والی صدائے موسیقی توڑ دیتی تھی۔ طلیحہ لشکر کا سرا دیکھنے کے لئے کئی میل چلے لیکن کنارہ نہ آیا۔ چونکہ افق مشرق سے ایسے آثا ظاہر ہونے لگے تھے جن سے پایا جاتا تھا کہ چاند نکلنے کے قریب ہے۔ اس لئے اب انھوں نے آگے بڑھنا نامناسب خیال کیا وہ لوٹ پڑے لیکن لوٹتے وقت بجائے کنارہ کنارہ آنے کے لشکر کے اندر گھس گئے۔ ایرانی نہایت بے فکری سے پڑے سو رہے تھے اس جگہ سے دور لشکر کی حفاظت کرنے والا دستہ بھی رونڈ کرتا پھر رہا تھا۔ طلیحہ ایک کشادہ راستہ پر پڑ لئے ایرانیوں کے خیمے قطار در قطار نصب تھے خیموں کی ہر دو قطاروں کے بعد ساٹھ فٹ چوڑا راستہ چھوڑا ہوا تھا۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ ہر خیمہ کے سامنے راستہ کے کنارے پر گھوڑے بندھے ہوئے تھے ایک خیمہ کے سامنے ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ انہیں وہ گھوڑا اچھا معلوم ہوا اس گھوڑے پر زین کسا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو اس پر کوئی سوار ہو کر آیا ہے یا سوار ہو کر کہیں جانے والا ہے طلیحہ رک کر اس گھوڑے کو دیکھنے لگے دیکھتے ہی خدا جانے کیا خیال آیا کہ وہ اس کی طرف بڑھے اور اس کی باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اتفاق سے اسی وقت ایک مسلح شخص خیمہ سے باہر نکلا اس نے طلیحہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ عرب مسلمان ہے۔ اس نے استعجاب بھرے لہجہ میں

کہا۔ میں ایک مسلمان اور ایرانی لشکر میں وہ بھی میرے خیمہ پر؟ تم کیا کرنے آئے
تھے۔ طلیحہ نے لاپرواہی سے کہا۔ میں اتفاق سے ادھر آنکلا۔ یہ گھوڑا اچھا معلوم ہوا
اسے لئے جا رہا ہوں اچھا ہوا کہ تم آگئے یہ گھوڑا مجھے لے جانے دو۔ اس ایرانی
کو طلیحہ کی اس گفتگو سے بڑا غصہ آیا اس نے گرج کر کہا۔ گھوڑا اور تجھے لے جانے
دوں۔ او عربی لیٹرے یہ گھوڑا مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے اسے چھوڑ دے اور
اپنی موت کا انتظار کر۔ طلیحہ نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں۔ انھوں نے کہا اچھا
یہ گھوڑا تم کو بھی عزیز ہے۔ لیکن میں اسے تم سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ یہ کہتے ہی
اس نے چلنا شروع کیا۔ گویا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ ایرانی کو ان کی یہ حالت دیکھ کر
بڑا غصہ آیا وہ ایک ہزار سواروں پر سردار تھا بڑا بہادر اور مشہور آدمی تھا وہ
جلدی سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا اور تلوار میان سے کھینچ کر طلیحہ کے سامنے
آکھڑا ہوا۔ طلیحہ نے نرمی سے کہا۔ ایرانی بہادر ہٹ جاؤ اور مجھے جانے دو طلیحہ
کی ہر بات ہر حرکت ایرانی کے جوش میں ہیجان لا رہی تھی اس نے چیخ کر کہا کس
قدر نڈر انسان ہے مجھ سے نہیں ڈرتا اتنے بڑے لشکر سے نہیں ڈرتا کہیں تیری
شامت تو نہیں آئی ہے ایرانی اس لئے چیخ رہا تھا کہ کوئی اور بھی اٹھ کر اس کی
مدد کو آجائے۔ اس کی آرزو پوری ہو گئی۔ برابر والے خیمے میں اس کے دو بھائی
پڑے سو رہے تھے دونوں اٹھ کر تلواریں سونت کر باہر آئے گھوڑوں پر سوار
ہوئے اور طلیحہ کے سامنے اپنے بھائی کے برابر کھڑے ہو گئے ایرانی کو ان کے
آنے سے بڑی تقویت ہوئی اس نے اپنے بھائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا
آپ اس مسلمان کو دیکھتے ہیں کم بخت میرے سامنے گھوڑا لے جانے پر آمادہ ہے
اس کے ایک بھائی نے کڑک کر کہا۔ اجی کیا دیکھتے ہو کم بخت کا خاتمہ کر دو۔ ایرانی
نے کہا۔ یہ تو ہونا ہی ہے۔ طلیحہ نے کہا کیوں اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہو۔ تم
تینوں اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے جاؤ۔ مجھے گھوڑا لے جانے دو۔ ایرانی
کو کمال طیش آگیا وہ تلوار لے کر جھپٹا طلیحہ پر حملہ کیا۔ طلیحہ نے بھی تلوار نکال لی
اور اس کا وار خالی دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر خود بھی حملہ کر دیا۔ اگرچہ ایرانی
بہادر تھا۔ تجربہ کار تھا۔ کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ لیکن وہ طلیحہ کا وار نہ روک سکا۔
اس کی آنکھیں جھپک گئیں وہ جھجکا۔ تلوار اس کی گردن پر پڑی۔ صابن کی طرح

گردن کٹ گئی۔ سر دور جا کر پڑا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس کے بھائی جوش وغضب سے کانپنے لگے ایک بھائی نے بڑھ کر برچھی سے وار کیا طلیحہ اس کے تیور دیکھ چکے تھے انہوں نے بھی تلوار بائیں ہاتھ میں لیکر نیزہ نکال لیا تھا ایرانی کی برچھی روک کر خود نیزہ سے حملہ کیا۔ نیزہ کی انی سینہ توڑ کر پشت کے پار نکل گئی۔ ایرانی نے ایک دلدوز چیخ ماری اور کانپتا ہوا گھوڑے سے نیچے آرہا۔ یہ کیفیت دیکھ کر تیسرے ایرانی نے چلا کر کہا۔ رحم۔ رحم اے پرجوش مسلمان رحم طلیحہ نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا کیا ابھی سے رحم رحم پکارنے لگے تمہاری قوم نے۔

ایرانی نے قطع کلام کر کے کہا۔ ہاں مجھے بچالو۔ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ طلیحہ نے غضبناک لہجہ میں کہا کیا تلوار سے ڈر کر۔ ایرانی نے بےخوفی سے کہا۔ تلوار سے ڈر کر نہیں بلکہ اپنی خوشی سے۔ طلیحہ نے کہا اچھا میرے ہمراہ چلو ایک دشمن کی طرح نہیں ایک قیدی کی طرح نہیں بلکہ ایک دوست کی طرح ایک معزز دوست کی طرح! ایرانی نے کہا۔ ہاں ایک دوست کی طرح اور آئندہ میں ایک دوست ہی ثابت ہوں گا اس عرصے میں تمام ایرانی لشکر میں ہلچل مچ گئی تھی۔ ہر طرف سے ایرانی مسلح ہو ہو کر سمٹ سمٹ کر طلیحہ کی طرف دوڑنے لگے تھے۔ طلیحہ اس بات کو پہلے ہی سے جانتے تھے وہ تمام لشکر سے لڑنے کے لئے آمادہ تھے انہوں نے تلوار سونت لی۔ وہ ایرانی بھی جس نے دوستی کا اقرار کیا تھا اپنی ہی قوم سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا اس نے طلیحہ سے کہا۔ بہادر مسلمان لڑ بھڑ کر لشکر سے باہر نکلو طلیحہ کو اس کی یہ بات پسند آئی انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا پہلے ہی حملے میں دو تین ایرانی کاٹ کر رکھ دیئے۔ ایرانی ان کی یہ جسارت دیکھ کر کسی قدر دب گئے۔ طلیحہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور انہوں نے مہمیز لگا کر گھوڑا بڑھایا۔ گھوڑا تیر کی طرح بڑھا جس گھوڑے پر یہ فساد شروع ہوا تھا وہ بھی ساتھ ہی چلا گیا ایرانی دوست بھی ساتھ ہوا۔ طلیحہ نے ایرانیوں کو خوف کرنے کے لئے دونوں طرف جلد جلد حملے کرنے شروع کر دیئے ایرانی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے طلیحہ ان کا دوست لشکر کے باہر آ گئے ساتھ ہی گھوڑے کو بھی لیتے آئے ایرانی اس خیال سے کہ یہ مسلمان تنہا نہ آیا ہوگا اس کے ساتھی ضرور کہیں پیچھے ہوں گے ان کے تعاقب سے باز رہے اس طرح شیر دل طلیحہ دو لاکھ ایرانیوں کے درمیان سے کئی ایرانیوں کو قتل کر کے ایک گھوڑا

اور ایک ایرانی کو ساتھ لے کر مردانہ وار نکلے اور آہستہ آہستہ اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

پانچواں باب

ابومحجن

جب طلیحہ ایرانی لشکر سے نکلے تو چاند افق سے نودار ہو چکا تھا وہ آہستہ آہستہ پل کی طرف بڑھے ایرانی ان کے ساتھ چلا دونوں پل عبور کر کے تیزی سے اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ چاند کے نکل آنے سے ہر طرف کافی روشنی پھیل گئی تھی۔ سبزہ زار میدان نہایت دلفریب ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ دونوں لشکر کے قریب پہنچے ایک اعرابی نے بڑھ کر ان سے پوچھا تم کون ہو اور کس لیئے لشکر میں گھسنا چاہتے ہو؟

طلیحہ نے انہیں پہچان لیا وہ طلایہ کے افسر سواد بن مالک تھے۔ طلایہ نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیکر کہا اہا طلیحہ تم ہو، تم کہاں گئے تھے؟ طلیحہ نے جواب دیا ایرانی لشکر میں۔

سواد۔ مگر تمہارے باہر جانے کے لئے مجھے مطلع نہ کیا گیا تھا۔

طلیحہ۔ نہ میرا ارادہ باہر جانے کا تھا نہ میں نے کسی کو مطلع کیا۔

سواد۔ پھر کیسے چلے گئے۔

طلیحہ۔ اتفاقیہ۔

سواد۔ یہ بڑی غلطی ہے جب سپہ سالار کا یہ حکم ہے کہ کوئی شخص بغیر اطلاع دیئے باہر نہ جائے تو آپ کو ایسی جرأت نہ کرنی چاہئے تھی؟

طلیحہ۔ بلاشبہ غلطی ہوئی۔

سواد۔ آپ کو سپہ سالار کے روبرو پیش کیا جائے گا۔

حضرت سعدؓ نے تمام لشکر میں اعلان کرا دیا تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے لشکر

سے باہر نہ جائے۔ اس اعلان سے دو باتیں مقصود تھیں ایک تو یہ کہ طلایہ کے افسر کو ایسے لوگوں کی اطلاع کر دی جاتی تھی تاکہ واپسی کے وقت ان سے کوئی پرسش نہ ہو دوسرے اگر اطلاع دینے والوں میں سے کوئی واپس نہ آتا تو اسکی تلاش شروع ہو جاتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے کیسے کیسے اصول اختراع کر لئے تھے۔ آج متمدن ممالک نے ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد ان اصولوں کی تہہ کو سمجھا ہے۔

طلیحہ نے کہا بہتر ہے آپ مجھے سالار اعظم کے حضور میں پیش کر دیجئے۔

سواد۔ یہ ایرانی تمہارے ساتھ کون ہے۔

طلیحہ۔ یہ مسلمان ہونے کے لئے آیا ہے۔

اس کے بعد طلیحہ نے تمام کیفیت بیان کر دی۔ سواد ان کا حال سنکر بہت خوش ہوئے لیکن انہیں طلیحہ کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ انہوں نے کہا۔ تم نے زبردست غلطی کی تمہیں اپنی بہادری کے زعم میں ایسی جرأت نہ کرنی چاہیئے تھی۔ ایرانی عربی جانتا تھا وہ ان کی گفتگو سن کر حیران سا ہو رہا تھا۔ دونوں کی گفتگو سے اخوت ٹپک رہی تھی۔ سواد طلیحہ اور ایرانی کو ساتھ لے کر چلے اس وقت چاند بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ چاندنی اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ خیموں اور جھولداریوں پر چاندنی نے سفید غازہ بکھیر دیا تھا۔ یہ لوگ ایک وسیع راستے پر چل رہے تھے ایرانی دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں نے نہایت سلیقہ سے اپنے خیمے نصب کئے تھے راستے صاف تھے۔ کہیں کوڑا کرکٹ نہ تھا۔ وہ اب تک مسلمانوں کو غیر متمدن غیر مہذب سمجھ رہا تھا۔ مگر خیموں کی ترتیب راستوں کی کشادگی اور صفائی نیز حفاظت کے انتظام نے اسے بتا دیا کہ مسلمان نہ صرف ارتقائی منازل طے کرنے لگے ہیں بلکہ اس کی انتہا تک جا پہنچے ہیں۔

مسلمان خیموں سے باہر کمبلوں کے فرش پر نہایت بے فکری اور آرام سے پاؤں پھیلائے سو رہے تھے۔ اکثر خیموں کے سامنے آگ روشن تھی اکثر جگہ آگ بجھ گئی تھی اور چنگاریاں پڑی دہک رہی تھیں کہیں کہیں بعض جگہ بیدار رہنے والے مسلمان نماز پڑھ رہے تھے یا خوش الحانی کے ساتھ قران شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ یہ لوگ تھوڑی ہی دور بڑھے تھے انہیں دو آدمی ادھر سے آتے

ہوئے ملے۔ ان آنے والوں میں سے ایک نے دور سے سلام کیا۔ سواد اور طلیحہ نے پہچان لیا۔

وہ حضرت سعدؓ تھے اسلامی لشکر کے سپہ سالار دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ سعدؓ کے زخم کسی قدر اچھے ہو گئے تھے۔

آج وہ گشت کے لئے نکلے تھے۔ مسلمانوں میں دستور تھا کہ لشکر کا سردار رات کو خود بھی گشت کیا کرتا تھا۔

سعدؓ نے قریب آکر دونوں مسلمانوں سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے طلیحہ کو دیکھ کر دریافت کیا۔ طلیحہ کیا تم بھی گشت کے لئے نکلے ہو۔ لیکن تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی۔

طلیحہ نے کہا یا سردار المسلمین مجھ سے غلطی ہو گئی میں گشت کے لئے نہیں نکلا بلکہ ایرانی لشکر کا تفحص کرنے کے لئے گیا تھا۔

سعدؓ نے حیرت سے طلیحہ کو دیکھتے ہوئے کہا ہیں ؟ تم لشکر کے باہر گئے تھے کیا تنہا ؟

طلیحہ نے ندامت سے سر جھکا کر کہا۔ جی ہاں تنہا۔

سعدؓ۔ بڑی غلطی کی۔ اگر تم کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو میں خلیفہ اور مسلمانوں کو کیا جواب دیتا۔

طلیحہ۔ میں خود ہی اپنی حماقت پر نادم ہوں۔

اس کے بعد طلیحہ نے اپنی تمام سرگذشت سنا دی۔ سعدؓ نے سب کچھ سُن کر کہا تم جوشیلے لوگ کیسی کیسی غلطیاں کر بیٹھتے ہو۔ آئندہ احتیاط رکھو کبھی بغیر اطلاع کئے کہیں نہ جاؤ۔

ایرانی انتہائی حیرت و استعجاب سے سعدؓ اور طلیحہ کو دیکھ اور انکی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سعدؓ اسلامی لشکر کے سالار اعظم ہیں۔

ان کا اسلامی لشکر میں وہی مرتبہ ہے جو کہ ایرانی لشکر میں رستم کا لیکن اسے یہ حیرت تھی کہ اول تو رستم کبھی گشت کو نہیں گیا۔ دوسرے جب وہ کہیں جاتا ہے تو وہ سیکڑوں سواروں کے جلو میں چلتا ہے تیسرے راستہ میں ملنے والے ایرانی اسے اس قدر جھک کر سلام کرتے ہیں جیسے کہ وہ سجدہ کر رہے ہوں۔ سعدؓ گشت

گزر رہے تھے صرف ایک آدمی ان کے ساتھ تھا۔ انہیں کسی نے سلام نہ کیا بلکہ خود انہوں نے سلام کیا۔ اس کے او پر ان باتوں کا کمال اثر ہوا۔

اب سعدؓ ایرانی کی طرف مخاطب ہوئے انہوں نے کہا میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں اور تم کو مبارکباد دیتا ہوں تم ہمارے مہمان ہو۔ میرے اس آدمی کے ہمراہ چلے جاؤ۔ رات کی رات آرام کرو۔ صبح میں تمہارے پاس آؤں گا۔ ایرانی کا دل ایک عجیب جذبہ سے لبریز ہو گیا۔

وہ سعدؓ کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا۔ چپ چاپ ان کے آدمی کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہ کچھ دور چلا گیا تو سعدؓ اور سواد اور طلیحہ کو لیکر واپس لوٹے اور اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر روانہ ہوئے اسلامی لشکر اس طرح خیمہ زن ہوا تھا کہ شرقاً غرباً لمبی قطار خیموں کی تقریباً دو میل لمبی چلی گئی تھی۔

خیموں کی قطار کے سامنے ۶۰ فٹ چوڑا راستہ آمد و رفت کے لئے چھوڑا ہوا تھا خیموں کے پیچھے خیموں سے ۱۰ فٹ کے فاصلہ پر گھوڑوں کی قطار تھی۔ گھوڑوں سے بڑھ کر ۳۰ فٹ راستہ چھوڑا گیا تھا راستہ کے بعد پھر گھوڑوں کی قطار اور ۶۰ فٹ چوڑا راستہ اس طرح دور تک خیمے نصب ہوتے چلے گئے تھے۔

صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ کوڑے کا کہیں نشان نہ تھا۔ سعدؓ دوسرے راستہ پر ہو لئے۔ چاندنی اچھی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ہر چیز چاندنی کے پرتو سے چمکنے لگی تھی۔ سعدؓ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ گانے کی آواز آئی یہ نئی بات تھی اسلامی لشکر میں کوئی شخص بھی نہ گاتا تھا۔ سعدؓ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ وہ طلیحہ اور سواد سننے لگے کوئی شخص شراب کی ترلفت[1] میں عربی اشعار گا رہا ہے۔ سعدؓ نے طلیحہ کو دیکھ کر کہا۔ تم نے سُنا۔

طلیحہ نے کہا۔ سنا اچھی طرح سُن رہا ہوں تعجب ہے۔

سعدؓ۔ سخت تعجب ہے یہ کون بد بخت ہے۔

طلیحہ۔ خدا ہی جانتا ہے۔

سواد نہایت غور سے سن رہے تھے انہوں نے کہا آواز تو ابوالمجن کی سی معلوم

---

[1] ہم نے ان اشعار کو دانستہ حذف کر دیا ہے۔

ہوتی ہے۔ سعدؓ نے بھی غور کیا۔ انہوں نے کہا تم نے سچ کہا ضرور یہ الوالمحجن شقفی ہے آؤ اس کے خیمہ پر چلیں۔

تینوں بڑھے چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک خیمہ سے آواز آئی وہ اس خیمے پر پہنچے انہوں نے دیکھا کہ ایک ۵۰ سالہ آدمی آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے اور جھوم جھوم کر شراب کی تعریف میں نہایت خوش الحانی سے اشعار گا رہا ہے سعدؓ نے قریب جا کر کہا الوالمحجن.....

الوالمحجن نے آنکھیں کھولیں سامنے سعدؓ کو کھڑے دیکھا۔ خوف اور دہشت سے کانپ گیا۔ اس نے صراحی پھینک دی پیالہ توڑ دیا اور کھڑا ہو کر بولا۔ میں نے نافرمانی کی۔ خدا کی نافرمانی کی۔ خدا کے پیارے حبیب کی نافرمانی کی.....

الوالمحجن کے آنسو جاری ہو گئے سعدؓ نے اس سے دریافت کیا کیا اس صراحی میں شراب تھی۔ الوالمحجن نے ندامت سے جواب دیا جی ہاں شراب تھی۔

سعدؓ۔ تم نے شراب پی ہے؟

الوالمحجن۔ بیشک میں نے شراب پی ہے۔

سعدؓ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان کو شراب پینا حرام ہے۔

الوالمحجن۔ ہاں معلوم ہے۔

سعدؓ۔ تم پر حد شرع واجب ہو گئی۔

الوالمحجن۔ میں برداشت کروں گا۔ عذاب دوزخ سے یہ بہتر ہے کہ دنیا ہی میں سزا پائی جائے۔

سعدؓ۔ تم میرے ساتھ چلو۔ کل عام مسلمانوں کے سامنے کوڑے لگائے جائیںگے۔

الوالمحجن ان کے ہمراہ ہو لیا۔ ابھی انھوں نے تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ اذان کی آواز آئی وہ سب نماز کے لئے اس میدان کی طرف روانہ ہوئے جس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔

چھٹا باب

ایرانی قاصد

اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کی آواز سنتے ہی تمام مسلمان اٹھ بیٹھے جلد جلد ضروری حوائج سے فراغت کر کے نماز کے لئے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام میدان سرشاران توحید سے لبریز ہو گیا۔ سب نے وضو کئے سنتیں پڑھیں اور فرض ادا کرنے کے لئے صفیں باندھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ بیس ہزار مسلمان تھے دور تک لمبی لمبی صفیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سب خدا کے حضور میں بغیر فرش کے سبزہ زار میدان میں ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے نماز پڑھانی شروع کی۔ انہوں نے سورۂ بقر کا چھبیسواں رکوع پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ اس آیۃ پر پہنچے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا ط۔ ترجمہ (اے حبیب) تجھ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کی بات کہدو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے ان دونوں کا گناہ فائدہ سے زیادہ ہے) ابوالمحجن سعدؓ کے پیچھے کھڑے تھے اس آیۃ کو سنتے ہی بے قرار ہو گئے بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ یہ طریقہ تھا مسلمانوں کا بھولے بھٹکے مسلمانوں کو سمجھانے کا۔ آج مولوی ہوں یا واعظ۔ مقرر ہوں یا ناصح نصیحت کریں گے تو درشت لہجہ میں۔ اس سے سننے والے کو غصہ آجاتا ہے اور نصیحت کارگر نہیں ہوتی بھول گئے اس بات کو کہ آنحضرت صلعم کس نرم لہجہ میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے جانشین کیسے محبت و الفت سے سمجھاتے تھے۔ نماز ختم ہوئی دعا مانگی گئی۔ دعا مانگ کر سعدؓ نے کہا۔ سب ٹھہر جائیں۔ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اس حکم کو سن کر سرک جاتا وہ لوگ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (ترجمہ) "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو اس بادشاہ کی یا سردار کی جو تم میں سے ہو" پر عامل تھے ان سے "انحراف غیر ممکن تھا آپ

دیکھتے ہیں کہ مسجدوں میں جب اعلان کیا جاتا ہے کہ وعظ ہوگا تو مسلمان جلد جلد اٹھ اٹھ کر اس طرح بھاگنے لگتے ہیں جیسے کہ متعدی مرض سے لوگ بھاگا کرتے ہیں کہتے ہیں مسلمان مفلس ہو گئے۔ خدا نے انہیں چھوڑ دیا۔ کیوں ایسا نہ ہو جبکہ ہم خدا کو بھول گئے ہیں۔ خدا ہم کو بھول گیا ہے یہی غنیمت ہے کہ اس نے کوئی سزا انہیں دی صرف مفلس اور ذلیل ہی کر دیا ہے ممکن تھا کہ وہ ہمارے افعال و اعمال کو دیکھ کر زیادہ غضبناک ہو جاتا اور پہلی امتوں کی طرح ہم بھی عذاب میں مبتلا ہو جاتے تمام مسلمان چپ چاپ بیٹھ گئے۔ حضرت سعدؓ نے کہا مسلمانو ابو المحجن نے شراب پی ہے انہوں نے اقرار کیا ہے ان پر حد شرع جاری کی جائے گی۔

مسلمانوں نے حیرت سے ابو المحجن کی طرف دیکھا ابو المحجن کھڑا ہو گیا تھا اس نے کہا۔ بلاشبہ میں نے خدا کی نافرمانی کی ہے۔ شراب پی ہے۔ میں حد شرع برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔

ابو المحجن ثقفی شاعر تھا۔ بلند پایہ شاعر اس کے اشعار تمام عرب میں مشہور تھے۔ اس کا شمار قادر الکلام شعراء میں ہوتا تھا۔ خوش بیان اور خوش آواز تھا جب وہ اشعار پڑھتا تو اس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو جاتا۔

مسلمانوں میں اس کی خاص عزت تھی۔ لیکن جب مسلمانوں نے سنا کہ اس نے شراب پی ہے تو عام مسلمانوں کو ان سے نفرت ہو گئی۔ سعدؓ نے اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام آیا اس کے ہاتھ میں درّہ تھا۔ سعدؓ نے کہا دیکھو ابو المحجن کی عبا اتار ڈالو۔ غلام نے بڑھ کر بد نصیب شاعر کی عبا اتار ڈالی۔ سعدؓ نے کہا۔ اب اس کے درے لگاؤ۔

اس حکم کو سن کر درد مند رقیق القلب مسلمان تڑپ گئے بے قرار ہو گئے مگر کچھ نہ کہہ سکے کہہ کیا سکتے تھے۔ حکم شرع کی تعمیل ہو رہی تھی سب دم بخود بیٹھے دیکھنے لگے۔ غلام نے ابو المحجن کے درّے مارنا شروع کئے۔ دو چار درّے لگنے تک تو ابو المحجن مردانہ وار کھڑا رہا لیکن جب زیادہ درّے لگے تو تلملا اٹھے۔ تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے اس نے دانتوں میں اپنے ہونٹ دبائے۔ درّے برابر لگائے جا رہے تھے درّے کی آواز دور تک جا رہی تھی۔ ابو المحجن کی جگہ جگہ سے کھال ادھڑ کر خون بہنے لگا تھا اور برابر ضبط کر رہا تھا۔ اس نے اُف تک

بھی نہ کی۔

مسلمانوں کو عبرت حاصل ہو رہی تھی ان کے دل رحم و کرم کے جذبات سے لبریز ہو گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ ابوالمحجن کو بچالیں مگر بچا نہ سکتے تھے اس نے شراب پی تھی خدا کی نافرمانی کی تھی۔ خلاف شرع کیا تھا۔ حد شرع اس پر جاری کی جا رہی تھی۔

جب دروں کی تعداد پوری ہو گئی تو ابوالمحجن کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا گیا۔ سعدؓ نے اپنی رہائش کے قریب ایک کمرہ کو قید خانہ بنا دیا تھا۔ اس کمرہ میں ایک دریچہ تھا۔ اس دریچہ سے کمرہ میں رہنے والے کو سامنے کا میدان اور میدان کی ہر چیز صاف نظر آتی تھی۔

ابوالمحجن کے معاملہ سے سعدؓ نے فراغت پا کر کہا۔ رات طلیحہ ایرانی لشکر میں جا گھسے تھے۔ انہوں نے عظیم الشان ایرانی لشکر میں تلوار چلائی کئی ایرانی جانبازوں کو مار ڈالا ایک گھوڑا اور ایک ایرانی کو ہمراہ لے آئے وہ ایرانی مسلمان ہونا چاہتا ہے۔

یہ کہتے ہی سعدؓ نے غلام کو اشارہ کیا غلام روانہ ہو گیا اور مسلمان بدستور چپ بیٹھے رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں غلام ایک ایرانی کو لے آیا مسلمانوں نے اس ایرانی کو دیکھا ایرانی نوجوان تھا۔ بدن گٹھیلہ ہونے کی وجہ سے پہلوان معلوم ہوتا تھا اس نے آتے ہی تمام مسلمانوں کو دیکھا۔ تمام مسلمان ایک ہی قسم کا سادہ لباس پہنے ہوئے زمین پر قدرتی سبزہ زار فرش پر بیٹھے تھے یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کون ان میں امیر ہے کون غریب کون سپاہی اور کون افسر حتیٰ کہ وہ سالار اعظم کو بھی کسی امتیازی نشان نہ ہونے کی وجہ سے شناخت نہ کر سکا وہ مسلمانوں کی سادگی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ غلام اسے ساتھ لئے ہوئے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ سعدؓ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔ غلام نے اشارہ سے بتلایا کہ مسلمانوں کا افسر اعلیٰ اسلامی لشکر کا سالار اعظم سامنے بیٹھا ہے ایرانی فوراً جھک گیا اس قدر جھکا گویا حضرت سعدؓ کو سجدہ کرنے والا ہے۔

حضرت سعدؓ نے اسے روکا وہ رک گیا سمجھا کہ شاید کوئی غلطی ہو گئی حیران و ششدر کھڑا رہ گیا۔ سعدؓ نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عجمی برادر انسان کو سجدہ کرنا بڑا گناہ ہے سجدہ تو صرف خدا ہی کے لئے رعا ہے وہی احکم الحاکمین اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے آؤ بیٹھو ایرانی بیٹھ گئے۔ سعدؓ نے اس سے دریافت کیا تم کون ہو۔ ایرانی زرق برق لباس پہنے ہوئے تھا سر پر چاندی کا خود تھا خود پر بھی خوشنما پر کی کلغی لگی ہوئی تھی۔ اس نے جواب دیا میں مدائن کا رہنے والا ہوں۔ شاہ کسریٰ کے مقربان خاص سے ہوں۔

سعدؓ۔ تمہارا کیا نام ہے۔

ایرانی۔ میرا نام خرم زاد ہے۔

سعدؓ۔ تمہارے ساتھی جن کو رات طلیحہ نے قتل کر ڈالا کون تھے۔

خرم زاد۔ وہ دونوں میرے بھائی تھے۔ میری طرح وہ بھی بادشاہ کے مقربان خاص تھے وہ ایسے بہادر تھے کہ ایک ایک ہزار آدمیوں کے سامنے منھ نہ پھیرتے تھے۔ تمام ایران میں ان کی بہادری کی شہرت تھی۔

سعدؓ۔ تم طلیحہ کی تلوار سے ڈر کر ان کے ساتھ چلے آئے۔

یہ کہتے ہی سعدؓ نے غور سے خرم زاد کو دیکھا۔ خرم زاد کا چہرہ سرخ ہو گیا اسے طیش آگیا۔ اس نے کہا ہم ایرانی ڈرنا نہیں جانتے تھے ایک سپاہی کبھی موت سے نہیں گھبراتا۔

سعدؓ۔ پھر تم طلیحہ کے ساتھ کیسے چلے آئے!!

خرم زاد۔ رات میں آرام سے سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سیکڑوں ایرانی معہ اپنے بادشاہ کے اپنے مشہور معبد نو بہار میں بیٹھے ہیں۔ مقدس آتش روشن ہے ہر شخص سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ دفعتہً ایک تڑاخے کی آواز آئی۔ آتش خانہ پھٹ گیا آگ جو خوب روشن ہو رہی تھی۔ ایک دم سرد ہو گئی۔ عورتیں چیخنے بچے چلانے لگے مرد آہ و بکا کرنے لگے۔ ہر شخص نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ وہ مبہوت ہو گیا۔ سب نے حیرت سے آگ کی طرف دیکھا۔ آگ کا نام و نشان نہ تھا۔ آتش خانے سرد پڑ گئے توحید پرست ایران میں آ گئے مہر و انجم پرستی مٹ گئی خدا پرستی کا دور شروع ہو گیا۔ اس آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ بیدار ہوتے ہی خیمہ کے باہر شور و غل سنا۔ تلوار سونت کر باہر آیا۔ دروازہ سے نکلتے ہی دیکھا کہ میرا بھائی ایک مسلمان کو دیکھتے ہی میرے تن بدن میں لرزہ پڑ گیا۔ خواب کی ایک ایک بات یاد

آگئی۔ میرا ہاتھ نہ اٹھا میں مسلمان کے ساتھ چلا آیا۔

تمام مسلمان خاموش بیٹھے تھے ان کی باتیں سن رہے تھے اس کا خواب سن کر خوش ہوئے۔ سعدؓ نے اس سے دریافت کیا۔ تم ہمارے پاس کس لئے آئے ہو؟

خرم زاد۔ مسلمان ہونے کے لئے۔

سعدؓ نے اسے وضو کرایا اور کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو کمال مسرت ہوئی۔ سب نے جوش مسرت سے بے خود ہو کر اللہ اکبر کا پر ہیبت نعرہ لگایا۔ سعدؓ نے خرم زاد کا نام بدل اسلامی نام مسلم رکھا۔ اب سعدؓ نے مسلم سے دریافت کیا ایرانی لشکر کس قدر ہے؟ چونکہ خرم زاد کا نام مسلم رکھ دیا گیا تھا اس لئے ہم اسے مسلم کے نام سے خطاب کریں گے۔ مسلم نے جواب دیا ایرانی لشکر ایک لاکھ اسی ہزار ہے۔

سعدؓ۔ رستم کیسا آدمی ہے۔

مسلم۔ رستم نہایت بہادر۔ بڑا مدبر۔ کمال جوشیلا۔ تمام ایران بھر میں اس کی شہرت ہے۔

سعدؓ۔ کیا سچ ہے کہ تمام ایرانی بہادر اس لشکر کے ساتھ ہے۔

مسلم۔ بالکل سچ ہے سارے پہلوان۔ سارے بہادر سارے نامور لوگ اس لشکر میں موجود ہیں۔

سعدؓ۔ ایرانیوں کا مسلمانوں کی نسبت کیا خیال ہے۔

مسلم۔ ایرانی سمجھتے ہیں کہ وہ زور عربوں کو شکست دیں گے!!

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ایک ایرانی آتا ہوا نظر آیا۔ مسلمانوں نے اسے دیکھا وہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایرانی بیش قیمت کپڑے اور زیورات پہنے ہوئے تھا۔ وہ مسلمانوں کے پاس آ کر رکا۔ اسوقت آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہو چکا تھا دھوپ تمام میدان میں پھیل گئی تھی دھوپ میں ایرانی کے بیش قیمت کپڑے اور زیورات چمک رہے تھے۔

ایرانی نے مسلمانوں کے پاس آ کر کہا۔ مسلمانوں میں قاصد ہوں اور تمہارے سردار سے ملنا چاہتا ہوں مسلمانوں نے اسے راستہ دیدیا۔ اشارہ سے سعدؓ کو بتایا۔ وہ بڑھ کر سعدؓ کے پاس پہنچا۔ سلام کرنے کے لئے جھکا سعدؓ نے کہا۔

اس قدر نہ جھکو کہ سجدہ کی شان معلوم ہو۔ بیٹھو اور بتاؤ کہ تم کس لئے آئے ہو۔ قاصد بیٹھ گیا اس نے کہا میں سالار اعظم اعلیٰ حضرت رستم کا فرستادہ ہوں آپ نہیں جانتے کہ رستم کس قدر شہزور ہے۔ نہ صرف ایران بلکہ شام مصر میں ان کی بہادری کا شہرہ ہے اسی ہزار لشکر بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کیساتھ ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کسی مسلمان کو بہ طور قاصد ان کے پاس روانہ کریں۔ شاید خونریزی کی نوبت نہ آئے اور صلح ہو جائے۔ سعدؓ نے کہا ہم نے اپنے قاصد شاہ کسریٰ کے پاس بھیجے تھے لیکن اس نے صلح کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

قاصد۔ یہ صحیح ہے لیکن ممکن ہے کہ اب صلح ہو جائے۔

سعدؓ۔ ہمیں قاصد بھیجنے میں کوئی عذر نہیں خونریزی کو ہم بھی ناپسند کرتے ہیں

قاصد۔ ایک بات اور عرض کرنا ہے۔

سعدؓ۔ وہ کیا۔

قاصد۔ رات کوئی مسلمان کئی ایرانیوں کو قتل کر کے ایک گھوڑا اور مدائن کے ایک رئیس کو پکڑ لایا ہے آپ وہ بھی واپس کر دیں اور اس ایرانی رئیس کو بھی چھوڑ دیں۔

سعدؓ۔ ایرانی رئیس مسلمان ہو گیا ہے اس کا جانا نہ جانا اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ رہا گھوڑے کی بابت اگر صلح ہو گئی تو ہم گھوڑا واپس کر دیں گے۔

قاصد نے مسلم کی طرف دیکھ کر دریافت کیا کیا آپ مسلمان ہو گئے ہیں مسلم نے جواب دیا ہاں میں رستم کا مشکور ہوں کہ اس نے مجھے یاد رکھا!

قاصد۔ کیا آپ ایرانی لشکر میں جانا نہیں چاہتے۔

مسلم۔ نہیں اب میرا ایرانیوں سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔

قاصد نے حیرت سے مسلم کو دیکھا۔ مسلم نے اسے متحیر نظروں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ حیرت سے کیا تک رہے ہو میں مسلمان ہو گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سارا ایران مسلمان ہو جائے! تعجب ہے آپ سا ذی فہم انسان بہک گیا آپ جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رستم آپ کے متعلق کیا خیال کریں گے۔ مسلم نے کہا مجھے پرواہ نہیں ہے میں آتش پرستی۔ انجم پرستی بت پرستی کی تاریک گہرائیوں سے نکل کر خدا پرستی کی آغوش میں آ گیا۔

قاصد۔ بہتر ہے جب آپ نہیں چاہتے تو زبردستی نہیں لے جایا جا سکتا۔ سعدؓ سے مخاطب ہو کر، اچھا آپ قاصد کو کب روانہ کریں گے۔

سعدؓ۔ جب آپ کہیں۔

قاصد۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہمراہ ہی بھیج دیں۔

سعدؓ۔ اچھا تم ٹھہرو۔ میں ابھی قاصد تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں۔

سعدؓ نے سرسری نظر سے مسلمانوں کو دیکھا۔ ان کے سامنے ہی ایک جوان عرب بیٹھے تھے ان کا نام ربعیؓ تھا۔ ان کی نظر انتخاب ان پر پڑی انہوں نے کہا، ربعیؓ یہ خدمت تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ ربعیؓ مسکرا کر اٹھے وہاں سے چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے۔ لیکن عجیب ہیئت سے آئے ہرن گیر کی زرہ پہنے اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹے سوتی رسی کا پٹکہ باندھے میان چیتھڑے میں لپیٹے سب ان کو اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر متعجب ہوئے ایرانی قاصد اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دونوں ایرانی لشکر کی طرف روانہ ہوئے چونکہ اب آفتاب بہت کچھ بلند ہو گیا تھا دھوپ میں گرمی آ چلی تھی اس لئے سعدؓ نے مسلمانوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ سب اٹھ کر چلے گئے۔ سب کے بعد سعدؓ اٹھے مسلم کو ہمراہ لیا اسے ایک خالی خیمہ رہنے کو دیا اور خود اپنے جائے جائے قیام پر جا کر آرام کیا۔

ساتواں باب

اسلامی سفیر

ربعیؓ ایرانی قاصد کے ہمراہ روانہ ہوئے، دونوں نے گھوڑوں کو کسی قدر تیز کر دیا گھوڑے تیز چلے جس وسیع راستہ پر وہ جا رہے تھے اس کے دونوں طرف خیموں کی قطاریں تھیں۔ تمام خیمے خالی پڑے تھے۔ دونوں اس لمبے راستے کو طے کر کے کھلے ہوئے میدان میں پہنچے۔ یہ میدان نہایت وسیع اس میں چھوٹی چھوٹی سبز

گھاس کھڑی تھی۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔ میدان اس قدر لمبا چوڑا تھا کہ اس کا کوئی کنارہ بھی نظر نہ آتا تھا دھوپ تمام میدان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں ان دونوں نے گھوڑوں کو اور بھی تیز کر دیا۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے رواں نہ ہوئے ایرانی قاصد کا گھوڑا موٹا تازہ تھا اور ربعی کا دبلا پتلا۔ مگر چلنے میں ربعی کا گھوڑا اس قدر تیز تھا کہ باوجود لگام کھینچنے کے بھی قاصد کے گھوڑے سے آگے نکلا جاتا تھا۔ ایک گھنٹہ میں انہوں نے اس میدان کو طے کیا۔ اس میدان کے کنارہ پر نہر رواں تھی۔ نہر کے دوسری طرف ایرانی لشکر پڑا ہوا تھا۔ دونوں نے پل کے ذریعہ سے نہر کو عبور کیا۔ نہر عبور کرتے ہی وہ ایرانی لشکر میں پہنچ گئے لشکر کے کنارہ پر ہی ایرانی سواروں کا ایک دستہ کھڑا ہوا تھا۔ ان سواروں کی وردیاں نہایت بیش قیمت کپڑے کی تھیں ان کے خود ان کے ہتھیار ان کے کپڑے دھوپ میں میں چمکنے لگے۔ ربعی کو سواروں نے دیکھا ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر ایرانی سواروں کے چہروں سے استعجاب ظاہر ہوا۔ ربعی لاپرواہی سے بڑھتے چلے گئے۔

جب وہ ایرانی لشکر میں داخل ہوئے تو ان کی شان و شوکت ان کا ساز و سامان ان کے پرتکلف خیمے۔ اچھے لباس چمکنے والے زیورات دیکھ کر حیران رہ گئے۔ راستوں کے سروں پر دو رویہ ایرانی لشکر کھڑا ہوا تھا۔ انکی زرق برق وردیاں صاف و شفاف ہتھیار، سونے چاندی کے مرصع زیورات آفتاب کی شعاعوں میں چمک رہے تھے ایرانی سرداروں کے خود چاندی کے تھے ان پر سفید کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ ایرانیوں نے اسلامی قاصد کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی شان و شوکت کے اظہار میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ربعی کی صورت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے دل پر ایرانیوں کی اس نمائش کا مطلق اثر نہ ہوا وہ جس شان سے لشکر میں داخل ہوئے تھے اسی شان سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک وسیع میدان میں پہنچے اس تمام میدان میں کپڑے کی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ مرکز میں نہایت اونچا شاندار وسیع درباری خیمہ لگا ہوا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی محل کو ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا ہے یہ خیمہ اس قدر وسیع تھا کہ کئی ہزار آدمی اس کے سائے میں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ درباری خیمہ تھا اس میں ہی دربار ہوتا تھا۔ تمام میدان سارا خیمہ آدمیوں سے پٹے پڑے تھے ربعی شان استغنا کیساتھ دیکھتے

ہوئے بڑھے دربار نہایت شان وتجمل سے آراستہ کیا گیا تھا دربار ی خیمہ کے سامنے درفش کادیانی (ایرانی جھنڈہ) لہرا رہا تھا۔ جھنڈا کئی ہزار برس کا بتایا جاتا ہے کیانی یادگار تھا۔ فتح وظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا۔ درفش کادیانی کے نیچے ایرانی باجہ والے کھڑے نہایت سُریلا باجہ بجا رہے تھے۔ باجہ والوں کے گرد سوار کھڑے تھے ربعیؓ دربار کے قریب پہنچے وہ دربار کی آرائش درباریوں کی نمائش دیکھ کر حیران رہ گئے جب وہ دربار کے اندر پہنچے تو دربار کو بہترین ساز وسامان سے آراستہ پایا۔ درباری فوق البھڑک ریشمیں کپڑے، ہیرے جواہرات کے زیورات پہنے بیٹھے تھے رستم سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ درباری دیبائے حریر اور قالینوں کے فرش پر بیٹھے تھے۔ تخت پر دیبائے حریر کا شامیانہ تھا۔ اس میں سچے موتیوں کی لڑیاں لگی ہوئی تھیں ربعیؓ نے گھوڑے سے اتر کر باگ ڈور ایک تکیئے سے لگادی۔ قاصد خیمہ سے باہر ہی رہ گیا ربعیؓ کے خیمہ میں داخل ہوتے ہی ایرانیوں نے انھیں دیکھا ان کا خیال تھا کہ اسلامی قاصد کچھ شان سے آئے گا۔ مگر جب انھوں نے ربعیؓ اور ان کی شان کو دیکھا تو انہیں حقیر وناچیز جانا سمجھے مسلمانوں نے کسی معمولی آدمی کو بھیجدیا ہے۔ ربعیؓ مع ہتھیاروں کے رستم کی طرف بڑھے۔ خدام نے روکا ایک خادم نے کہا ٹھہر یئے ایرانی بادشاہ کے سامنے ہتھیار باندھ کر جانا سوء بے ادبی ہے مہربانی کر کے ہتھیار ہمارے حوالہ کر دیجئے ربعیؓ رک گئے انہوں نے کہا میں اسلامی قاصد ہوں بلایا ہوا آیا ہوں مجھے تمہارے آئین وضوابط سے کوئی واسطہ نہیں میں ہتھیار باندھ کر آیا ہوں اور ہتھیار باندھے ہوئے ہی جاؤں گا اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں جب اس کی اطلاع رستم کو گئی رستم نے مع ہتھیار آنے کی اجازت دیدی۔

ربعیؓ بے پرواہی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ ربعیؓ نے نیزہ ہاتھ میں لے لیا وہ عصا کی طرح اس پر سہارا دیکر چلنے لگے اس طرح چلنے سے نیزہ کی انی سے پر تکلف فرش بیش قیمت قالین۔ دیبائے حریر کی مسندیں کٹ پھٹ کر بیکار ہوگئیں ایرانیوں کو سخت ناگوار گذرا۔ لیکن وہ رعب شاہی کی وجہ سے کچھ نہ بول سکے خاموش بیٹھے دیکھتے رہے اور دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتے رہے ربعیؓ بڑھتے بڑھتے تخت کے قریب پہنچ گئے انہوں نے زور سے زمین پر نیزہ مارا جو فرش سے پار ہو کر زمین میں جا گڑا اب وہ رستم کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے رستم نے دربار کو

اس لئے آراستہ کیا تھا کہ قاصد پر اس کا اثر پڑے لیکن ربعیؓ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا تخت کے نیچے دائیں اور بائیں طرف افسر مسلح کھڑے تھے ان میں سے ایک نے ربعیؓ سے کہا اے اسلامی قاصد تم نے ہمارے حاکم اعلیٰ کو سلام نہیں کیا۔ ربعیؓ نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں میں سجدہ کر کے سلام کیا جاتا ہے۔ سجدہ بجز خدا کے اور کسی کو روا نہیں ہے ایک مسلمان بجز خدا کے اور کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ رستم عربی نہ جانتا تھا اس نے پہلے سے ہی ایک مترجم بلا لیا تھا مترجم بھی تخت کے نیچے ہی کھڑا تھا اس نے رستم کو اس گفتگو سے آگاہ کیا رستم نے مترجم سے کہا اس قاصد سے دریافت کرو کہ یہ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہیں مترجم نے ربعیؓ سے دریافت کیا ربعیؓ نے کہا ہم اس لئے آئے ہیں کہ اپنے ان بھائیوں کو جنھیں تم نے قید کر لیا ہے آزاد کرائیں اور ایرانی جو آگ کو پوجتے ہیں ستاروں کو پوجتے ہیں۔ چاند کو پوجتے ہیں انھیں بتائیں کہ ان میں سے ایک چیز بھی لائق پرستش نہیں۔ قابل پرستش اس خدا کی ذات ہے جو وحدہ لاشریک ہے اور جس نے اس دنیا کو آگ کو ستاروں کو چاند کو غرضیکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اب مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ رستم نے کہا اے عرب تم جانتے ہو تمہاری قوم نہایت حقیر تھی مفلس تھی جس وقت تم سرکش ہوئے تو ہم ... اپنے سردار کو اشارہ کر دیتے تھے وہ تمہاری سرکوبی کر کے تم کو ٹھیک کر دیا کرتا تھا۔ اگرچہ ایرانیوں کا دربار تھا بڑے بڑے ایرانی شہزادے پہلوان اور بہادر موجود تھے۔ ربعیؓ تنہا تھے لیکن عربوں میں اسلام کی بدولت ایسی بیباکی آ گئی تھی کہ وہ کسی بات کا مطلق خیال نہ کرتے تھے جو ان کے دل میں آتا بیدھڑک وہ کہہ دیتے تھے۔

ربعیؓ نے قطع کلام کر کے کہا۔ بلاشبہ جب تک ہم بت پرست تھے خدا سے منحرف تھے۔ ذلیل و خوار تھے ہم کو جس قوم نے چاہا دبا لیا لیکن جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں خدا نے ہم کو عزت دی ہے اب ہم جس قوم پر چڑھ کر جاتے ہیں اسے فتح کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ رستم ہنسا اس نے کہا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایران کو فتح کر لو گے رابعیؓ نے سنجیدگی سے کہا۔ یقیناً خدا کے حبیب اسلام کے بادی ہمارے محترم نبی نے ارشاد فرمایا ہے۔ ستفتح علیٰ امتی کنوز کسریٰ وقیصر (ترجمہ)

قریب ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے میری امت پر کھل جائیں) حضور نے یہ بشارت دی ہے پیشینگوئی کی ہے خدا اپنے لاڈلے پیغمبر کی حدیث کبھی غلط نہ ہونے دیگا رستم نے جوش میں آ کر کہا منہ دھو رکھو۔ تم کیا اگر تمہاری پوری قوم بھی ایرانیوں پر چڑھ آئے تب بھی ناممکن ہے کہ تم ایران کو فتح کر سکو۔ ربعیؓ جوش میں آ گیا اس کا چہرہ تمتما اٹھا انہوں نے کہا۔ خدا نے چاہا تو یہی لشکر جو تمہارے سامنے پڑا ہے سارے ایران کو فتح کرے گا۔ ایرانیوں کے زوال کا زمانہ قریب ہے تمام درباریوں سارے ایرانیوں خود رستم کو ربعیؓ کی اس دلیرانہ گفتگو پر حیرت ہوئی حیرت کی بات ہی تھی ایک مسلمان دشمنوں کے لشکر میں۔ بہادروں کے مجمع میں نہایت ہی بے خوفی سے گفتگو کر رہا تھا اعلانیہ انہیں دھمکا رہا تھا یہ تھے مسلمان اور یہ تھی ان کی جرأت! وہ سوائے خدا کے اور کسی سے ڈرنا جانتے ہی نہ تھے۔ رستم نے کہا دیکھو گفتگو میں حد سے نہ بڑھو۔ لحاظ اور ادب کو ملحوظ رکھو۔ ربعیؓ نے کہا تم جس لہجہ میں جو بات کہو گے اسی لہجہ میں اس کا جواب ملے گا۔

رستم۔ کیا تم کوئی افسر ہو؟

ربعیؓ۔ نہیں میں ایک معمولی سپاہی ہوں۔

رستم۔ تب تو تم سے گفتگو کرنا بیکار ہے۔

ربعیؓ۔ کس لئے؟

رستم۔ اس وجہ سے کہ تمہیں مصالحت کرنے کا کلی اختیار نہیں ہے۔

ربعیؓ۔ ہم مسلمانوں میں یہ بات نہیں ہے ہمارے بڑے سے بڑے کو جو اختیارات حاصل ہیں وہی ایک ادنیٰ سپاہی ایک معمولی خادم ایک زرخرید غلام کو بھی حاصل ہیں ہم میں سے جو شخص بھی کسی سے کوئی معاہدہ کر لیتا ہے اسکی پابندی سارے لشکر تمام افسروں حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کو بھی لازمی ہو جاتی ہے۔

رستم۔ جب یہ بات ہے تو بتاؤ کن شرائط پر صلح ممکن ہے۔

ربعیؓ۔ ہمارے سفیروں نے تمہارے شہنشاہ کے سامنے شرائط پیش کر دی ہیں انہیں شرائط پر صلح ہو سکتی ہے۔

رستم۔ وہ کیا شرائط ہیں۔

ربعیؓ۔ سب سے پہلے بات یہ ہے کہ تم آتش پرستی۔ مہ پرستی۔ انجم پرستی چھوڑ دو۔

صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔
تمام ایرانی اس کی یہ گفتگو سن کر سخت برہم ہوئے۔ رستم کبیدہ خاطر ہوا۔
اس نے کہا اگر ہم مسلمان نہ ہوں ․ ․ ․
ربعیؓ نے قطع کلام کر کے کہا۔ تو باجگذار بن جاؤ۔ جزیہ دو۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔
رستم۔ یہ بات پہلی باتوں سے بھی سخت ہے ہم خراج ادا کر کے غلامی کا جوا اپنے کندھوں پر نہیں رکھ سکتے۔
ربعیؓ۔ بس تو لڑو۔ تلوار ہمارا تمہارا فیصلہ کر دیگی جو حق پر ہو گا خدا اس کی مدد کریگا رستم نے کچھ دیر سوچا۔ وہ سر جھکا کر غور کرنے لگا اس میں شبہ نہیں کہ رستم بہادر تھا۔ لیکن وہ مسلمانوں سے لڑنا نہ چاہتا تھا اس لئے لڑائی کو معرض التوا میں ڈال رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔
اے عربی قاصد ہم غور کر لیں غور کر کے تمہاری بات کا جواب دیں گے تم کل پھر آؤ کل جواب دیا جائیگا۔ ربعیؓ نے کہا۔ خوب غور کر لو۔ انجام کو سوچ لو مدبرین سے مشورہ کر لو خونریزی سے صلح بہتر ہے۔ یہ کہتے ہی ربعیؓ نے نیزہ اکھاڑا اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ایک ایرانی نے استہزا کے طور پر کہا۔ تمہارے نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے یہ لڑائی میں کیا خاک کام دیتا ہو گا۔ ربعیؓ نے نیزہ کو اس طرح گھمایا گویا وہ کسی کے سینہ کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں ایرانی جو قریب کھڑے تھے پیچھے دبنے لگے۔ ربعیؓ نے کہا اگر چہ یہ نیزہ چھوٹا ہے اس کا پھل بھی چھوٹا ہے۔ لیکن جب اس سے کام لیا جاتا ہے تو یہ سیدھا دشمنوں کے سینہ کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا ہے ایک دوسرے ایرانی نے کہا لیکن یہ چیتھڑے لگی تلوار کچھ بھی کام نہ دیتی ہوگی۔ ربعیؓ نے فوراً نیزہ بائیں ہاتھ میں لیکر تلوار میان سے کھینچ کر بلند کی۔ صاف و شفاف تلوار بجلی کی طرح کوندی اسے دیکھتے ہی ایرانیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ربعیؓ نے کہا اس پر ابھی آب رکھی گئی ہے اگر اس کی کاٹ آزمانا چاہو تو ڈھالیں پیش کرو۔ کسی ایرانی کو ڈھال پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ رستم نے تین چار افسروں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے ڈھالیں زمین پر رکھ دیں۔ ربعیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تلوار ماری ڈھالوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ ایرانی حیران و ششدر رہ گئے۔

ربعیؓ ایرانیوں کو حیران چھوڑ کر چلے۔ گھوڑے کے قریب آئے باگ دوڑ کھولی دربار سے
باہر آئے گھوڑے پر سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ اسلامی لشکر کی طرف چلے۔

آٹھواں باب

آخری سفارت

ربعیؓ نے ایرانی لشکر سے نکل کر نہر عبور کر کے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔
گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا میدان کو طے کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ اسلامی لشکر
میں پہنچے۔ سیدھے سعدؓ کے پاس گئے۔ سعدؓ بالاخانے پر بیٹھے تھے انہوں نے ربعیؓ
کو فوراً اپنے پاس بلایا۔ ربعیؓ نے سارا حال سنا دیا۔ سعدؓ نے مسکرا کر کہا۔ خدا بہتر
کریگا کل حذیفہ کو روانہ کیا جائیگا۔ تم جا کر آرام کرو۔ ربعیؓ اٹھ کر چلے گئے اپنے
خیمہ پر پہنچے اسلحہ اتار کر رکھے اور کھانا کھانے لگے۔ دوسرے دن سعدؓ نے حذیفہ
بن محصن کو سفیر بنا کر بھیجا۔ حذیفہ سادے کپڑوں میں بے باکانہ شان کیساتھ
روانہ ہوئے۔ جب وہ ایرانی لشکر میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ہزاروں
ایرانی سوار راستہ کے دونوں جانب صف بستہ کھڑے تھے۔ انہوں نے
سرسری نظروں سے انہیں دیکھا اور بڑھ کر دربار میں جا پہنچے۔ رستم نے گذشتہ
دن سے زیادہ شان کیساتھ دربار آراستہ کیا تھا۔ آج قالینوں کے فرش پر کرسیاں
پر بیٹھے تھے۔ حذیفہ دربار میں داخل ہو کر بھی گھوڑے سے نہ اترے۔ برابر
بڑھتے رہے۔ گھوڑوں کے سموں سے قالین خراب ہونے لگے ایرانیوں کو
کمال ناگوار گذرا۔ ایک ایرانی نے کہا یہ کیا گستاخی ہے۔ گھوڑے سے نیچے اترو۔

حذیفہ نے بے پرواہی کی شان سے کہا۔ میں قاصد ہوں۔ بلایا ہوا آیا ہوں
اسی طرح رستم کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اگر تم کو منظور نہیں ہے تو میں واپس
چلا جاؤنگا اس امر کی اطلاع رستم کو کی گئی۔ رستم نے اجازت دیدی کہ قاصد جس
طرح آنا چاہتا ہے آنے دو۔

خذیفہ نے گھوڑا بڑھایا اور تخت کے سامنے جاکے رکے رستم نے مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع کی۔ اس نے دریافت کیا تم گھوڑے سے کیوں نہیں اترے؟

خذیفہ نے جواب دیا تم لوگوں کو اپنی شان و شوکت پر ناز ہے تمہاری قوم کا ہر بڑا آدمی چھوٹے آدمی سے سجدہ کراتا ہے تو ہمیں ان باتوں سے نفرت ہے۔ اسی لئے میں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے۔

رستم۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آج تم . . . .

خذیفہ۔ ہمارا امیر دار عدل و انصاف کرتا ہے ہر خدمت کا ہر شخص کو موقع دیتا ہے کل ان کی باری تھی جو کل آئے تھے آج میری باری آگئی ہے۔ اسی لئے میں آیا ہوں۔

رستم۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان صلح ہو جائے۔

خذیفہ۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہمارے بھائی ہو جاؤ گے ہر حال میں ہم تمہارے شریک اور تم ہمارے شریک ہو گے اگر مسلمان ہونا نہ چاہو تو ہمارے محکوم بن جاؤ ہمیں جزیہ دو۔

خذیفہ کی یہ صاف گوئی رستم کو ناگوار گزری اس نے کہا کیا ان کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔ خذیفہ نے سنجیدگی سے جواب دیا کوئی نہیں۔ تم نے ظلم و ستم کے تیروں سے سوتے ہوئے شیروں کو بیدار کر دیا ہے بیگناہ مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کر کے تمام عربستان میں آگ لگا دی تم نے یہ سمجھا تھا کہ مسلمانوں کو ستا لو گرفتار کر لو مار ڈالو کوئی ان مظلوموں کی خبر لینے والا نہیں ہے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ ان کا قتل ہر مسلمان کو بے قرار کر کے انتقام پر آمادہ کر دیگا۔ رستم سنو اور غور کر کے سنو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہارا لشکر ہم سے چار گنا ہے تمہارا ملک ہے تم جس قدر چاہو اور لشکر لا سکتے ہو۔ ہم کم ہیں ہمارا ملک دور ہے ہم کو امداد نہیں پہنچ سکتی لیکن جس خدا کو ہم پوجتے ہیں وہ ہمارا مددگار ہے ہمیں یقین ہے کہ فتح ہماری ہو گی بہتر یہی ہے کہ تم دونوں باتوں میں سے ایک منظور کر لو یا تو مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ دو۔

تمام ایرانی خذیفہ کی بے باکانہ گفتگو سن کر حیران رہ گئے۔ رستم نے کہا یہ ہر دو شرائط ناقابل قبول ہیں۔

خذیفہ نے جوش میں آکر کہا۔ بس تو تلوار ہمارا تمہارا فیصلہ کر دیگی۔ رستم نے

سر جھکا لیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔

حذیفہ نے کہا رستم سوچ لو اور خوب سوچ لو۔ تمہارے فیصلہ پر ایک قوم کے عروج اور دوسری کے زوال کا انحصار ہے۔

رستم نے سر اٹھا کر کہا اچھا ہمیں سوچنے اور مشورہ کرنے کی مہلت دو۔

حذیفہ نے کہا ہم زیادہ مہلت نہیں دے سکتے ہم تمہاری منشا پا گئے ہیں تم اس لئے جنگ کو ٹال رہے ہو تاکہ تمہاری جمعیت اور بڑھ جائے اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اس عرصہ میں تم طے کر لو اس کے بعد جنگ شروع ہو جائے گی۔

یہ کہتے ہی حذیفہ نے گھوڑا لوٹایا۔ رستم نے انہیں روانگی پر آمادہ دیکھ کر کہا اچھا تم مل آؤ ہم کل تمہیں اپنے ارادہ سے مطلع کر دیں گے۔ حذیفہ نے کہا بہتر ہے اور قدم قدم چل پڑے۔ دربار سے باہر نکلے ایرانی لشکر میں آ گئے پہلے اپنے خیمے پر پہنچے۔ گھوڑے کو غلام کے حوالہ کیا اور خود سعدؓ کے پاس چلے ان کی خدمت میں پہنچ کر تمام حال کہہ سنایا۔

سعدؓ نے کہا تم نے خوب کہا اب جنگ کو زیادہ مدت کے لئے نہیں ٹالا جا سکتا کل آخری اتمام حجت کے لئے سفیر بھیجا جائے گا۔ حذیفہ اٹھ کر چلے گئے دوسرے دن سعدؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو بلایا۔

ناظرین انہیں بھولے نہ ہوں گے یہ وہی مغیرہ ہیں جو بڑی سفارت میں شاہ ایران کے پاس بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے جس دلیری اور بے باکی سے گفتگو کی تھی وہ بھی یاد ہو گی۔

جب مغیرہ آ گئے تو سعدؓ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آج تم رستم کے پاس جاؤ اور ان سے انقطاعی جواب لے آؤ۔ مغیرہ نے کہا بہت اچھا میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں۔

مغیرہ اپنے خیمہ پر گئے زرہ پہنی گھوڑے پر سوار ہوئے اور تنہا ایرانی لشکر کی طرف چل پڑے۔ جب وہ میدان اور نہر دونوں عبور کر گئے اور ایرانی لشکر کو صف بستہ دیکھا۔ حد نگاہ تک ایرانی سوار اور پیدل پھیلے ہوئے تھے بڑھے دربار کے قریب پہنچے۔ دربار کے سامنے والا میدان سپاہیوں سے پٹا پڑا تھا در فش

کا دیانی نہایت شان کے ساتھ لہرا رہا تھا۔
جب مغیرہ دربار کے قریب پہنچے تو سیکڑوں سپاہیوں کو ننگی تلواریں لئے دیکھا دروازہ پر کھڑے تھے۔ دروازہ پہ پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترے ایک ایرانی نے بڑھ کر ان کا گھوڑا اور وہ دربار میں داخل ہوئے۔ آج دربار گذشتہ دنوں سے زیادہ آراستہ تھا۔ خیموں کی چھت بندی دیبائے حریر سے کی گئی تھی۔ جھالر میں موتی ٹانکے گئے تھے۔ بیش قیمت قالینوں کا فرش تھا۔
فرش پر کرسیاں تھیں کرسیوں پر بڑے بڑے افسر بیٹھے تھے سب کے سب زرق برق پوشاکیں پہنے تاج زریں سروں پر اوڑھے تھے۔ تمام دربار ان کے کپڑوں اور تاجوں سے جگمگا رہا تھا۔ آج جگہ جگہ خدام اور حاجب ننگی تلواریں لئے سر جھکا خاموش کھڑے تھے رستم تخت پر بیٹھا تھا نہایت نفیس البھڑک لباس پہنے تھا سر پر مجولہ پر زریں تاج اوڑھے تھا۔
اس کے دائیں بائیں کرسیوں پر کئی حور طلعت لڑکیاں اچھے کپڑے اور اچھے زیورات پہنے حورزادیاں بنی بیٹھی تھیں۔ تخت کے سامنے دو رویہ خدام اور منصب دار شمشیر برہنہ سر جھکائے کھڑے تھے مغیرہ سیدھے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ تخت کے قریب پہنچے اور ایک زقند بھر کر تخت کے اوپر جا پہنچے۔
رستم کے پاس اس کے زانو سے زانو ملا کر بڑے اطمینان سے بیٹھ گئے ان کی اس حرکت کو ایرانیوں نے گستاخی پر محمول کیا۔ تمام دربار برہم ہو گیا۔ چوبدار تلواریں سونت سونت کر بڑھے۔ رستم نے سب کو ہاتھ سے روکا۔ مغیرہ بڑی لا پرواہی اور نہایت اطمینان سے ان کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے۔
جب بڑھے ہوئے چوبدار ہٹ کر اپنی جگہ جا کھڑے ہوئے تو مغیرہ اٹھے انہوں نے کہا ایرانیو ہم مسلمانوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ بندوں کی طرح اس کے سامنے گردنیں جھکائیں۔ یہ کہتے ہی وہ تخت سے اترے خنجر نکال کر قالینوں کو چاک کیا اور زمین پر بیٹھ گئے۔ رستم نے پہلے ہی سے ایک مترجم بلا لیا تھا۔ اس مترجم کا نام عبود تھا۔ حیرہ کا باشندہ تھا۔ جب اس نے مغیرہ کی تقریر کا ترجمہ کیا تو ساری درباری متاثر ہوئے۔
رستم شرمندہ ہوا۔ رستم نے ندامت مٹانے کے لئے کہا۔ یہ تمہارے لکلنے سے

تیر کیا کام دیتے ہوں گے ۔!!

مغیرہ نے کہا گو آگ کی لو چھوٹی ہوتی ہے مگر پھر آگ ہے بڑی بڑی عمارتوں کو جلا ڈالتی ہے۔

رستم نے مسکرا کر پوچھا۔ اے عربی سفیر ایرانی سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ پرانی اور باجبروت ہے جس لشکر کو آج تم نے دیکھا ہے یہ اس سلطنت کا معمولی سا لشکر ہے یہ لشکر یقیناً تم کو پیس ڈالے گا میں تم پر مہربانی کرتا ہوں اگر تم واپس چلے جاؤ تم کو دو کروڑ درہم دیئے جائیں گے ادھر دیکھو ان پر جمال لڑکیوں کو ان میں سے ایک لڑکی جسے تم پسند کرو تمہارے حوالہ کر دی جائے گی ایک لڑکی آپکے سالار اعظم کو دیدی جائے گی۔ اور ایک لڑکی تمہارے بادشاہ (خلیفہ) کے حضور میں روانہ کر دی جائے گی۔ تم اپنے سردار سے اس کا تذکرہ کرو اگر وہ مان جائیں تو روپے اور لڑکیاں لیجاؤ۔

مغیرہ نے کہا۔ تم سنو اگر تم سمجھتے ہو کہ مسلمان کسی لالچ میں آکر واپس چلے جائیں گے تو تم مغالطہ میں ہو۔ کوئی لالچ کوئی تحریص ہم کو واپس نہیں لیجا سکتی۔

رستم۔ لیکن تم اپنے سردار سے اس کا تذکرہ تو کر کے دیکھو۔

مغیرہ۔ بے کار ہے وہ کیا کوئی مسلمان اس بات کو کسی طرح نہ مانے گا۔

رستم۔ تمہاری قسمت ؟

مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ رستم دو باتوں میں سے ایک بات منظور کر لو۔ یا تو مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ دو اگر یہ منظور نہ ہو تو تلوار دکھا کر اس سے فیصلہ ہو گا۔ یہ زبردست تحقیر تھی۔ جو رستم کی مغیرہ نے کی۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اس نے گرج کر کہا۔ آفتاب کی قسم کل تمام عربوں کو برباد کر دوں گا۔

مغیرہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے طیش میں آکر کہا۔ معلوم ہو جائیگا کون کسے برباد کرتا ہے۔

یہ کہتے ہی مغیرہ چلے دربار سے باہر آئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کی طرف چلے۔ مغیرہ کی گفتگو نے رستم کے جوش کو ہیجان میں بدل دیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں انگارہ سی ہو گئی تھیں۔ اس نے درباریوں سے خطاب کر کے کہا۔

تمام لشکر میں اعلان کر دو کہ کل جنگ ہو گی۔ درباریوں نے سر جھکا جھکا کر اظہار اطاعت کیا۔ اس کے بعد دربار برخاست ہو گیا اور درباری اٹھ اٹھ چلے بتھوڑی دیر میں تمام لشکر میں شہرت ہو گئی کہ کل جنگ ہو گی۔ ایرانی نہایت مستعدی سے ہتھیاروں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔

نواں باب

آغاز سعی

جوشناہ۔ ہرمزاں اور تینوں ملائک فریب لڑکیاں ہرمزاں کے قصر میں پہنچیں سب نے کپڑے بدلے اور کھانے کے کمرہ میں جمع ہو گئے۔ خدام نے کھانا لا کر چن دیا سب کھانا کھانے لگے۔ خیزران کے پاس پروین بیٹھی تھی۔ خیزران بار بار اس کے افسردہ چہرہ کو دیکھ لیتی تھی۔ پروین بظاہر کھانا کھا رہی تھی۔ مگر سرسری نظروں دیکھنے والا بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ کسی گہرے غم والم میں مبتلا ہے بالآخر خیزران سے نہ رہا گیا۔ اس نے آہستہ سے پروین سے دریافت کیا۔ پروین تم کس فکر میں ہو۔ تمہارا پیارا چہرہ کیوں افسردہ ہو گیا ہے۔ مہ جبین پروین نے غلط انداز نظروں سے خیزران کو دیکھا۔ وہ افسردہ دلی سے مسکرائی اس نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ کچھ نہیں خیزران کھانا کھا لو۔ علٰحدگی میں بتاؤں گی۔ اس کے بعد کوئی گفتگو نہ ہوئی سب چپ چاپ کھانا کھاتے رہے۔ تھوڑی دیر میں سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور کھانا بڑھایا گیا۔ سب اٹھے۔ جوشناہ اور ہرمزاں ایک طرف چل دیئے تینوں پری جمال لڑکیاں اس کمرہ میں پہنچیں جو کہ پروین کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

جب تینوں بیٹھ گئیں تو خیزران نے کہا۔ پروین تا اب بتاؤ کہ تم افسردہ خاطر کیوں ہو۔ تمہارے پھول سے گال کیوں کملائے ہوئے ہیں؟ پروین کچھ سوچنے لگی۔ خیزران نے پھر کہا۔ پروین پہلے میری بات سن لو میں سمجھ گئی ہوں کہ تم مجھے

ابیاارا نر دل بتاتے ہوئے پس وپیش کر رہی ہو شاید تم کو مجھ پر اعتبار نہیں میں یزدان کی قسم کھا کر تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہاری ہوا خواہ ہوں تم کو اپنی ہمشیرہ سمجھتی ہوں مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ میں تمہارے لئے اپنی جان تک دے ڈالوں گا۔

نوخیزادر پر جمال خیزران کی گفتگو سے پروین بہت زیادہ متاثر ہوئی اس کا پس وپیش دور ہو گیا۔ اس نے کہا خیزران مجھے بداعتمادی کی وجہ سے پس و پیش نہ تھا بلکہ یہ خیال ہوا تھا کہ میرے غم کی وجہ معلوم کر کے کہیں تم مجھ سے خفا ہو جاؤ خیزران نے اس حورو ش پروین کو کھینچ کر اپنے گداز سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ میں کبھی تجھ سے خفا نہیں ہو سکتی۔ تجھے کیا خبر کہ میں تجھ سے کس قدر الفت کرتی ہوں پروین آہستہ آہستہ پر جمال خیزران کی آغوش سے علیحدہ ہوئی سنبھل کر بیٹھی اور چاند سے بشرہ پر جھک آنے والی زلفوں کو الگ کیا اور غمزدہ لہجہ میں کہا۔ آجکل میری قسمت بدلی ہوئی ہے۔ مجھے اب بھی خوف ہے کہ تم مجھ سے ضرور خفا ہو جاؤ گی۔

خیزران نے پیار سے۔ پروین کے پھول سے گالوں پر آہستہ سے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ کبھی نہ ہو گی۔ مقدس آتش کی قسم میں تجھ سے ہرگز خفا نہ ہوں گی۔

پروین نے کہا۔ خیزران تم نے سنا ہو گا۔ مہران ایک مسلمان کو گرفتار کر کے لایا ہے؟

خیزران نے کہا ہاں مجھ سے بھائی جان نے کہا تھا۔

پروین۔ خیزران اس نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ اس کی گرفتاری نے مجھ کو آزردہ کر دیا ہے۔

خیزران مسکرائی مسکراتے ہی اس کے عنابی لب کھل کر سفید موتیوں جیسے دانت نظر آنے لگے اس نے کہا احسان وغیرہ کچھ نہیں صاف صاف بتاؤ۔

پروین نے بھولی صورت بنا کر حیرت سے شوخ خیزران کو دیکھا۔ کہا اور کیا بتاؤں؟ خیزران شوخ تھی۔ اس کی ہر حرکت۔ ہر ادا اور ہر بات سے شوخی ٹپکتی تھی۔ پارہ کی طرح اسے کسی پہلو قرار نہ آتا تھا۔ اس نے ہنس کر کہا دل کی بات بتاؤ پروین نے بھولے پن سے کہا وہی تو بتا رہی ہوں۔

خیزران۔ خدایا بالکل غلط احسان کا ذکر چھوڑو۔

پروین۔ اور کیا کہوں؟

خیزران نے شوخی آمیز نظروں سے پروین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اقرار کرو کہ تم اسے اپنا دل دے بیٹھی ہو۔

پروین شرما گئی اس کی ہوشربا رسیلی آنکھیں جھک گئیں شوخ اور شریر خیزران نے کہا شرمانے سے کچھ فائدہ نہیں صاف صاف اقرار کرو۔

پروین نے سر جھکا کر کہا۔ خیزران کیا تم ایسا سمجھتی ہو؟ خیزران نے جلدی سے کہا۔ بالکل یہی بات ہے اگر تم صفائی سے اس کا اقرار کر لو۔ تو میں اسے بچانے کی تدبیر بتا سکتی ہوں۔

شوخ و شریر خیزران نے غور سے دیکھا۔ پروین نے امید افزا نظروں سے دیکھ کر کہا خیزران تم اسے بچا سکتی ہو۔

خیزران۔ ہاں مجھے یقین ہے جو تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے وہ اسے بچا سکتی ہے۔

پروین نے عاجزانہ لہجہ میں کہا یزدان کے لئے اسے بچاؤ!

خیزران۔ پہلے اس کی محبت کا اقرار کرو۔

پروین نے اپنا نازک سر جھکا کر کہا۔ اقرار کرتی ہوں۔ خیزران نے مسکرا کر کہا۔ اس کی ضد نہیں صاف صاف اقرار کرو۔ پروین نے ندامت آمیز نظروں سے خیزران کو دیکھ کر کہا۔ خیزران واقعی مجھے اس مسلمان سے محبت ہو گئی ہے۔ خیزران نے دلکش ادا سے مسکرا کر کہا۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش قسمت ہے اس نے ایران کی مایہ ناز حسینہ کا دل موہ لیا ہے۔ لیکن پروین مسلمان ہے؟ ۔ ۔ ۔

پروین نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہاں وہ مسلمان ہے خیزران تم نے اسے دیکھا نہیں۔

خیزران۔ میں دیکھوں گی۔

پروین پر غم کی گھٹا چھا گئی۔ اس نے افسردگی سے کہا آہ تم کیسے دیکھو گی۔ وہ چند ہی دن کا مہمان ہے۔ خیزران نے حیرت سے پروین کو دیکھ کر کہا۔ چند دن کا مہمان ہے کیوں؟ پروین نے انتہائی غمزدہ لہجہ میں کہا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا ہے یہ سنتے ہی خیزران بھی قدرے غمزدہ ہو گئی۔ اس نے کہا جب تو اسے جلد بچانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ پروین نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز

سے کہا۔ خیزران مجھ پر احسان کرو اسے بچالو میں عمر بھر تمہاری کنیز ہوں گی۔
خیزران بحد متاثر ہوئی۔ اس نے کہا۔ پروین غم نہ کرو۔ صرف ایک تدبیر اس کے بچانے کی ہے۔

پروینا نے ایسی نظروں سے جن میں امید کیساتھ مایوسی کی جھلک بھی پائی جاتی تھی۔ خیزران کو دیکھکر دریافت کیا۔ کیا؟

خیزران۔ کسی طرح شاہی انگشتری چرائی جائے۔

یہ کام آسان نہ تھا۔ بیچاری پروینا کو جو کچھ آس بندھی تھی وہ پھر یاس سے بدل گئی۔ اس نے کہا یہ غیر ممکن ہے خیزران نے کہا غیر ممکن نہیں بلکہ ممکن ہے۔ آسیہ نے کہا بیشک ممکن ہے اس کی سعی میں کروں گی۔ پروینا نے حیرت سے آسیہ کو دیکھا کہا تم۔۔۔ آسیہ شاہی انگشتری کو چرانا آسان کام نہیں بادشاہ ہر وقت اسے پہنے ہی رہتے ہیں۔

آسیہ نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ میں جانتی ہوں لیکن کبھی کسی خاص کام کے لئے وہ کسی معتمد کو دیدی جاتی ہے۔ خیزران نے کہا۔ بیشک آسیہ سچ کہتی ہے۔ اگر کسی طرح مہران آسیہ کی امداد پر آمادہ ہو جائے تو آسانی سے انگشتری چرائی جا سکتی ہے پروین نے غم آلود نظروں سے خیزران کو دیکھ کر حسرت بھرے انداز سے کہا۔ آہ مہران ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ وہ نہ صرف میرے بلکہ آسیہ کے بھی سخت برخلاف ہے اس کے بعد پروینا نے اختصار کے طور پر نوبہار کا تمام واقعہ خیزرا کو سنادیا۔ خیزران نے سب کچھ سن کر کہا۔ جب تو بڑی مشکل ہوئی۔ آسیہ نے جرأت بھرے لہجہ میں کہا۔ کچھ مشکل نہیں ہے۔

؎ مشکلے نیست کہ آساں نہ شود　　مرد باید کہ ہراساں نہ شود

میں مردوں سے زیادہ جرأت کرونگی اگر پروینا کے لئے میری جان بھی جاتی رہے تو پرواہ نہیں۔ دونوں لڑکیاں آسیہ کی جرأت اور دلیری دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔ خیزران نے کہا آسیہ میں اور تم دونوں مل کر کوشش کریں آسیہ نے مسکرا کر کہا یہ مناسب تو ہے لیکن اگر ہم دونوں سے کوئی غلطی ہوئی تو دونوں گرفتار ہو جائیں گی پھر پروین کو کون تسلی دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ میں تنہا شاہی محل میں جاؤں۔ خیزران نے کہا تو تم ہی کوشش کروگی۔ لیکن تم شاہی محل میں کب جاؤ گی۔

آسیہ۔ ابھی اسی وقت۔

خیزران۔ بیشک رات ہی کا وقت اس کام کے لئے مناسب ہے۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ جوشماہ آ گیا۔ وہ درباری لباس پہنے ہوئے تھا اس وقت جبکہ رات زیادہ آ چکی تھی۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر تینوں لڑکیاں سخت متعجب ہوئیں۔ جوشماہ نے کہا نور نظر تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟ پروین نے کہا جی ہاں بہن خیزران آ گئی تھیں۔ باتوں میں دیر ہو گئی۔ جوشماہ نے کہا۔ مجھے اس وقت شہنشاہ نے طلب کیا ہے اور قصر شاہی میں جا رہا ہوں۔ میری واپسی کا انتظار کرنا۔ شاید مجھے واپسی میں دیر ہو جائے۔ پروین نے کہا۔ آخر اس وقت آدھی رات کو شہنشاہ نے کیوں طلب کیا ہے۔

جوشماہ۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لڑائی کا زمانہ ہے ایرانی لشکر قادسیہ میں پہنچ گیا ہے۔ شائد جنگ کے متعلق ہی کہیں کوئی بات ہو میں صبح تم سے سب کچھ بتا دونگا۔

جوشماہ چلا گیا۔ خیزران نے کہا مجھے اندیشہ ہو گیا ہے کہ کہیں مہران نے تو کوئی جال نہیں بچھایا۔ غمزدہ پروین اور بھی غمزدہ ہو گئی۔ اسے اپنے باپ سے بے حد محبت تھی اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا باپ ہی سب کچھ تھا۔ اس نے غمزدہ لہجہ میں کہا۔ ہائے کہیں میری بدقسمتی میرے باپ کو مبتلائے غم نہ کر دے خیزران نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ ناز آفرین پروین غم نہ کرو۔ شہنشاہ کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ تمہارے والد کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے وہ خوب جانتا ہے کہ جوشماہ کی ایران میں کس قدر عزت ہے۔

پروین نے کہا میں نے عاصم کو بھی اور اپنے والد کو بھی یزدان کے سپرد کیا۔

آسیہ نے کہا اب مجھے جانا چاہئیے۔

خیزران۔ ہاں جاؤ یہ بھی معلوم کرنا کہ اس وقت جوشماہ کو کس لئے بلایا گیا ہے۔

آسیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ تو میں نے پہلے ہی ارادہ کر لیا تھا سنو اگر میں تین چار گھنٹے کے اندر واپس نہ آ جاؤں تو سمجھ لینا کہ گرفتار ہو گئی ہوں۔

خیزران نے کہا پھر میری کوشش کا آغاز ہو گا۔ آؤ یزدان سے اپنی کامیابی کی دعا کریں۔ تینوں ماہ ادا لڑکیاں دوزانو کھڑی ہو گئیں انھوں نے نہایت خلوص

اور سچے دل سے کامیابی کی دعا مانگی۔ دعا مانگ کر کھڑی ہوئیں۔ آسیہ چلی، دیواروں پر تلواریں اور خنجر لٹک رہے تھے۔ اس نے ایک خنجر اتار کر اپنے کپڑوں میں چھپایا اور بڑھ کر کمرہ کے دروازہ پر آئی۔

پروین اور خیرزان بھی دروازہ تک اس کے ساتھ آئیں آسیہ ان دونوں کو سلام کر کے دروازہ سے باہر آئی اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔ دونوں سیم تن لڑکیاں اسے نظروں سے اوجھل دیکھ کر واپس لوٹ آئیں۔ دونوں خاموش بیٹھ کر آئندہ کے لئے غور و خوض کرنے لگیں۔

دسواں باب

غمزدہ حور

پری جمال آسیہ ہرمزان کے قصر سے باہر آئی۔ یہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا ایک مدھم پرانے زمانہ کی لالٹین روشن تھی۔ لیکن اس کی روشنی چند قدم ہی تک محدود تھی آسیہ نے راستہ کی طرف دیکھا۔ تمام راستہ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

چند قدم سے زیادہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ قصر کے دروازہ پر چند ایک سنتری کھڑے تھے آسیہ نے ان سے کہا۔ مجھے قصر شاہی میں جانا ہے۔ میری گاڑی گاڑی خانہ میں کھڑی ہے کوچوان سے کہو کہ وہ گاڑی لے آئے آسیہ کو تمام سنتری جانتے تھے انہوں نے کچھ بھی چوں و چرا نہ کی فوراً ایک سنتری روانہ ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں گاڑی لے آیا آسیہ گاڑی میں سوار ہو گئی۔ گاڑی قصر شاہی کی طرف چلی آسیہ جانتی تھی کہ رات کے وقت قصر شاہی میں جانا اور وہاں سے واپس آنا سخت مشکل ہے قصر کے محافظ آسانی سے کسی کو آنے جانے نہیں دیتے وہ راستہ بھر یہی سوچتی رہی یہاں تک کہ گاڑی قصر شاہی کے سامنے جا کر رکی۔ قصر کے دروازہ پر سپاہیوں کا ایک دستہ تعینات تھا تمام سپاہی ننگی تلواریں لئے خاموش کھڑے تھے دروازہ کے اندر سامنے اور پر سیکڑوں شمعیں روشن تھیں۔ ہر طرف کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آسیہ گاڑی سے اتری۔ ابھی تک اس نے یہ طے نہ کیا تھا کہ سپاہیوں سے کیا بہانہ کرے اور کس طرح قصر میں داخل ہو۔ اس نے کوچوان سے کہا گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے میری واپسی کا انتظار کرو۔

کوچوان گاڑی کو ایک طرف لے گیا۔ آسیہ دروازہ کی طرف بڑھی سپاہیوں نے اس گل اندام کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ آسیہ ان کے قریب پہنچی ایک شخص جو شان سے افسر معلوم ہوتا تھا۔ آسیہ کے پاس آیا اس نے آتے ہی آسیہ کو سلام کیا اور کہا۔ کیا حضور اپنے بھائی سے ملنے آئی ہیں؟ آسیہ کو بہت سے افسر جانتے تھے۔ یہ افسر بھی اس کے جاننے والوں میں تھا۔ جس بات کو وہ راستہ بھر طے نہ کر سکی تھی اس افسر کے ذرا سے اشارہ نے سب کچھ طے کر دیا۔ اس نے کہا ہاں مجھے اپنے بھائی سے اسی وقت ملنا ہے۔ افسر نے کہا۔ لیکن بغیر شہنشاہ کی اجازت کے ہم کیسے آپ کو قصر میں داخل ہونے کا اذن دے سکتے ہیں آسیہ نے نہایت اطمینان بھرے لہجہ میں کہا۔ تم اطمینان رکھو شہنشاہ تم سے ناخوش نہ ہوں گے۔

افسر۔ لیکن بڑی جرأت کی بات ہے، اور شاہی حکم کے خلاف ہے۔

آسیہ۔ میں جانتی ہوں۔ لیکن تمہیں، میرے اور میرے بھائی کی موجودگی میں کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

افسر کچھ سوچنے لگا آسیہ نے پھر کہا مجھے نہایت ضروری کام ہے دیر ہونے میں ایک بڑے انقلاب کا اندیشہ ہے انقلاب کا نام سُن کر افسر کچھ گھبرا گیا۔ اس نے کہا اگر ہم پر شہنشاہی عتاب نازل ہوا۔ آسیہ نے استقلال سے کہا۔ مطلق اندیشہ نہ کرو۔ حضور جہاں پناہ ناخوش ہونے کے بجائے تم کو انعام دیں گے۔ افسر ہٹ گیا اور اس نے کہا تشریف لے جائیے۔

آسیہ بڑی خوش ہوئی وہ بڑھی سپاہی ہٹ گئے۔ دو سپاہیوں نے دروازہ کھولا آسیہ دروازہ میں داخل ہوئی وہ تیزی سے بڑھی دروازہ عبور کر کے باغیچہ میں پہنچی اگرچہ باغیچہ میں شمعیں روشن تھیں۔ مگر بڑے بڑے درختوں کی وجہ سے کافی روشنی نہ ہو رہی تھی لیکن اس قدر اندھیرا بھی نہ تھا۔

وہ تیزی سے باغیچہ کو عبور کر کے دوسرے دروازہ پر پہنچی۔ یہ دروازہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ سیکڑوں شمعیں روشن تھیں۔ آسیہ اس دروازہ کو بھی عبور کر کے چھوٹے

باغیچہ میں پہنچی یہاں اس قدر روشنی تھی کہ دن نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا وہ اس باغیچہ کو بھی طے کر کے چبوترہ پر چڑھی۔ یہاں پہنچ کر آسیہ ٹھٹکی رکی اور کچھ سوچنے لگی۔ یہ چبوترہ نہایت لمبا چوڑا تھا اس کے تین اطراف عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ آسیہ قصر کے چپہ چپہ سے واقف معلوم ہوتی تھی۔ اس نے کوئی بات اپنے ذہن میں طے کر لی وہ سیدھی چلنے کے بجائے داہنی طرف مڑی یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ سیدھی چلتی تو شاہی نشستگاہ میں جا پہنچتی۔ مگر اسے پہلے کہیں اور جانا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی رہی یہاں تک کہ چبوترہ کو طے کر کے برآمدہ میں داخل ہوئی قصر شاہی چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ پر شمعیں روشن تھیں۔ وہ برآمدہ میں پہنچکر پھر رکی اور پھر سوچنے لگی۔ دراصل آسیہ چاہتی تھی کہ قصر کے ملازموں میں سے اسے کوئی نہ دیکھے مگر یہ مشکل تھا۔ کیونکہ ملازم مرد اور عورتیں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی وہ ان کی نظروں سے بچی ہوئی برآمدہ تک تو پہنچ ہی گئی۔ ابھی برآمدہ میں کھڑے ہوئے اسے زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ سامنے سے چند خادم اسی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ جلدی سے ایک کمرہ میں گھس گئی۔ اس کمرہ میں بھی کافی روشنی ہو رہی تھی۔ کئی شمعیں روشن تھیں قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ مگر کمرہ خالی تھا۔ اس میں کوئی بھی نہ تھا۔ آسیہ کو ان خادموں کے آ جانے سے دھڑکا لگا ہوا تھا جن کو دیکھ کر وہ اس کمرہ میں گھس آئی تھی اس لئے وہ آگے بڑھی اور آہستہ سے کواڑ کھول کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ یہ کمرہ پہلے کمرہ سے بھی آراستہ و پیراستہ تھا روشنی بھی خوب ہو رہی تھی۔ مگر پہلے کمرہ کی طرح یہ بھی خالی تھا۔ آسیہ نے اس کمرہ کو بھی چھوڑا۔ وہ تیسرے کمرہ میں پہنچی یہ کمرہ دلہن بنا ہوا تھا۔ نہایت سلیقہ سے آراستہ تھا۔ ابھی وہ اس کمرہ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ اسے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی۔ اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا آسیہ کا اس طرح خفیہ طور پر قصر شاہی میں آ کر کمروں میں گھسے پھرنا سخت خطرناک تھا۔ ایرانی شہنشاہ یزدگرد نہایت شکی مزاج تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات جم گئی تھی کہ پوران دخت اس کے خلاف سازشیں کر رہی ہے خفیہ طریقہ پر اسے مروانا چاہتی ہے اس لئے اس نے حکم دیدیا تھا کہ جو کوئی خفیہ طریقہ پر قصر میں داخل ہو یا نوکروں میں سے جس کی حرکات مشکوک معلوم ہوں۔ اسے فوراً گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔

آسیہ کو بھی یہ بات معلوم تھی وہ جانتی تھی کہ اس کے لئے ہر قدم پر خطرہ ہے

قدموں کی چاپ سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا وہ گھبرا گئی جلدی سے سامنے کی طرف بڑھی آہستہ سے کواڑ کھولے اور دوسری طرف چلی گئی اس کے اس کمرہ سے جاتے ہی دو آدمی کمرہ میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں خادم تھے کوئی چیز لینے آئے تھے۔ خیریت گذری کہ آسیہ ایک ہی منٹ پہلے اس کمرہ سے نکل گئی تھی۔ اب آسیہ جس جگہ پہنچی وہ ایک لمبا گز چوڑا برآمدہ تھا۔ اس برآمدہ کے داہنے اور بائیں طرف کمروں کی قطاریں تھیں۔ پشت پر بھی ایک کمرہ تھا اور سامنے زینہ تھا۔

برآمدہ چھ گز چوڑا تھا اور چھ ہی گز لمبا تھا۔ سنگ مرمر کی سیڑھیاں تھیں۔ یہ جگہ آسیہ نے آج تک نہ دیکھی تھی وہ دبے قدموں سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ یہاں بھی روشنی کافی ہو رہی تھی وہ سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر پہنچی۔ یہ ایک نہایت خوشنما بنگلہ نما کمرہ تھا۔ تمام کمروں سے زیادہ سجا ہوا تھا۔ فرش شنجاف اور مخمل کا تھا۔ چھت گیری دیبائے حریر کی تھی۔ دیواروں پر بہتر سا روغن ہو رہا تھا۔ کمرہ کے درمیان میں دو مسہریاں بچھی ہوئی تھیں۔ دونوں ٹھوس چاندی کی تھیں۔ خوشنما ریشمین پردے پڑے تھے پردوں میں جھالریں تھیں اور جھالروں میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ روشنی میں جواہرات جگمگا رہے تھے اس کمرہ میں چاروں طرف بڑے بڑے دروازے تھے تمام دروازہ پر دبیز ریشم کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

مسہریوں کے قریب دو میزیں پڑی تھیں۔ میزوں پر زرتار میز پوش بچھ رہے تھے سونے کے گلدان رکھے تھے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو تمام کمرہ میں مہک رہی تھی میزوں کے دونوں طرف چاندی کی کرسیاں تھیں جن پر ریشمین گدے پڑے ہوئے تھے۔ یہ بادشاہ یزدگرد کی خوابگاہ تھی۔ آسیہ سمجھ گئی وہ جلدی سے بڑھ کر میزوں کے پاس پہنچی میزوں پر اور کچھ نہ تھا۔ آسیہ ڈر رہی تھی۔ اس کا نازک دل دھڑک رہا تھا شاہی خوابگاہ میں کبھی کسی کو بھی آنے کی جرأت نہ کی، وہ دوسری طرف دروازہ کھولکر جھانکنے لگی۔ ادھر بھی سیڑھیاں تھیں وہ چپکے سے اترنے لگی۔ سیڑھیاں طے کر کے اسے ایسا ہی وسیع برآمدہ ملا جیسا کہ دوسری طرف تھا۔ وہ دبے قدموں برآمدہ کو عبور کرنے لگی۔ ابھی مشکل سے دس بیس قدم چلی تھی کہ اس کے کانوں میں کسی کے آہ کرنے کی آواز آئی۔ وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی آواز پر اپنے کان لگا دیئے اس طرف بالکل ہی خاموشی طاری تھی۔ شمعیں روشن تھیں روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی

تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں پھر آہ کی آواز آئی۔ اس مرتبہ پہلے سے ذرا صاف تھی آسیہ نے سامنے والے کمرہ کے کواڑ کھولے اور دبے قدموں کمرہ میں داخل ہوئی۔
یہ کمرہ خالی تھا آراستہ ضرور تھا۔ روشنی بھی ہو رہی تھی مگر اس کے اندر کوئی انسان نہ تھا۔ آسیہ کو اس کمرہ سے آواز آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ کمرہ خالی دیکھ کر کچھ گھبرائی اور کچھ حیران ہوئی۔ جہاں ایرانی شگون کے قائل تھے وہاں بھوتوں کے بھی معتقد تھے۔ آسیہ کو خوف ہوا کہ شاید کوئی روح بھٹکتی پھر رہی ہے اس خیال سے وہ ایک مرتبہ کانپ گئی اس کا نازک بدن پسینہ میں شرابور تھا اور پھول سے رخسار پسیج گئے۔ آسیہ گھبرا گئی ڈر کر اس کمرہ سے نکلنا چاہتی تھی کہ پھر آہ کرنے کی آواز آئی۔

اس مرتبہ آواز صاف تھی اور درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آسیہ نرم دل تھی۔ درد بھری آہ کی آواز نے اسے بیقرار کر دیا۔ یا تو وہ ڈر کر اس کمرہ سے نکلنا چاہتی تھی یا کھڑی ہو گئی اور جس طرف سے آواز آئی تھی اس طرف بڑھی اس نے اس طرف کا دروازہ کھولا۔ اس طرف بھی ایک کمرہ تھا لیکن نہ اس کمرہ میں فرش تھا نہ کسی قسم کی آرائش تھی۔

روشنی بھی زیادہ نہ تھی۔ صرف ایک شمع جل رہی تھی۔ آسیہ جی کڑا کر کے اس دھندلی روشنی والے کمرہ میں داخل ہوئی۔ چونکہ زیادہ روشنی والے کمرہ سے آئی تھی اس لئے اس کمرہ کی تمام چیزیں صاف نظر نہ آئیں۔ البتہ رفتہ رفتہ سب کچھ نظر آنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ کمرہ کے درمیان لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کا جنگلہ ہے۔ جنگلہ کے اندر چٹائی پر ایک لڑکی سر جھکائے بیٹھی ہے۔

آسیہ یہ منظر دیکھ کر تڑپ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھ کر جنگلہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جنگلہ میں دو بڑے بڑے تالے لگے ہوئے تھے۔ اس غمزدہ قیدی لڑکی نے آسیہ کے قدموں کی چاپ نہیں سنی وہ کسی گہرے خیال میں منہمک تھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے نازک ہاتھوں میں سونے کی زنجیر تھی اور زنجیر جنگلہ سے بندھی ہوئی تھی۔

مظلوم قیدی لڑکی عربی پوشاک پہنے تھی۔ آسیہ سمجھ گئی کہ وہ ستم رسیدہ لڑکی لیلیٰ ہے مظلوم عاصم کی ہمشیرہ! آسیہ اس کو اس حالت میں دیکھ کر بے قرار ہو گئی۔

اس نے آہستہ سے آواز دی لیلیٰ۔
لیلیٰ نے آہستہ سے اپنا خوبصورت سر اٹھایا۔ اس کی سیاہ زلفیں شانہ نہ ہونے
کی وجہ سے اس کی کمر کندھوں اور رخساروں پر بکھری ہوئی تھیں چاند سے زیادہ
روشن چہرہ صبح کے چاند کی طرح پھیکا پڑا ہوا تھا پھول سے زیادہ شاداب رخسار
مرجھا گئے تھے۔
سیاہ رسیلی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے اس نے غم بھری نظروں سے آسیہ
کو دیکھا۔ ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا آہ کیا تم بھی مجھ غمزدہ کو ستانے آئی ہو؟
خدا جانے لیلیٰ کی آواز میں کیا درد اور درد میں کیا اثر تھا جس کو سنتے ہی آسیہ
سخت بے قرار ہوئی۔ اس بے قراری میں اس مظلوم کی سوگوار پیاری صورت
نے اور اضافہ کر دیا۔ آسیہ کا دل بے چینی غم اور ہمدردی کے بھنور میں ہچکولے
کھانے لگا۔
اس نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا لیلیٰ میں ان ظالموں سے نہیں ہوں جو تجھے ستاتے
ہیں۔ لیلیٰ نے غم آلود نظروں سے دیکھ کر کہا کیا تم ایرانی نہیں ہو؟
آسیہ نے کہا۔ بدقسمتی سے میں ایرانی ہوں مگر عام ایرانی ظالم نہیں ہوتے۔
لیلیٰ نے آہ سرد بھر کر کہا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن آج تک میرا جن لوگوں
سے سابقہ پڑا ہے ایک دوسرے سے زیادہ ظالم ثابت ہوئے۔ آسیہ نے کہا۔ افسوس
کس قدر بے درد ہیں۔ ظالموں کو ایسی پیاری صورت پر رحم نہیں آتا۔
لیلیٰ۔ میری یہ صورت ہی میرے غموں کا باعث ہے تم کیسے اس کلبۂ احزان
میں آگئیں؟
آسیہ کو خوف ہوا کہ اگر وہ ستم زدہ لیلیٰ کو یہ بتا دے کہ اس کا بھائی عنقریب
قتل کیا جانے والا ہے تو ایسا نہ ہو کہ غمزدہ عربی دوشیزہ دفور غم سے دیوانی ہو جائے
یا مر جائے اس نے کہا اتفاقیہ آنکلی۔
لیلیٰ نے غم بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ میرا ابھی ایسا ہی خیال تھا
کیا مہربانی کر کے مجھے بتاؤ گی کہ تم قصر میں رہتی ہو یا قصر سے باہر؟ آسیہ نے جواب
دیا قصر سے باہر۔
لیلیٰ نے حسرت بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر دریافت کیا ابھی تم کو میرے

بھائی کی خبر ہے؟

آسیہ اس سوال سے دم بخود ہو گئی وہ دیکھ رہی تھی کہ عربی حور غزالہ العرب حسن کی ملکہ غم برداشت کرتے کرتے اس قدر نحیف ہو گئی ہے کہ اب مزید غم برداشت کرنے کی اس میں مطلق طاقت نہیں رہی ہے۔ وہ کیسے اسے اس کے بھائی کی کیفیت سے آگاہ کر دیتی اس لئے وہ پس و پیش کرنے لگی۔

لیلیٰ رنج و الم میں ڈوب گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں پھیلنے لگیں اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ میں نے تمہارے بشرہ سے سب کچھ معلوم کر لیا پس و پیش نہ کرو۔ میں اپنے بھائی کی خبر بدسن کر مر نہ جاؤں گی۔ بتاؤ کیا وہ قتل کر ڈالا گیا۔ بیکس و مظلوم لڑکی یہ کہتے ہی آہستہ آہستہ اٹھی۔ وہ اس قدر کمزور ہو گئی تھی یا غم نے اس پر اس قدر غلبہ کر لیا تھا کہ اٹھنے سے اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور جسم کانپنے لگا۔ وہ جنگلہ کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اس کا چہرہ غم و الم میں ڈوب گئے۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر آسیہ کا دل ہل گیا۔ اس نے چاہا کہ لپک کر غم کی تپلی کو سنبھالنے وہ بڑھی۔ افسوس جنگلہ نے اسے روک لیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ یزدان اس حکومت اور حکمرانوں کو تباہ کر دے۔ ہائے پھولوں سے زیادہ نازک لڑکی پر اس قدر مظالم۔

لیلیٰ غم و حسرت میں مستغرق کانپ رہی تھی وہ جواب کی منتظر تھی جب آسیہ نے ایرانی حکومت اور حکمران کو بددعا دی تو لیلیٰ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ بددعا سے کچھ فائدہ نہیں میری تقدیر کا لکھا میرے سامنے آ رہا ہے میرا دل میرے بھائی کے لئے بے قرار ہے کہہ دو صاف کہہ دو کیا وہ قتل کر دیا گیا۔ لیلیٰ غم آلود نظر ڈالتے آسیہ کو دیکھنے لگی۔ آسیہ نے جلدی سے کہا نہیں ابھی زندہ ہے۔ لیلیٰ کے بے قراری میں کچھ کمی ہوتی اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خداوند تیرا شکر ہے کہ میرا بھائی ابھی زندہ ہے الٰہی اسے زندہ رکھ۔ اگر اس کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں اور میری زندگی باقی ہے تو اسے میری زندگی دیدے وہ زندہ رہے اور میں اس کے سامنے مر جاؤں۔ اے اللہ العالمین میری دعا قبول فرما۔

یہ دعا مانگتے ہی مانگتے غمزدہ لیلیٰ کے آنسو جاری ہو گئے آسیہ کے دل پر بھی خاص اثر ہوا۔ بے ساختہ اس کے بھی آنسو نکل آئے غمزدہ لیلیٰ قید تھی۔ تاریک کمرہ میں

لوہے کے جنگلہ کے اندر سونے کی ہتھکڑیاں پہنے ہوئے قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہی تھی۔ نوجوان تھی دنیا کے نشیب و فراز سے نابلد تھی اسے اپنے بھائی سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنی زندگی اسے دینا چاہتی تھی۔ آسیہ نے کہا لیلیٰ کیا تم اپنے خدا کی رحمت سے مایوس ہو گئیں۔

لیلیٰ نے کہا مجھے اس کی رحمت پر بھروسہ ہے وہ مجھے آزما رہا ہے میں مرتے دم تک بھی اس کی نافرمانی نہ کروں گی۔ تم رحمدل لڑکی ہو تمہارا کیا نام ہے۔

آسیہ نے کہا میرا نام آسیہ ہے۔

لیلیٰ۔ کیا تمہارا بھی کوئی بھائی ہے۔

آسیہ ہاں میرا بھی ایک بھائی ہے۔

لیلیٰ۔ تم جانتی ہو گی بہن کو بھائی سے کس قدر محبت ہوتی ہے۔

آسیہ اس کا کیا جواب دیتی اس کا بھائی تھا مگر بہت بے رحم بے درد وہ چپ ہو گئی لیلیٰ نے حسرت سے اسے دیکھ کر کہا کیا تمہارا بھائی بھی کسی مصیبت میں اسیر ہے؟

آسیہ نے سر جھکا کر کہا نہیں۔

لیلیٰ۔ تمہارے بھائی کا کیا نام ہے؟

آسیہ نے بے اختیارانہ طریقہ پر کہا مہران۔

خدا جانے مہران کے نام میں کیا برقی اثر تھا کہ لیلیٰ چونک پڑی۔ اس نے کہا تم مہران کی بہن ہو؟

آسیہ۔ ہاں! کیا تم مہران کو جانتی ہو؟

لیلیٰ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا آسیہ تمہارا بھائی ہی میرے مصائب کا موجب ہے آسیہ نے کہا مجھے معلوم ہے لیلیٰ وہ بڑا بے درد و بے رحم اور سفاک ہے اُسے مجھ سے بھی محبت نہیں ہے۔ لیلیٰ خاموش ہو گئی۔ آسیہ نے پھر کہا لیلیٰ تم مجھ سے بھی بدظن ہو گئی ہو لیلیٰ رونے لگی۔ اس نے کہا آسیہ جاؤ تم مجھے بہکانے آئی ہو۔

آسیہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ کمرہ کے باہر قدموں کی چاپ ہوئی آسیہ گھبرا گئی اس نے چھپنے کے لئے چاروں طرف دیکھا کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے پیچھے وہ چھپ جاتی۔ ابھی وہ گھبرا گھبرا کر دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ آسیہ کا نازک دل خوف سے دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے آہستہ سے کہا لیلیٰ میرے آنے کا کسی

سے تذکرہ نہ کرنا۔ اس میں تمہارا فائدہ اور میری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ یہ
کہتے ہی وہ لپکی اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اس
کمرہ میں روشنی نہ تھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا وہ دروازہ بند کرکے دروازہ سے لگ
کر کھڑی ہو گئی۔

گیارہواں باب

معرکۂ یوم الارث

مغیرہ جو آخری سفارت پر گئے تھے حضرت سعدؓ کے پاس واپس آ گئے تھے انہوں
نے اپنی اور رستم کی تمام گفتگو سنا کر کہا کہ کل رستم ضرور لڑائی کے لئے نکلے گا۔ سعدؓ نے
اسی وقت تمام لشکر میں اعلان کر دیا کہ کل جنگ ہوگی سب تیار رہیں سواد بن مالک کو
حکم بھیج دیا کہ مستعدی سے لشکر کی حفاظت کرے اعلان ہوتے ہی ہر مجاہد ہتھیار صیقل
کرنے میں مشغول ہو گیا۔ تمام لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ سعدؓ کے دنبل تو نکل ہی رہے تھے پر ایک
دن قبل سے انہیں عرق النساء کے وجہ سے تکلیف ہو گئی تھی ان ہر دو امراض نے انہیں
اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حرکت بھی کر سکتے وہ چاہتے تھے کہ لشکر میں گشت لگائیں مگر
معذور تھے نماز تک کے لئے نہ جا سکتے تھے۔ عشاء کے بعد ان کے پاس ایک جاسوس
آیا۔ اس نے بتایا کہ ایرانی لشکر کی تعداد پوری بڑھ نے دو لاکھ ہو گئی رستم نے اعلان
جنگ کر دیا ہے کل یقیناً جنگ ہوگی۔ سعدؓ تمام شب نماز پڑھتے اور دعا مانگتے رہے
جب صبح کی اذان ہوئی تو سعدؓ نے خالد بن عرطفہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا میں نے اپنے
بجائے تم کو سارے لشکر کا سردار مقرر کیا تم ہی صبح کی نماز پڑھاؤ اور تم ہی لشکر کی
قیادت کرو۔ میرے قریب رہو تاکہ میں تمہیں ہدایت کرتا رہوں۔ خالد بن عرطفہ بھی
نہایت بہادر اور تجربہ کار مجاہد تھے۔ انہوں نے منظور کر لیا۔ وہاں سے واپس لوٹ
کر نماز پڑھائی اور مسلمانوں کو کمربستہ ہونے کا حکم دیا۔ مسلمان مسلح ہو ہو کر میدان کارزار
میں جانے لگے۔ خالد بن عرطفہ نے سارے لشکر کو تین صفوں میں کھڑا کر دیا۔ میمنہ۔

میسرہ۔ ساقہ اور قلب پر انہی بزرگوں کو تعینات کیا جن کو حضرت فاروقؓ پہلے ہی مقرر کر چکے تھے ابھی اسلامی لشکر اچھی طرح صف بستہ بھی نہ ہوا تھا کہ ایرانی لشکر نہر کو عبور کر کے اس طرف آنے لگا۔ لشکر زیادہ تھا۔ دور تک صف بستہ ہوتا چلا گیا تھا۔ رستم نے اپنے لشکر کی تیس صفیں قائم کیں جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی ایرانی لشکر صف بستہ نظر آتا تھا۔ مسلمان ایرانیوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے کل بائیس ہزار تھے ایرانی پونے دو لاکھ تھے مگر نہ مسلمان ہراسان تھے نہ متذبذب بلکہ اطمینان و استقلال سے کھڑے تھے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ اس اسلامی لشکر کے ساتھ خوش الحان قاری خوش بیان مقرر اور خوش کلام شاعر آئے تھے اسلامی لشکر کے صف بستہ ہوتے ہی قاریوں نے نہایت خوش الحانی سے سورۂ انفال کی تلاوت شروع کی۔ مسلمان سر جھکا جھکا کر نہایت غور اور توجہ سے سننے لگے ایک قاری نے نہایت جوش سے ان آیا کو پڑھا۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ الخ۔ ترجمہ۔ اے لوگو ایمان لائے ہو جس وقت تم لشکر باندھ کر کافروں سے ملو (لڑائی کے لئے) پس ان سے پیٹھ نہ پھیرو اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے سوائے اس کے کہ لڑائی کے لیے حرفت کرتا ہو یا اپنی جماعت میں لوٹ کر جانا چاہتا ہو۔ بس غصہ ہوگا اللہ اس پر اور اس کے رہنے کی جگہ دوزخ ہے اور وہ جگہ بری ہے) خدائے بزرگ و برتر کے اس ارشاد کو سن کر مسلمان لرز گئے۔ انھوں نے عزم صمیم کر لیا کہ میدان جنگ میں کٹ جائیں گے۔ مگر بھاگنا تو کیا پیچھے بھی نہ ہٹیں گے۔ قاریوں کے بعد قیس بن ہبیرہ غالب بن الہذیل اور چند دوسرے لوگ نہایت جوشیلے الفاظ میں تقریریں کرنے لگے۔ تمام فوج سارا لشکر ہر مجاہد پورے غور اور توجہ سے تقاریر سن رہے تھے ربعی بن عامر جو رستم کے پاس سفیر بن کر بھی گئے تھے۔ قبیلہ سعد میں کھڑے نہایت بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ یا معاشر سعد اجعلوا حصونکم السیوف وکونوا علیھم کالاسود الاجم وادعوا الحجاج وعضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا الجنادل فانھا یوذن بھا فیما لا یوذن للحدید ترجمہ اے قبیلہ سعد تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بن کر جاؤ۔ یہ گرد کی زرہ

پہن لو اور نگاہیں نیچی کرلو۔ جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے وہاں تلواروں کو نہیں ملتا۔ آیتوں اور تقریروں کو سن کر ہر مجاہد کے دل میں جوش کا دریا موجزن ہوگیا۔ قرون اولیٰ میں یہ قاعدہ تھا کہ جب تک سالار اعظم نعرہ نہ لگاتا۔ جنگ شروع کی نہ جاتی۔ اگرچہ اس لشکر کے سردار سردار خالد بن عرطفہ مقرر کئے گئے تھے لیکن دراصل سالار اعظم سعدؓ ہی تھے۔ وہ بالاخانہ کی چھت پر بیٹھے میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے قلم دوات اور جھلی جو کاغذ کا کام دیتی تھی ان کے سامنے رکھی تھی۔ ایرانی نہایت تزک و احتشام بڑے شان اور دبدبہ کے ساتھ میدان کارزار میں آئے تھے۔ انھوں نے بھی میسرہ۔ میمنہ۔ ہراول۔ قلب اور ساقہ وغیرہ سب قائم کر رکھے تھے۔ ایرانیوں کے میمنہ۔ میسرہ اور ہراول میں ہاتھیوں کے جھنڈ بھی تھے۔ ان کے پرے دور سے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے سیاہ چٹانیں ہوتی ہیں قلب لشکر میں درفش کاویانی بلندی پر نہایت شان سے لہرارہا تھا مسلمان ایرانیوں کو اور ایرانی مسلمانوں کو دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔ دونوں لشکروں میں تقریباً چار فرلانگ کا فاصلہ تھا اب آفتاب طلوع ہوچکا تھا۔ اس کی ترچھی شعاعیں درختوں کی چوٹیوں پر پھیل گئی تھیں۔ دفعتاً ایرانی لشکر میں قرنا پھونکا گیا۔ دمدمے اور نقارے بجنے لگے مسلمانوں نے ان آوازوں کو سنا وہ سمجھ گئے کہ ایرانی عنقریب حملہ کرنے والے ہیں۔ جب نقاروں کی آواز فضا میں گونجی تو سعدؓ نے زور سے نعرۂ تکبیر لگایا۔ تمام لشکر نے اس پُرہیبت نعرہ کی تکرار کی سارا میدان لرز گیا۔ فضا تھرا اٹھی۔ تمام مسلمانوں کی نگاہیں میدان کارزار کی طرف لگی ہوئی تھیں وہ ایرانیوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایرانی صفوں سے ایک شخص نکلا گھوڑا بڑھا کر میدان میں آیا اور بلند آواز سے لڑنے والے کو طلب کیا۔ فوراً حضرت غالب بن عبد اللہ اسدی اس کے مقابلہ کے لئے اسلامی لشکر سے نکلے جب وہ ایرانی کے پاس پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ایرانی نہایت عظیم الجثہ اور بڑا پہلوان ہے۔ اس کی حرکت سے بہادری اور تجربہ کاری کا اظہار ہورہا تھا ایرانی ہرمز نامی ایک شہزادہ تھا بڑا بہادر زرہ کے اوپر ریشمیں کپڑے پہنے ہوئے تھا خود کے اوپر

تاج زریں اوڑھے تھا۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے تھے۔ غالب کو دیکھتے ہی وہ ہنسا۔ غالب نحیف الجثہ تھے اس نے کہا کیا مسلمانوں نے مجھ سے لڑنے کے لئے تم کو بھیجا ہے۔

غالب فارسی نہ جانتے تھے وہ نہ سمجھے کہ ہرمز نے ان سے کیا کہا البتہ اس کے تمسخرانہ انداز سے وہ یہ سمجھ گئے کہ ایرانی انہیں حقیر سمجھ رہا ہے۔ انہوں نے کہا اپنے جثہ پر غرور نہ کرو مغرور ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔

ہرمز عربی سے نابلد تھا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ غالب نے کیا کہا۔ اس نے فوراً تلوار کھینچی اور بڑے جوش و قوت سے غالب پر حملہ کیا۔ غالب نے جلدی سے تلوار بلند کی اس کی تلوار اپنی تلوار پر روکی ہرمز کی تلوار جھن سے ٹوٹ گئی۔ وہ مڑا غالب نے مہمیز لگا کر گھوڑا بڑھایا۔ انھوں نے لپک کر اس کا پٹکہ پکڑا۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور بے تکلف ہرمز کو اٹھالیا۔ ہرمز کا گھوڑا جان بچا کر بھاگا۔ غالب ہرمز کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے واپس لوٹا۔ تمام مسلمان سارے ایرانیوں نے نحیف الجثہ کمزور غالب کی اس طاقت کو دیکھا دوست اور دشمن ان کی قوت پر ستائش کرنے لگے ہرمز غالب کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ مگر وہ اسے گیند کی طرح اٹھائے ہوئے اسلامی لشکر کی طرف جارہے تھے جب غالب اسلامی لشکر کے قریب پہنچے تو تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کو سن کر ہرمز کا دل بیٹھ گیا۔ اس کے چہرہ پر مردنی چھاگئی غالب اسے لئے ہوئے سعدؓ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ نے ان کی تعریف کی۔ ہرمز کو اپنے آدمیوں کے سپرد کیا۔ تاج اور سونے کے کڑے غالب کو دلا دئے۔ غالب پھر اپنی جگہ کھڑے ہوئے۔

اس عرصے میں ایک اور گرانڈیل ایرانی بڑبڑاتا ہوا ایرانی لشکر سے نکلا اور میدان جنگ میں آکھڑا ہوا۔ غالب نے اس کے مقابلہ کے لئے بھی نکلنا چاہا۔ عاصم نے اسے روک کر کہا۔ خدا کی قسم تم نہ نکلنا۔ تم اپنا کام کر چکے ہو اب میری باری ہے یہ کہتے ہی انھوں نے گھوڑا بڑھایا۔ ہیٹھی لو یہ چلے اور ایرانی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

ایرانی نے ان سے کہا۔ جو شخص ہمارے آدمی کو پکڑ کر لے گیا ہے وہ کیوں نہیں آیا۔ عاصم فارسی جانتے تھے انہوں نے کہا اس کی باری ختم ہو گئی اب میری باری ہے

ایرانی نے کہا اچھا اس کا انتقام میں تم سے لونگا یہ کہتے ہی ایرانی نے تلوار نکالی اور بڑے جوش سے عاصم پر حملہ کیا عاصم نے ڈھال سامنے کر دی ایرانی کی تلوار ڈھال پر پڑ کر اچٹی۔ فوراً عاصم نے تلوار کھینچی۔ اور ایرانی پر حملہ کیا۔ ایرانی تلوار کی چمک۔ عاصم کے حملہ کی طرز دیکھ کر جھکا تلوار اس کے سر کی طرف چلی اس نے جلدی سے گھوڑا اٹھایا تلوار گھوڑے کی کلغی پر پڑی۔ کلغی کا کچھ حصہ کٹ گیا۔ ایرانی پر عاصم کا رعب طاری ہو گیا وہ گھوڑا لوٹا کر اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ عاصم اس کے پیچھے دوڑے آگے پیچھے بھاگتے دوڑتے ایرانیوں کی پہلی صف کے قریب پہونچے اتفاق سے عاصم کے ہاتھ میں ایرانی کے گھوڑے کی دُم آگئی انہوں نے دُم پکڑ کر کھینچا گھوڑا رک گیا۔

ایرانی گھوڑے کے رک نے سے حیران ہوا۔ اس نے ایڑ لگائی لیکن گھوڑے نے ایک قدم بھی حرکت نہ کی۔ اس نے پیچھے پھر کر دیکھا عاصم کو گھوڑے کی دُم پکڑے دیکھ کر خوف سے کانپ گیا۔ جلدی سے گھوڑے سے کودنا چاہا۔

عاصم نے دیکھ لیا۔ گھوڑا کھڑا ہو ہی چکا تھا۔ انھوں نے دُم چھوڑ دی اور جلدی سے گھوڑا بڑھا کر ایرانی کو آدبوچا۔ ایرانی نے ان کی گرفت سے نکلنے کے لئے بڑی کوشش کی مگر اس کی ایک کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ عاصم نے جلدی سے اسے کھینچا اور اپنے گھوڑے پر اپنے سامنے بچوں کی طرح بٹھا کر گھوڑے کو لوٹایا اور گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ ایرانیوں کے سامنے سے ان کے ایک بہادر کو پکڑ کرلے جانا آسان بات نہ تھی۔ ایرانی دیکھتے ہی رہے اور وہ اپنا کام کر لائے کئی مرتبہ ایرانی نے ان کی آغوش سے نکلنے کی سعی کی۔ مگر عاصم کے آہنی ہاتھوں سے رستگاری نہ پا سکا۔ جب اس نے زیادہ دق کیا تو عاصم نے اس کی گردن کے گرد ہاتھ کا حلقہ ڈال کر اس قدر دبایا کہ ایرانی کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھیں پھیل گئیں پتلیاں گردش کرتے کرتے اوپر چڑھ گئیں اپنی موت قریب دیکھ کر ایرانی نے مخلصی کی جدوجہد بند کر دی۔

عاصم اسے لئے ہوئے اسلامی لشکر میں پہنچے۔ مسلمانوں نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا نعرہ کی پر ہیبت آواز سن کر ایرانی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ جسم کانپنے لگے عاصم اسے لئے ہوئے سعدؓ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ نے ان کی تحسین اور آفریں کی ایرانی کو اپنے

آدمیوں کے سپرد کیا۔ عاصم اپنی جگہ آ کھڑے ہوئے تمام مسلمان نہایت خوش ہو رہے تھے خوش ہونے کی بات بھی تھی دو ایرانی بہادر اسیر کر لئے گئے تھے۔ ایرانیوں پر غم و غصہ کا بادل چھا رہا تھا انہیں مسلمانوں پر بےحد غصہ آ رہا تھا لیکن غصہ سے بنتا کیا تھا۔ ابھی جنگ عمومی شروع نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ان سے دور تھے وہ لڑ بھڑ کر اپنے غصہ کا غبار نہ نکال سکتے تھے۔

ایک اور ایرانی پیچ و تاب کھاتا۔ دانت پیستا ایرانی صفوں سے نکلا اور میدان کارزار میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایرانی نہایت فوق البھڑک کپڑے پہنے تھا سونے کے بازو بند تھے۔ ہاتھوں میں ٹھوس چاندی کا وزنی گرز لئے تھا۔ عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ ابھی وہ ایرانی کے سامنے جا کر اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہوئے تھے کہ ایرانی نے بڑے غصہ اور جوش میں آ کر ان پر گرز سے حملہ کیا۔

عمرو بن معدی کرب نے گرز ڈھال پر روکا۔ ایرانی ایسا شہزور تھا کہ جب گرز ڈھال پر پڑا تو عمرو کا ہاتھ کانپ گیا۔ ڈھال ترچھی ہو گئی گرز پھسلتا ہوا گھوڑے کی گردن پر پڑا۔ گھوڑا گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

عمرو نے جلدی سے باگ سنبھالی۔ گھوڑا گھوم کر ایرانی کے گھوڑے پر جا پڑا۔ ایرانی اچانک اس گھوڑے کے حملہ کو روکنے کے لئے تیار نہ تھا وہ گھبرا گیا ساتھ ہی اس کا گھوڑا گرا۔ ایرانی اپنے گھوڑے کے نیچے دب گیا۔

عمرو نہایت پھرتی سے اپنے گھوڑے سے کود پڑے۔ ریشم کی ڈور نکالی اور بڑے اطمینان سے ایرانی کو باندھنے لگے۔ ایرانی گھوڑے کے نیچے دبا پڑا تھا حرکت بھی نہ کر سکتا تھا۔ بہت جلد عمرو نے اسے باندھ لیا۔

گھوڑا ابھی تک ایرانی کے اوپر پڑا ہوا تھا۔ ایرانی کو باندھتے ہی عمرو نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ کر اٹھایا اور دوسری طرف دے پٹکا۔ گھوڑا جلدی سے اٹھا اور گھبرا کر ایرانی لشکر کی طرف بھاگا۔

عمرو نے ایرانی کو اپنے گھوڑے پر گٹھڑی کی طرح رکھ لیا۔ خود زقند بھر کر سوار ہوئے اور اسلامی لشکر کے قریب آ گئے تو مسلمانوں نے پھر خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ عمرو سیدھے سعدؓ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ نے ان کی تعریف کی اور اس تیسرے

ایرانی کو بھی اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ عمرو جلدی سے واپس آکر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

رستم تمام واقعات دیکھ رہا تھا۔ وہ قلب لشکر میں ایک اونچی جگہ تخت پر بیٹھا تھا۔ درفش کاویانی اس کے سر پر لہرا رہا تھا۔ اس نے پہلی اور دوسری صف کو بڑھنے کا حکم دیا۔

ایرانی صفوں کو حرکت ہوئی۔ دریائے قہار کی موجوں کی طرح سوار بڑھے پیدل بڑھے ان کے بڑھنے سے سمندر کے جوار بھاٹا کا منظر سامنے آگیا اسوقت آفتاب ایک ثلث منزل طے کر چکا تھا۔ دھوپ تمام میدان میں پھیل گئی تھی ایرانیوں کی زرق برق پوشاکیں صاف وشفاف ہتھیار دھوپ میں چمک رہے تھے مسلمانوں نے ایرانیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کو بھی بڑھنے کا اشارہ کیا۔

اسلامی صفوں کو حرکت ہوئی۔ مجاہدین بڑھے تھوڑی ہی دیر میں دونوں لشکر مل گئے اسلامی لشکر کے ہراول میں قبیلہ بجیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے تمام لوگ بہادر نامور ہوتے تھے۔

ایرانیوں نے ان کے اوپر ہاتھیوں کو ریلا۔ عربی گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ وہ سامنے سے آنے والی اندھیری رات کو دیکھ کر بدکے سواروں نے ہر ممکن کوشش بھڑکے ہوئے گھوڑوں کو قابو میں لانے کی کی۔ مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

ہاتھیوں کے پھنکار مارتے ہی گھوڑے بے تحاشہ بھاگے پیچھے ہٹے۔ اِدھر اُدھر دوڑے ہزار روکنے کی کوشش کرنے پر بھی نہ رکے اس سے اسلامی ہراول میں ابتری پھیل گئی پیادے نہایت استقلال سے ڈٹے رہے انھوں نے دور سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ہاتھیوں کے اوپر ہودجوں میں ایرانی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی تیر چلانے شروع کر دیئے۔

قبیلہ بجیلہ سخت مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ سعدؓ بالا خانے پر بیٹھے ہوئے یہ کیفیت دیکھ رہے تھے انھوں نے فوراً جھلی پر کچھ لکھا اور گولی بنا کر نیچے ڈالی نیچے کئی سوار کھڑے تھے ایک سوار نے گولی اٹھائی اور دوڑ کر حضرت خالد کے پاس

پہنچے گولی حضرت خالد کو دی اور واپس آکر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ حضرت خالد نے گولی کھولی۔ اس میں لکھا تھا۔ قبیلہ بنو اسد قبیلہ بجیلہ کی امداد کرے۔ حضرت خالد نے اپنے ایک سوار کو گولی دیکر کہا۔ فوراً یہ گولی طلیحہ بنو اسد کے افسر کے پاس لے جاؤ۔

سوار دوڑا طلیحہ کے پاس پہنچا۔ انہیں گولی دی۔ طلیحہ نے گولی کھول کر پڑھا۔ انہوں نے تمام قبیلہ سے خطاب کر کے کہا۔ دوستو سالار اعظم نے تمہیں قبیلہ بجیلہ کی امداد کا حکم دیا ہے۔

تمام قبیلہ نے خوشی میں آکر باگیں اٹھا دیں نیزے ہاتھوں میں لے لئے اور تیزی سے دوڑ کر ہاتھیوں پر جا دھمکے اگرچہ ان کے گھوڑے بھی کالی پہاڑیوں کو دیکھ کر بھڑکے بدکے۔ مگر سواروں نے نہایت ہوشیاری سے۔ انھیں روکا اور ہاتھیوں کو نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیا۔

بنو اسد کی اس ترکیب سے۔ ہاتھیوں کی کالی آندھی تھم گئی آگے نہ بڑھ سکی۔ لیکن فیل نشینوں نے اس کثرت سے تیر برسائے کہ قبیلہ بنو اسد گھبرا گیا۔ طلیحہ نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے للکار کر کہا۔ ہاں بڑھو بہادرو۔ نیزوں اور تلواروں کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ کیا تم نے نہیں سُنا۔ کہ جنّت تلواروں کے سائے میں ہے کیا تم جنّت حاصل کرنے کے خواہش مند نہیں، اس مختصر تقریر نے لوگوں کے دلوں میں شوق شہادت کی آگ بھڑکا دی۔ وہ ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھے مگر فیل نشینوں کی تمام تر توجہ ان کی طرف تھی وہ اپنی پوری جمعیت سے تیروں کی بارش کرنے لگے۔

قبیلہ بنی اسد نے ہر چند بڑھنے کی کوشش کی۔ ڈھالوں کی آڑ لی۔ لیکن تیر اس کثرت سے آرہے تھے کہ وہ ایک، قدم بھی نہ بڑھ سکے۔ سعدؓ یہ کیفیت دیکھ رہے تھے انہوں نے پھر کچھ لکھا پھر گولی بنا کر نیچے پھینکی پھر سوار نے اٹھالی اور دوڑ کر خالد کو جا کر دی خالد نے گولی کو کھولا پڑھا لکھا تھا۔ قبیلہ بنو تمیم ہاتھیوں کی بلا دور کریں۔ خالد نے فوراً وہ رقعہ قبیلہ بنو تمیم کے پاس بھجوا دیا قبیلہ بنو تمیم تیر اندازی میں مشہور تھا۔ نیزہ بازی میں بھی پوری مہارت رکھتا تھا۔

اکثر و بیشتر اس قبیلہ کی تیر اندازی سے پانسہ پلٹ گیا تھا۔ جب انہوں نے سُنا کہ سالار اعظم نے انہیں ہاتھیوں کی بلا دور کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ بہت

خوش ہوئے۔

تمام قبیلہ نہایت جوش اور بڑے ولولہ کے ساتھ بڑھا۔ اگرچہ سعدؓ نے خالد بن عرطفہ کو اپنا قائم مقام بنا دیا تھا لیکن لشکر کی نقل و حرکت فوج کی ترتیب۔ قبائل کی اعانت۔ غرضیکہ جملہ انتظامات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔

جس وقت جو حکم مناسب ہوتا پرچوں پر لکھ کر گولیاں بناتے اور نیچے پھینکدیتے نیچے کھڑے ہوئے سوار فوراً ان پرچوں کو خالد کے پاس پہنچا دیتے۔ خالد حسب ہدایت لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔

سلطنت کے ابتدائی زمانہ میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ عرب غیر متمدن تھے صرف لڑنا اور کٹ مرنا جانتے تھے جنگ سے فن سے واقف نہ تھے۔

عربوں کی کایا صرف ایک مقدس ہستی حضرت محمدؐ نے پلٹ دی تھی دنیا صدیوں گے بعد بیدار ہوئی۔ قوموں نے عرصہ کے بعد تمدن سیکھا لیکن عربوں نے بہت تھوڑے عرصے میں سب کچھ سیکھ لیا۔

قبیلہ بنو تمیم نہایت جوش سے بڑھا انہوں نے بنی اسد کے پاس پہنچتے ہی فیل نشینوں پر اس کثرت سے تیروں کی بارش کی کہ ایرانی تیر انگنی بھول کر اپنے بچاؤ کی تدابیر میں مصروف ہو گئے۔

بنو اسد نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ انھوں نے بڑھ کر تیروں سے ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ قبیلہ بجیلہ نے رسے کاٹ کاٹ کر ہودے اور عماریاں گرانی شروع کیں چونکہ اس وقت ایرانی لشکر کی تمام تر توجہ اسی طرف تھی۔ وہ ہاتھیوں اور ہاتھیوں پر بیٹھنے والوں کو بچانا چاہتے تھے اس لئے قریب قریب دونوں صفیں قبیلہ بجیلہ بنی اسد اور بنو تمیم پر ٹوٹ پڑیں۔

ان تینوں قبیلوں نے نہایت جوانمردی سے ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ سعدؓ تمام کیفیت نہایت غور سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے پھر ایک پرچہ پھینکا۔ فوراً ایک سوار نے وہ پرچہ خالد کو جا دیا۔ خالد نے پڑھا لکھا تھا کہ بنو کندہ کے بہادروں سے کہو کہ اب ان کی باری ہے۔

حضرت خالد نے وہ پرچہ بنو کندہ کے پاس بھجوا دیا۔ فوراً بنو کندہ کا قبیلہ۔

نہایت جوش سے چلا اور ایرانیوں پر جا ٹوٹا۔ انھوں نے جاتے ہی ایرانیوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ نہایت بے جگری۔ کمال بہادری اور سرفروشی سے جنگ شروع کردی۔

ان کو اس طرح سے لڑتے ہوئے دیکھ کر قبیلۂ بجیلہ۔ بنو اسد اور بنو تمیم کے جانبازوں نے بھی سنبھل کر حملہ کیا۔ ایرانی اس متفقہ حملہ کی تاب نہ لا سکے ان کے قدم اکھڑ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔

رستم لڑائی کا یہ ڈھنگ دیکھ کر کمال غضبناک ہوا اور اس نے تمام لشکر کو یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عظیم الشان ایرانی لشکر بڑھا نہایت غیظ و غضب اور جوش میں آکر بڑھا ایسی ہیئت سے بڑھا کہ زمین لرزنے لگی۔ سعدؓ نے ایرانیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بھی تمام لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

سرفروش مجاہدین بڑھے ہاتھوں میں نیزے لے کر بڑھے دونوں لشکر اس طرح سے ملے۔ جیسے دو سمندر امڈ آئیں یا دو پہاڑ ٹکرا گئے۔ لشکروں کے ٹکراتے ہی صاف و شفاف تلواریں بلند ہوئیں دھوپ میں بجلی کی طرح چمکیں اور انسانی سمندر میں ڈوب کر خون اگلتے ہوئے ابھرنے لگیں اب جنگ مغلوبہ شروع ہوگئی صفوں کی ترتیب جاتی رہی۔ ایرانی مسلمانوں میں اور مسلمان ایرانیوں میں جا گھسے نہایت خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ ہر ایرانی ہر مسلمان جوش شجاعت سے شیر بنا ہوا تھا ہر طرف مار دھاڑ ہو رہی تھی۔ جانبازوں کے سروں پر موت منڈلا رہی تھی سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ ہاتھوں۔ پاؤں۔ سروں اور دھڑوں کے انبار لگ گئے تھے۔ سبزہ زار زمین پر خون پانی کی طرح بہنے لگا تھا ہر دو فریق کے جانبازوں نے نعرے لگائے زخمی چلا رہے تھے ایرانی طبل جنگ بجا رہے تھے۔

ان آوازوں نے مل کر ایسا شور و شغب پیدا کر رکھا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے آفتاب اس بیدردی سے انسانی خون کو بہتے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا اس نے اپنی تیز اور سفید شعاعیں سمیٹنا شروع کر دی تھیں وہ جلد جلد مغرب کی طرف دوڑنے لگا تھا گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اس وقت ہر شخص ہر چیز کو بھلائے ہوئے تھا یا تو جنگ کی چکی میں پس رہا تھا یا پیسا جا رہا تھا۔ عاصم بن عمرو نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے انہوں نے بہت سے ایرانیوں کو مار ڈالا تھا۔ اب وہ نیزہ لے کر

ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے ان کی دیکھا دیکھی عمرو بن معدی کرب. غالب خالد اور کئی دوسرے سرفروش بھی ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے نیزوں سے ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑنا شروع کیں۔ ہاتھی گھبرا گئے وہ پشت دے کے بھاگے انھوں نے سیکڑوں ایرانی سواروں کو کچل ڈالا ان سیاہ پہاڑیوں کے درمیان سے ہٹتے ہی مسلمانوں نے نہایت جوش سے حملہ کیا سیکڑوں ایرانیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھدیا۔ مگر ایرانی اس قدر زیادہ تھے جس محاذ پر جتنے مرتے اس سے دو گنے اور آموجود ہوتے خون آشام جنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا مشرق کی طرف سے سیاہی اٹھ کر کرۂ ارض پر پھیلنے لگی رات ہوتے ہی دونوں فریق پیچھے ہٹ گئے جنگ بند ہو گئی اگرچہ آج فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا مگر ایرانی زیادہ قتل ہوئے اور مسلمان کم اس کے علاوہ مسلمانوں نے ایرانیوں کے بہت سے بہادر اور مشہور آدمی گرفتار کر لئے قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اس معرکہ میں پانچسو مسلمان شہید ہوئے اور ایرانی سات ہزار کام آئے ایرانیوں کی لاشیں ہر محاذ پر دور تک بچھی ہوئی تھیں عربی تاریخوں میں اس معرکہ کا نام یوم الامارث ہے یہ جنگ، دوشنبہ کے دن محرم سکلہ ھ میں واقع ہوئی۔

بارھواں باب

ترغیب

حور جمال لیلیٰ نے بھی دروازہ کھلتے ہی آواز سُن لی تھی چونکہ اس میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ تھی وہ جنگلہ کا سہارا لیکر آہستہ آہستہ بیٹھ گئی اس کی حسرت آمیز خوفزدہ نگاہیں دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھیں دروازہ کھلا دو خوبرو لڑکیاں کافوری شمعیں لئے کمرہ میں داخل ہوئیں ان شمعوں کی روشنی سے تمام کمرہ روشن تھا۔ شمع بردار لڑکیاں آہستہ آہستہ بڑھ کر جنگلہ کے قریب آئیں دونوں خاموش کھڑی ہو گئیں لیلیٰ انہیں دیکھنے لگی۔ دونوں لڑکیاں حسین تھیں زرق برق کپڑے پہنے تھیں۔ سوتے

کے زیورات سے لدی ہوئی تھیں۔ کافوری شمعوں کی روشنی میں وہ اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں چند ہی لمحوں کے بعد یزدگرد داخل ہوا اس کے پیچھے چار اور ماہوش لڑکیاں آئیں ان کی پوشاکیں ان کے زیورات روشنی میں جھلملا رہے تھے یزدگرد پلنگ کے قریب پہنچا ایک لڑکی نے تانے کھولے پلنگ کھینچا دروازہ کھل گیا۔ لیلیٰ نے یزدگرد کو ایسی خوفزدہ نظروں سے دیکھا جیسے ذبح کے وقت ہرن شکاری کو دیکھا کرتا ہے یزدگرد کے ساتھ وہ لڑکی بھی آئی تھی جو عربی جانتی تھی اور جس کے ذریعہ سے یزدگرد لیلیٰ سے گفتگو کرتا تھا۔ یزدگرد نے لیلیٰ کو دیکھا لیلیٰ کے کپڑے میلے ہو رہے تھے۔ پھولوں سے زیادہ روشن پھولوں سے زیادہ شاداب چہرہ اُترا ہوا تھا سیاہ زلفوں کی لٹیں نہایت بے ترتیبی سے کمر اور شانوں پر بکھری پڑی تھیں۔ ہوشربا رسیلی اور سیاہ آنکھیں غم کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ لیکن ان باتوں نے اس کے حسن کو اور بھی جگمگا دیا تھا۔ یزدگرد ٹکٹکی لگائے لیلیٰ کو دیکھتا رہا۔ حوروش لڑکیاں خاموش کھڑی لیلیٰ اور یزدگرد کو دیکھ رہی تھیں تمام کمرہ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد یزدگرد نے مترجم لڑکی کے ذریعہ سے گفتگو شروع کی۔ اس نے کہا لیلیٰ اپنے حسن و جوانی کو برباد کر رہی ہو۔

لیلیٰ نے غمزدہ لہجہ میں کہا۔ خدا کی مرضی۔ یزدگرد نے کہا سب فضول ہے۔ خدا یہ کبھی نہیں چاہتا کہ انسان ناعاقبت اندیشی یا ضد کی وجہ سے مصیبتیں برداشت کرتا رہے۔ لیلیٰ نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ خدا کی خدائی میں وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے اس کے حکم بغیر ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔

یزدگرد۔ غلط ہے، یہ تیری ضد تجھے تباہ کر رہی ہے۔

لیلیٰ۔ نہیں۔ خدا میری آزمائش کر رہا ہے۔

یزدگرد۔ آخر کیوں تو ضد نہیں چھوڑتی کیوں تو میرا کہا نہیں مانتی۔

لیلیٰ۔ تم وہ چاہتے ہو جسے ایک شریف اور غیور عرب دوشیزہ منظور نہیں کر سکتی

یزدگرد۔ میں تیری محبت کا بھکاری ہوں۔

لیلیٰ۔ غلط ہے تم عشرت کے طلبگار ہو۔

یزدگرد۔ ہاں طالب عشرت بھی ہوں غور کر یزدان نے دولت اور جوانی عطا کی ہیں آخر یہ کس لئے؟

لیلیٰ۔ خدا کی ان عطا کی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے لئے۔
یزدگرد۔ نہیں بھولی حور ان سے حظ اٹھانے کے لئے۔
لیلیٰ۔ دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے جوانی آنکھ جھپکے گزر جاتی ہے۔ لیکن سیاہ کاریوں کا داغ عمر بھر باقی رہتا ہے گنہگار موت سے گھبراتا ہے خدا کا نام سن کر کانپ جاتا ہے۔
یزدگرد۔ اے پیکر حسن تجھے کس نے یہ تعلیم دی ہے۔
لیلیٰ۔ اسلام نے۔
یزدگرد۔ جب تو اسلام کچھ اچھا مذہب نہیں۔
لیلیٰ۔ وہاں وہ سیاہ کاری کی تعلیم نہیں دیتا پاکیزگی کی تلقین کرتا ہے۔
یزدگرد۔ لیلیٰ سنو میں اسوقت اس لئے آیا ہوں کہ تم کو آخری مرتبہ اور سمجھادوں کہ تمہاری ضد نہ صرف تمہارے ساتھ دشمنی کر رہی ہے بلکہ تمہارے بھائی کے ساتھ بھی۔
لیلیٰ نے تیز نظروں سے ایسی تیز نظروں سے جن سے بجلیاں نکل رہی تھیں۔۔۔۔
قطع کلام کرتے ہوئے کہا کیا میرا بھائی ابھی زندہ ہے وہ بے صبری سے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ یزدگرد اس بت ہوشربا کی برقپاش نظروں کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکا۔ اس کی نظریں لڑکھڑا کر جھک گئیں اس نے کہا ہاں وہ ابھی زندہ ہے لیکن قضا اس کے سر پر پہنچ گئی ہے۔ مصیبت زدہ مظلوم لڑکی نے غم اندوز نظروں سے یزدگرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا اس کے قتل کا حکم ہو چکا ہے۔ وہ انتہائی غمزدہ نظروں سے اسے دیکھکر جواب کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ یزدگرد نے پھر ایک دفعہ اپنی نظریں اٹھائیں مغموم حور وش لیلیٰ کو دیکھا۔ اس نے کہا ہاں اس کے قتل کا حکم ہو چکا جلاد اسے قتل کرنے کے لئے اس کے سر پر پہنچ چکا ہے۔
لیلیٰ غم و حسرت میں ڈوب گئی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا مسیحا صفت باریک سالب کانپنے لگے۔ موتی جیسی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اس نے کراہنے کے طور پر ایک لمبی آہ کی۔ ایسی آہ جس نے یزدگرد اور اس کے ساتھ آنے والی لڑکیوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ یزدگرد نے محبت بھری نظروں سے غمزدہ و بے کس عرب دوشیزہ کو دیکھا۔ کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔ لیلیٰ رونے لگی اس کے سفید چہرہ پر آنسوؤں کی لہریں بہنے لگیں، یزدگرد نے کہا لیلیٰ ابھی کچھ نہیں گیا تیرے بھائی کو بچایا جا سکتا ہے۔

لیلیٰ نے ایسی نظروں سے جن میں غم وحسرت اور یاس کے ساتھ التجا کی بھی آمیزش تھی یزدگرد کو دیکھ کر کہا۔ ایرانی شہنشاہ بچالو۔ خدا کے لئے میرے بھائی کو بچالو۔ ایک دکھیا عرب دوشیزہ پر احسان کرو۔

یزدگرد اس کی عاجزانہ درخواست سے متاثر نظر آنے لگا۔ اور سر جھکا کر کچھ غور کرنے لگا۔ غمزدہ لیلیٰ کو اس کی یہ کیفیت دیکھ کر قدرے ڈھارس بندھی۔ کامیابی کی اُمید ہو چلی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی۔ کانپتی ہوئی کھڑی ہوئی۔ جنگلہ کا سہارا لے کر بڑھی جنگلہ سے باہر نکلی یزدگرد کے پاس پہنچی وہ اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ چلنا تو کیا کھڑا ہونا بھی مشکل تھا۔ یزدگرد نے اسے اپنے قریب دیکھا وہ چونک پڑا۔ اس نے پیار سے حور جمال لیلیٰ کے نازک شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیلیٰ نے اسے التجا آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا کیا تم کو مجھ پر رحم آگیا؟ کیا تم نے میری درخواست منظور کر لی۔ کیا تم میرے بھائی کو بچالو گے۔

یزدگرد نے بے ساختگی سے کہا۔ ہاں بچالوں گا۔

لیلیٰ کی امیدوں میں جان پڑ گئی۔ اس کے رخ انور کا اڑا ہوا شہابی رنگ واپس لوٹ آیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ شکریہ آپ کا شہنشاہ ایران ہزار ہزار شکریہ۔ یزدگرد نے غور سے اس پیکر حسن کو دیکھ کر کہا۔ لیلیٰ اس کا بچا لینا تمہارے اختیار میں ہے۔ لیلیٰ نے بے اعتمادی کی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے استعجاب بھرے لہجہ میں کہا میرے؟

یزدگرد۔ ہاں تمہارے۔

یہ کہتے ہی وہ ایک پری جمال لڑکی سے مخاطب ہوا۔ اس نے کہا ابیلا اس کی زنجیر کھول دو۔ پھولوں سے زیادہ نازک لیلیٰ کے ہاتھوں میں سونے کی زنجیر ہر وقت پڑی رہتی تھی۔ اس زنجیر سے اس کے نرم و نازک ہاتھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ ناظرین ابیلا کو نہ بھولے ہوں گے یہ وہی لڑکی تھی جو اس روز جب عاصم اسیر ہو کر آیا تھا عاصم کے چلے جانے کے بعد عورتیں لیلیٰ کو لے گئی تھی یہی لیلیٰ کو کھانا اور پانی دیتی تھی۔ یہی اسے بہلاتی رہتی تھی۔

ابیلا نے چابی نکالی۔ پری جمال لیلیٰ کے پھول سے ہاتھوں میں جو تالا لگا ہوا تھا اسے کھولا تالا کھلتے ہی زنجیر الگ ہوگئی غمزدہ لیلیٰ نے ہمہ تن شکریہ بن کر یزدگرد کو دیکھا

فردوسی نغمہ زا لہجہ میں کہا میں آپ کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں آپ پھر بادشاہ ہیں نہیں شہنشاہ ہیں ایک شہنشاہ کو ایسا رحمدل ہی ہونا چاہیئے۔ یزدگرد لیلیٰ کی دلربا آواز سن کر مست و مسرور ہو گیا اس نے کہا ٹھہرو لیلیٰ دیکھو تم کو کیا بتانا چاہتا ہوں ابیلا..!

ابیلا جھک گئی اس نے کہا پیر و مرشد۔

یزدگرد۔ جاؤ سب سامان لے کر آؤ۔

ابیلا چلی گئی لیلیٰ حیران رہ گئی کہ کیا سامان اور کس لئے منگایا جارہا ہے لیلیٰ کو کچھ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ابیلا واپس آ گئی اس کے پیچھے تین کمسن پری چہرہ لڑکیاں آرہی تھیں ان کے سروں پر خوان تھے۔ یزدگرد نے انھیں آتے ہوئے دیکھ لیا وہ ان کی طرف گھوما۔ اس نے کہا یہ طشت فرش پر رکھدو۔ خوان پوش اٹھاؤ۔ تینوں لڑکیوں نے ادائے جانانہ سے جھک کر طشت فرش پر رکھدیئے اور خوان پوش اٹھائے لیلیٰ اور لیلیٰ کیساتھ تمام لڑکیوں نے دیکھا ایک تخت میں زریں ملبوسات تھے جنکے جھالروں میں ہیرے ٹانکے ہوئے تھے ایک میں سونے کا تاج تھا جس میں جواہرات نصب تھے ایک میں زیورات تھے جن میں زمرد۔ پکھراج۔ ہیرے اور لعل جڑے ہوئے تھے۔ تینوں طشت شمعوں کی روشنی میں آنکھوں کو خیرہ کرنیوالی چمک سے جگمگا رہے تھے۔ یزدگرد نے کپڑے اٹھائے وہ اس قدر جھلملا رہے تھے کہ آنکھوں میں چکا چوند ہوئی جاتی تھی۔ اس نے لیلےٰ سے مخاطب ہو کر کہا لیلیٰ تم نے ان کپڑوں ان زیورات اس تاج کو دیکھا یہ سب تمہارے لئے ہے لیلیٰ نے بھولپن سے کہا آپ کی عنایات کا شکریہ نہ میں اس سامان کے لائق ہوں نہ یہ سامان میرے قابل ہے میرے پاس میرے چیتھڑے ہی رہنے دیجئے یہ سامان شاہزادیوں کے قابل ہے ان کو ہی مبارک ہو۔

یزدگرد نے کہا میں تجھے شہزادی نہیں بلکہ ملکہ بنانا چاہتا ہوں۔ ایران کی ملکہ تین ہزار سالہ پرانی سلطنت کی حکمراں۔ تم میری میرے دل کی میری جان کی سلطنت کی مالک بنجاؤ لیلیٰ یزداں کی قسم میں تیرے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھادوں گا۔ تیرے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگادوں گا۔ لیلیٰ اس سامان کو دیکھ کر ان باتوں کو دیکھ کر ان باتوں کو سن کر پھر خوفزدہ ہو گئی۔

اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی جھکی ہوئی آنکھیں اٹھائیں خوفزدہ نظروں سے یزدگرد

کو دیکھا یزدگرد اس حور طلعت کو دیکھ نہیں گھور رہا تھا۔ اس نے کہا پری چہرہ عرب دوشیزہ خوف نہ کر دیہ سامان کیا ہے جسے تم دیکھ رہی ہو بالکل معمولی ہے میں اس سے ہزار گنا دولت تیرے قدموں پر ڈال دوں گا خیال کر تو ایران کی ملکہ ہو گی۔ ایرانیوں کے سر تیرے سامنے جھکیں گے۔ تیرے پیارے نام کا سکہ جاری ہو گا۔

لیلیٰ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا آہ تم مجھے بہکانے آئے ہو پھسلاتے ہو! ایرانی شہنشاہ سنو میں غریب ہوں میں نے ایسے کپڑے ایسے زیور ایسا تاج نہیں دیکھا۔ قدرتاً عورتوں کی خواہش اچھے زیورات پہننے کی ہوتی ہے۔ لیکن مجھے نہ زیور کی پرواہ ہے نہ ملبوسات کی میری صرف ایک آرزو ہے اور وہ یہ کہ تمام ان مسلمان قیدیوں کو جو تمہارے قبضہ میں ہیں چھوڑ دو۔

یزدگرد اور اس کے ساتھ تمام پری جمال لڑکیاں لیلیٰ کی گفتگو سن کر حیران رہ گئیں حیران ہونے کی بات بھی تھی یزدگرد نے لیلیٰ کو پھانسنے کے لئے جو دام پھیلایا تھا وہ معمولی نہ تھا اس سامان کو دیکھ کر یزدگرد کی تحریص دلانے والی باتیں سن کر وہ عصمت مآب سے عصمت مآب دوشیزہ پھسل جاتی مگر نہ پھسلی تو لیلیٰ۔

یزدگرد نے کہا لیلیٰ تعجب ہے تم اس سامان کو ٹھکراتی ہو کیا تجھے یہی حالت پسند ہے جس میں تو اب ہے۔

لیلیٰ نے خوددارانہ طریقے پر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس شاہی سامان پر شاہانہ حکومت پر اپنی موجودہ حالت کو ترجیح دیتی ہوں۔

یزدگرد نے کسی قدر ترش رو ہو کر کہا تو بیوقوف ہے خوش بختی کو ٹھکرا رہی ہے لیلیٰ نے کہا۔ بدکار ہونے سے بے وقوف ہونا اچھا ہے۔

یزدگرد نے جھلا کر کہا نا عاقبت اندیش یہ بدکاری نہیں ہے۔

لیلیٰ نے پوچھا۔ کیا عصمت کی تاراجی بدکاری نہیں کہلاتی۔

یزدگرد نے جواب دیا نہیں عیش و آرام کے لئے عصمت قربان کی جا سکتی ہے۔

لیلیٰ نے کسی قدر جوش میں آ کر کہا لعنت ہے ان عورتوں پر جو کہ چند روزہ آرام کے لئے عصمت جیسی بیش بہا چیز کو کھو بیٹھیں۔ یزدگرد کو طیش آ گیا اس نے کہا۔ اس حالت کو پہنچ گئی لیکن اب بھی عصمت کے خواب دیکھے جاتی ہے۔

لیلیٰ۔ بے شک جب تک زندہ ہوں عصمت کے خواب دیکھوں گی۔

یزدگرد۔ تیری زندگی ہی ختم کردی جائے گی۔
لیلیٰ نے دلیرانہ انداز سے کہا یہی میری آرزو ہے۔
یزدگرد سخت برہم ہوگیا۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ تیری یہ آرزو پوری کردی جائیگی۔

اب یزدگرد ایبلا کی طرف مخاطب ہوا اس نے کہا۔ ایبلا اس کے ہاتھوں میں زنجیر ڈال کر تالا لگادو۔
ایبلا تعمیل حکم کے لئے بڑھی اس نے حوروش لیلیٰ کے ہاتھوں میں زنجیر ڈال کر تالا لگادیا۔ یزدگرد سخت غضبناک ہوگیا تھا۔ وہ غصہ کی حالت میں بھاری قدموں سے کمرہ میں ٹہلنے لگا۔
اس کو غصہ میں دیکھ کر تمام لڑکیاں لرزنے لگیں۔ اگر کوئی خدشہ نہ تھا تو وہ لیلیٰ کو۔
یزدگرد پھر لیلیٰ کی طرف مخاطب ہوا اس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ تم نے میری درخواست ٹھکرادی مجھے غضبناک کردیا میں تیری یہ صورت جس پر تجھ کو ناز ہے بگاڑ دونگا۔ تیرے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ لیلیٰ چپ تھی۔
یزدگرد نے ایبلا کو اشارہ کیا۔ ایبلا نے لیلیٰ کو جنگلہ کے اندر دھکیل کر دوبارہ بند کردیا اور جنگلہ میں تالا لگادیا۔ یزدگرد چلا گیا اس کے پیچھے تمام لڑکیاں چلیں ایبلا نے طشت اٹھوا کر لڑکیوں کے سروں پر رکھے وہ سب آہستہ آہستہ چل کر کمرہ سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی کمرہ میں پھر معمولی روشنی ہوگئی اور لیلیٰ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تیرھواں باب

معرکۂ اغواث

رات کو جب دونوں لشکر میدان کارزار سے واپس لوٹ گئے اور اپنی اپنی قیام گاہوں میں پہنچے تو مجروحین کی مرہم پٹی کی جانے لگی۔ مسلمانوں میں یہ قاعدہ تھا کہ

عورتیں مجروحین کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ رات ہی کو عورتوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ تمام زخمیوں کے زخم دھو کر صاف کر کے مرہم لگا لگا کر پٹیاں کس دیں۔ کچھ لوگ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے سارا دن مسلمانوں کو لڑتے ہوئے گذر گیا تھا کھانا تو کیا ملا نماز بھی نہ پڑھ سکے تھے آتے ہی نماز پڑھی۔ کھانے کا انتظام کیا۔ کھانا کھا کر آرام کرنے لگے۔ اسود بن مالک کا دستہ لشکر کی حفاظت پر مامور ہو گیا۔ صبح بہت سویرے مسلمان بیدار ہونے لگے آسمان پر تارے پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ چھپ گئے تھے اور باقی چھپتے چلے جا رہے تھے۔ مشرق کی طرف سے دلفریب اجالا پھیلتا جا رہا تھا اور لشکر میں اذان ہو رہی تھی۔ اذان کی آواز سنتے ہی تمام لوگ بیدار ہونے لگے۔ جلد جلد ضروریات سے فراغت کر کے اس میدان میں پہنچے جس میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ سارا میدان توحید پرستوں سے لبریز ہو گیا۔

مسلمانوں نے نہایت شوق سے نماز پڑھی۔ رجوع قلب سے نیز خلوص دل سے فتح و کامرانی کی دعا مانگی۔ غیب سے مدد کرنے کی استدعا کی جس وقت مسلمان نماز سے فارغ ہوئے اسی وقت سالار اعظم حضرت سعدؓ کا پرچہ خالد بن عرطفہ کے پاس پہنچا۔

خالد بن عرطفہ نے پرچہ لکھا ہوا پڑھا۔ اس میں تحریر تھا کہ سب سے پہلے شہداء کی لاشیں جمع کر کے نماز پڑھو اور مشرق کی جانب گڑھے کھود کر ان کو دفن کر دو۔ خالد بن عرطفہ نے فوراً کچھ آدمی شہداء کی نعشوں کو جمع کرنے کے لئے اور کچھ گڑھے کھودنے کے لئے بھیج دیئے۔ بہت جلد گڑھے تیار کر لئے گئے۔ لاشیں گڑھوں کے پاس لا لا کر جمع کر دی گئیں۔

جس وقت مسلمان اس کام میں مصروف تھے اس وقت ایرانی بھی یہی کام کر رہے تھے۔ وہ بھی اپنے مردوں کو اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ جنگ کا یہ قانون ہے کہ مردوں کو میدان جنگ سے اٹھاتے وقت ایک فریق دوسرے کو کچھ نہ کہتا تھا۔ دونوں اپنے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں گویا اتنی دیر کے لئے کہ میدان کارزار مردوں سے پاک کر دیا جائے۔ جنگ عارضی طور پر بند کر دی جاتی ہے۔

مسلمانوں نے شہداء کو ایک جگہ جمع کر کے نماز جنازہ پڑھی اور شہیدوں کو گڑھوں میں دفن کر دیا۔ مسلمانوں کو آپس میں اس قدر محبت تھی کہ ایک دوسرے

کو اپنا حقیقی برادر تصور کرتا تھا۔ شہداء کو دفن کرتے وقت اکثر مسلمانوں کے جوش اخوت سے آنسو نکل آئے۔

خالد نے مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا: مسلمانو یہ رونے کا وقت نہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ مر گئے نہیں یہ زندہ جاوید ہو گئے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ (ترجمہ) جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے (شہید ہوئے) ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں۔

یہ لوگ دنیا کی کشمکش سے چھوٹ کر اس عالم میں پہنچ گئے ہیں جہاں عیش ہے آرام ہے شادمانی ہے ہم سب کی بھی یہی آرزو ہے اس لئے ہم جہاد کرنے آئے ہیں ہم خدا سے جہاد کا بدلہ نہیں چاہتے ہم کو پورا یقین ہے کہ خدا ہم پر احسان کرے گا۔ مہربانی فرمائے گا کیونکہ اس نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ

(ترجمہ) اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کر دوں گا میں ان سے برائیاں انکی اور البتہ داخل کرونگا ان کو جنت میں چلتی ہیں اس میں نہریں یہ ثواب ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے نزدیک اچھا ثواب ہے۔

یہی آرزو ہے یہی تمنا ہے اور یہی تمنا اور آرزو ہمیں غریب الدیار بنا کر ایران جیسے زبردست ملک میں لائی ہے ہم خدا کی اعانت کے بھروسہ پر ٹڈی دل دشمنوں سے لڑنے آئے ہیں خدا ہماری مدد کرے گا ہم اس کے بندے ہیں اسی کی اور صرف اسی کی پرستش کرتے ہیں وہ اپنے بندوں کو اپنے پرستش کرنے والوں کو تکلیف و مصیبت میں مبتلا نہ کرے گا۔

اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کو گرما دیا ان میں تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ خالد نے سب کو مسلح ہو کر میدان کارزار میں چلنے کا حکم دیا۔ مسلمان منتشر ہو گئے اپنے اپنے خیموں پر پہنچے جن کے پاس زرہیں تھیں انہوں نے پہنیں اور جن کے پاس نہ تھیں وہ ویسے ہی ہتھیار لگا کر مسلح ہو گئے اور جلد جلد گھوڑوں پر سوار ہو کر

میدان جنگ کی طرف چلنے لگے۔
ایرانی طبل جنگ بجاتے۔ قومی نعرہ لگاتے۔ ایرانی جھنڈے اڑاتے میدان کارزار میں آکر صف بستہ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے بھی جلد جلد صفیں ترتیب دے لیں دونوں لشکر آراستہ و پیراستہ ہو کر ایک دوسرے کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔
اس وقت آفتاب نکل آیا تھا وہ اس قدر اونچا ہو گیا تھا کہ دھوپ تمام سبزہ زار میدان میں پھیل گئی تھی۔ ابھی تک آغاز جنگ نہ ہوا تھا دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے دفعتاً ملک شام کی طرف سے کچھ غبار سا اٹھا۔ ہر دو لشکروں نے اس غبار کو دیکھا وہ حیرت سے دیکھنے لگے۔ افق سے آگے بڑھتا ہوا غبار بل کھا کھا کر آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا۔ ہوا ساکن تھی۔ یہ خیال نہ ہو سکتا تھا کہ ہوا نے کوئی بگولہ اٹھا دیا ہے۔
غبار اس طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ متخاصمین کی نظریں اسی طرف جمی ہوئی تھیں تھوڑی ہی دیر میں غبار کا دامن چاک ہوا ایک مختصر لشکر اس طرف بڑھتا نظر آیا۔ بڑھتے بڑھتے جب وہ بالکل قریب آگیا تو سواروں کی نیچی عبائیں۔ لمبی آستینیں سفید عمامے دیکھتے ہی دونوں لشکروں نے پہچان لیا۔ وہ مسلمان تھے جو ملک شام سے آ رہے تھے۔
ناظرین بھولے نہ ہوں گے کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت سعدؓ کو پیغام بھیجا تھا کہ انھوں نے ابو عبیدہؓ ملک شام کے سالار اعظم کو لکھا ہے کہ وہاں سے ایران میں امدادی سپاہ روانہ کریں اُن کے حکم کے مطابق حضرت ابو عبیدہ نے امدادی لشکر بھیجا تھا۔
یہ لشکر کا ہراول تھا۔ یہ لشکر قعقاع بن عمرو کی سرکردگی میں آ رہا تھا۔ قعقاع نہایت شیر دل بہادر اور تجربہ کار مجاہد تھے۔ یہ لشکر عین وقت پر پہنچا مسلمانوں کو نہ اس لشکر کے آنے کی امید تھی نہ اس کی آمد کی پہلے کوئی اطلاع ہوئی تھی۔
مسلمانوں نے صبح کی نماز کے بعد غیب سے مدد کی دعا مانگی تھی۔ وہ خدا کے بیحد شکر گزار ہوئے کہ اس نے کس قدر جلد ان کی دعا قبول کر لی ان کو یقین ہو گیا کہ خدا ان پر مہربان ہے۔ فتح انہیں کی ہو گی۔ یہ لشکر ایک ہزار تھا۔ جب وہ اسلامی لشکر کے قریب آیا تو انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ سارے مسلمانوں نے تمام اسلامی لشکر

نے جوش مسرت سے بے خود ہو کر نعرہ تکبیر بلند کر کے جواب دیا۔ ان نعروں کی باہم آوازوں سے میدان گونج اٹھا۔ فضا تھرا گئی۔ زمین لرز گئی۔ قعقاع لشکر لئے ہوئے سیدھے حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ آج بھی بالا خانہ پر بیٹھے تھے۔ قعقاع اور اس کے ہمراہیوں نے سالار اعظم کو سلام کیا۔ سعدؓ نے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا۔ قعقاع حضرت ابو عبیدہؓ نے کس قدر لشکر روانہ کیا ہے؟

قعقاع نے جواب دیا چھ ہزار۔

سعدؓ۔ تم صرف ایک ہزار معلوم ہوتے ہو اور لشکر کہاں ہے۔

قعقاع۔ پیچھے آرہا ہے اس لشکر کے افسر آپ کے بھائی ہاشم ہیں انہوں نے حکم دیا ہے کہ تھوڑا تھوڑا لشکر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تکبیریں کہتا ہوا آئے تاکہ دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو جائے ان کو معلوم ہی نہ ہو کہ کس قدر امدادی لشکر آیا ہے۔

سعدؓ۔ نہایت اچھی تدبیر ہے اچھا تم لوگ جا کر آرام کرو۔ دور سے سفر کئے آرہے ہو تم کل لڑنا۔ تھک گئے ہو آج ستالو۔

قعقاع۔ یا سردار امیر المسلمین ہم میں سے کوئی بھی نہیں تھکا ہے ہماری آرزو ہے کہ ہم آج ہی میدان جنگ میں نکل کر دشمنوں سے لڑیں۔

سعدؓ۔ میں نے تمہاری خستگی کے خیال سے ایسا کہا ہے اگر تم آج ہی لڑنا چاہتے ہو تو تم کو اجازت ہے جس محاذ پر تمہارا دل چاہے جا کر کھڑے ہو جاؤ اور دشمنوں سے لڑو۔ دیکھو میں بیمار ہوں گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا میں نے اپنا قائمقام خالد بن عرطفہ کو مقرر کیا ہے ان کے حکم کی تعمیل کرنا۔

قعقاع نے سعدؓ کا شکریہ ادا کیا۔ وہ واپس لوٹے لوٹتے وقت انہوں نے ایک شخص کو ایک کمرہ میں بند کھڑا دیکھا وہ دریچہ سے جھانک رہا تھا قعقاع نے اسے پہچان لیا وہ ابو المحجن مشہور شاعر تھا انہیں اسے قید دیکھ کر تعجب ہوا مگر میدان جنگ میں جانے کی عجلت نے اسے استفسار حال سے بہرہ اندوز نہ ہونے دیا وہ مع اپنے ہمراہیوں کے سب سے آگے جا کھڑے ہوئے ایرانیوں کے لشکر سے ایک گرانڈیل ایرانی گھوڑا بڑھا کر میدان جنگ میں آیا۔ اس نے پکار کر کہا کسی کو لڑنے کے لئے بھیجو۔

قعقاع خالد سے اجازت لے کر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایرانی نہایت بہادر اور ریختہ کار تھا۔ تمام ایران میں اس کی شجاعت کا غلغلہ تھا۔ اس کا نام بہمن جادویہ تھا۔ قعقاع بہمن کو جانتے تھے بہمن بھی ان سے واقف تھا۔

بہمن نے دیکھتے ہی کہا۔ اچھا قعقاع تم میرے مقابلہ کے لئے آئے ہو۔ میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ۔ تم میرے ساتھ نہیں لڑ سکتے۔ کسی بہادر آدمی کو مقابلہ کے لئے بھیجو۔ قعقاع ہنسے انہوں نے کہا۔ اب تو میں تمہارے مقابلہ کے لئے نکل ہی آیا واپس نہیں جا سکتا۔ بہمن نے تلوار بلند کرتے ہوئے کہا سچ ہے جب تم مرنے کے لئے میرے سامنے آ ہی گئے تو کیوں تمہیں چھوڑ دوں۔ لو موت کا ذائقہ چکھو۔ قعقاع نے بھی تلوار میان سے نکالی بائیں ہاتھ میں ڈھال لے لی اور بہمن کا حملہ روکتے ہی کہا ابھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کس کا انتظار کر رہی ہے۔

بہمن کو یقین تھا کہ وہ پہلے ہی حملہ میں قعقاع کو مار ڈالے گا۔ مگر جب قعقاع نے اس کا حملہ روکا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے غضبناک ہو کر پھر حملہ کیا۔ قعقاع نے بڑے تجربہ کاروں کی طرح اسکا یہ حملہ بھی روکا۔ اب بہمن کے غصہ کی انتہا نہ رہی وفور غیظ سے ان کی آنکھیں شرربار ہو گئیں۔ اس نے طیش میں آ کر متواتر حملے کئے قعقاع نے اس کے تمام حملے رد کئے اور اللہ اکبر کہہ کر پوری قوت اور پورے جوش سے ایک حملہ کیا۔ ان کی پر جوش تلوار بجلیاں گراتی چنگاریاں برساتی بہمن کے سر پر پہنچی بہمن نے ڈھال سامنے کر دی۔ تلوار نے ڈھال کاٹ ڈالی۔ خود کا کچھ حصہ اڑا دیا۔ بہمن ڈر گیا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ خوف سے بدن کانپنے لگا۔ اس نے ڈھال پھینک دی گھوڑا لوٹایا اور تیزی سے اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ قعقاع نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے کہا۔ بزدل ڈرپوک کہاں بھاگا جاتا ہے موت اپنی آغوش کھولے تجھے گود میں لینے کے لئے تیرے پیچھے بھاگی چلی آ رہی ہے۔ بہمن پر ایسا خوف و رعب طاری ہو گیا تھا کہ اس نے پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ وہ کانپتا ہوا گھوڑا بھگائے چلا آ رہا تھا۔ قعقاع نے گھوڑے کے ایڑ لگائی گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بہمن کے برابر میں پہنچے۔ بہمن نے خوفزدہ حسرت آمیز نگاہوں سے ان کو دیکھا اسی وقت قعقاع کی تلوار بجلی کی طرح کوندی۔ بہمن کے سر کی طرف بڑھی اس کی

گردن پر پڑی۔ زرہ کی زنجیر کو کاٹا اور سر کو صابن کی طرح سے اڑا دیا بہمن نے ایک دلدوز چیخ ماری اس کا بے سر لاشہ تھر تھرا کر گھوڑے سے گرا گھوڑا ڈر کر ایسا بھاگا گویا چاروں طرف سے اس پر تلواروں کا مینہ برسایا جا رہا ہے قعقاع نے گھوڑا روکا۔ وہ بہمن کی لاش دیکھنے لگے۔ بہمن طویل القامت تھا اس کا لاشہ دور تک زمین کو گھیرے پڑا تھا۔ ابھی قعقاع بہمن کی لاش دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک اور ایرانی بڑبڑاتا غصہ سے پیچ و تاب کھاتا گھوڑے دوڑائے آتا نظر آیا۔ قعقاع نے اسے آتے ہوئے دیکھا وہ سنبھل کر اس کا استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اس آنے والے ایرانی کا نام بزرجمہر ہمدانی تھا۔ مشہور بہادر تھا۔ ہاتھ میں نیزہ لئے اس طرح دوڑا چلا آ رہا تھا گویا آتے ہی نیزہ قعقاع کا کام تمام کر دے گا۔ قعقاع نے جلدی سے تلوار میان میں کر کے نیزہ نکالا۔ گھوڑے کو بزرجمہر کی طرف دوڑایا دونوں سوار ملے دونوں کے نیزے ٹکرائے نیزوں سے چنگاریاں نکلیں۔ بزرجمہر کا گھوڑا اور بھی دوڑا چلا گیا قعقاع نے جلدی سے اپنا گھوڑا لوٹایا۔ نیزہ تانا۔ اور بزرجمہر کے پیچھے لپکے اس کے قریب جا کر پوری طاقت سے نیزہ مارا۔

نیزہ زرہ توڑ کر پشت کو چھیدتا ہوا سینہ کے پار ہو گیا۔ بزرجمہر نے دلدوز چیخ ماری اس کا چہرہ لٹک گیا آنکھوں میں مردنی چھا گئی وہ لرز کر گھوڑے سے نیچے گرا قعقاع نے نیزہ نکالنا چاہا۔ لیکن نیزہ زرہ اور پشت اور سینہ میں ایسا پھنس گیا تھا کہ نکل نہ سکا۔ قعقاع نے نیزہ چھوڑ کر جلدی سے گھوڑا بڑھایا اور بڑھ کر بزرجمہر کے خوفزدہ گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اسے ساتھ لیا اور اسلامی لشکر کی طرف لوٹ کر آہستہ آہستہ نہایت اطمینان سے چلے۔

آج اسلامی صفوں سے آگے خالد بن عرطفہ اسلامی علم ہاتھ میں لئے کھڑے تھے جب قعقاع ان کے قریب پہنچے تو انھوں نے ان کو مبارکباد دی اور شکریہ ادا کیا اس عرصہ میں ایرانیوں کی طرف سے شہزادہ شہر براز میدان کارزار میں نکل آیا وہ سیستان کا شہزادہ تھا۔ فوق البھڑک ریشمین کپڑے زرہ کے اوپر سے پہنے ہوئے تھا خود پر تاج اوڑھے تھا۔ اس کے کپڑے تاج اور ہتھیار دھوپ میں جگمگا رہے تھے قعقاع نے ان کے مقابلہ کے لئے بھی نکلنے کا ارادہ کیا۔ خالد نے

انہیں روک کر کہا۔ تم نے اپنا حق ادا کر دیا میرے امکان سے باہر ہے کہ اب میں تمہیں میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت دوں اب دوسروں کا نمبر ہے۔ قعقاع ہٹ کر اپنی جگہ جا کھڑے ہوئے ایک نوجوان اعود بن قطبہ نامی خالد کے پاس آیا اس نے میدان کارزار میں جانے کی اجازت چاہی اسے اجازت مل گئی۔ وہ گھوڑا دوڑا کر شہزادہ برانز کے قریب پہنچا۔ شہزادہ نہایت گرانڈیل اور عظیم الجثہ نوجوان تھا۔ اعود نحیف الجثہ اور دبلے پتلے تھے شہزادہ نے بہ نظر استحقار ان کو دیکھ کر کہا کیا تم میرے مقابلہ کے لئے آئے ہو۔ کیوں مرنا چاہتے ہو۔ واپس چلے جاؤ کسی مجھ ہی جیسے طویل القامت اور قوی الجثہ بہادر لڑنے والے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اعود فارسی نہ جانتے تھے وہ شہزادہ کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکے البتہ ان کی تفاخر آمیز حرکات چشم ابرو کے اشاروں سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ انہیں ناچیز سمجھ رہا ہے انہوں نے کہا جوش و طاقت تن و توش پر موقوف نہیں ہے اس کے لئے دل اور گردہ کی ضرورت ہے۔ شہزادہ عربی نہ جانتا تھا وہ بھی اعود کی گفتگو کا ایک لفظ تک نہ سمجھ سکا البتہ اس کی خشمگیں نگاہوں سے سمجھ گیا کہ اعود کو غصہ آ گیا ہے۔ اس نے تلوار میان سے کھینچی اس کی آبدار تلوار تھی آفتاب کی شعاعوں نے تڑپ کر تلوار کو بالکل بجلی بنا دیا۔ اس کی طرف نگاہ بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ فوراً اعود نے بھی تلوار کھینچی اس کی تلوار بھی صیقل شدہ تھی شعاعوں نے اسے جگمگا دیا تھا۔ شہزادہ نے بڑھ کر اعود پر حملہ کیا۔ اعود نے ڈھال سامنے کر دی۔ شہزادہ کی تلوار ڈھال کا حصہ اڑا گئی اعود پر فکر و خوف کا غلبہ ہوا مگر ہوا کے جھونکے کی طرح یہ خوف آیا اور نکلا چلا گیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر تلوار اٹھائی اور شہزادہ پر حملہ کیا۔ شہزادہ پہلے ہی تلوار کا دوسرا وار کر چکا تھا دونوں تلواریں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ دونوں دلیروں کے ہاتھوں میں تلوار کے دستے ہی رہ گئے دونوں نے جلدی سے دستے پھینک دیئے اور نیزے نکال۔ لئے اعود نے حملہ میں سبقت کی۔ اس نے تاک کر پوری طاقت سے شہزادہ کے سینہ پر نیزہ مارا شہزادہ خود حملہ کرنے کی فکر میں تھا وہ اعود کا حملہ نہ روک سکا نیزہ اس کے سینہ پر پڑا زرہ کو توڑ کر سینہ چھیدتا ہوا پشت سے پار نکل گیا۔ شہزادہ نے ایا۔ آہ تک نہ کی وہ نیزہ کے اوپر جھول گیا۔ اعود نے نیزہ کھینچا۔ نیزہ بری طرح سے پھنس

گیا تھا کہ نکل نہ سکا۔ اعود نے ایک ہاتھ سے نیزہ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے شہزادہ کا تاج اور زیورات اتار کر نیزہ چھوڑ دیا۔ شہزادی کی لاش گر پڑی۔ اعود نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اسلامی لشکر میں آ گئے۔ خالد نے ان کا بھی شکریہ ادا کیا۔ تاج و زیورات اور گھوڑا سب سامان انہیں کو دیدیا۔ رستم قلب لشکر میں تخت پر بیٹھا تھا اور میدان کارزار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے تین ایرانی بہادروں کے مارے جانے سے سخت رنج ہوا اس نے تمام لشکر کو دھاوا کرنے کا اشارہ کیا۔ طبل جنگ زور زور سے بجایا جانے لگا۔ ایرانی لشکر سیلاب کی طرح بڑھا۔ ہاتھیوں کے جھنڈ سب سے آگے چلے۔ سعدؓ بھی بالاخانہ کی چھت سے تمام واقعات دیکھ رہے تھے انھوں نے ایرانیوں کے سیلاب کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ گویا اعلان جنگ کر دیا تمام مسلمانوں نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اس نعرہ کی آواز نے زمین ہلا دی ایرانیوں کے طبل جنگ کی آواز اس نعرہ کی آواز میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ ابھی ابھی اسلامی لشکر نے ایک قدم بھی حرکت نہ کی تھی کہ ایک عورت سر سے پاؤں تک مستور قلب لشکر میں آ کر کھڑی ہو گئی اس عورت کا نام "خنسا" تھا۔ مشہور شاعرہ تھی۔ بازار عکاظ[1] میں اس کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ ارثی العرب (عرب کے مرثیہ گو) بہترین مرثیہ گو تھی وہ مسلمان ہو گئی تھی اور چاروں بیٹے گھوڑوں پر سوار۔ لڑائی کے لئے تیار کھڑے تھے اس نے اپنے بیٹوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

لَمْ تَنْبُ لَكُمُ الْبِلَادُ وَلَمْ تُفْحِمْكُمُ السَّنَةُ ثُمَّ جِئْتُمْ وَأُمُّكُمْ
عَجُوزٌ كَبِيرَةٌ تُضَعْضِعُهَا بَيْنَ أَيْدِي أَهْلِ فَارِسَ وَاللّٰهِ إِنَّكُمْ لَبَنُو رَجُلٍ وَاحِدٍ كَمَا
أَنَّكُمْ بَنُو امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ مَا خُنْتُ أَبَاكُمْ وَلَا فَضَحْتُ خَالَكُمْ انْطَلِقُوا فَاشْهَدُوا وَ

---

[1] ایام جاہلیت میں عرب میں میلہ لگتا تھا اس کا نام بازار عکاظ تھا دور دور سے سوداگر آتے تھے مشہور و معروف شاعر جمع ہوتے تھے۔ خوب خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ملکی مصنوعات کی نمائش کی جاتی تھی۔ تیر افگنی، شمشیر زنی، نیزہ بازی کے جوہر دکھائے جاتے تھے۔ (صادق صدیقی سردھنوی)

اَوّل القتال کا خر ہؤ (ترجمہ پیارے بیٹو تم اپنے ملک کو دو بھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا
باوجود اس کے تم اپنی کہن سالہ ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا
کی قسم تم جس طرح ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے
باپ سے بد دیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ جاؤ اول سے آخر تک لڑو۔
اسلامی لشکر نے پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام میدان گونج گیا کھلنا سامنے
گئی مجاہدین بڑھے نہایت جوش اور ولولہ کے ساتھ بڑھتے ایرانی بڑھتے چلے آرہے
تھے۔ دونوں لشکروں کے ہراولوں نے نیزے نکال رکھے تھے مگر ایرانی ہاتھیوں
کے پیچھے تھے مجاہدین کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر پھر بدکنے لگے۔ قعقاع
نے یہ کیفیت دیکھی انہوں نے خالد سے عرض کی کہ پیدلوں کو بڑھا کر ہاتھیوں
کی بلا رد کیجئے۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اس پر عمل کرتا ہوں۔
خالد نے پیدلوں کو اشارہ کیا۔ پیدل بڑھے قعقاع ہٹ کر پیچھے چلے گئے
انہوں نے تین سو اونٹ منتخب کئے ان پر عماریاں کسوائیں۔ عماریوں پر جھولیں ڈال
دیں اس طرح سے اونٹ ہاتھیوں سے بھی زیادہ مہیب نظر آنے لگے۔ قعقاع
دھر کا گھوم گھا کر اسلامی لشکر کے کنارہ کنارہ مہیب شکل اونٹوں کو لے کر روانہ ہوئے
ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ہاشم کا بھیجا ہوا پیادہ دستہ نعرے لگاتا ہوا آیا قعقاع
نے اس دستہ کو اپنے ہمراہ لے لیا اور بڑھے کچھ ہی دور چلے تھے کہ پشت کی طرف سے
اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ انہوں نے پھر کر دیکھا اُدھر سے چند سوار آتے ہوئے
نظر آئے۔ قعقاع نے سمجھ لیا کہ مدینہ منورہ سے آرہے ہیں۔ کیونکہ جس راستہ سے وہ
آرہے تھے وہ مدینہ کا ہی راستہ تھا۔
وہ اونٹوں کو کھڑا رہنے کا حکم دے کر آنے والے سواروں کی طرف چلے سوار
بالاخانہ کی چھت کے نیچے سعدؓ کے سامنے جا کر رکے۔ سعدؓ کو سلام کیا۔ سعدؓ نے سلام
کا جواب دیکر دریافت کیا۔ تم کہاں سے آرہے ہو۔ ان میں سے ایک سوار نے
جواب دیا۔ ہم حجاز سے آرہے ہیں۔ مدینۃ الرسول سے امیرالمومنین نے مجاہدین
کے لئے تلواریں بھیجی ہیں اس عرصے میں قعقاع بھی سواروں کے پاس پہنچ گئے
تھے۔ سعدؓ نے قعقاع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ان تلواروں کو مجاہدین
میں تقسیم کر دو۔

تلواریں اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ قعقاع اونٹوں کو ہنکا کر لے چلے۔ سعدؓ نے ان سواروں کو آرام کرنے کا حکم دیا۔ لیکن جنگ شروع ہو گئی تھی مجاہدین میدان جنگ میں سرفروشی کر رہے تھے آنے والے سوار آرام کس طرح کرتے انھوں نے بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت طلب کی۔ سعدؓ نے اجازت دیتے ہوئے انھیں قلب لشکر میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی مل کر قلب لشکر میں پہنچے اور اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے گروہ سفر کر کے ہی نہیں آئے۔

قعقاع تلواروں والے اونٹ لئے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں اُن کے ہمراہی معہ ستّر جھول پوش اونٹوں کے کھڑے تھے۔ اس وقت جنگ شعلہ بر شروع ہو گئی تھی آفتاب کی شعاعوں میں برق وش تلواریں اٹھ اٹھ کر کوندتی تھیں۔ انسانوں کے سروں پر جھکتی تھیں۔ نہایت خوفناک شور و شغب شروع ہو گیا محاذ جنگ۔ نہایت طویل ہو گیا تھا افق سے افق تک تلواریں اٹھیں اور جھکتی نظر آتی تھیں۔ متخاصمین کی پہلی صفیں ترتیب میں نہ رہی تھیں مسلمان ایرانیوں میں ایرانی مسلمانوں میں صفیں توڑ توڑ کر گھس گئے تھے۔ نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی تھی۔ قعقاع چکر لگا کر ہاتھیوں کے سامنے پہنچے ہاتھیوں سے پیدل اُلجھ رہے تھے۔ مگر فیل نشینوں کے تیر ان کے پیدل دستوں کو بہت نقصان پہنچا رہے تھے۔ ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے پیدلوں میں تلاطم پیدا کر دیتے تھے۔ لیکن یہ مسلم پیدل دستے بھی غضب کے جیدار تھے ہر سختی کا مقابلہ کرتے ہوئے جنگ کر رہے تھے۔ قعقاع نے ہاتھیوں کے بالمقابل اونٹوں کو جا کھڑا کیا۔ جس وقت ہاتھیوں نے ان مہیب شکل اونٹوں کو دیکھا فوراً رک گئے۔ ہر چند فیلبانوں نے آنکس لگائی ان کو بڑھانا چاہا مگر وہ ایک قدم نہ بڑھے۔ ہاتھیوں کے پیچھے ایرانی سواروں کی صفیں تھیں۔

قعقاع نے اونٹوں کو ہاتھیوں سے آگے ریل دیا۔ ایرانی گھوڑوں نے جب ان خوفناک اونٹوں کو دیکھا تو بھڑکنے لگے۔ سواروں نے گھوڑوں کے روکنے کی ہر چند کوشش کی مگر بے سود۔ انہیں دیکھ کر سیکڑوں گھوڑے الف ہو گئے اور سیکڑوں سوار گھوڑوں سے نیچے جا پڑے۔ بہت سے سوار اپنے ہی گھوڑوں کے نیچے کچلے گئے۔ گھوڑے اونٹوں کو دیکھتے ہی کانپتے اور کھڑے ہو جاتے اور لگام منہ میں دبا کر بے تحاشہ پیچھے کی طرف بھاگ پڑتے اس سے ایرانیوں کے

لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ قعقاع نے اسلامی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا مسلمانو! امیر المومنین نے مجاہدین کے لئے تلواریں بھیجی ہیں جن لوگوں کے پاس تلواریں نہیں ہیں یا جوان تلواروں کا حق ادا کر سکیں لے لیں۔

ایسے بہت سے مجاہدین تھے جن کے پاس صرف نیزے ہی تھے۔ تلواریں نہ تھیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کی تلواریں ناکارہ ہو گئی تھیں۔ ایسے سب لوگ بڑھے۔ قعقاع نے ان میں تلواریں تقسیم کیں۔ لوگ تلواریں لے لے کر نہایت جوش سے بڑھے۔ دشمنوں پر حملے کرتے اور رجز کے فخریہ اشعار پڑھتے۔ تلواریں پانے والوں میں ایک نوجوان مجاہد پر جوش ابیل بن عمرو بھی تھے۔ انہوں نے فخر کے جوش میں فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

لقد علم الاقوام اَنا احقهم ۔۔۔ اذ حصلوا ء بالمرهفات البوائد

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں ۔۔۔ جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی تلواریں پائیں

قعقاع نے تلواریں تقسیم کرتے ہی گھوڑے سے اُتر کر ہاتھیوں کی طرف رخ کیا وہ ایک ہاتھ میں نیزہ لے کر بڑھے ان کے ہمراہیوں نے بھی ان کی تقلید کی فیل نشینوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کی۔

مسلمانوں کے ایک دستہ نے ایک جگہ کھڑے ہو کر فیل نشینوں پر اس قدر تیر برسائے کہ وہ گھبرا گئے۔ اور جواب میں ان کے اوپر تیر برسانے لگے۔ اس سے قعقاع اور ان کے ہمراہیوں کو امن ملا۔ موقعہ ملا وہ تیزی سے بڑھ کر ہاتھیوں کے پاس پہنچے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نیزوں سے ان پر حملہ کیا۔

اول اول تو ہاتھی غیظ و غضب میں آ آ کر سونڈیں پھیلا پھیلا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر جب مسلمانوں نے نیزوں اور تلواروں سے ان کی سونڈوں پر زخم لگانے شروع کئے تو وہ چیخ اٹھے پیچھے پھر کر بھاگے اور ایرانی سواروں کو روندتے ہوئے پہلی صف سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں نکلے چلے گئے۔ ہاتھیوں کی اس بے تحاشہ بھاگ دوڑ سے ایرانیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔

ہاتھیوں کے دور ہوتے ہی مسلمان سوار جوش و خروش سے بڑھے وہ ایرانیوں پر جا ٹوٹے۔ جنگ نہایت زور و شور سے شروع ہو گئی انسانی اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے اور خون کی دھاریں بہنے لگیں رسعد بالاخانے

پر بیٹھے اس خونفشاں منظر کو دیکھ رہے تھے وہ خدا سے مسلمانوں کی فتح یابی کے لئے دعا مانگنے لگے۔

ابو المحجن بھی دریچہ سے لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا وہ سخت بے قرار ہو رہا تھا۔ جوش اور بہادری نے اس کی رگ رگ بیٹر کا دی تھی اس نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

كفى حزناً ان تردى الخيل بالقنا وأترك مشدوداً عليّ وثاقيا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازی کریں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں

إذا قمت عناني الحديد وغلقت مصاريع من دوني تصم المناديا

جب اٹھنا چاہتا ہوں زنجیر اٹھنے نہیں دیتی دروازے بند کئے ہیں پکارنے والے پکارتے رہ جاتے ہیں

اتفاق سے اسی وقت سلمیٰ حضرت سعد کی بیوی اس طرف آ نکلیں وہ ابو المحجن کی کیفیت دیکھنے اور اشعار سننے کھڑی ہو گئیں ابو المحجن نے بھی ان کو دیکھ لیا۔ اس نے کہا۔
یا سیدہ کیا یہ افسوسناک بات نہیں ہے کہ مسلمان لڑ رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا جیل خانہ میں پڑا ہوں۔

سلمیٰ نے کہا بے شک افسوسناک بات ہے۔ لیکن جو فعل تم نے کیا ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔

ابو المحجن۔ بلاشبہ میں نے برا کیا۔ بہت برا۔ میں شرمندہ ہوں۔ توبہ کر چکا ہوں کیا خدا میری توبہ قبول نہ کرے گا۔

سلمیٰ۔ ضرور کرے گا۔ کیا تم بھول گئے کہ خدا نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا
(ترجمہ جس نے برا عمل کیا اپنے نفس پر ظلم کیا (گناہ کیا) اور پھر پچھتا کر خدا سے مغفرت طلب کی۔ خدا کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

ابو المحجن مجھے یاد ہے اسی لئے تو مجھے امید ہے کہ خدا میری توبہ قبول کر کے مجھے معاف فرمائے گا اے محترم خاتون میرا دل لڑنے کے لئے بے قرار ہے اگر تم مجھے رہا کر دو تو میں جہاد کروں۔

سلمیٰ نے قطع کرتے ہوئے کہا رہا کر دوں؟

ابو المحجن نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ ہاں رہا کر دو میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر زندہ

بچاؤ خود تا اگر بیڑیاں پہن لوں گا کیا تم میری بات کا اعتماد کرتی ہو؟

سلمیٰ جس طرح جھوٹ بولنا بڑا گناہ ہے اسی طرح مسلمان کی بات پر یقین نہ کرنا بھی گناہ ہے لہٰذا مجھے یقین ہے!

ابوالمحجن۔ یقین ہے تو مجھے رہا کر دو۔

سلمیٰ نے فوراً بیڑیاں کاٹ ڈالیں ابوالمحجن شکریہ ادا کر کے اٹھا سلمیٰ نے اسے ڈھال اور تلوار دی ایک نیزہ بھی دیا۔

وہ بالاخانہ سے نیچے اترا۔ اصطبل میں گیا سعدؓ کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا۔ اس پر سوار ہوا اور نہایت تیزی سے میدان کارزار کی طرف چلا۔ اب لڑائی بھی نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ فریقین نہایت سرگرمی سے لڑ رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ہاتھ پیر۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اور تلواریں جلد جلد بلند ہو کر خون کی بارش کر رہی تھیں۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلواروں کا کھیت اگا ہوا نظر آ رہا تھا آلات حرب کی جھنکار۔ ایرانیوں کے طبل جنگ کی آواز زخمیوں کی چیخ و پکار سے تمام میدان کارزار گونج رہا تھا۔ لوگ لڑ رہے تھے۔ نہایت اطمینان سے اور استقلال سے بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ایرانی مسلمانوں کو اور مسلمان ایرانیوں کو دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس پر بھی کوئی فریق ایک انچ پیچھے ہٹنے کو آمادہ نہ تھا اس وقت آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ دھوپ میں تمازت تھی شعاعیں سیدھی ہو گئی تھیں سایہ پیروں کے نیچے آ گیا تھا۔ ہوا بند تھی۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ مگر لڑنے والوں کو نہ دھوپ کی پرواہ تھی نہ گرمی کی۔ وہ سر جھکائے جدال و قتال میں مصروف تھے۔

ابوالمحجن گھوڑا دوڑائے آیا۔ نیزہ کے ہاتھ نکالتا ہوا میمنہ سے میسرہ تک چکر لگایا۔ جو ایرانی سامنے آیا اسے چھیدتا چلا گیا۔

مسلمانوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے جوش کو اس کے طرز حملہ کو دیکھا ابوالمحجن نے اس زور سے حملہ کیا کہ صف کی صف الٹ دی بیسیوں ایرانیوں کو چشم زدن میں مار ڈالا۔

ایرانیوں پر اس کا رعب ایسا طاری ہوا کہ وہ کترانے لگے جس طرف وہ جاتا۔ ایرانی دب جاتے۔ پیچھے ہٹ جاتے۔ وہ بڑھ کر حملہ کرتا اور ہر حملہ میں ایک دو ایرانی موت

کے گھاٹ اتار دیا۔

سعدؓ بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے ہر حملہ پر آفریں کہہ رہے تھے اس کی جیداری پر عش عش کر رہے تھے اسوقت سلمیٰ ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

انھوں نے کہا تم نے اس سوار کو دیکھا جو میمنہ سے میسرہ اور میسرہ سے میمنہ میں چکر لگا رہا ہے!

سلمیٰ نے کہا۔ ہاں دیکھا ہے۔

سعدؓ۔ پہچانتی ہو کہ یہ کون ہے۔

سلمیٰ۔ آپ نے بھی شناخت کیا۔

سعدؓ۔ اس کے حملہ کا اندازہ ابوالمحجن کا سا ہے وہ تو قید خانہ میں بند ہے۔

سلمیٰ۔ یہ ابوالمحجن ہی ہے۔

سعدؓ نے حیرت سے سلمیٰ کو دیکھکر کہا۔ ابوالمحجن؟ لیکن اسے رہا کس نے کیا۔

سلمیٰ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ یہ قصور مجھ سے ہوا۔

سعدؓ نے جلدی سے دریافت کیا تم نے اُسے چھوڑ دیا۔

سلمیٰ نے خوفزدہ نظروں سے سعدؓ کو دیکھ کر جوابدیا۔ ہاں میں نے چھوڑ دیا۔ میرے سرتاج وہ لڑنیوالوں کو لڑتے دیکھ کر بیقرار ہو رہا تھا۔ افسوسناک شعر پڑھ رہا تھا۔

اتفاق سے میں اس طرف آنکلی۔ اس نے مجھ سے استدعا کی کہ میں اسے رہا کر دوں یہ اقرار کیا کہ اگر وہ زندہ بچ آیا تو از خود جیلخانہ میں آکر بیڑیاں پہن لے گا مجھے ترس آگیا میں نے اسے رہا کر دیا۔

سعدؓ۔ تم نے اچھا کیا خدا کی قسم جو شخص مسلمانوں اور اسلام پر یوں نثار ہو میں اسے قید نہیں کر سکتا۔

جنگ نہایت خونریزی سے ہو رہی تھی۔ دلیر لڑ رہے تھے۔ نہایت جوش اور ہیبت سے لڑ رہے تھے مُردوں کے اس قدر ڈھیر لگ گئے تھے کہ گھوڑے ٹھوکریں کھانے لگے تھے۔ ابوالمحجن نہایت شدومد سے حملے کر رہا تھا۔ اس کا ہر حملہ پہلے حملے سے سخت ہوتا تھا خالد بھی ایک ہاتھ میں علم لئے نہایت جوش سے

لڑ رہے تھے۔ وہ بھی حملہ کرتے ہوئے جس طرف نکل جاتے تھے کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جاتے تھے۔ ایرانی بھی کمال دلیری سے اور بڑی سرفروشی سے لڑ رہے تھے ان کی آبدار شمشیریں خون آشامی میں کمی نہ کر رہی تھیں۔ ایرانی خلقی بہادر ہوتے ہیں کمال دلیری پورے جوش سے لڑائی میں مصروف تھے آج لڑائی ایسے انہماک سے ہو رہی تھی کہ کسی فریق کی کوئی صف قائم نہ رہی تھی۔ تمام صفیں ٹوٹ گئی تھیں۔ ایرانی مسلمانوں میں اور مسلمان ایرانیوں میں خلط ملط ہو گئے تھے۔ شام تک اسی طرح ہنگامۂ کارزار گرم رہا لیکن فتح و ظفر کسی فریق کو نہ ہوئی۔ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد جنگ ملتوی کر دی گئی۔ فریقین اپنی اپنی لشکرگاہوں کی طرف لوٹے۔

ابوالمحجن آفتاب غروب ہونے تک لڑتے رہے جب جنگ بند ہو گئی تو وہ بھی واپس لوٹے اور جیل خانے میں پہنچ کر چپ چاپ بیٹھ گئے ابھی انہیں آ کر بیٹھے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ حضرت سعدؓ آ گئے۔ وہ سعدؓ کی تعظیم کے لئے اٹھے سعدؓ نے ان سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔ ابوالمحجن میں تم سے اسلامی شیر کو قید خانہ میں نہیں رکھ سکتا۔ جاؤ میں نے آزاد کیا خدا تمہارے گناہ معاف کر دے ابوالمحجن پر ان کی گفتگو ان کے طرز عمل کا گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے کہا۔ میں نے توبہ کر لی ہے انشاءاللہ اب تادم واپسیں شراب نہ پیوں گا۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بالاخانے سے اتر کر اپنے خیمے کی طرف چلے گئے۔ تمام اسلامی لشکر میدان کارزار سے واپس آ گیا سب سے پہلے مسلمانوں نے نماز پڑھی پھر کھانا پکانے کا انتظام کرنے لگے عورتیں مجروحین کی مرہم پٹی کرنے لگیں۔ عربی تواریخوں میں اس جنگ کا نام معرکۂ اغواث لکھا گیا ہے اس مشہور معرکہ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایرانی دس ہزار مارے گئے۔

چودھواں باب

دلیر حسینہ

جب یزدگرد اس کے ہمراہ آنے والی لڑکیاں رابیلا وغیرہ تمام چلے گئے اور پری زاد لیلیٰ سر جھکا کر بیٹھ گئی تو آسیہ نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کچھ دیر کھڑی ہو کر آہٹ لی۔ جب اطمینان ہو گیا کہ سب چلے گئے تو وہ آہستہ آہستہ چل کر لیلیٰ کے پاس پہنچ سکیں وہ بے بس لیلیٰ سر جھکائے تصویر غم بنی بیٹھی تھی۔ آسیہ اس مظلوم غمزدہ حور آشفتہ پری پیکر کو سر بگریباں دیکھ کر بہت زیادہ کڑھی اس نے کہا علیہ مت ماب لیلیٰ!

لیلیٰ نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا۔ چاند سے رخساروں پر ڈھلک آنے والی زلفوں کو دونوں ہاتھوں سے درست کیا۔ غم و حسرت بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھا آسیہ اس کی غمزدہ صورت حسرت بھری آنکھیں دیکھ کر بے قرار ہو گئی اس نے کہا بی بی اس قدر غم نہ کرو تم دھان پان ہو۔ نازک ہو۔ غم برداشت کرتے کرتے نازک تر ہو جاؤ گی۔ لیلیٰ نے غم بھرے لہجہ میں کہا موت کا انتظار کر رہی ہوں۔ موت آ کر میرے غم کا علاج کر سکتی ہے۔ آسیہ نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ تم جوان ہو۔ حسین ہو موت کی آرزو نہ کرو۔

لیلیٰ نے آہ سرد بھر کر کہا جس کا بھائی موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہو وہ کیوں غمزدہ نہ ہو۔ کیوں موت کی آرزو نہ کرے۔

آسیہ نے کہا لیلیٰ عاصم کی وجہ سے کچھ تم ہی غمزدہ نہیں ہو!

لیلیٰ نے حیرت سے آسیہ کو دیکھا لیکن اس کی حیرت جلدی ہی حسرت اور غم میں جذب ہو کر رہ گئی اس نے کہا۔ آ، اس غریب الوطن مظلوم کا دیار غیر میں کون ہمدرد ہے۔

آسیہ۔ ایک اور ہستی بھی اس کے لئے بے قرار ہے۔

لیلی۔ وہ کون ہے۔
آسیہ۔ امیر جوشاہ کی بیٹی پروین۔
لیلی۔ جوشاہ کون ہے۔
آسیہ۔ جلولہ کا رئیس ہے سرحدکا اخبار نویسی پر متعین ہے۔
لیلی۔ اس کی بیٹی نے عاصم کو ہاں دیکھا پروین کو کیسے اس سے ہمدردی پیدا ہوگئی؟

آسیہ نے مختصر طور پر عاصم اور پروین کا تمام واقعہ سنا دیا لیلی نے کہا۔ آسیہ میں پروین کی بیحد مشکور ہوں لیکن کیا وہ اسے بچالے گی۔

یہ کہتے ہی لیلیٰ نے اپنی غمزدہ نگاہیں آسیہ کے خوبصورت چہرہ پر گاڑ کر بے صبری سے جواب کا انتظار کیا۔

آسیہ نے کہا۔ جب کوئی صورت اس کی رہائی کی نہ نکلی تو میں نے اس کام کو سنبھالنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

لیلی حیران رہ گئی حیرت سے آسیہ کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی آسیہ نے کہا لیلیٰ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ مجھے پروین سے محبت ہے پروین عاصم کو چاہتی ہے۔ میں نے اس کے بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے لیلی نے حیرت کی گہرائیوں سے نکل کر کہا۔ تعجب ہے کہ ایک بیدرد بھائی کی بہن اور ایسی نیک ایسی فرشتہ خصلت ایسی رحمدل خدا تم کو جزائے خیر دے۔

آسیہ۔ لیلی تم غم نہ کرو۔ جبتک میں زندہ ہوں جب تک میرے دم میں دم ہے عاصم قتل نہیں کیا جا سکتا۔

لیلی نے انتہائی مشکورانہ نظروں سے خوبصورت آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ آسیہ تمہارا شکریہ تم مظلوموں کے دکھیا دل سے دعا لو۔ کاش بادشاہ مجھے مار ڈالے اور میرے بھائی کو چھوڑ دے۔

آسیہ۔ لیلیٰ اطمینان رکھو عاصم کے ساتھ تم کو بھی بچایا جائے گا۔
لیلی۔ لیکن آسیہ تم کیسے میرے بھائی کو بچاؤ گی۔
آسیہ۔ سنو شاہی انگشتری جادو کا اثر رکھتی ہے۔ جس کے پاس وہ انگشتری ہو اس کے حکم کی تعمیل کرنے میں معمولی سپاہی سے لیکر اعلیٰ افسر تک چون وچرا نہیں

کر سکتا جو کہا جائے فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے میں اس انگشتری کو چرانے آئی ہوں۔
لیلیٰ نے حیرت سے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ بڑا خطرناک کام ہے۔
آسیہ نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ خطرناک ضرور ہے مگر میرا دل کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گی۔!
لیلیٰ۔ خدا تم کو کامیاب کرے آسیہ تم جیل خانہ میں جاؤ گی۔!!
آسیہ۔ ہاں۔
لیلیٰ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی الفاظ لبوں تک آکر رہ گئے آسیہ نے دریافت کیا۔ لیلیٰ تم کیا کہنا چاہتی تھیں کہتے کہتے رک گئیں بتاؤ کیا وہاں اور بھی کوئی کام ہے۔
لیلیٰ کے چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے تھا کہ وہ کوئی بات کہنا چاہتی ہے مگر کہتے ہوئے شرماتی ہے۔ آسیہ نے کہا لیلیٰ اگر کوئی بات ہے تو بتاؤ تمہارا چہرہ کہہ رہا ہے کہ ضرور کوئی بات ہے مگر تم کہتے ہوئے ہچکچاتی ہو ابھی وقت ہے شرم کو بالائے طاق رکھ کر بیدھڑک کہدو۔ ورنہ موقعہ اور وقت نکل جانے پر پچھتانا پڑے گا۔
لیلیٰ نے شرمیلے لہجہ میں رکتے رکتے کہا آسیہ اس جیلخانہ میں ایک اور مظلوم بھی ہے۔
آسیہ۔ وہ کون ہے۔
لیلیٰ نے شرماتے ہوئے کہا میرا ایک ہم وطن ہے۔
آسیہ۔ اس کا کیا نام ہے۔
لیلیٰ کے پیارے چہرہ پر دوشیزگی کی حیا دوڑ گئی۔ اس کی ہوشربا آنکھیں بار حیا سے جھک گئیں۔ اس نے کہا عبید آسیہ نے اس کے پیارے اور بھولے چہرہ سے سب کچھ معلوم کر لیا اس نے کہا لیلیٰ میں اسے بھی بچانے کی کوشش کروں گا مگر پہلے ایک بات بتاؤ۔ لیلیٰ نے بھولے پن سے آسیہ کو دیکھکر دریافت کیا کیا؟ آسیہ نے قدرے مسکرا کر کہا کیا تم اسے پیار کرتی ہو؟؟ لیلیٰ شرم سے عرق عرق ہو گئی۔ اس کا خوبصورت سر جھک گیا۔ آسیہ اسے گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ جب لیلیٰ نے کچھ جواب نہ دیا تو آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا لیلیٰ بتا دو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے مجھے ان ہستیوں سے ہمدردی اور محبت پیدا ہوتی ہے جو کسی کو پیار کرتی ہیں۔

لیلیٰ نے اپنا خوبصورت سر اٹھایا۔ اس نے کہا آسیہ مجھے بے شرم نہ بناؤ تم سمجھدار ہو خود ہی سمجھ لو۔

آسیہ ہنس پڑی اور اس نے کہا اے عربی حور عبیدہ کس قدر خوش نصیب ہے کہ ایک یکتائے روزگار حسینہ اسے پیار کرتی ہے کیا وہ بھی تم کو چاہتا ہے؟

لیلیٰ نے انتہائی بھولے پن سے کہا اس کی مجھے خبر نہیں آسیہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ خبر نہ ہو گیا معنی اس بات کو کیوں چھپاتی ہو بتا دو میں کسی سے کہوں گی تھوڑا ہی۔ لیلیٰ نے متانت سے کہا میں سچ کہہ رہی ہوں آسیہ اس نے کبھی مجھ سے بات نہیں کی۔ آسیہ نے حیرت سے اس پری پیکر کو دیکھتے ہوئے کہا اور یہی حیرت کبھی بات کرنے کا موقع نہیں دیتی۔

لیلیٰ۔ بہت سے مواقع ملے نہ انہوں نے کچھ کہا نہ میں نے۔

آسیہ۔ ان کی نگاہوں نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ محبت کی نظر چھپانے سے چھپا نہیں کرتی۔

لیلیٰ۔ مجھے ان کی نگاہوں کی طرف دیکھنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔

آسیہ۔ خیر وہ تمہیں چاہتے ہوں گے اور ضرور چاہتے ہوں گے تم اس قدر خوبصورت ہو کہ تمہیں دیکھ کر برف بھی تمہیں پیار کرنے سے باز نہیں رہ سکتے

لیلیٰ میں عبید کو بھی بچانے کی سعی کروں گی۔ مجھے اجازت دو کہ میں اپنی کوشش شروع کر دوں۔ تم اپنے خدا سے اس خدا سے جس کو تم پوجتی ہو۔ کامیابی کی دعا کرو۔

لیلیٰ۔ خدا مظلوموں کی ضرور سنے گا انشاءاللہ تم کامیاب ہو گی۔

آسیہ آہستہ آہستہ چلی۔ لیلیٰ اپنی اپنے بھائی کی حور اور رینک خوبمرد کو دیکھنے لگی یہاں تک کہ وہ کمرہ سے باہر چلی گئی لیلیٰ اس کے جاتے ہی سجدہ میں جھک گئی۔ اس نے گڑگڑا کر آنسو بہا کر رجوع قلب سے اور خلوص دل سے آسیہ کی کامیابی کی دعا مانگی آسیہ اس کمرہ میں آئی جہاں دروازہ کے پاس کھڑی ہو کر اس نے آہٹ لی اسے خوف تھا کہ شاید بادشاہ کسی کو پہرہ پر چھوڑ گیا ہو۔ لیکن دیر تک چپ چاپ کھڑے رہنے سے جب کوئی آہٹ نہ آئی۔ تو وہ کمرہ سے باہر نکل کر برآمدہ میں آ گئی۔ آہستہ آہستہ شاہی خوابگاہ کی طرف چلی اسے ہر ہر قدم پر اندیشہ تھا کہ کہیں کسی کمرہ سے یکے بعد دیگرے کوئی پری جمال کنیز یا خادم نہ نکل آئے وہ خوفزدہ نظروں

سے چاروں طرف دیکھتی دبے قدموں چلی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ خوابگاہ کے کمرہ کے پاس پہنچی سیڑھیاں طے کر کے اوپر چڑھی دروازہ سے جھک کر کھڑی ہو کر کمرہ کے اندر کی آہٹ لینے لگی اسے کھڑے ہوئے زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ کمرہ کے اندر سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ کوئی کہہ رہا تھا آپ مہران کو اچھی طرح جانتے ہیں اس کے حسب نسب سے بھی واقف ہیں یقین ہے کہ آپ اس کی درخواست رد نہ کریں گے۔ آسیہ سمجھ گئی کہ یزدگرد کی آواز تھی۔ کسی نے جواب میں کہا مجھے کوئی عذر نہیں ہے پھر ایسی حالت میں جبکہ حضور ارشاد فرما رہے ہیں۔ لیکن حضور والا کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں نے اس معاملہ میں پروین کو پوری آزادی دے رکھی ہے اس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ آسیہ نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ جوشماہ کی آواز تھی اس نے ہشیاری سے ایک قدم بڑھ کر ریشمین پردہ میں سے جھانکا۔

کمرہ کے اندر جوشماہ اور یزدگرد ہی بیٹھے تھے۔ یزدگرد نے کہا میرے خیال میں پروین کو کوئی انکار نہ ہو گا۔ جوشماہ نے کہا یہی خیال ہے بشرطیکہ مہران نے اپنی جبلی عادت کے موجب اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی ہو۔ آسیہ نے دیکھا کہ یزدگرد کے چہرہ پر کچھ کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا۔ جوشماہ سنو۔ مہران بہت نیک، سلطنت کا بہی خواہ ما بدولت کا جاں نثار ہے اس نے ہم سے یہ استدعا کی ہے، ہم نے اس کی استدعا منظور کر لی ہے تمہیں یا پروین کو انکار کر کے عتاب شاہی میں نہ آنا چاہیئے۔

جوشماہ نے کہا۔ بندگان عالی کی اس قدر جرأت نہیں ہو سکتی۔ اسوقت ایک غلام کے لئے پھر ابیلا آئی۔ یزدگرد نے اس سے دریافت کیا۔

کیا کام ہے؟ ابیلا نے شیریں لہجہ میں کہا عالیجاہ کر آئی ۔ ۔ ۔ ۔

یزدگرد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میز پر رکھدو۔

ابیلا نے انگشتری میز پر رکھدی یہی وہ شاہی انگشتری تھی جس کو چرانے یا حاصل کرنے کے لئے آسیہ آئی تھی۔ آسیہ کا نازک دل انگشتری کو دیکھکر فرط مسرت سے دھڑکنے لگا اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ بادشاہ اس انگشتری کو یہیں پر رہنے دے۔ ابیلا انگشتری رکھکر کھڑی ہو گئی۔ یزدگرد نے اس سے دریافت کیا۔ کیا کچھ اور

بھی کہنا ہے؟ ایبلا نے کہا عالیجاہ میدانِ کارزار سے ایک قاصد آیا ہے۔ یزدگرد قاصد کے آنے کی خبر سُن کر قدرے متوحش سا ہو گیا اس نے جلدی سے کہا۔ فوراً بلاؤ ایبلا اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔ یزدگرد نے جوشماہ سے کہا میرا دل قاصد کی آمد کی خبر سُن کر بے قرار سا ہو گیا ان کمبخت مسلمانوں نے میرا عیش تلخ کر دیا ہے۔
جوشماہ نے کہا۔ فکر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ شاہی لشکر مسلمانوں کو کچل ڈالے گا لیکن
یزدگرد نے حیرت سے جوشماہ کو دیکھکر کہا لیکن کیا؟
جوشماہ۔ عالیجاہ مسلمانوں کے فتنہ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا گیا ہے۔
یزدگرد۔ کیسے؟
جوشماہ۔ مسلمانوں کو بے خطا بے قصور قتل اور قید کر کے۔
یزدگرد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قاصد کمرہ میں آیا اور سجدہ میں گر پڑا سلام کر کے اٹھا
یزدگرد نے پوچھا کیا تم ہی میدان جنگ سے آئے ہو۔
قاصد نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ پیر و مرشد۔
یزدگرد۔ کیا پیغام لائے ہو؟
قاصد۔ عالیجاہ پہلے دن کے معرکہ میں مسلمانوں نے شہزادہ ہرمز اور دو اور مشہور ایرانیوں کو گرفتار کر لیا اور سات ہزار ایرانیوں کو قتل کر دیا۔
یزدگرد کا چہرہ اُتر گیا۔ اُس نے کہا یہ تو بُرا ہوا کیا ایرانیوں نے مسلمانوں کو کچل نہیں ڈالا۔
قاصد۔ حضور والا مسلمان نہایت بہادر اور جفاکش ہیں ان کا کچل ڈالنا آسان نہیں۔ عالیجاہ سالار اعظم رستم نے فوری امداد طلب کی ہے۔
یزدگرد پریشان ہو گیا۔ اُس نے کہا کیا رستم اور اس کا پونے دو لاکھ لشکر بھی مسلمانوں کو نہیں کچل سکتے۔
قاصد۔ عالیجاہ نہیں بہت جلد امدادی لشکر روانہ کیجئے۔
یزدگرد نے جوشماہ کی طرف دیکھکر کہا۔ جوشماہ جو بات میں نے تم سے کہی تھی ابھی اسے رہنے دو۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے فتنہ کو دور کرو تو تم امپیریل گارڈ (شاہی رسالہ) کے چار ہزار نوجوان اپنے ہمراہ لے کر اسی وقت چلے جاؤ ایک لمحہ کی دیر نہ کرو جوشماہ کے بشرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مدائن سے نکلنا نہیں چاہتا تھا دست بستہ سے

دور ہونا چاہتا ہے ، وہ خوش ہوا اس نے کہا میں حکم تعمیل کے لئے حاضر ہوں ۔
یزدگرد ۔ اچھا اٹھو چلو میرے ساتھ چلو اور اسی وقت قادسیہ کی طرف روانہ ہو جاؤ
یہ کہتے ہی یزدگرد اٹھا ۔ جو شاہ بھی کھڑا ہو گیا ۔ دونوں آہستہ آہستہ چلے ۔ قاصد
پیچھے چلا تینوں کمرہ سے نکل گئے ۔ آسیہ نے ایک منٹ ضائع نہ کیا وہ دلیری سے بڑھی
کمرہ میں آئی انگشتری میز پر رکھی تھی اس نے خوفزدہ نظروں سے ادھر دیکھتے ہوئے
کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انگشتری اٹھائی اپنے نازک ہاتھ کی خوبصورت انگلی میں
پہنی اور خوف و دہشت سے کانپتی ہوئی خواب گاہ کے کمرہ سے نکل کر برآمدہ
میں آئی ۔ یہاں آ کر وہ تیزی مگر احتیاط سے چلنے لگی اس وقت اس کا نازک دل
کچھ خوف کچھ مسرت سے اس کے گداز پہلو میں دھڑک رہا تھا ۔ خوبصورت چہرہ
پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں مسیحا صفت گلاب کے پھول کی رنگت والے نازک لب
خشک ہو رہے تھے وہ برآمدہ کو طے کر کے کمرہ میں آئی یہاں بھی کوئی نہ تھا اس
کمرہ سے دوسرے میں دوسرے سے تیسرے میں گئی ۔ یہاں تک کہ تمام کمرے عبور کر کے
صحن میں نکلی ۔ صحن میں خدام اور کنیزیں پھر رہی تھیں ۔ وہ بدن چرائے لوگوں کی نظروں
سے بچتی چلی چبوترہ سے اتر کر باغیچہ میں آئی ۔ پہلے دروازہ کو عبور کر کے دوسرے باغیچہ
میں اور وہاں سے صدر دروازہ پر پہنچی گاڑی میں بیٹھ کر کوچوان کو تیز چلنے کا حکم دیا
کوچوان نے راسیں سنبھالیں گھوڑے کے ہنٹر برسائے ۔ گاڑی تیزی سے روانہ
ہوئی ۔ آسیہ چاہتی تھی کہ کسی طرح اس کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر پروین کے
پاس پہنچ جائے ۔ خیزران کو انگشتری دے کر آئندہ کارروائی کرنے کا مشورہ لے ۔
آخر گاڑی ہرمزان کے قصر میں پہنچی ۔ وہ جلدی سے اتری ۔ لپکی ہوئی قصر میں داخل
ہو کر سیدھی پروین کے کمرہ کی طرف بڑھی جس قدر تیز چلنے کی اجازت اس کے
پاؤں نے دی وہ چلی ۔ آخر پروین کے کمرہ میں پہنچی ۔ اس قدر مشقت برداشت
کرنے سے وہ ہلکان ہو گئی پسینہ کے باریک قطرے اس کے دل فریب پیارے
چہرہ پر نمودار ہو کر بڑے اچھے معلوم ہونے لگے ۔ جب وہ کمرہ میں داخل ہوئی تو اس
نے خیزران پروین اور دو عربوں کو کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے
دیکھا ۔ پہلے وہ ٹھٹکی پھر حیران ہوئی ۔ آخر بڑھی اس نے خیزران سے کہا ۔ خیزران
یزدان نے مجھے کامیاب کیا ۔ خیزران کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی ۔ اس نے

جلدی سے دریافت کیا۔ کیا تم انگشتری لے آئیں۔
آسیہ نے جلدی سے جواب دیا ہاں لے آئی ہوں۔ خیزران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن انگشتری کی اب ضرورت ہی نہیں رہی۔ آسیہ نے حیرت سے خیزران کو دیکھ کر پوچھا۔ کیوں کیا یہ دونوں وہی عرب جن کی رہائی کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔
خیزران۔ ہاں وہی ان میں ایک عاصم ہے اور دوسرا اس کا دوست عبیدہ ہے۔
عاصم اور عبیدہ دونوں خوبصورت تھے آسیہ ان دونوں کو آزاد پروین کے پاس خیزران کے کمرہ میں دیکھ کر حیران رہ گئی اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ یہ کیا اعجاز ہو گیا کیسے دونوں عرب اس جیلخانہ سے نکال لئے گئے جو زندہ انسانوں کا قبرستان ہے وہ آئینہ وار حیران کھڑی ہو کر دونوں عربوں کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔

پندرھواں باب

مصیبت زدہ قیدی

عاصم کو اس جیلخانہ میں ڈالا گیا تھا۔ جو تمام ایران میں زندہ انسانوں کا قبرستان کے نام سے مشہور تھا۔ جب کسی کو سخت سزا دینی ہوتی تھی یا بادشاہ کسی سے ناراض ہو جاتا تو مجرم کو اس جیلخانہ میں ٹھونس دیا جاتا تھا جہاں دو چار دن ۲۰ بیس دن زندہ رہ کر مر جاتا تھا۔ یہ جیل خانہ کیا تھا ایک زمین دوز تہ خانہ تھا۔ کسی نے آج تک تہ خانہ کو اندر جا کر نہ دیکھا تھا کہ کس قدر لمبا چوڑا ہے۔ کتنے کمرے ہیں کس حالت میں ہیں لوگ تہ خانہ کے اندر جاتے ڈرتے تھے عاصم طور پر مشہور تھا کہ اسے جنوں اور بھوتوں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے یہ خیال اس وجہ سے اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ جو قیدی اس جیل خانہ میں ٹھونسے جاتے تھے وہ بہت جلد مر جاتے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ قیدی مر مر کر بھوت بن جاتے ہیں یا بھوت قیدیوں کو کھا جاتے

ہیں۔ تہ خانہ کے محافظ عوام کو اور ڈراتے رہتے تھے وہ کہا کرتے تھے۔ کہ رات بھوتوں کے لڑنے کی تیز چیخنے اور چلانے کی آوازیں تہ خانہ سے آتی رہتی ہیں۔ عاصم کو بھی اس تہ خانہ میں قید کیا گیا وہ رات ہی کو اس مہیب تہ خانہ میں ڈالا گیا۔ تہ خانہ اس قدر تاریک تھا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عاصم زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر جھکالیا۔ اس جگہ کی متعفن اور زہریلی ہوا نے رفتہ رفتہ ان پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بیٹھا رہا لیکن آخر گھبرا کر اٹھا اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہے اس نے اپنا گلا ٹٹول لگے پر کسی کا ہاتھ نہ تھا۔ وہ متعجب ہوا۔ عاصم بیحد غمگین تھا اسے لیلے کا فکر تھا۔ لیلے اس کی بہن کتنی ایسی بہن جو اس کے لئے اپنی جان دینے کو تیار تھی وہ اسے ان وحشیوں کے پنجہ میں چھوڑ کر آیا تھا۔ جو انسانیت سے عاری حسن کے ڈاکو عصمت کے رہزن تھے اس نے خدا سے دعا کی کہ وہ لیلی کی حفاظت کرے اور اسے اس قدر استقلال اور ہمت عطا فرمائے کہ وہ ہر اس مصیبت کو جو اس پر نازل ہو برداشت کرے دعا مانگنے سے کچھ اس کا دل ہلکا ہو گیا اب اس نے جیلخانہ کا جائزہ لینا شروع کیا وہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ اندھیرا اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اندھوں کی طرح ایک ہاتھ آگے بڑھائے قدم قدم چلا جارہا تھا وہ دور تک بڑھا چلا گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ جس جگہ وہ اس وقت موجود ہے وہ کوئی کمرہ تھا یا برآمدہ۔ البتہ وہ یہ سمجھ گیا کہ کمرہ اتنا لمبا نہیں ہو سکتا وہ اسکی انتہا معلوم کرنے کے لئے برابر بڑھتا رہا جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اس میں عفونت اور زہریلاپن بڑھتا جاتا تھا۔ عاصم نوجوان تھا طاقتور تھا مگر خراب ہوا اس کی طاقت پر غالب آنا چاہتی تھی وہ اس بات کو سمجھ رہا تھا لیکن کیا کر سکتا تھا کسی طرف کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں تازہ ہوا میں سانس لے سکتا۔

عاصم یہ سمجھ گیا کہ اگر پانچ سات روز بھی وہ اس جگہ رہا تو گھٹ گھٹ کر مرجائیگا اس خیال نے اسے آمادہ کردیا کہ وہ کمزور ہونے سے پہلے رہائی کے لئے جدوجہد کرے لیکن جس جگہ کی انتہا نہ معلوم ہو۔ جدوجہد کا طریقہ نہ معلوم ہو وہاں کیا ہو سکتا تھا پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری وہ برابر بڑھتا رہا۔ پورے دو گھنٹے تک وہ ٹٹول کر چلتا رہا۔ اگر وہ کسی کھلے میدان میں ہوتا تو اس عرصے میں بہت کچھ سفر طے

کر لیتا مگر اب تک وہ اس جیلخانہ کی انتہا نہ معلوم کر سکا۔ وہ حیران تھا کہ آخر یہ تہ خانہ کس قدر لمبا ہے جس کا آخری کنارہ نہیں ملتا ہو نکہ اسے تہ خانہ کی وسعت معلوم کرنیکا شوق سا پیدا ہو گیا تھا اس لئے بڑھتا رہا۔ آخر چلتے چلتے اسکا ہاتھ ایک دیوار سے ٹکرایا وہ کھڑا ہو گیا کھڑا ہوتے ہی آواز آئی کون ہے؟ ایک دفعہ تو عاصم کانپ گیا اس تاریک تہ خانہ میں آدھی رات کے وقت آواز دینے والا کون ہو سکتا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی البتہ فوری خوف جو اس کے دل پر طاری ہو گیا تھا فوراً ہی جاتا رہا۔ جبلی شجاعت نے اس عارضی خوف کو دور کر دیا وہ ہوشیار ہو کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اگر کوئی اس پر اچانک حملہ کرے تو وہ اچھی طرح مدافعت کر سکے ایک لحظہ بھر قبر کا سکوت طاری رہا۔ پھر کسی نے دریافت کیا تم کون ہو؟ عاصم نے جواب دیا۔ ایک مظلوم قیدی۔ عاصم نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی کھڑا ہوتا ہے اسے تعجب پر تعجب ہو رہا تھا۔ کہ یہ کون ہے کیا کر رہا ہے فوراً ہی پھر آواز آئی تمہارا کیا نام ہے عاصم نے کہا میرا نام کیوں دریافت کرتے ہو اب قدموں کی چاپ ہوئی پھر آواز آئی اس لئے کہ یہ آواز کچھ کان آشنا معلوم ہوتی ہے لیکن گونج پیدا ہونے سے صاف سمجھ نہیں پڑتی عاصم نے کہا میرا نام "عاصم" ہے یہ سنتے ہی کسی نے ٹٹول کر اس کا بازو پکڑ لیا عاصم پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر آواز آئی ڈرو مت میں تمہارا دوست ہوں۔ کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟ آواز قدرے کمزور تھی عاصم کھڑا ہو گیا۔ اس نے گرفت سے چھوٹنے کی کوشش نہ کی وہ سوچنے لگا زندہ انسانوں کے قبرستان میں اس کا دوست کون نکل آیا۔ ہزار غور کیا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر تھک کر اس نے دریافت کیا تمہارا کیا نام ہے آواز آئی دوست تم مجھے اس قدر جلد بھول گئے کیا عبیدہ کی یاد تمہارے دل سے جاتی رہی۔

عبید کا نام سنتے ہی عاصم بڑھا آغوش کشادہ ہو کر بڑھا ٹٹول کر عبید سے لپٹ گیا اس نے کہا۔ دوست معاف کرنا کچھ تو اچانک اور بہت کچھ مصیبتیں پڑنے سے کچھ کچھ آواز گونجنے سے ہیں تم کو نہ پہچان سکا عبید بھی اس سے لپٹ گیا۔ دونوں ہم آغوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد دونوں الگ ہو گئے۔ عبید نے پوچھا تم کیسے گرفتار ہو گئے۔ عاصم نے مختصر الفاظ میں تمام روئداد سنا ڈالی۔ لیلیٰ کی گرفتاری اور شاہ ایران کے سامنے اپنی پیشی کا بھی تمام حال کہہ سنایا۔

عبید نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ افسوس ہم برباد ہو گئے۔ معصوم لیلیٰ ظالموں کے پنجہ میں پھنس گئی خدایا ہم پر رحم کر۔ عبید کی آواز غم آلود تھی اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ تو معلوم نہ کر سکا کہ اس کی کیفیت کیا ہوئی غم نے کس قدر اس پر اثر کیا البتہ اس کی آواز نے بتا دیا کہ وہ بہت زیادہ غمگین ہو گیا ہے۔ عاصم نے دریافت کیا تم کب سے جیل خانہ میں پڑے ہو۔ عبید نے کہا کیا بتاؤں دن ہو یا رات یہاں ہر وقت ہی اندھیرا رہتا ہے اندازہ نہیں ہو سکتا کہ کب تک دن نکلا اور کب چھپا اس لئے دنوں کی ٹھیک تعداد نہیں بتا سکتا اندازہ سے کہتا ہوں چار پانچ دن ہو گئے ہیں۔

عاصم۔ غالباً تم بہت کمزور ہو گئے ہو تمہاری آواز حد درجہ کمزور ہے۔

عبید نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ حیران ہوں کہ اب تک کیسے زندہ ہوں یہاں کی زہریلی اور متعفن ہوا تندرست اور طاقتور انسان کے لئے بھی سم قاتل ہے۔ میں تو نحیف و ناتواں ہو چکا ہوں۔

عبید۔ میں نے بہت چکر لگائے جب تک طاقت رہی خوب ٹٹولا۔ مگر اس کی وسعت کا کچھ پتہ نہ چلا۔

عاصم۔ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟

عبید۔ مجھے اس طرف دیوار میں ایک ایسا نشان معلوم ہوتا ہے جیسے کسی دروازہ کو بعد میں بند کیا گیا ہو۔

عاصم۔ کیا دیوار پر پلستر نہیں ہو رہا۔

عبید۔ نہیں اسی دیوار کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

عاصم۔ کس چیز سے۔

عبید۔ انسانی ڈھانچوں کی ہڈیوں سے۔

عاصم۔ تعجب ہے کیا ہڈیوں سے دیوار توڑی جا سکے گی۔

عبید۔ شاید نہیں۔ لیکن جب کوئی اور راہ ہی نہیں ہے تو کیا کرتا۔ خالی بیٹھے جی گھبراتا تھا۔ سوچا ہڈیوں سے ہی کام لوں۔

عاصم۔ ذرا مجھے بھی دیوار دکھاؤ؟

عبید۔ تم دیوار کے پاس ہی کھڑے ہو ہاتھ بڑھا کر ٹٹولو۔

عاصم نے ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ دیوار سے جا لگا۔ اس نے ٹٹول کر دیکھا تمام دیوار

پر پلستر ہو رہا تھا۔ جو نمناک تھا البتہ تھوڑی سی جگہ پر پلستر نہ تھا عاصم نے اچھی طرح دیوار ٹٹول کر کہا۔ بیشک آپ کا خیال صحیح ہے اس طرف ضرور دروازہ تھا۔ جو بعد میں بند کیا گیا ہے مگر اینٹوں کا نکالنا آسان نہیں ہے۔

عبید۔ یہی بات ہے لیکن ہمیں بیکار نہ بیٹھنا چاہئے کوشش کریں تو شاید خدا کامیاب کر دے۔ اگر ایک اینٹ بھی نکل جائے تو کام بن جائے۔

عاصم۔ لیکن فرض کیجئے کہ ہم دیوار توڑنے میں کامیاب بھی ہو گئے اور اس دروازہ کے دوسری طرف اس سے بھی زیادہ پختہ عمارت یا فوجی چھاؤنی یا قصر شاہی ہوا تو کیا کریں گے۔

عبید۔ کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے کوشش کرو اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دو۔

عاصم۔ ذرا ہڈیاں مجھے دکھانا۔

عبید جھکا۔ کچھ ہڈیاں اٹھائیں ٹٹول کر عاصم کو دیتے ہوئے کہا یہ ہیں دیکھو عاصم نے ہڈیاں دیکھیں اس نے کہا کوئی چیز ہڈیوں کو کھود کنے کے لئے بھی ہے!۔

عبید۔ کوئی نہیں۔

عاصم۔ اگر کوئی پنڈلی کی ہڈی مل جائے تو اس سے ہتھوڑے کا کام لیا جا سکتا ہے

عبید۔ تو آؤ تلاش کریں!

دونوں تلاش میں مصروف ہو گئے اندھیرا ہونے کی وجہ سے نظر کچھ بھی نہ آتا تھا ہاتھوں اور پیروں سے جھک جھک کر ڈھونڈھنے لگے دیر تک تلاش کرتے رہے۔ کوئی موٹی ہڈی نہ ملی آخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے عبید نے کہا عاصم میں تو تھک کر چور ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں کی سکت نکلی جا رہی ہے عاصم نے کہا یہی میری کیفیت ہو چلی ہے آؤ پڑ جائیں۔

عبید۔ ٹھیک ہے اگر کچھ دیر سو لیں تو پھر تازہ دم ہو کر سعی کریں گے۔

دونوں زمین پر پڑ گئے۔ خاموش لیٹ کر اپنے اپنے خیالات میں مستغرق ہو گئے کچھ دیر کے بعد نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے جب سو کر اٹھے تو دماغ بھاری اور بدن سست تھا اس گرانی کی وجہ تہ خانہ کی زہریلی ہوا تھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ دونوں کس قدر سوئے البتہ نیند ضرور بھر گئی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام شب سوتے رہے ہیں دونوں نے اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر تیمم کیا نماز

بڑھی اور سجدہ میں گر کر نہایت عاجزی سے اپنی لیلیٰ کی مسلم قیدیوں کی رہائی کے لئے اور اسلامی لشکر کی فتحیابی کے لئے دعا کی۔ دعا سے فارغ ہو کر پھر موٹی ہڈیوں کی تلاش شروع کی۔ دونوں جھک کر ٹٹولنے لگے۔ دیر تک تلاش کرتے رہے کتنی دیر تک اس کا پتہ نہ چلا۔ دفعتاً عاصم کا پیر ایک موٹی ہڈی پر پڑا اس نے جلدی سے ٹٹول کر اٹھایا دیکھا پنڈلی کی ہڈی تھی عاصم نے خوش ہو کر کہا عبیدہ دیکھو یہ ہڈی مل گئی۔
عبیدہ نے بھی ٹٹول کر دیکھا اس موٹی ہڈی کو دیکھ کر وہ ایسا خوش ہوا جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ اس نے کہا یقیناً یہ ہڈی ہتھوڑے کا کام دے گی آؤ اب قسمت آزمائی کریں دونوں گھوم کر چلے وہ اس بات کا اندازہ نہ کر سکے کہ وہ دیوار جس میں دروازہ کا خیال ہے کس طرف ہے قیاس کی بنا پر ایک طرف کو چلے۔ دیر تک چلنے پر جب دیوار کے قریب پہنچے اور دیوار کو ٹٹولا تو دیوار پتھر کی معلوم ہوئی۔ عاصم نے کہا یہ دیوار نہیں ہے ہم غلطی سے دوسری طرف چلے آئے عاصم نے کہا واپس لوٹو ہمیں جلد ہی کرنی چاہئے ہماری قوت دم بدم کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ دونوں لوٹے اور بائیں طرف چلے۔ کئی گھنٹے تک ٹٹول کر چلتے رہے بالآخر چلتے چلتے کسی چیز سے ٹکرا گئے ٹٹول کر دیکھا تو لوہے کا جنگلہ معلوم ہوا۔ عاصم نے کہا شاید ہم دروازہ پر آ گئے۔
عبیدہ نے کہا۔ تمہارا خیال صحیح ہے لیکن اب ہم آسانی سے اس دیوار کے پاس پہنچ جائیں گے وہ دیوار بالکل اس جنگلہ کے سامنے ہے۔ دونوں اس طرف سے لوٹے اور ناک کی سیدھ چلے۔ اب انہوں نے لمبے لمبے ڈگ رکھنے شروع کئے۔ دیر تک چلتے رہے۔ آخر کار دیوار سے ٹکرائے۔ ٹٹول کر دیکھا تو وہی پلستر والی دیوار تھی۔ عبیدہ نے کہا۔ یہی وہ دیوار ہے۔ دروازہ تلاش کرو۔ دونوں تلاش کرنے لگے۔ اس جستجو میں زیادہ دیر نہ لگی تھوڑی سی جدوجہد سے جگہ مل گئی۔ عبیدہ نے کہا عاصم یہ ہے وہ جگہ۔ عاصم نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا اس نے کہا ہاں یہی ہے آؤ بیٹھ کر اپنا کام شروع کریں۔ دونوں بیٹھ کر۔ دیوار سے ملی ہوئی پتلی ہڈیاں پڑی تھیں عاصم نے ایک ہڈی اٹھا کر اینٹوں کی درازوں میں دی اور موٹی ہڈی سے ٹھونکنا شروع کیا۔ نوکدار ہڈی اندر گھستی چلی گئی اس نے ایک اینٹ کے چاروں طرف سے مٹی کرید ڈالی اور اینٹ نکالنے کی کوشش کی لیکن کئی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور اینٹ نہ نکلی یہ دیکھ کر عاصم کا دل مایوسی سے بیٹھنے لگا عبیدہ نے پوچھا۔ عاصم کوئی امید ہے؟

عاصم نے افسردگی سے کہا کوئی نہیں انٹیں مضبوطی سے پیوست ہیں اور ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

عبید نے کہا ناامید نہ ہونا چاہئے جب تک زندہ ہیں کوشش کئے جائیں گے۔ لاؤ ہڈیاں مجھے دو۔ عاصم نے عبید کو ہڈیاں دیں۔ عبید نے جد وجہد شروع کی تقریباً دو گھنٹے کی سعی جمیلہ سے ایک چھوٹی سی اینٹ نکل کر نیچے گری۔ عبیدہ کو اس کی کامیابی سے بڑی مسرت ہوئی اب اس نے نہایت سرگرمی سے کام شروع کیا۔ ایک اینٹ کے نکلتے ہی اور اینٹیں جلد جلد نکلنے لگیں اینٹوں کے نیچے گرنے کی آواز سن کر عاصم نے پوچھا کیا یہ اینٹیں گر رہی ہیں عبید نے کہا ہاں یہ اینٹیں گر رہی ہیں کام آسان ہو گیا ہے۔

عاصم نے کہا تم تھک گئے ہو گے۔ ہٹو اب میں کوشش کرتا ہوں۔

عبید واقعی تھک گیا تھا۔ وہ ہٹ گیا۔ عاصم نے ٹٹول کر دیکھا۔ عبید نے بہت سی اینٹیں گرا دی تھیں اب عاصم نے کوشش شروع کی عبید کی بہ نسبت اس کی قوت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے جلد جلد دیوار گرانی شروع کی تھوڑی ہی دیر میں بڑا رخنہ پڑ گیا اتنا بڑا کہ جس میں سے آدمی گذر سکے اس نے عبید سے کہا۔ عبید دیکھو کتنا بڑا رخنہ ہو گیا ہے بس یا اسے اور چوڑا کروں۔ عبید نے ٹٹول کر دیکھا اس نے کہا بس اور چوڑا کرنے کی ضرورت نہیں میں اس رخنہ میں گھستا ہوں یہ کہتے ہی وہ اس شگاف میں گھس گیا اور نہایت ہوشیاری سے دوسری طرف پہنچا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے کہا عاصم اس طرف زینہ ہے تم بھی چلے آؤ اور تمام ہڈیاں اپنے ہمراہ لیتے آؤ خدا جانے کیا موقع پیش آئے۔ عاصم نے ہڈیاں اٹھالیں وہ بھی شگاف میں داخل ہو کر دوسری طرف پہنچا اب یہ دونوں سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔

یہاں بھی ایسا ہی اندھیرا تھا۔ جیسا تہ خانہ میں تھا وہ ٹٹول کر نہایت ہوشیاری سے سنبھل سنبھل کر اوپر چڑھنے لگے۔ یہ زینہ بڑا لمبا تھا پچاس ساٹھ کے قریب سیڑھیاں تھیں تمام سیڑھیاں طے کرنے پر وہ دیوار کے پاس پہنچے انھوں نے دیوار کو ٹٹولا۔ یہاں بھی ایسی ہی دیوار تھی جیسی وہ توڑ کر آئے تھے۔ عبید نے کہا ہمیں یہاں بھی دیوار توڑنی پڑے گی۔

عاصم نے کہا بسم اللہ کر کے کام شروع کرو۔ شاید خدا ہم کو رہائی عطا فرمادے

عبید نے کہا۔ انشاء اللہ ہم ضرور رہا ہوں گے۔ اندھیرے میں رہتے رہتے میرا دل اُلجھنے اور دم گھبرانے لگا ہے۔

عاصم نے فوراً کوشش شروع کر دی یہاں زیادہ جدوجہد نہ کرنی پڑی تھوڑی ہی کوشش سے اینٹیں نکلنی شروع ہوگئیں۔ عاصم کو اس سے بڑی مسرت ہوئی اس نے پوری طاقت سے اپنا کام شروع کر دیا۔

سولھواں باب

دلیر حسینہ دام بلا میں

حوروش پروین اور پریجمال خیزران آسیہ کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تو خاموش بیٹھی رہیں اپنے اپنے خیال میں مستغرق رہیں دل ہی دل میں آسیہ کی کامیابی کی دعائیں مانگتی رہیں لیکن کب تک چُپ چاپ بیٹھی رہتیں آخر کار خیزران نے قفل خاموشی توڑا۔ اس نے کہا پروین آسیہ نے بڑی جیداری کی شاہی انگشتری کا چرالانا آسان کام نہیں بڑا خطرناک ہے۔

پروین نے موسیقی نواز لہجہ میں کہا۔ یزدان کرے کہ آسیہ کامیاب ہوکر آئے لیکن اگر وہ ناکام بھی ہو تب بھی میں اس کی عمر بھر مشکور رہوں گی اس نے آج مجھے اپنی کنیز بنالیا ہے۔ خیزران نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا آسیہ بڑی خوش نصیب ہے؟

پروین نے بھولے پن سے شوخ و شریر خیزران کو دیکھکر کہا کیوں!

خیزران نے کھل کر مسکراتے ہوئے کہا اس لئے کہ اس نے ایرانی حور کو شاہ حسن پیکر ناز کو اپنی کنیز بنالیا ہے۔ پروین کسی اور ہی خیال میں تھی وہ خیزران کا استعارہ نہ سمجھی اس نے کہا۔ کون پری پیکر ہے۔ خیزران نے بڑھ کر حوروش پروین کو اپنی آغوش میں کھینچتے ہوئے کہا تو ہے۔ تو جس پر ایک زمانہ فدا ہے۔ جس کے چاند سے زیادہ روشن چہرہ نے سارے ایران کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ پروین شرما گئی۔

شرمانے سے اس کی رعنائی میں اور اضافہ ہوگیا اور وہ پری جمال خیزران کی آغوش میں پڑ گئی اس نے اپنی خوبصورت بڑی دل فریب آنکھیں خیزران کے چاند سے مکھڑے پر گاڑ کر کہا۔ مجھے تو زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہو۔ خیزران نے نازک اندام پروین کو بھینچتے ہوئے کہا نہیں ؟ کاش میں بھی اس قدر خوبصورت ہوتی۔ یزدان کی قسم تیرا چہرہ چاند سے زیادہ روشن اور ملیح ہے۔ حور جمال پروین ماہ پیکر خیزران کی آغوش سے آہستہ آہستہ اٹھی اور اس نے کہا۔ خیزران کیا تم کو امید ہے کہ آسیہ شاہی انگشتری لے آئے گی ؟

خیزران نے کہا۔ ہاں مجھے امید ہے آسیہ خوبصورت ہے ہوشیار ہے وہ بادشاہ کو جل دیکر ضرور انگوٹھی لے آئے گی !!

پروین لیکن شاہی انگشتری سے تم کیا کام لوگی۔

خیزران۔ میں انگشتری کے ملتے ہی تمہارے پرستار کو نہیں تمہارے محبوب کو تم سے لاکر ملا دوں گی۔

پروین۔ آخر کس طرح۔

خیزران۔ شاہی انگشتری جیلخانہ کے پہرہ والوں کے پاس لے جاؤں گی وہ انگوٹھی کو دیکھتے ہی عاصم کو میرے ساتھ کر دیں گے !

پروین۔ مگر کیا یہ بات چھپی رہ جائیگی۔ اور اس کی فراری کا حال نہ کھل جائیگا۔

خیزران۔ اتنے میں ہم بادشاہ کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔

پروین یہ سن کر بکی بکی رہ گئی اس نے خیزران کے متین چہرہ کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا ہم کو بھاگنا پڑے گا ؟

خیزران۔ ضرور۔ اگر نہ بھاگیں گے تو میں آسیہ تم اور عاصم سب گرفتار ہو جائینگے۔

پروین قدرے غمزدہ ہوگئی۔ اس نے کہا آہ میرے ساتھ تم دونوں بھی مصائب برداشت کروگی۔

خیزران۔ کچھ پرواہ نہیں تیرے لئے ہم دونوں اپنی جان تک دینے کے لئے آمادہ ہیں۔

پری پیکر پروین ہمہ تن شکریہ بن گئی۔ اس نے کہا میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں ابھی پروین نے اسی قدر کہا تھا کہ سامنے والی دیوار سے کھٹ کھٹ کی

آواز آئی۔ دونوں پریزاد لڑکیوں نے اس آواز کو سنا پروین نے خیزران سے دریافت کیا۔ کیا تم نے کوئی آواز سنی؟

خیزران۔ ہاں سنی اس کمرہ کے دوسری طرف تو کوئی اور کمرہ بھی نہیں ہے پھر یہ کون کھٹکھٹاتا ہے۔

پروین نے دیوار سے کان لگا دیئے۔ دیر تک خاموش رہی جب کوئی آواز نہ آئی تو اس نے کہا وہم تھا۔ ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ پھر کھٹ کھٹ کی آواز آئی خیزران نے کہا وہم نہیں ہے ضرور کوئی کھٹکھٹا رہا ہے آؤ ذرا باہر چل کر دیکھیں یہ کون شرارت کر رہا ہے کہیں آسیہ تو نہیں آگئی پروین نے کہا آسیہ ہی معلوم ہوتی ہے آؤ دیکھیں تو دونوں ماہ طلعتیں اٹھیں خرام ناز سے چلیں اور آہستگی سے جھانکنے لگیں باہر کافی روشنی ہو رہی تھی۔ مگر وہاں انسان کیا کوئی جانور بھی نہ تھا۔ دونوں کمرہ میں واپس آگئیں اسی جگہ بیٹھ گئیں۔ جہاں پہلے بیٹھی تھیں۔ پروین نے کہا وہم ہی باہر ہو سکتا ہے

خیزران نے کہا، وہم نہیں ہو سکتا میں نے اور تم نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ کھٹ کھٹ کی آواز سنی ہے وہم کیسے ہو سکتا ہے پروین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ پھر کھٹکا ہوا۔ ایرانی بہت زیادہ توہم پرست تھے بھوتوں کے قائل تھے۔ بچے اور عورتیں کیا مرد بھی اس طرف ہو کر نہ نکلتے تھے۔ جس طرف ان کو بھوتوں کا خیال ہوتا تھا۔ دونوں پریزاد لڑکیاں سہم گئیں انھیں خیال ہی بلکہ یقین ہو گیا کہ اس کمرہ میں آسیب ہے۔ وہ ایک دوسرے کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پروین نے کہا خیزران یہ کیا بات ہے؟ خیزران نے کہا۔ بھوت ہیں ہم دونوں کو تنہا دیکھکر ڈرا رہے ہیں۔

پروین۔ کیا پہلے بھی کسی نے ایسے کھٹکے کی آواز سنی ہے؟

خیزران۔ کبھی نہیں اگر ایسا ہوتا تو بر فع۔ ۔ ۔

ابھی خیزران کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ پہلو کی دیوار کا پلستر اکھڑ کر گرا دونوں سیم تن لڑکیاں سخت خوفزدہ ہو گئیں۔ ان کے نازک جسم فرط خوف سے کانپنے لگے پھول سے چہروں پر عرق آگیا۔ دونوں حیرت اور خوف سے دیوار کی طرف دیکھنے لگیں تھوڑی دیر میں بڑا شگاف ہو گیا دونوں پری پیکر خوف سے بے حس و حرکت بیٹھی رہ گئیں اس قدر جرأت نہ ہو سکی کہ اٹھ کر بھاگ جائیں دونوں کے پیارے

چہروں پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں نازک لبوں پر خشکی دوڑ گئی۔ وہ ٹکٹکی لگائے خوفزدہ نگاہوں سے دیوار کی طرف دیکھنے لگیں شگاف بڑا ہو گیا تھا۔ ایک سر نمودار ہوا اس کو دیکھتے ہی نازک اندام دوشیزہ لڑکیوں کے جسم کانپنے لگے۔ انھوں نے چیخ مارنی چاہی گلے خشک ہو گئے چیخ نہ نکل سکی سر کے ساتھ ہی باقی جسم بھی نمودار ہوا۔ دفعتاً ایک آدمی کمرہ میں کودا۔ دونوں لڑکیوں نے دیکھا پروین نے پہچان لیا۔ وہ عاصم تھا اس کا خوف جاتا رہا وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اس پر حیرت اور مسرت چھا گئی۔ اس نے کہا آہا ہا عاصم۔ عاصم نے ابھی تک کمرہ کو نہ دیکھا تھا کمرے کی چیزوں کو۔ پروین کے خطاب کرنے پر اس نے اس رشک قمر کو دیکھا۔ وہ حیرت اور محبت بھری نظروں سے اس رشک قمر کو دیکھنے لگا۔

خیزران عاصم کو دیکھکر اس کی عربی پوشاک دیکھ کر پروین سے اس کا نام سُنکر سمجھ گئی کہ وہ عاصم ہے اس کا خوف بھی جاتا رہا۔ وہ بھی اٹھی ابھی وہ کھڑی ہوئی تھی کہ عبید بھی شگاف سے نکل آیا۔ دونوں لڑکیاں عبید کو دیکھکر حیران رہ گئیں۔ عاصم اور عبید نے کمرہ کی تمام چیزوں کو دیکھا۔ ان کی نگاہیں پری پیکر دوشیزہ لڑکیوں کے جگمگانے والے چہروں پر آکر رُک گئیں۔ پروین کی حیرت جب دور ہوئی تو وہ بے اختیارانہ طریقے پر ہزار ناز سے بل کھاتے ہوئے عاصم کی طرف بڑھی۔ اس نے کہا عاصم یزدان کا شکر ہے کہ اس نے تم کو رہائی دی۔ عاصم اور عبید دونوں کمزور ہو رہے تھے دونوں کے چہرے زرد ہو رہے تھے۔

عاصم نے کہا پروین کیا تمہارے نازک دل میں ابھی تک میری یاد باقی ہے۔

پروین مسحور محبت تھی اس نے کہا ہے اور مرتے دم تک رہے گی۔

عاصم بڑھ کر اس زاہد فریب کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا تمہارا شکریہ آخر میرا دل کام آہی گیا۔

خیزران دونوں عربوں کو دیکھ کر کچھ شرما رہی تھی۔ عاصم نے پروین سے خطاب کر کے کہا۔ پروین! یہ میرا دوست عبید ہے پروین نے شرمیلی نظروں سے عبید کو دیکھا عبید ان دونوں سیم تن لڑکیوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا پروین نے دریافت کیا۔ عاصم تم کیسے رہا ہو گئے؟

عاصم نے کھڑے ہی کھڑے تمام کیفیت سُنا ڈالی۔ جب اس نے اپنا افسانہ ختم

کیا۔ ٹھیک اسی وقت آسیہ کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس نے حیران ہو کر وہ گفتگو کی
جو ناظرین باب ہائے ماسبق میں پڑھ چکے ہیں!!

آسیہ مسکرا کر بڑھی اس نے کہا پروین مبارک۔

خیزران کی شوخی اسے کیوں خاموش رہنے دیتی۔ اس لئے مسکراتے ہوئے کہا
آسیہ یہ تو کچھ کھوئی سی گئیں۔ سوچ رہی ہیں کہ ہم دونوں کو کیسے یہاں سے ٹالیں۔
آؤ ہم خود ہی چلے جائیں۔

وہ مسکراتے ہوئے بڑھی۔ پروین کے پاس آ کر چپکے سے اس کے کان میں کہا
پروین مل لو۔ جسے تم پیار کرتی ہو۔ اس سے مل تو جی کھول کے مل لو اور آسیہ دروازہ
پر کھڑی ہیں۔

پروین کے حیات بخش لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے شوخ خیزران کا
آنچل پکڑ لیا۔ پلہ خوبصورت سر سے سرک گیا سیاہ زلفیں نظر آئیں جو گوندھی ہوئی تھیں مانگ
نکلی ہوئی تھی۔ مانگ میں ایک باریک طلائی تار کھنچا ہوا تھا۔ طلائی تار ایک کیا ہزاروں
دلوں کو چھین لینے پر تیار تھا شوخ و شریر خیزران نے دل فریب ادا سے بل کھا کر
پلہ سر پر ڈال لیا اور کسی قدر ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے کیوں روکتی ہو جانے دو۔

پروین نے کہا۔ خیزران ٹھہرو۔ یہ دونوں ہمارے مہمان ہیں۔ قید خانہ سے ابھی
رہا ہوئے ہیں۔ کئی دن سے کھانا نہیں کھایا ہے پہلے انھیں کھانا کھلا دو۔

خیزران نے چپکے سے آسیہ کے کان میں کچھ کہا۔ آسیہ چلی گئی اب یہ سب بیٹھ گئے
پروین عاصم کو اور عاصم پروین کو نظریں چرا چرا کر دیکھنے لگے۔ خیزران
دزدیدہ نظروں سے دونوں کو دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی۔ اس کی جبلی شوخی اسے
کچھ کہنے پر آمادہ کرتی تھی۔ مگر وہ عاصم اور عبید کا خیال کر کے چپ ہو جاتی تھی۔

عبید خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ کسی گہرے خیال میں مستغرق تھا۔ تھوڑی
ہی دیر میں آسیہ آ گئی اس کے پیچھے دو کنیزیں سروں پر خوان لئے آ رہی تھیں۔ ان
خوانوں میں کھانا تھا۔

پروین نے خیزران کی طرف اشارہ کیا۔ خیزران نے اٹھ کر کھانا عاصم اور عبید
کے سامنے چن دیا۔ عاصم نے کہا کیا ہم دونوں ہی کھانا کھائیں؟ تم میں سے کوئی
شریک نہ ہوگی؟۔

خیزران نے کہا ہم سب کھا چکے ہیں آپ کھائیے۔
عاصم نے کہا یہ بات آئین مہانداری کے خلاف ہے کہ میزبان بیٹھا رہے اور مہمان کھانا کھائے۔
خیزران نے مسکرا کر کہا۔ بلاشبہ آپ نے صحیح کہا پروین کو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا چاہیئے۔
عاصم خیزران کی شوخی کو سمجھ گئے۔ انھوں نے کہا میزبان تو آپ ہیں آپ ہی کو شریک ہونا چاہیئے۔
خیزران نے ہنس کر کہا آپ کی مہمانی کا شرف بہن پروین ہی کو حاصل ہے
عاصم نے پروین کو دیکھکر کہا آپ ہی شریک ہو جائیے۔
پروین نے مسکرا کر کہا اگر بہن خیزران شریک ہوں تو مجھے بھی کوئی عذر نہیں ہے
خیزران گویا تیار ہی تھی وہ بیٹھ گئی۔ پروین اور آسیہ بھی بیٹھ گئیں سب نے کھانا کھانا شروع کیا۔ کھانے سے فراغت کر کے بیٹھے تھے کہ جوشماہ آگیا۔ وہ دو عربوں کو پروین کے پاس دیکھکر سخت متعجب ہوا۔ اس نے پروین سے خطاب کر کے دریافت کیا پروین یہ کون ہیں؟ پروین نے جواب دیا ان میں سے ایک عاصم ہے اور دوسرا اس کا دوست عبید۔ عاصم کا نام سنتے ہی جوشماہ پہلے تو حیران ہوا۔ پھر خوش ہوا اس نے کہا۔ عاصم میں میری بیٹی پروین تمہارے بے حد مشکور ہیں میں نے بادشاہ سے تمہاری رہائی کی استدعا کی تھی۔ مگر اس نے نہ مانا۔ وہ تمہارا بدترین دشمن ہے۔ تمہاری سفارش کرنے کی وجہ سے مجھ سے بھی کھٹک رکھتا ہے تمہارا یہاں اس لباس میں رہنا مناسب نہیں ہے۔
عاصم نے کہا میں آپ کا آپ کی بیٹی پروین کا بے حد مشکور ہوں خدا نے ہمیں مہیب جیل خانہ سے آزادی عطا کی ہے ہم نہیں چاہتے کہ آپ ہماری وجہ سے شہنشاہ کے معتوب بنیں۔
جوشماہ نے قطع کلام کر کے کہا میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے علیٰحدہ ہو کر پھر مبتلائے آلام ہو جاؤ اور تمہارا مدائن میں رہنا بھی مناسب نہیں سمجھتا خوش قسمتی سے میں اس وقت قادسیہ جا رہا ہوں شاہی رسالہ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا ہے تم یہ کپڑے اتار ڈالو۔ ایرانیوں کے سے کپڑے پہن لو۔ کوئی تم کو

پہچان نہ سکے گا۔ اور تم اس طرح مدائن سے نکل جاؤ گے۔

عاصم نے مشکورانہ نظروں سے جوشماہ کو دیکھکر کہا آپ کا شکریہ یہ تدبیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔

جوشماہ نے پروین اور خیزران سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ تم دونوں بھی آمادہ ہو جاؤ آسیہ تم بھی چلو۔ معلوم ہوا ہے کہ شاہی انگشتری کھو گئی ہے اور تو قصر شاہی میں گئی تھی لوگوں کا تجھ پر شبہ ہے لیکن ابھی بادشاہ کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی۔

آسیہ کو یہ بات سننے سے کچھ خوف نہ ہوا۔ اس نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ میری فکر نہ کرنا۔ تم سب چلے جاؤ۔ میں تم سے قادسیہ میں آملوں گی۔

پروین نے کہا نہیں آسیہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو یہاں رہنے سے تمہارے لئے اندیشہ ہے۔

آسیہ نے کہا مجھے ابھی لیلیٰ کی فکر ہے میں لیلیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آؤں گی۔ اس کی یہ بات سن کر سب خاموش ہو گئے جوشماہ چلا گیا اس نے ایک کنیز کے ہاتھ دو جوڑے کپڑوں کے بھیجے۔ عاصم اور ربلید نے جلدی سے کپڑے بدلے۔ تھوڑی دیر میں جوشماہ اور ہرمزان تیار ہو کر آ گئے۔ جوشماہ نے سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ بجز آسیہ کے سب چلے گئے۔ قصر سے باہر نکلے۔ ان کے لئے گھوڑے تیار تھے۔ تین گاڑیاں تھیں۔ دو گاڑیوں میں کنیزیں سوار ہوئیں ایک میں پروین اور خیزران بیٹھیں۔ گھوڑوں پر عاصم۔ بلید۔ جوشماہ ہرمزان سوار ہوئے۔ سب آہستہ آہستہ چلے۔ تھوڑی دور چل کر لشکر کمر بستہ اور کوچ پر تیار ملا۔ لشکر نے کوچ کیا۔ لشکر کے ساتھ یہ سب لوگ بھی چلے مدائن کا پھاٹک کھلا اور تمام دروازہ سے نکل کر قادسیہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُدھر آسیہ تنہا رہ گئی وہ بیٹھ گئی۔ پروین اور خیزران کی جدائی نے اسے کچھ محزون کر دیا۔ اس کا دل کچھ گھبرانے لگا۔ طبیعت میں بے قراری پیدا ہو گئی۔ دیر تک وہ اپنے دل کو قابو میں لانے اور سونے کی کوشش کرتی رہی لیکن نہ دل کو قرار ہوا نہ طبیعت ٹھہری اور نہ نیند آئی تقریباً بارہ ۱۲ بجے رات کے بہران اس کا بھائی مع چند سپاہیوں کے اُسکے کمرہ میں گھس آیا آسیہ اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی ہرمزان نے آتے ہی آسیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ بد بخت لڑکی

تو قصر شاہی میں کیوں گئی تھی۔
مہران کو غصہ آرہا تھا۔ اس نے کہا۔ مکرنے سے کچھ فائدہ نہیں میرے پاس اس کی شہادت موجود ہے کہ تو قصر شاہی گئی تھی۔
آسیہ نے کہا۔ آپ کو غلط باور کرایا گیا ہے۔
مہران نے درشت لہجہ میں کہا۔ غلط نہیں بالکل صحیح ہے تو شاہی انگشتری چرا کر لائی ہے۔
آسیہ۔ میں۔
مہران۔ ہاں تو۔
آسیہ۔ غلط ہے۔
مہران۔ یہ بھی صحیح ہے سچ بتا تو انگشتری کیوں چرا کر لائی۔
آسیہ۔ کیا میں چور ہوں۔
مہران۔ پہلے نہیں تھی۔ پروین کی صحبت نے تجھے چور بنا دیا ہے۔
یہ کہتے ہی مہران نے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس کی تلاشی لو آسیہ کو طیش آگیا۔ مگر اس نے ضبط کر کے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ بھائی جان میری توہین نہ کراؤ مہران نے کڑک کر کہا۔ توہین میں تجھ کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھوں گا آسیہ کو حیرت ہوئی اور اس نے کہا۔ میرا قصور۔۔۔۔
مہران نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پروین کی بے جا طرفداری۔
آسیہ نے کمال لجاجت سے کہا بھائی جان اس قدر بے درد نہ بنو۔
مہران نے بگڑ کر کہا۔ بے درد بیوقوف آسیہ میں تیرے خون کا پیاسا ہوں۔
آسیہ نے غمزدہ لہجہ میں کہا۔ میری قسمت۔
مہران نے پھر سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہی نازک اندام آسیہ کی تلاشی لینے پر تیار نہ تھے۔ مہران نے کہا۔ شیطانوں کیا تم میرے حکم کی خلاف ورزی کرو گے؟ یاد رکھو تمہارے سر اڑا دیئے جائیں گے۔ بڑھو اور اس خوبصورت چور کی تلاشی لو۔
مجبوراً سپاہی بڑھے آسیہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اس نے انگشتری فرش پر ڈال کر کہا۔ خبردار مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ تمہاری انگوٹھی یہ پڑی ہے۔ مہران نے انگوٹھی اٹھالی۔ سپاہیوں نے کہا اس کمبخت کو گرفتار کر لو۔ آسیہ خوفزدہ ہو گئی۔ آخر عورت

تھی۔ بیمار لڑکی یکسن لڑکی گھبرا گئی اس نے انتہائی عاجزی سے کہا اہ بھائی جان تم مجھے بچالو۔

مہران کے سر پر غیظ و غضب کا بھوت سوار تھا۔ اس نے کہا کبھی نہیں عاجزی تو شاید تمہیں سب تھوڑے ہیں۔ سپاہی بڑھے آسیہ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس نے اپنے نازک ہاتھ بڑھائے سپاہیوں نے اس کے ہاتھوں میں جن میں پھولوں کے ہار بھی بار معلوم ہوتے لوہے کی زنجیریں ڈال دیں۔ مہران پری جمال آسیہ کو گرفتار کر کے روانہ ہوا۔

سترھواں باب
قادسیہ کی فتح

رستم متواتر دو روز کے معرکوں میں دیکھ چکا تھا کہ مٹھی بھر مسلمان صرف بائیس ہزار کے لگ بھگ ہیں ہوتے دو لاکھ ایرانیوں کے قابو میں نہیں آتے اس کو مسلمانوں کی جیداری پر حیرت اور اپنے لشکر کی دون ہمتی پر افسوس ہوا وہ سمجھا تھا کہ حملہ ہوتے ہی ایرانی مسلمانوں کو پیس کر رکھدیں گے صرف ایران ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں انکی شہرت میں چار چاند لگانے کے لئے حجاز پر حملہ کریگا اور عربوں کا کلی طور پر استیصال کر کے جب واپس لوٹے تو تمام ایرانی اس کا بھی استقبال کریں گے شہنشاہ ایران خاص طور پر اعزاز کریگا۔ دنیا میں اس کا نام بھی اسی طرح مشہور ہو جائیگا جیسا کہ سیستان کے رستم بن زال کا مشہور ہے مگر مسلمانوں کی شجاعت نے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے میدان جنگ سے واپس لوٹتے ہی تمام سرداروں کو بلا کر حکم سنا دیا کہ کل پورے جوش وغضب سے پوری جمعیت اور پورے ساز و سامان سے لیس و مستعد ہو کر میدان کارزار میں نکلو اور جب تک فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہو جائے واپس نہ لوٹو۔ سارے سرداروں۔ افسروں اور شہزادوں نے واپس لوٹ کر تمام لشکر میں منادی کرادی کہ

کل انقطاعی جنگ ہوگی اب لشکر میدان کارزار سے واپس آئے گا. جب فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے گا. لشکر نے اور دنوں سے زیادہ تیاری کی. ساری رات اچھی طرح آرام کر لیا۔ صبح ہوتے ہی نہایت شان پورے جوش جملہ سامان سے مسلح ہو کر میدان کارزار میں جا پہنچے. جاسوسوں نے رات ہی کو سعدؓ سے رستم کے ارادہ کا حال جا سنایا تھا۔

انھوں نے بھی رات ہی کو تمام لشکر میدان جنگ سے ہٹا لیا. مسلمان تمام رات تیاری میں لگے رہے. صبح کی نماز پڑھتے ہی اسلامی رسالے اور دستے میدان کارزار میں جا جا کر صف بستہ ہوتے لگے۔ جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو ایک قوی الجثہ ایرانی نہایت شان سے ایرانی صفوں سے نکل کر مسلمانوں کے قریب آیا۔

اس نے لڑنے والے کو طلب کیا. کوئی مسلمان بغیر سالار اعظم کی اجازت کے لڑنے کے لئے نہ نکل سکتا تھا. سالار اعظم حضرت سعدؓ تھے. مگر وہ بیمار تھے. انھوں نے عارضی طور پر خالد بن عرطفہ کو سالار اعظم بنا دیا تھا. خالد آج قلب[1] لشکر میں نہ تھے بلکہ مقدمہ لشکر میں علم لئے کھڑے تھے۔

انہوں نے نابغہ کی طرف اشارہ کیا. نابغہ نحیف الجثہ اور معمولی سپاہی تھے۔ اشارہ پاتے ہی انھوں نے گھوڑا اڑھایا. مسلمانوں کو خالد کی یہ بات پسند نہ آئی کہ ایک گرانڈیل ایرانی کے مقابلہ میں کمزور مسلمان کو بھیجا۔

چنانچہ ہاشم بن مرقال حضرت خالد کے قریب کھڑے تھے انھوں نے کہا امیر آپ نے ایک عظیم الجثہ آدمی کے مقابلہ میں دبلے پتلے مسلمان کو کیوں بھیجا. خالد نے جواب دیا اس لئے کہ ایرانی کو اپنی بہادری پر ناز ہے وہ فخر و غرور کا مجسم بن کر میدان کارزار میں نکلا ہے. نابغہ کمزور ہے اگر نابغہ نے اُسے مار لیا تو مسلمانو

---

[1] حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں فوج کے حسب ذیل حصے اور شعبے تھے۔
۱. قلب لشکر کے درمیان میں ہوتا تھا. سپہ سالار اس میں ہوتا تھا. مقدمہ قلب کے آگے کچھ فاصلہ پر ہوتا تھا. میمنہ قلب کے دائیں ہاتھ کچھ فاصلے پر ہوتا تھا. میسرہ قلب کے کچھ فاصلہ پر بائیں ہاتھ ہوتا تھا. ساقہ قلب سے پیچھے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا. ردء ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔ (صادق صدیقی سردھنوی)

کا تمام ایرانیوں پر رعب بیٹھ جائیگا۔ اور اگر نابغہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں کو کوئی افسوس نہ ہو گا اور ایرانی پھر بھی یہی سمجھیں گے کہ کمزور سے کمزور مسلمان بھی بڑے دل گردے کا مالک ہے ہاشم خاموش ہو گئے۔

تمام مسلمان میدان کارزار کی طرف دیکھنے لگے۔ نابغہ ایرانی کے سامنے پہنچے ایرانی ان کو دیکھکر ہنسا۔ اُس نے کہا واہ تم میرے مقابلہ کے لئے آئے ہو کیا کوئی اور مسلمان بہادر نہ تھا۔ جو میرے مقابلے کے لئے آتے۔

نابغہ فارسی نہ جانتے تھے۔ وہ ایرانی کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکے البتہ انھوں نے غور سے ایرانی کو دیکھا ایرانی لوہے کی زرہ بکتر پہنے تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا چاندی کا ترکش پشت پر لٹکائے تھا سونے کے کڑے ہاتھوں میں جواہرات کا ہار گلے میں پہنے تھا۔ اس کی ہر چیز آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہی تھی سب سے زیادہ اس کی پیٹی چمک رہی تھی جس میں سچے موتی جڑے ہوئے تھے نابغہ ایرانی کا قدو قامت چوڑا چکلا سینہ مضبوط ہاتھ پیر دیکھکر حیران رہ گئے۔

جب نابغہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو ایرانی نے اپنی تلوار نکالی۔ صاف اور شفاف تلوار بجلی کی طرح کوندی۔ نابغہ کی آنکھیں جھپک گئیں انھوں نے فوراً ہی گھوڑا لوٹا کر ایڑ لگائی اور تیر کی طرح اس کے مقابلے سے بھاگے۔ ایرانی نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے بھی گھوڑا ان کے پیچھے ڈال دیا۔ دور تک آگے پیچھے دوڑتے چلے گئے دفعتہً نابغہ نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ ایرانی کی طرف لوٹایا۔ پھرتی سے نیزہ نکالا اور گھوڑا دوڑا کر ایرانی کی طرف جھپٹے۔

ایرانی سرپٹ گھوڑا دوڑاتے چلا آرہا تھا اس نے نابغہ کو رکتے واپس لوٹتے نیزہ لئے جھپٹتے دیکھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو روکنا چاہا لیکن گھوڑا زور میں تھا نہ رکا۔ گھوڑا روکنے کی فکر میں وہ نیزہ یا ڈھال لینا بھی بھول گیا۔ نابغہ اس کے پاس پہنچ گئے انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پوری طاقت سے نیزہ مارا۔ نیزہ زرہ توڑ کر سینہ کو چھیدتا ہوا پشت کے پار نکل گیا ایرانی نے اس زور سے چیخ ماری کہ تمام میدان گونج اُٹھا۔

نابغہ نے زور کرکے نیزہ کھینچا نیزہ ایسا پیوست ہو گیا تھا کہ بہت کچھ زور لگانے اور کوشش کرنے پر بھی نہ نکلا۔ نابغہ نے نیزہ چھوڑ دیا۔ ایرانی چکرا کر گھوڑے سے

نیچے گرا نابغہ نے جلدی سے ایرانی کے گھوڑے کی باگ پکڑلی ایرانی دو چار منٹ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

نابغہ نے اس کی لاش دیکھی وہ اس کا دیو قامت جُثہ دیکھکر حیران رہ گئے۔ اب وہ گھوڑے سے اُترے انھوں نے اس کے تمام زیورات اتار لئے تاج لے لیا، ترکش تلوار جس کا دستہ مرصع تھا، نیزہ وہ سب ہتھیار بھی لئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایرانی کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر تیزی سے چلے اور اسلامی لشکر میں آگئے۔

مسلمان ان کی اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے انھوں نے اللہ اکبر کے پُرہیبت نعرہ سے اُن کا استقبال کیا نابغہ ایرانی کا تمام سامان لیکر خالد کے پاس گئے خالد نے حضرت سعدؓ کے پاس اطلاع دیکر دریافت کیا کہ جو سامان نابغہ ایرانی کا لائے ہیں اس کا کیا کیا جائے۔

حضرت سعدؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا یہ حکم ہے کہ جو مسلمان اپنے دشمن کو مار کر اس کا جس قدر مال لے لے وہ اسی کا ہے۔ چنانچہ خالد نے وہ سب سامان نابغہ کو ہی دے دیا۔[1]

اس ایرانی کے مارے جانے کے بعد پھر کوئی ایرانی میدان جنگ میں نہ نکلا۔ دیر تک مسلمانوں نے انتظار کیا لیکن جب کوئی نہ آیا تو عمرو بن سعدی کرب نے خالد سے ہاتھیوں پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

خالد نے اجازت دی۔ عمرا اپنے لشکر میں آئے وہ ایک رسالہ کے سردار تھے۔ انہوں نے سواروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ دوستوں میں تنہا ہی سامنے کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں۔ تم دیکھتے رہنا جب ایرانی مجھ پر نرغہ کریں تو تم بھی مدد کرنا۔ کیونکہ اگر عمرو سعد کرب مارا گیا تو پھر عمرو بن سعدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ رسالہ نے کہا۔ سمعنا واطعنا۔

عمرو بن سعدی کرب نے گھوڑا بڑھایا تلوار میان سے گھسیٹی اور تیزی سے ایرانیو

---

[1] نابغہ نے اس تمام سامان کو بیس ہزار روپے میں فروخت کیا اس زمانہ میں درہم چلتے تھے ہم نے درہموں کا حساب روپئوں میں لگا دیا ہے (صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

کی طرف چلے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مسلمان کس دل گردہ کے لوگ تھے۔ ایک شخص تنہا ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کے نرغہ میں ہاتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ تاریخوں میں ان کے کارنامے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

عمرو بن سعدی کرب گھوڑا دوڑا کر ہاتھیوں کے پاس پہنچے ان کا گھوڑا ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑکا۔ فوراً وہ گھوڑے سے نیچے اتر گئے۔ گھوڑا چھوڑ دیا اور پیادہ پا ہاتھیوں کی طرف بڑھے۔ فیلبانوں نے ہاتھیوں کو بڑھایا۔

ہاتھیوں کا ریلہ عمرو کو کچلنے کے لئے اپنی لمبی لمبی سونڈیں پھیلا کر بڑھا۔ عمرو ڈرے نہیں بلکہ وہ بھی تلوار لئے آگے بڑھتے چلے گئے ایک ہاتھی جو سب سے آگے آرہا تھا عمرو کے پاس پہنچا اس نے عمرو کو پکڑنے کے لئے سونڈ بڑھائی۔ عمرو نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا سونڈ گکڑی کی طرح کٹ کے دور جا گری۔ ہاتھی چنگھار مار کر اپنی پشت کی طرف لوٹا۔ فیلبانوں نے ہر چند ہاتھی روکنے اور لوٹانے کی کوشش کی لیکن ہاتھی لوٹتا کیا وہ رکا بھی نہیں تھر تھر کانپتا بے تحاشہ بھاگ نکلا۔ اس کے سامنے جو پیدل جو سوار جو چیز آئی اسے روندتا چلا گیا۔ اس ہاتھی کے چنگھاڑ مار کر بھاگنے سے ہاتھیوں کا ریلہ رک گیا۔ ہاتھی بڑا سمجھدار جانور ہوتا ہے تمام ہاتھی سمجھ گئے کہ وہ خطرہ میں ہیں انھوں نے سونڈیں اپنے موہنوں میں دبائیں اور ڈرتے ڈرتے عمرو کی طرف بڑھے عمرو نے تلوار میان میں ڈالکر نیزہ نکالا اور بڑھ کر ایک ہاتھی کے سنگ پر نیزہ مارا چونکہ عمرو پیدل تھے ہاتھی اونچا تھا اس لئے نیزہ مستک تک نہ پہنچا بلکہ سونڈیں ہی تراز د ہو گیا۔ یہ ہاتھی بھی چنگھاڑ مار کر بھاگا فیلبان نے بہتیرے انگس مارے اس کے کانوں کو مروڑا لیکن وہ نہ رکا بلکہ ایسا خوفزدہ ہو کر بھاگا۔ جیسے چاروں طرف سے اس کے نیزے مارے جا رہے ہوں۔ ہاتھیوں کے دائیں بائیں ایرانیوں کی پیدل پلٹنیں تھیں بائیں طرف والے دستے تو دور تھے البتہ دائیں طرف والے قریب تھے چنانچہ ایک دستہ عمرو کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ عمرو نے نیزہ ڈال دیا۔ اور تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ ایرانی دستہ نے نہایت جوش اور پورے زور سے ان پر حملہ کیا۔ عمرو کمال جیداری۔ بڑے استقلال پورے جوش سے ان کے سامنے ڈٹ گئے۔ ایرانی ان کے چاروں طرف پھیل گئے۔

ہر طرف سے ان پر نیزوں اور تلواروں سے حملے کرنے لگے عمرو جس قدر بہادر

تھے اسی قدر پھرتیلے بھی نہایت پھرتی سے پینترے بدل بدل کر حملے کرنے لگے۔ ہر حملے میں وہ ایک دو ایرانیوں کو مار ڈالتے تھے ایرانی بھی ان پر ٹوٹے پڑتے تھے جوش میں آآ کر حملے کر رہے تھے۔ پیدلوں کے چلنے پھرنے اچھلنے اور پینترے بدلنے سے گرد وغبار اڑنے لگا۔

عمرو تنہا بجلی کی طرح ایرانیوں پر کوندتے پھر رہے تھے وہ حیرت انگیز پھرتی اور تحیر خیز چابکدستی سے پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے ایرانیوں کو بڑا غصہ آرہا تھا۔ ایک شخص ان کے قابو میں نہ آتا تھا۔ جب وہ اس پر یورش کرتے تلواریں مارنا چاہتے۔ وہ یا تو جھک جاتے یا اچھل جاتے یا تلوار کی جھپکی دیکر نکل جاتے۔

عمرو کے ہم رکاب فوج نے عمرو پر ایرانیوں کی یورش دیکھی انہوں نے فوراً گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑے اس تیزی سے سرپٹ دوڑے گویا ان کے پر لگ گئے اور وہ اڑے چلے جا رہے ہیں۔ ایرانی سواروں کو ایرانی سواروں نے آتے دیکھا ان کا بھی ایک رسالہ بڑھا اور عمرو بن معدی کرب کے اوپر جا پڑا۔ اب عمرو بری طرح نرغہ میں آگئے۔ اندیشہ ہوگیا تھا کہ کہیں کوئی سوار ان کو کچل نہ ڈالے مگر وہ سراسیمہ نہ ہوئے نہ گھبرائے بلکہ پورے جوش و استقلال سے پینترے بدل بدل کر بچتے اور بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے۔ اب مسلمان بھی عمرو کے قریب پہنچ گئے۔

انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا حملہ نہایت سخت ہوا۔ پہلے ہی حملہ میں پچاسوں ایرانیوں کو مار ڈالا۔ اب ایرانیوں کی توجہ عمرو کی طرف سے ہٹ گئی وہ آنے والے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ عمرو کو قدرے اطمینان نصیب ہوا انہوں نے اپنا گھوڑا دیکھا بھلا گھوڑا ایسے بلڑ میں کیسے کھڑا رہتا وہ نظر نہ آیا۔

اتفاق سے ایک ایرانی سوار ان کے برابر سے ہو کر نکلا۔ عمرو نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ گھوڑا کھڑا ہو گیا ایرانی نے بار بار مہیز لگائی مگر گھوڑا اپنی جگہ سے نہ ہلا ایرانی نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ جب عمرو کو دم پکڑے کھڑے پایا تو کسی قدر متعجب ہوا۔ مگر فوراً ہی اس کا تعجب غصہ سے بدل گیا وہ جلدی سے گھوڑے سے کود اور

سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

عمرؓو اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور نہایت سرفروشی سے لڑنے لگے۔ عمرؓو کا تمام جسم گرد و غبار میں اٹ گیا۔ بدن پر برچھیوں اور تلواروں کے زخم تھے انہوں نے کسی بات کی پرواہ نہ کی اور لڑائی میں مصروف ہو گئے۔

لڑائی نہایت زور شور سے شروع ہو گئی۔ ایرانی پوری سرفروشی سے لڑنے لگے۔ مسلمان بھی نہایت دلیری سے ڈٹ گئے۔ اس تھوڑے سے حصے میں معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ قعقاعؓ دور سے کھڑے دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ دو ہاتھیوں کے پیچھے تمام ہاتھی لگے ہوئے ہیں جس طرف وہ رُخ کرتے ہیں سارے ہاتھی اسی طرف چلتے ہیں۔ گویا وہ دو ہاتھی ان تمام ہاتھیوں کے سردار ہیں۔

واقعہ بھی یہی تھا ان دونوں ہاتھیوں میں سے ایک کا نام ابیض اور دوسرے کا نام اجرب تھا دونوں نہایت مہیب اور کوہ پیکر تھے سارے ہاتھی انکے پیچھے رہتے اور جو کام یہ ہاتھی کرنے لگتے جس طرف ان کا رخ ہو جاتا دل کے دل پھٹ جاتے۔ قعقاعؓ کے پاس عاصم اور جمال اور ابیل کھڑے تھے۔

انہوں نے کہا آؤ ہم سب مل کر ان ہاتھیوں پر حملہ کریں۔

عاصم نے کہا چلئے۔

جمال نے کہا۔ کچھ لشکر کو بھی ساتھ لے چلئے۔

قعقاعؓ نے اپنی ہمرکاب فوج کو بڑھنے کا حکم دیا۔ فوج بڑھی قعقاعؓ جمال اور ابیل بھی چلے۔ قعقاعؓ اور عاصم سفید ہاتھی کی طرف بڑھے ہاتھی نے خطرہ محسوس کر لیا۔ اس نے اس زور سے پھنکار ماری کہ بہادر دلیروں کے گھوڑے خوفزدہ ہو کر کانپنے لگے۔

قعقاعؓ نے مہمیز لگا کر گھوڑا بڑھایا۔ گھوڑا ڈرتا ڈرتا بڑھا۔ عاصم بھی پیچھے ہی چلا ہاتھی قعقاعؓ کی طرف لپکا جب وہ قریب آیا اور اس نے سونڈ بڑھا کر قعقاعؓ کو پکڑنا چاہا تو قعقاعؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نیزہ مارا۔ نیزہ ہاتھی کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا۔ قعقاعؓ نے جلدی سے تلوار نکال کر پھرتی سے ماری ہاتھی کی سونڈ مٹک سے کٹ کر علیحدہ ہو گئی سفید ہاتھی

چنگھاڑ مار کر واپس لوٹا۔ ٹھیک اسی وقت جبکہ سفید ہاتھی مجروح ہو کر بھاگا جبال اور ابیل نے اجرب پر حملہ کر کے اُسے مجروح کر دیا۔ وہ بھی چنگھاڑ مار کر واپس لوٹا۔ دونوں ہاتھیوں کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی ان کے پیچھے بھاگے قعقاع کی ہمرکاب فوج نے بڑھ بڑھ کر نیزوں سے کچوکے لگانے شروع کئے تمام ہاتھی خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ انہوں نے جس طرف رخ کیا ایرانیوں کے پرے کے پرے کچل ڈالے سینکڑوں سوار و ہزاروں پیادے روند ڈالے۔

ایرانی کالی بلاؤں کو اپنے ہی اوپر حملہ آور دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے ادھر ادھر دب کر خوفزدہ ہاتھیوں کو راستہ دیدیا۔ تمام ہاتھی اس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگے چلے گئے جیسے سارا لشکران پر ہی حملہ آور ہو گیا ہے۔ اس سیاہ بادل کے چھٹتے ہی بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے جو رسالے اور پیدل دستے ایرانیوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ نہایت سرفروشی سے لڑنے لگے۔ ایرانی ان پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ تلواریں جلد جلد اٹھنے لگیں۔ انسانی سمندر میں تیرنے اور سروتن کے فیصلے کرنے لگیں۔

ایرانی زور زور سے طبل جنگ بجانے اور قومی نعرے لگانے لگے مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے پر ہیبت نعرہ کی تکرار شروع کی ان نعروں کی گرج سے زمین دہل گئی فضا تھرا گئی۔ کوسوں تک میدان گونج اٹھا۔ چار گھڑی دن رہے تک اسی قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں سرفروش ملک اور مذہب پر قربان ہو گئے۔

انسانی اعضائے بریدہ کے ڈھیر لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ گئیں تمام دن لڑتے رہے پر بھی کسی فریق میں اضمحلال کے آثار ظاہر نہ ہوئے اس جنگ کو تاریخوں میں معرکۂ یوم العمارس لکھا ہے۔

چار گھڑی دن رہے دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ہوئے دونوں لشکروں کے الگ الگ ہو جانے سے یہ خیال ہو گیا تھا کہ آج بقیہ دن کے لئے جنگ بند کر دی جائیگی لیکن ایرانیوں نے پیچھے ہٹ کر اپنے تمام لشکر کی ترتیب از سر نو شروع کی۔ انہوں نے تمام فوج کو تیرہ صفوں میں منقسم کیا۔ افسروں نے پرجوش تقاریر کر کے بہادروں کے سینوں میں آتش جنگ بھڑکا دی۔

مسلمان بھی سمٹ کر صف بستہ ہو گئے انہوں نے اپنے تین پرے جمائے سب سے آگے سواروں کا رسالہ۔ ان کے پیچھے پیدلوں کے دستے سب سے پیچھے تیرانداز کھڑے تھے۔ قعقاع نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

مسلمانو! تم دیار غیر میں اپنے وطن اور عزیزوں سے دور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آئے ہو ایرانی صرف تم کو ہی فنا کرنے نہیں چاہتے بلکہ تمام حجازوالوں کو مٹانے کے لئے اٹھے ہیں۔ تم توحید پرست ہو وہ لوگ ہو جو کفر و ضلالت کے اندھیرے سے نکل کر توحید پرستی کی روشنی میں آئے ہو ان دیکھے خدا پر ایمان لائے ہو حق سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں تم ہی لوگوں کی حمد وثنا میں فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعتقاد کیا کہ اللہ جل شانہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور پھر اسی عقیدے پر قائم رہے۔

یہ لوگ مومنوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ترجمہ) مومنین کی نصرت کرنا ہم پر واجب ہے۔

خدا پرستو! خدا تمہاری مدد کرے گا تم ضرور کامیاب ہو گے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کا وقت اٹل ہے ایک لمحہ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا موت ہزاروں تالوں میں بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ خدائے عزوجل نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔ ترجمہ۔ تم جہاں کہیں ہو گے موت تم کو پکڑ لے گی۔ اگرچہ تم مضبوط برجوں ہی کیوں نہ چھپے ہو۔

موت آنی ہے اور ضرور آنی ہے۔ پھر کیوں نہ میدان جنگ میں شہید ہوں شہادت قسمت سے ملتی ہے شہدا کا رتبہ بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا اط۔

ترجمہ۔ جو لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے نزدیک ان کے بڑے درجے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ خدا ان کو خوشخبری دیتا ہے ساتھ مہربانی اور رضامندی اپنی کے اور بہشتوں کے واسطے ان کے ان میں پائدار نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ اس میں

رہیں گے مسلمانوں لڑو جہاد کرو اگر شہید ہو گئے تو بہشت میں داخل ہو گے اور اگر زندہ بچے تو غازی کہلاؤ گے غرضیکہ ہر طرح خدا کی خوشنودی حاصل کرو گے۔
قعقاع کی اس مختصر تقریر سے مسلمانوں کے دلوں میں جوش کا دریا امنڈ آیا اسکے چہرے جوش سے تمتا گئے۔ مسلمان ابھی خاموش کھڑے تھے کہ ایرانیوں نے تیر برسانے شروع کئے۔
مسلمانوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جبتک سپہ سالار تین نعرہ لگا کر جنگ کا اعلان نہ کرتا لڑائی شروع نہ ہوتی۔ لیکن ایرانی شدومد سے تیر برسا رہے تھے کہ غروب ہونے والے آفتاب کی طلائی کرنیں تیروں کے نیچے چھپ جاتی تھیں ان تیروں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے لگا۔ مجاہدین زخمی ہونے لگے۔ قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا وہ اپنی رکاب کی سپاہ لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے قعقاع کی یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔
سعدؓ بالاخانہ پر بیٹھے میدان کارزار کی طرف دیکھ رہے تھے جب انہوں نے قعقاع کو بڑھتے اور بہرخورشانہ طریقہ پر دشمن پر حملہ کرتے دیکھا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ اللھم اغفرلہ وانصرہ۔ (ترجمہ) اللہ قعقاع کو معاف کر اور اس کی مددگار ہو)
قعقاع کو دشمنوں پر حملہ کرتے ہوئے دیکھکر بنو اسد کا قبیلہ بڑے جوش سے بڑھا اور نہایت شدت سے دشمنوں پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ اس قبیلہ نے بھی نافرمانی کی تھی اس لئے سعدؓ نے اس کے لئے بھی وہی کہا جو قعقاع کے لئے کہا تھا۔ بنو اسد کی دیکھا دیکھی قبیلہ نخع۔ بجیلہ کندہ وغیرہ سب نے یکے بعد دیگرے ایرانیوں پر یورش کی۔
سعدؓ ہر قبیلہ کے حملہ پر یہی کہتے کہ خدایا اس قبیلہ کو معاف کر اور اسکی امداد کر۔ اب سعدؓ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کی تکرار کی۔ سارا میدان نعروں سے گونج اٹھا۔ زمین ہل گئی فضا تھرا گئی۔ ایرانی گھبرا گئے مسلمانوں نے پرجوش رسالے دستے پلٹنیں نہایت جوش و خروش سے بڑھے۔ ایرانی بھی طبل جنگ بجانے قومی نعرے لگاتے چلے گئے۔
دونوں کا تصادم ہوا۔ بہادروں نے نیزے اور تلواریں نکال لیں دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ آسیلئے جنگ نہایت زور شور سے چلنے لگی۔ انسانی بستیاں

تلواروں کے گھاٹ اترنے لگیں۔
خون کے فوارے ابلنے لگے۔ موت سرفروشوں کے سروں پر منڈلانے لگی۔ آفتاب اس خونریزی کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ جلد مغرب میں روپوش ہو گیا۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہو گیا۔ اور چاندنی تمام میدان میں پھیل گئی۔
سارے دن کے تھکے ماندے سپاہی اس وقت تازہ دم سے ہو کر نہایت جوش اور دلیری سے لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ وہ کھانا اور آرام کرنا وغیرہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ صرف مارنا یا مرنا رہ گیا ایرانی نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔
تمام ایرانی سردار اپنی اپنی ہم رکاب فوج میں کھڑے جوش دلا دلا کر سپاہیوں کو بڑھا رہے تھے۔ ہر ایرانی سپاہی جوش میں بھرا ہوا تھا ایک ایک مسلمان کو کئی کئی ایرانی روکے یا چمٹے ہوئے تھے مسلمان کمال دلیری سے لڑ رہے تھے وہ دشمنوں کی کثرت اپنی قلت غرضیکہ کسی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سر جھکائے مصروف قتال تھے۔
لڑتے لڑتے آدھی رات آ گئی لڑائی اب بھی اسی جوش سے ہو رہی تھی جس شد و مد سے شروع ہوئی تھی۔ اگرچہ سپاہی سوار اور راکب سب ہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ رات زیادہ آنے کی وجہ سے آنکھوں میں نیند جھک گئی تھی سارا دن اور رات لڑتے ہی لڑتے گذر گئی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں بے کار ہوئے جاتے تھے لیکن سرفروش اب بھی شدت سے لڑ رہے تھے۔ سعدؓ بالاخانہ کی چھت پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔
میدان کارزار میں گرد و غبار اٹھ کر چاروں طرف ایسا چھا گیا تھا کہ باوجود چاندنی رات ہونے کے چاند پوری آب و تاب سے نکلا ہوا مگر سوائے دھند کے کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ البتہ شور دار و گیر۔ طبل جنگ کی صدا نعرہ تکبیر کی آوازیں نہایت زور سے آ رہی تھیں۔
سعدؓ کے پاس سلمیٰ بیٹھی تھیں سعدؓ بے قرار اور متفکر معلوم ہو رہے تھے۔ سلمیٰ ان کو بے قرار دیکھ دیکھ کر مضطرب ہو رہی تھیں بالآخر جب سلمیٰ سے برداشت

نہ ہو سکا تو انہوں نے کہا میرے سرتاج آپ کیوں بے قرار ہو رہے ہیں مسلمانوں کا خدا مددگار ہے وہی مدد کرے گا سعدؓ نے کہا مجھے اسی لئے بے چینی ہے کہ مسلمان لڑ رہے ہیں۔ سارا دن انہیں لڑتے ہوئے گذر گیا ہے میں جان چھپائے بالاخانہ پر بیٹھا ہوں۔ جو لوگ آج میرے علم کے نیچے شہید ہوں گے کل قیامت کے دن میں ان کے متعلق خدا کو کیا جواب دوں گا"

سلمیٰ نے کہا آپ بیمار ہیں۔ بیماری اختیاری نہیں ہے مجبوری ہے اگر مسلمانوں نے آج کھانا نہیں کھایا ہے تو آپ نے بھی تمام دن فاقہ کیا ہے نماز پڑھ کر مسلمانوں کی فتحیابی کے لئے دعا مانگتے رہے۔

سعدؓ سجدہ میں گر گئے انہوں نے نہایت عاجزی سے کہا۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔

ترجمہ۔ اے پروردگار ہمیں صبر دے اور ثابت قدم رکھ اور ہمیں کفار پر فتح عطا فرما۔

انھوں نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں ٹھیک اسی وقت جبکہ سعدؓ نے سجدہ سے سر اٹھایا قعقاع کو کہتے سنا۔ قلب لشکر پر حملہ کرو رستم کو گرفتار کرتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا۔

قعقاع کے ان فقروں۔ سے سعدؓ کے دل میں فتح کی امیدوں سے مسرت کی ہلکی سی جھلک پیدا ہوئی۔ میدان کارزار بدستور گرم تھا۔ اگرچہ ایرانی مسلمانو کے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے نہایت جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے۔ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن مسلمان اس جوش سے لڑ رہے تھے کہ ایرانیوں کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ رستم قلب لشکر میں زریں تخت پر زردوزی سائبان کے نیچے بیٹھا۔ سپاہیوں سوار دل۔ افسروں کے دل بڑھا بڑھا کر انہیں لڑائی پر برانگیختہ کر رہا تھا قلب سے آگے مقدمہ لشکر میں فیروزان مہران دو شہزادے۔ دو جلیل القدر سردار گھوڑوں پر کھڑے ایرانیوں کے دل بڑھا رہے تھے اور ان کو حملہ کی ترغیب دے رہے تھے۔

ایرانی جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے وہ بڑھ کر مسلمانوں کو پسپا کرنا چاہتے مگر مسلمان سنگی چٹانوں کی طرح قدم جمائے سر جھکائے نہایت استقلال اور جوانمردی

سے لڑ رہے تھے۔ ہزار دباؤ پڑنے پر بھی وہ پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ یہ مسلمانوں
ہی کا دل گردہ تھا۔ مسلمانوں ہی کا جوش تھا۔ مسلمانوں ہی کا استقلال تھا کہ وہ
اپنے سے سات گنا ایرانیوں سے لڑ رہے تھے۔ پھر ایرانی معمولی لوگ نہ تھے
بڑے بہادر تھے ان کی ہمسایہ سلطنتیں ان کی بہادری کا لوہا مانے ہوئے تھیں۔
عیسائی ان سے ڈرتے تھے بربری کانپتے تھے۔

قعقاعؓ نہایت دلیری بڑی سرفروشی سے لڑ رہے تھے آدھی رات کے بعد
انھوں نے یہ فقرہ کہا۔ جو سعدؓ نے سنا تھا۔ یعنی مسلمانوں کو سمٹ کر قلب لشکر پر
حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

قعقاعؓ کی آواز سنتے ہی قیسؓ۔ اشعثؓ۔ عمروؓ بن معدی کرب ابن ذی البردینؓ
نے جو افسر تھے اپنے اپنے قبائل کو للکار کر دیکھو قعقاعؓ۔ عاصمؓ یا اور لوگ جہاد
میں تم سے سبقت نہ لے جائیں اگر یہ لوگ بڑھ کر ایرانیوں کے قلب کے لشکر میں
پہنچ گئے۔ اور انہوں نے رستم یا دوسرے سرداروں کو گرفتار کر لیا مار ڈالا
تو خدا کی نظروں میں خدا کے رسول کی نظروں میں عامۃ المسلمین کے نزدیک
ان کا وقار بڑھ جائے گا۔ ان کے درجے بڑھ جائیں گے بڑھو ان سے آگے
بڑھو۔ وہ جنت کے حقدار بن جائیں گے ان سے پہلے اور ان سے زیادہ اپنے
آپ کو جنت کا حقدار ثابت کرو۔

ان کی اس مختصر تقریر نے ان کے قبیلوں میں جوش اور ولولہ کی لہر دوڑا دی
تھکے ہوئے اجسام میں نئی امنگ پیدا ہو گئی۔ وہ بڑھے نہایت جوش میں آ کر بڑھے
بڑی بے جگری سے بڑھے ایک طرف سے انہوں نے حملہ کر دیا اور دوسری
طرف سے قعقاعؓ اور عاصمؓ نے اپنے اپنے لشکروں کے حملہ کیا۔ ایرانی ان
شدید حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے ان کو اور دبایا اور ہٹے
یہاں تک کہ قلب لشکر سے جا ملے ایک طرف قعقاع اور عاصم کی یہ کوشش تھی
کہ وہ ایرانیوں کو مارتے کاٹتے رستم تک پہنچ جاویں اور اسے گرفتار کر لیں۔ دوسری
طرف یہی کوشش اور یہی خواہش قیسؓ اور اشعثؓ وغیرہ کی تھی۔

اللہ اکبر کیا زمانہ تھا کہ مسلمان نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت
لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ سر ہتھیلی پر رکھ کر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے

تھے آج مسلمانوں میں یہ بات مفقود ہے اب مسلمان ایک دوسرے سے ان باتوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے خدا نے خدا کے رسول نے اور آنحضرت صلعم کے جانشینوں نے منع کیا ہے۔ع

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بہ کجا۔!

قعقاع نے قیس۔ اشعث۔ عمرو بن سعدی کرب کی آواز پہ سن لی تھی جی انہوں نے جلد سے جلد سب پہلے رستم تک پہنچنے کے لئے ایسا سخت حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پرے کے پرے صاف کر دیئے اور صفوں کی صفیں اُلٹ دیں وہ اُن کے ہمراہی ان کا قبیلہ لڑتے ایرانیوں کو قتل کرتے رستم کے سامنے جا پہنچے۔

رستم مسلمانوں کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ اٹھا تخت سے نیچے اترا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور مردانہ وار مسلمانوں کے سامنے ڈٹ گیا۔ اس نے تلوار کھینچ لی۔ ڈھال سنبھالی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح مسلمانوں پر جا ٹوٹا۔ کئی مسلمانوں کو اس نے شہید کیا۔ وہ بڑا بہادر۔ دلیر۔ بڑا جنگجو تھا۔ نہایت دلیری بڑی بہادری اور پورے جوش سے لڑنے لگا۔ اسے لڑتے ہوئے دیکھ کر ایرانیوں نے نئے جوش سے سنبھل کر حملہ کیا نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ رستم نے بہادری کا حق ادا کر دیا۔

وہ لڑا اور ایسا جی توڑ کر لڑا کہ مسلمان حیران ہو کر رہ گئے انہوں نے چاروں طرف سے اسے نرغہ میں لے لیا۔ چاروں طرف سے اس پر حملے شروع کر دیئے وہ زخم پر زخم کھا رہا تھا۔ اس کا بدن زخموں سے چور چور ہو گیا تھا لیکن وہ ایسا بہادر تھا کہ پسپا ہونے کا نام نہ لیتا تھا اگر رستم کے لشکر کے تمام سردار نہ بھی چند بھی اس طرح کے بہادر ہوتے جس طرح وہ لڑ رہا تھا اسی طرح لڑتے تو جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا۔ لیکن نہ سارا لشکر اس جیسا بہادر تھا نہ تمام افسران اس کی طرح سے لڑ سکتے تھے ان پر مسلمانوں کا رعب غالب آ گیا تھا۔ وہ مدافعت کر رہے تھے۔

قعقاع نے بڑھ کر رستم پر حملہ کیا۔ رستم نے ڈھال بڑھا کر حملہ روکا قعقاع کی پر جوش تلوار ڈھال پر پڑی۔ ڈھال دو ٹکڑے ہو گئی۔ رستم نے ڈھال پھینک دی اب وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا۔

قعقاع نے اس کا تعاقب کیا اس کے باڈی گارڈ کا رسالہ سدراہ ہو گیا۔ قعقاع اس رسالہ سے الجھ گئے۔ بلال بن علقمہ ایک نہایت سرفروش مجاہد تھے۔ انہوں نے رستم کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا ان کو جوش آ گیا۔ وہ ایرانی رسالہ کے سواروں کو مارتے کاٹتے ان کے پیچھے دوڑے رستم گھوڑے کے مہمیز لگا کر نہایت تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ بلال نے بھی اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا تھا۔ دونوں گھوڑے آگے پیچھے سرپٹ دوڑے چلے جا رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے سامنے نہر آ گئی۔ رستم اپنے گھوڑے کو نہ روک سکا۔ اس کا گھوڑا نہر میں جا گرا۔ کچھ تو رستم زخموں کی وجہ سے چور چور ہو رہا تھا۔ کچھ تعاقب کا خوف تھا۔ کچھ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے نشست ٹھیک نہ رہی تھی۔ وہ نہر میں گرا اور گرتے ہی ڈبکیاں کھانے لگا بلال ملک الموت کی طرح اس کے سر پر جا پہنچے۔ انہوں نے پھرتی سے گھوڑا روکا جلدی سے کود کر لپک کر پانی میں اترے اور جب رستم ابھرا اس کے ٹھوڑی میں زور سے مکا مارا۔ رستم اچھل کر پانی میں لمبا جا لیٹا۔ بلال نے جلدی سے رستم کی ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور نہر سے باہر لا ڈالا۔ رستم پانی زیادہ پی گیا تھا اس کے ہوش و حواس بجا نہ رہے تھے۔ بلال نے خنجر نکال کر اس کا سر قلم کیا سر کو نیزے پر چڑھایا اور گھوڑے پر چڑھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایرانیوں کے لشکر میں پہنچے۔ گھوڑے سے اترے اور رستم کے تخت پر چڑھ کر بلند آواز سے بولے۔ ایرانیوں خدا کی قسم میں نے تمہارے سردار رستم کو قتل کر دیا۔ یہ کہتے ہی انہوں نے نیزہ بلند کیا۔ صبح صادق کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ ابھی تک چاند بھی چمک رہا تھا۔ کافی اجالا تھا۔ ایرانیوں نے تخت کی طرف دیکھا تخت پر رستم نہ تھا بلکہ ایک مسلمان کھڑا تھا جو نیزہ اٹھائے ہوئے تھا۔ نیزہ پر ایک سر آویزاں تھا۔ تھوڑا ہی سا غور کرنے سے ایرانیوں نے سر کو پہچان لیا۔ یہ رستم کا سر تھا۔ ایرانی رستم کے سر کو نیزہ پر لٹکتے ہوئے دیکھ کر پریشان اور بدحواس ہو گئے۔ وہ فوراً پشت پھیر کر بھاگے۔ اسوقت خالد بن عرطفہ تخت کے قریب پہنچ گئے تھے انہوں نے ایرانیوں کو بھاگتے دیکھ کر نہایت بلند آواز سے کہا مسلمانوں۔ لینا ان بزدلوں کو یہ بھاگنے نہ پائیں۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ اکبر کا پر ہیبت نعرہ لگا کر بدحواس ایرانیوں پر حملہ کر دیا ایرانی پہلے ہی

بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس حملہ سے اور بھی خوفزدہ ہو گئے جس کا جس طرف
منہ اٹھا بے تحاشہ بھاگ نکلا مسلمان بھی بکھر گئے ہر طرف اُن کے تعاقب میں
دوڑ پڑے۔ سارے میدان میں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایرانی ہر جگہ قتل
کئے جانے لگے۔ اب صبح ہو گئی تھی۔ صبح کی دلفریب روشنی ہر طرف پھیل گئی تھی چاند
غروب تو نہیں ہوا تھا لیکن اس کی روشنی کم ہوتے ہوتے بالکل مٹ گئی تھی
گذشتہ سارے دن اور ساری رات لڑنے والے سرفروش تھک کر چور ہو گئے
تھے۔ صبح کی مدہوش کر دینے والی نسیم سحری نے اور بھی دست و پا ناکارہ کر دیئے
لیکن ایرانیوں کے بھاگ پڑنے نے مسلمانوں کو چونکا دیا۔ وہ سنبھل کر ہر طرف سے
ان پر ٹوٹ پڑے ایرانی نہر کی طرف بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑے نہر کی
طرف ایک پل تھا۔ اگرچہ وہ بہت کچھ چوڑا تھا۔ مگر اس قدر چوڑا نہ تھا کہ تمام
بھگوڑے ایرانی بیک وقت اس کے اوپر سے گذر جاتے ایرانیوں کی کثرت
سے وسیع پل تنگ ہو گیا۔ چونکہ ایرانیوں کے پیچھے مسلمان انہیں مارتے کاٹتے
ان کے پیچھے لگے چلے آ رہے تھے اس لئے پل پر ایرانیوں میں کشمکش شروع
ہو گئی مسلمانوں نے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ رستم کے ہمرکاب
سوار تیس ہزار تھے۔ اگر وہ جم کر لڑتے تو ممکن تھا کہ بہت سے بچ جاتے۔ مگر
مسلمانوں کا ان پر رعب طاری ہو چکا تھا وہ پل پر پہنچ کر پل عبور کرنے کے لئے
کشمکش کرنے لگے مسلمانوں نے اس قدر اُن کو قتل کیا کہ سب کے سب قتل کر ڈالے
صرف تین سوار باقی رہ گئے جو بمشکل اپنی جان بچا کر لے جا سکے جب ایرانیوں
نے دیکھا کہ پل تنگ ہے اور مسلمان ان کو بیدریغ قتل کر رہے ہیں تو وہ نہر میں
جا کودے نہر نہایت گہری اور چوڑی تھی۔ جو ایرانی نہر میں کودا وہ نہر کی
بھینٹ چڑھ گیا۔

رستم کے قتل ہونے کے بعد بھی سینکڑوں افسر اور اکثر شہزادے جو باقی
رہ گئے تھے۔ اگر وہ بدحواس نہ ہوتے لشکر کو تسلی اور دلاسا دیکر سنبھالتے بدستور
میدان جنگ میں جمے رہتے تو انہیں ہزیمت نہ ہوتی یا ہزیمت ہوتی بھی تو تمام
لشکر پارہ پارہ نہ ہوتا مگر وہ ایسے خوفزدہ ہوئے ایسے گھبرائے کہ لشکر سے
پہلے خود بھاگ کھڑے ہوئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لشکر پراگندہ ہو گیا اور میدان کارزار کے چپہ چپہ پر ایرانیوں کی لاشیں بچھ گئیں۔ جس وقت آفتاب طلوع ہوا اور اس کی ترچھی شعاعیں کرۂ ارض پر جلوہ گر ہوئیں تو ایرانیوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ یا تو وہ مارے گئے تھے یا بھاگ گئے تھے۔

یہ تھی وہ جنگ جس نے سلطنت کسریٰ کی کمر توڑ دی تھی۔ گویا مٹھی بھر مسلمانوں نے ٹڈی دل ایرانیوں کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ایرانیوں کے اس جنگ میں بڑے بڑے افسر کام آئے تھے۔ جن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ رستم اور ساس کا بیٹا بھی کام آ چکے تھے۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے اپنے بڑے بڑے مشہور اور بہادر نوجوانوں کو کھو دیا۔

ضرار بن خطاب نے ایرانی جھنڈا (درفش کادیانی) کو ٹھوکر مار کر گرا دیا اور اسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ایرانیوں کا یہ علم نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ سیکڑوں برس کا تھا۔ نہایت بیش قیمت تھا۔ یہ بات مشہور تھی کہ جس جنگ میں یہ علم گیا کبھی سرنگوں نہ ہوا۔ ایرانی ہمیشہ فتحیاب ہوئے۔ مگر آج اس کی وہ بزرگی اس کا وہ اثر زائل ہو گیا تھا۔ ایرانی علم۔ درفش کادیانی) سرنگوں ہو گیا تھا۔

ایرانیوں کو ہزیمت ہوئی تھی اور مسلمان مظفر و منصور ہوئے تھے جب ایک بھی ایرانی میدان کارزار میں نہ رہا۔ تو خالد اور دوسرے افسروں نے ایرانی کیمپ لوٹنے کا حکم دیا۔

مسلمان حکم کے ملتے ہی ایرانی کیمپ میں بکھر گئے اور مال غنیمت فراہم کرنے لگے۔ چونکہ تمام شب نہایت گھمسان کی جنگ ہوتی رہی تھی نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔

چنانچہ اسی مناسبت سے عربی مورخوں نے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر لکھا ہے اور مسلمانوں کی بے نظیر دلیری۔ عدیم المثال استقلال کا یہ واقعہ تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا ہے۔

آج قرون اولیٰ کے مسلمان موجود نہیں۔ لیکن ان کے کارنامے تاریخی صفحات میں محفوظ ہیں وہ اپنی ایسی یادگار چھوڑ گئے ہیں جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی اور ہمیشہ ان کے نام تاریخی دنیا میں آفتاب عالم تاب کی طرح چمکتے رہیں گے۔

اٹھارہواں باب

غرق حیرت

بے درد جفا کار مہران پریزاد آسیہ کو گرفتار کر کے چلا۔ قصر سے باہر نکلا اور گاڑی پر سوار ہوا۔ گاڑی قصر شاہی کی طرف روانہ ہوئی۔ آسیہ سمجھ گئی کہ اسے اسی وقت شہنشاہ ایران کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ وہ کم سن تھی۔ ناز نمود کار تھی، نرم دل اور نازک طبیعت تھی۔ اس کا ننھا سا دل آنے والے خطرات کے خوف سے دھڑکنے لگا۔ پیارے چہرہ کا شہابی رنگ اڑ گیا۔ نازک مگر سیماب صفت لب خشک ہو گئے۔ وہ غمزدہ ہو گئی۔ مہران اس غمزدہ حور کو سامنے بٹھا کر نہایت اطمینان سے دیکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسیہ کو غمزدہ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ گاڑی چوراہے کو عبور کر کے ایک سڑک پر ہولی جن کے دونوں طرف اونچے اونچے چھتارے درخت کھڑے تھے۔ یہاں بہت زیادہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ غور کرنے پر بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی اس سڑک پر گاڑی تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ دفعتاً درختوں کے سائے میں سے چند سوار گھوڑے دوڑاتے گاڑی کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک نے کہا فوراً گاڑی روکو۔ کوچوان ڈر گیا۔ اس نے گاڑی روک لی چار شاہی سوار ننگی تلواریں لئے گاڑی پر موجود تھے۔ ایک کوچوان کے برابر کوچ بکس پر بیٹھا تھا۔ ایک پیچھے کھڑا تھا۔ دو ادھر ادھر پائدانوں پر کھڑے تھے۔ گاڑی کے رکتے ہی یہ چاروں سوار نیچے اتر آئے۔ چاروں تلواریں سونت سونت کے بڑھے۔ مگر جب وہ سواروں کے قریب پہنچے۔ خدا جانے انہوں نے کیا دیکھا کہ گھبرا کر الٹے قدموں لوٹ آئے۔

ایک سوار نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ خبردار اگر کسی نے مقابلے کی جرأت کی۔ گاڑی کے اندر بیٹھنے والے فوراً نیچے اتر آئیں۔

مہران آواز کا لہجہ سن کر کانپ گیا۔ وہ لرزتا ہوا گاڑی سے اترا اس کے بعد

آسیہ اتری۔ دو سوار ان دونوں کی طرف بڑھے۔ قریب آکر غور سے ان دونوں کو دیکھ کر ایک سوار بولا۔ اچھا مہران تم ہو؟

مہران اس قدر خوفزدہ ہو رہا تھا کہ اس کی آواز نہ نکل سکی۔ اس سوار نے پھر کہا۔ بدمعاش، بد باطن، شریف انسان کے دشمن۔ اہرمن کے پجاری بتا کیا آج تو ہمارے قبضہ میں نہیں آگیا۔ تیری وہ شیخی وہ تعلی وہ غرور کیا ہوا جس کی بنا پر تم نے ہمیں اعلان جنگ کیا تھا؟

مہران کانپ رہا تھا۔ فرط خوف سے اس کی آواز نہ نکلی۔ اس سوار نے پھر کہا۔ نامرد۔ بزدل۔ مکار تجھ سے شیطان کو تجھ جیسے بے ایمان کو۔ تجھ جیسے حرام خور کو پیوند زمین ہو جانا چاہیئے۔ یہ کہتے ہی اس نے تلوار بلند کی برق وش تلوار اندھیرے میں بجلی کی طرح کوندی۔ مہران کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ آسیہ نے دیکھا وہ ایک قدم بڑھی اس نے کہا آہ میرے بھائی کو نہ مارو۔ سوار کا ہاتھ یہ سنتے ہی رک گیا۔ اس نے کہا کون فرشتہ خصلت آسیہ؟ آسیہ نے کہا ہاں ایک غمزدہ لڑکی۔ اس سوار نے کہا۔ نیک دل دوشیزہ کیا تم بھی اپنے بھائی کے جرائم میں شریک ہو۔

آسیہ نے کہا۔ نہیں میں کسی جرم میں شریک نہیں نہ میرے بھائی نے کوئی جرم کیا ہے؟

اسی سوار نے کڑک کر کہا۔ تیرے بھائی کا اعمال نامہ اس وقت کی تاریکی کی طرح سیاہ ہے اس بیرحم بدمعاش نے ایک دو نہیں بیسوں گھروں کو تباہ کر دیا ہے۔ بیسوں عصمت مآب دوشیزہ لڑکیوں کو ورغلا کر بزدگی سے لاگیوں کا شکار بنا دیا ہے۔

بھولی آسیہ تجھے اس کی سیاہ کاریاں معلوم نہیں یہ بڑا مکار۔ بڑا بے رحم بڑا بدمعاش ہے ہم اس کی بدولت لٹیروں اور ڈاکوؤں کو زندگی بسر کر رہے ہیں کیا تو نہیں سمجھی کہ ہم کون ہیں؟

آسیہ نے جواب دیا نہیں!

اسی سوار نے کہا۔ ہم وہ ہیں جو یزدگرد اور اس کی حکومت سے تنگ آگئے ہیں اپنی عزت اپنا مال اپنی جان بچانے کے لئے انقلابی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں

ہم ایرانی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں ہم نقاب پوش انقلابی ہیں۔ آسیہ نے نقاب پوش انقلابیوں کا نام سنا تھا تمام ملک میں اس جماعت کا چرچا تھا لوگ ان سے ڈرتے تھے ارکان حکومت گھبراتے تھے۔ یزدگرد کا پتا تھا لیکن ان لوگوں نے آج تک کبھی کسی شریف آدمی کو نقصان نہ پہنچایا تھا۔ آج آسیہ نے اس جماعت کے چند لوگوں کو سامنے کھڑا دیکھا۔ ان کی گفتگو سنی۔ وہ آج سے پہلے انھیں بدمعاش ڈاکو سمجھتی تھی۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ بدمعاش ہیں نہ ڈاکو نہ امن عامہ میں مخل ہونے والے بلکہ حکومت اور آمیش حکومت کی اصلاح کرنے والے۔ ارکان سلطنت کو بدراہی سے روکنے والے یزدگرد کو راہ راست پر لانے والے ملک اور قوم کے مصلح ہیں۔

آسیہ نے شیریں لہجہ میں کہا۔ نقاب پوش انقلابی جماعت کا نام میں نے سنا تھا مجھے بتایا گیا تھا کہ جماعت ملک میں بدامنی اور انقلاب پیدا کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ اس گروہ کے لوگ سفاک اور ظالم ہوتے ہیں۔ دن دہاڑے ڈاکے ڈالتے ہیں رہزنی کرتے ہیں عورتوں کو پکڑ لے جاتے ہیں لیکن اب آپ کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ جو کچھ آپ کی جماعت کے لئے کہا جاتا ہے وہ سراسر غلط ہے۔

سوار نے قدرے جوش میں آکر کہا۔ بالکل غلط ہے جھوٹا پروپیگنڈا ہے ہمیں بدنام کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں ہماری دہشت بٹھانے کے لئے ہم پر یہ الزام لگائے جاتے ہیں لیکن ہم کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے موجودہ حکومت موجودہ حکمران ملک و قوم کے لئے باعث ننگ ہیں ہم حکمران کو معزول کرکے حکومت کا تختہ الٹنے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں اپنی زندگی کے آخری سانس تک کوشش کرتے رہیں گے۔

آسیہ نے کہا یقیناً تم اپنے عزائم میں کامیاب ہو گے۔ سوار نے کہا ہمیں کبھی یہی امید ہے کبھولی آسیہ مسلمان ہمارے ملک میں چڑھ کر کبھی نہ آتے اگر ان کو ستایا نہ جاتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ ایک عربی دوشیزہ لیلیٰ کو بادشاہ نے اپنی خوابگاہ کے قریب قید کر رکھا ہے اسے پھسلانے کے لئے بدراہ پر لانے کے لئے دھمکاتا ہے ڈراتا ہے لالچ کا جال پھیلاتا ہے کیا اس میں ایرانیوں کی بدنامی نہیں ہے؟

آسیہ۔ بہت زیادہ بدنامی ہے یہ بات ایک شہنشاہ کے لئے زیب نہیں دیتا ہے۔

سوار۔ جبتک مہران اور اسی قسم کے دوسرے لوگ یزدگرد کے مشیر ہیں اور

راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ آسیہ معاف کرنا ہم تمہارے سامنے تمہارے بھائی کو قتل کرتے ہیں؟

قتل کا نام سن کر بیچاری آسیہ سہم گئی۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا میرے معزز مہربان میرے بھائی کو معاف کر دو!!

سوار نے نرم لہجہ میں کہا۔ بھولی آسیہ تمام مکاروں، بدمعاشوں حسن کے ڈاکوؤں کا یہی شیطان ہے سرغنہ ہے اسے کیسے چھوڑ دیں آبھی تک آسیہ کسی قدر فاصلے پر کھڑی تھی وہ سوار کی طرف بڑھی۔ بالکل گھوڑے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سوار کو اس کے پاس کھڑے ہوئے ساتھی کو دیکھا۔ دونوں سیاہ نقاب منہ پر ڈالے ہوئے تھے نقاب میں آنکھوں کے پاس سوراخ تھے اور دونوں سوراخوں کے گرد سرخ کپڑے کی گوٹ لگی ہوئی تھی۔ اس وقت سیاہ نقاب اور سرخ گوٹ دونوں خوفناک معلوم ہو رہے تھے۔ آسیہ نے کہا تم مجھ پر مہربانی کرو میرے بھائی کو چھوڑ دو شاید وہ بدراہی کو چھوڑ کر راہ راست پر آجائے۔

نقاب پوش سوار نے کہا انسان کی طبیعت نہیں بدل سکتی یہ افعی ہے اور افعی ڈسنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا!

بہران کو آسیہ کے بڑھنے سے قدرے جراءت ہوئی وہ بھی بڑھ کر سوار کے پاس پہنچا اس نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی خامیوں کو دور کر دوں گا۔

سوار نے کڑک کر کہا یہ ناممکن ہے کہ تو مکاری چھوڑ دے، اور ظلم وستم سے باز آجائے تو وہ بدبخت ہے کہ اپنی اس بہن کو اپنی اس حرص وآز کی بھینٹ چڑھا دے

آسیہ نے کہا نہیں یہ ایسا نہیں کر سکتے یہ اس قدر سنگدل نہیں ہیں۔

سوار۔ کمسن اور بھولی آسیہ تو کس غلط فہمی میں ہے یہ بڑا سفاک ہے بڑا بے رحم اور بڑا ظالم ہے اس سے کوئی بات بھی بعید نہیں!

آسیہ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ میں التجا کرتی ہوں آپ اس وقت میرے بھائی پر مہربانی کریں یہ اپنی خامیوں کو دور کرنے کا اقرار کر رہے ہیں یقین ہے کہ اس اقرار کو نباہیں گے۔ سوار نے کچھ وقفہ کے بعد کہا آسیہ تم نے مجھے مجبور کر دیا بہران سنو آج تم اپنی بہن کی سفارش پر بچ گئے جاؤ نیک بنو۔ اگر تم بدستور اپنی کمینہ خصلتوں پر قائم رہے تو یاد رکھو تم کو ہمارے ہاتھوں سے دنیا کی کوئی طاقت

نہ بچا سکے گی۔ یہ کہتے ہی سوار لوٹے تھوڑی دور چل کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ مہران کو آج آسیہ نے بچا لیا اس آسیہ نے جسے وہ پابہ زنجیر کر کے لایا تھا مہران نے اطمینان کا دم لیا۔ اس نے کہا آسیہ آؤ گاڑی میں سوار ہو جاؤ!

آسیہ نے کہا کیا تم مجھے شہنشاہ کے سامنے لیجاؤ گے؟

مہران۔ ہاں!

آسیہ نے لجاجت سے کہا نہیں بھائی مجھے اس خونخوار بھیڑیئے کے سامنے نہ لے جاؤ۔

مہران کے چہرہ پر شیطنت ظاہر ہوئی۔ آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہوئی۔ اس نے کہا آسیہ تم مطلق نہ گھبراؤ میرے ساتھ چلو۔

آسیہ کیا تم مجھے اس سے بچا لو گے!۔

مہران۔ ہاں بچا لوں گا۔

بھولی آسیہ مہران کی باتوں میں آ گئی۔ وہ گاڑی میں جا بیٹھی مہران بھی سوار ہوا چاروں سپاہی بھی اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ گاڑی پھر شاہی قصر کی طرف روانہ ہوئی اب راستہ بھر نہ آسیہ کچھ بولی نہ مہران نے کچھ کہا دونوں خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ گاڑی قصر شاہی پر جا کر رکی۔ آسیہ اور مہران اترے قصر میں داخل ہو کر ریزدگرد کے خاص کمرے میں پہنچے۔ کمرہ خالی تھا۔ ایک کنیز بیٹھی رو رہی تھی۔ مہران اور آسیہ کو اس نے تنہا بیٹھے اور روتے دیکھکر تعجب کیا۔

مہران نے پوچھا جہاں پناہ کہاں ہیں تو کیوں تنہا بیٹھی رو رہی ہے۔

کنیز نے اپنا سر اٹھایا اس نے سسکتے ہوئے کہا۔ شہنشاہ خوابگاہ کے کمرہ میں ہیں۔ میری مخدومہ آہ.....

یہ کہتے ہی وہ زار و قطار رونے لگی۔ مہران پر تو اس کے رونے سے کوئی اثر نہ ہوا۔ مگر آسیہ بے قرار ہو گئی اس نے کہا ایسے درد سے نہ رو جو کہ دوسروں کو بیقرار کر دے۔ مجھے بتاؤ کہ آخر تم کیوں رو رہی ہو۔ کنیز نے کہا حضور میری آقازادی مراجل کو بچا لیجئے! آسیہ نے جلدی سے پوچھا کون مراجل کیا روزبہ کی دختر؟

کنیز ہاں وہی شہنشاہ اسے زبردستی اپنے حرم سرا میں اٹھوا لئے گئے ہیں۔

آسیہ۔ اگرچہ خود پابہ زنجیر تھی۔ مگر ہم جنس کے جوش نے اسے از خود رفتہ

کر دیا اس نے مہران کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ آؤ بھائی جان جلدی آؤ۔
مہران نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا کہاں جاتی ہو خبردار ٹھہرو!
آسیہ اس کی سرد مہری دیکھ کر حیران رہ گئی وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک نازنین بھاگی ہوئی آئی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ آؤ بچاؤ یزدان کے لئے مجھے خونخوار بھیڑیے سے بچاؤ۔ یہ لڑکی نہایت خوبصورت تھی ریشمین کپڑے پہنے تھی۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا کون تھا جو اس کی مدد کرتا کنیز جو رو رہی تھی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اس نے کہا آہ میری آقا زادی۔ آنے والی لڑکی مراجل تھی۔ ابھی اسے اس کمرہ میں آئے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ یزدگرد بھی دوڑتا ہوا آیا اسے دیکھتے ہی مہران جھک گیا اس نے آتے ہی پوچھا۔ مہران کیا شاہی انگشتری مل گئی؟

مہران نے انگشتری پیش کرتے ہوئے کہا عالیجاہا مل گئی!! یزدگرد نے انگوٹھی لے کر پہنتے ہوئے دریافت کیا کس نے چرائی تھی؟ مہران نے آسیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حضور مجرم حاضر ہے۔ یزدگرد نے متعجب نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا خوبصورت لڑکی... مہران تمہارا ہی خیال صحیح نکلا۔

مہران۔ عالیجاہ جب میں نے تحقیقات کی کہ کون کون قصر شاہی میں آیا تھا اور جب مجھے معلوم ہوا کہ آسیہ بھی آئی تھی تو میرا فوراً اسی کی طرف خیال گیا لہذا میں نے اسے پکڑ لیا۔

یزدگرد۔ بڑی دلیر لڑکی ہے۔

مہران۔ دلیر بھی اور خطرناک بھی۔

یزدگرد۔ یہ خوبصورت گڑیا کیا خطرناک ہو سکتی ہے؟

مہران۔ یہ نقاب پوش انقلابیوں سے سازباز کئے ہوئے ہے۔

آسیہ مہران کی گفتگو سن کر حیرت سے چونک پڑی۔ یزدگرد پر تو گویا بجلی گری۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اس نے گھور کر آسیہ کو دیکھا اس کے چہرہ سے خشم و غضب کے آثار ظاہر ہوئے اس نے ہتھیلی بجائی۔ فوراً ہی ایلا حاضر ہوئی۔ یزدگرد نے اس سے کہا اس کم بخت آسیہ کو لیلیٰ کے پاس لیجا کر بند کر دو۔ مہران تم اپنے سامنے اسے بند کرا دو۔ مابدولت تم سے بہت خوش ہیں۔

مہران اور ابیلا آسیہ کو لے کر چلے آسیہ چپ چاپ ان کے ہمراہ ہوئی۔ یزدگرد نے مراجل سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

مراجل تو بھاگ کر کہاں جا سکتی ہے۔ بیوقوف لڑکی میری گرفت بہت مضبوط ہے

مراجل نے کہا۔ یزدان کی گرفت تم سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔

یزدگرد قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے کہا یزدان آسمان کے اوپر ہے یہاں میری حکومت ہے۔

مراجل۔ یزدان ہر جگہ ہے اور ہر جگہ اس کی حکومت ہے اس سے ڈرو۔

یزدگرد۔ اگر وہ یہاں بھی ہے تو کیوں نہیں تجھ کو میرے ہاتھوں سے بچاتا۔

مراجل۔ بچائے گا۔

ٹھیک اسی وقت ایک سیاہ نقاب پوش آہستہ سے کمرہ میں داخل ہوا یزدگرد نے اسے نہ دیکھا۔ مگر مراجل نے دیکھ لیا اس نے کہا شہنشاہ دیکھو وہ خدا کی مدد آگئی۔

یزدگرد نے اس نقاب پوش کو دیکھا وہ کانپ گیا۔ نقاب پوش نے کڑک کر کہا۔ تیرے ظلم وستم کی انتہا ہو گئی تیرا اور تیری حکومت کا انجام قریب ہے۔

یزدگرد خاموش کھڑا لرز رہا تھا۔ نقاب پوش نے تمام شمعیں گل کر دیں یزدگرد دوڑ کر کمرہ سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر میں مہران آگیا اس نے کہا حضور آسیہ کو بند کر دیا۔

جس جگہ یزدگرد اس وقت کھڑا تھا۔ یہاں کافی روشنی ہو رہی تھی مہران نے یزدگرد کو دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اس نے پوچھا۔ عالیجاہ طبیعت مقدس کیسی ہے؟

یزدگرد نے کپکپاتے ہوئے لہجہ میں کہا۔

مہران ایک نقاب پوش انقلابی اسوقت میری نشست گاہ کے کمرہ میں موجود ہے۔

مہران بھی نقاب پوش انقلابی کا نام سن کر کانپ گیا۔ مگر اسے فوراً ہی خیال ہوا کہ آج تک کوئی انقلابی قصر شاہی میں نہیں دیکھا گیا۔ ممکن ہے کہ شہنشاہ کو دھوکا ہوا ہو اس لئے اس نے جی کڑا کر کے کہا۔ نقاب پوش انقلابی اور کمرۂ خاص میں؟

یزدگرد۔ ہاں یہی حیرت ہے خدا جانے وہ کیسے آیا۔ اب ان لوگوں کی جسارت

حد سے گزری ہے۔

مہران۔ آیئے دیکھیں۔

یزدگرد۔ اس کم بخت نے تمام شمعیں گل کر دی ہیں۔

ابیلا کے پاس شمع تھی۔ مہران شمع لیکر ڈرتا ڈرتا بڑھا۔ یزدگرد اور ابیلا اس کے پیچھے چلے۔ تینوں کمرے میں داخل ہوئے کمرہ خالی تھا وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ یزدگرد۔ مہران۔ ابیلا تینوں حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد یزدگرد نے کہا۔ دوسرے کمرہ میں دیکھو ضرور وہیں ہوں گے۔ سب کے سب دوسرے ملحقہ کمرے میں پہنچے۔ وہ کمرہ بھی خالی تھا۔ صرف خاموش شمعیں روشن تھیں یہاں پہنچ کر تینوں اور بھی غرق حیرت رہ گئے۔

انیسواں باب

تردید

مسلمان ایرانی کیمپ میں منتشر ہو گئے۔ وہ مال غنیمت جس بالاخانہ کے اوپر حضرت سعدؓ بیٹھے تھے اس کے نیچے جمع کرنے لگے۔ رستم بڑے کروفر کے ساتھ آیا تھا سونے چاندی کے ظروف ہیرے جواہرات زربفت اور کمخواب کے تھان۔ چاندی کا تخت۔ چاندی کی کرسیاں ساتھ لایا تھا تمام افسر بڑے بڑے زردار ذی جاہ شہزادے سب پوری شان و شوکت کے ساتھ آئے تھے۔

ہر شخص بیش قیمت سامان اپنے ہمراہ لایا تھا۔ یزدگرد نے نصف خزانہ رستم کے ساتھ کر دیا تھا۔ رسد کا ذخیرہ اس قدر تھا کہ مسلمان دیکھ کر حیران رہ گئے اجناس کے سینکڑوں انبار لگے تھے۔

مشک و عنبر سے صندوقچے لبریز تھے۔ کافور کی پیٹیوں کی پیٹیاں تھیں۔ یہ تمام سامان بالاخانہ کے سامنے والے میدان میں ذخیرہ کر دیا گیا۔ عام مسلمانوں نے ان کے افسروں نے اور حضرت سعدؓ نے جب سامان کو دیکھا تو حیران رہ گئے

اس سے پہلے کسی جنگ میں اس قدر مال غنیمت نہ ملا تھا۔ اس وقت آفتاب اچھی طرح بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ میدان میں پھیل گئی تھی۔ ابھی تک مجاہدین برابر سامان ایرانی کیمپ سے لا لا کر فراہم کرنے جا رہے تھے۔ سامان بیش قیمت تھا۔ ہیرے جواہرات کے زیورات تھے۔ سونے چاندی کے برتن تھے۔ دام و درہم کی تھیلیاں تھیں چاندی کے تخت تھے۔ چاندی کی کرسیاں تھیں سونے کے تاج تھے۔ چھوٹے بڑے لعل تھے۔ بڑے بڑے آبدار موتی تھے۔ ہر چیز قیمتی تھی لیکن کسی مجاہد نے کسی ایک چیز کو بھی اپنے لئے چھپا کر علیحدہ نہ کیا۔ حالانکہ یہ سب مال غنیمت تھا نہ اس مال کی کوئی فہرست تھی نہ اس کی پڑتال ہو سکتی تھی۔

اگر اس مال کا کچھ حصہ الگ کر دیا جاتا تو اس کی کسی کو خبر نہ ہوتی۔ مگر وہ لوگ پکے مسلمان تھے۔ نہایت ایماندار تھے ہر وقت خدا کو اپنے سامنے سمجھتے تھے۔ اس سے ڈرتے رہتے تھے مال غنیمت سے کچھ حصہ علیحدہ کر دینے کو چوری سمجھتے تھے۔ اس کو برا جانتے تھے۔

اس لئے کسی شخص کے دل میں شمہ برابر یہ خیال نہ گذرا کہ کچھ سامان الگ کر دیا جائے۔ ہر شخص نے ہر چیز کو لا کر جمع کر دیا۔ سعدؓ نے اس سامان کو دیکھا۔ اس قدر بیش قیمت سامان دیکھکر آپ حیرت میں آ گئے۔ ایران کے متمول اور ان کی دولت ایران کی ثروت و حشمت کا حال اس سامان کو دیکھکر کھلا۔ حضرت سعدؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن ربیعۃ الباہلی جو قاضی بھی تھے اور خزانچی بھی مال غنیمت کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ عبدالرحمٰن معہ اپنے اسٹاف کے (عملہ کے) فہرست تیار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

سعدؓ نے مجاہدین کو آرام کرنے کی اجازت دیدی تمام مسلمان واپس لوٹ کر اپنی اپنی قیام گاہوں پر پہنچے۔ چونکہ ایک دن اور ایک رات متواتر مجاہدین لڑتے رہے تھے نہ کھانا ملا تھا۔ نہ آرام کرنے کا موقع ملا تھا نہ سونے کا اس لئے کمریں کھول کر کھانے کا انتظام کرنے لگے۔ حضرت سعدؓ نے تمام مجاہدین کو اس بات کی اجازت دیدی کہ جس شخص کو کھانے کے جس سامان کی ضرورت ہو مال غنیمت کی رسد میں سے لے لے۔ جن لوگوں کو واقعی ضرورت تھی۔ انہوں نے سامان لے لیا لیکن جن لوگوں کو ضرورت نہ تھی انہوں نے کچھ نہ لیا۔

ایک اعرابی کے پاس کچھ سامان نہ تھا۔ وہ عبدالرحمٰن کے پاس لینے گیا۔ اور چیزوں کے علاوہ اس نے کافور کا ایک بقچہ لے لیا۔ یہ اعرابی نہایت سادہ لوح تھے ان سے عبدالرحمٰن نے دریافت کیا تم اتنا کافور کیا کرو گے؟

اعرابی نے جواب دیا خوشبودار نمک ہے میں نے پہلے ایسا نمک کبھی نہیں دیکھا۔

عبدالرحمٰن مسکرائے انہوں نے کہا یہ نمک بے ذائقہ ہے۔

اعرابی نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں میں زیادہ ڈال دوں گا۔ جب تو آجائے گا عبدالرحمٰن اس کی ناواقفیت اور سادہ لوحی پر ہنس پڑے۔ اپنے مزاج کے طریقہ پر کہا۔ جب تم کھانا تیار کر لو تو ایک قلیچہ مجھے بھی دینا۔

اعرابی نے اچھا کہا اور چلا گیا۔

عبدالرحمٰن فہرست بنانے میں مشغول ہو گئے تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہی اعرابی آیا چند قلیچے روغن زیتون میں ڈالے لا رہا تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے پاس آکر کہا۔ آپ نے سچ کہا تھا۔ یہ نمک خوشبودار تو ہے مگر ذائقہ بالکل ہی نہیں دیتا۔ میں نے خمیرے آٹے میں مٹھیاں بھر بھر کر ڈالا ہے مگر ذائقہ بالکل نہ آیا۔ اب آپ کو دکھانے کے لئے آیا ہوں۔ یہ ایرانی عقل سے خالی ہیں۔ ایسے نمک کو استعمال کرتے ہیں جس میں ذائقہ نہیں۔

عبدالرحمٰن مسکرائے انہوں نے قلیچہ لے کر دیکھا۔ تمام قلیچہ کافور میں بسا ہوا تھا روغن زیتون ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے کہا یہ نمک نہیں ہے کافور ہے کیا تم نے اسے خوشبو سے بھی نہ پہچانا۔

اعرابی نے کچھ سوچا اور سمجھا پھر مسکرا کر کہا۔ بیشک آپ نے سچ کہا۔ واقعی یہ کافور ہے۔ میں نے نمک سمجھا۔

اعرابی چلا گیا۔ تمام مسلمانوں نے کھانے سے فراغت کی اور سائبان کے نیچے کمبل بچھا بچھا کر پڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا۔ لڑائی میں محنت کرنے سے تمام بدن تھک کر چور چور ہو رہا تھا اس لئے پڑتے ہی سو گئے۔

دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے کوئی ہتھیار صیقل کرنے لگا۔ کوئی کپڑوں میں پیوند لگانے لگا۔ کوئی نہر پر جا کر کپڑے دھونے لگا۔ کوئی مجروحین کی تیمارداری کرنے لگا۔ مسلمانوں کو آج اطمینان نصیب

ہوا تھا۔ تمام لوگ نہایت بے فکری سے یا تو کام میں لگے ہوئے تھے۔ یا سائبان اور درختوں کے سائے میں بیٹھے گذشتہ لڑائیوں کے حالات بیان کر رہے تھے۔ بعض گھاس پر لیٹ گئے تھے۔ بچے تمام میدان میں اُڑے اُڑے پھر رہے تھے بھاگتے تھے اچھلتے تھے کودتے تھے۔ تھک کر سبزہ زار میدان پر لیٹ جاتے تھے۔

حضرت سعدؓ بالاخانہ کی چھت پر بیٹھے تھے ان کے پاس ان کی ندیم حیات سلمیٰ بیٹھی۔ دونوں مسلمانوں کو بے فکر اور بچوں کو شادماں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

دفعتاً بالاخانے کے نیچے سے اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ دونوں غور اور توجہ سے اشعار سننے لگے۔ کوئی شخص پڑھ رہا تھا۔

وَقَاتَلْتُ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰہُ نَصْرَہٗ ۔ وَسَعْدٌ بِبَابِ الْقَادِسِیَّۃِ مُعْصَمُ

اور میں برابر لڑتا رہا یہاں تک خدا نے مدد بھیجی ۔ اور سعد قادسیہ کے دروازہ سے ہی لپٹے رہے

فَاُبْنَا وَقَدْ اٰمَتْ نِسَاءٌ کَثِیْرَۃٌ ۔ وَنِسْوَۃُ سَعْدٍ لَیْسَ فِیْھِنَّ اَیِّمُ

جب ہم واپس ہوئے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں ۔ لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔

سعدؓ ان اشعار کو سن کر برہم نہ ہوئے بلکہ چپ رہ گئے۔ سلمیٰ نے دریافت کیا آپ نے سُنا؟

سعدؓ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں سنا عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں نہ چل پھر سکتا ہوں اور نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں۔

سلمیٰ نے کہا۔ چونکہ مسلمانوں کو آپ کی معذوری کا حال معلوم نہیں ہے اس لئے جنگ میں عدم شرکت کی وجہ سے خدا جانے وہ کیا کہہ رہے ہوں گے۔

سعدؓ۔ مجھے اب ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہئے۔

سلمیٰ۔ بے شک۔

فوراً سعدؓ نے تمام مسلمانوں کو بالاخانہ کے نیچے صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ چونکہ مسلمانوں کو اصل واقعہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے وہ سعدؓ کے اس حکم سے کچھ متعجب ہوئے۔ سعدؓ بالاخانے سے نیچے اُترے اور ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہوئے۔

آپ نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو میں تمہارے سامنے اس لئے آیا ہوں کہ

تمہیں یہ بتا دوں کہ میں کیوں جنگ میں شریک نہیں ہو سکا۔

جن لوگوں کو ان کی بیماری کا حال معلوم تھا وہ سب کچھ جانتے تھے مگر جن لوگوں کو معلوم نہ تھا وہ سننے کے لئے تیار ہو گئے۔ قرونِ اولیٰ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہر شخص آزادانہ گفتگو کرتا تھا۔ ایک غلام خلیفۂ وقت تک کو ٹوک سکتا تھا۔ یہ مساوات کی خیر و برکت تھی۔

اسلام مساوات کو لے کر دنیا میں آیا۔ اسلام کے سادہ اور زریں اصول تو اسلام کے پھیلنے کے باعث ہوئے ہی لیکن مساوات نے بھی اسلام کے پھیلنے میں کافی امداد دی۔

اس زمانہ میں قیصر و کسریٰ کی دو زبردست حکومتیں تھیں لیکن دونوں سلطنتوں کے آئین ترالے تھے۔ غریبوں کی کوئی وقعت نہ تھی۔ مفلوک الحال طبقہ پلا جا رہا تھا۔ ہر چھوٹا آدمی ہر بڑے آدمی کو سجدہ کی شان میں زمین بوس ہو کر سلام کرتا تھا۔ امیروں کو حق تھا کہ وہ غریبوں کے پاس جو اچھی چیز دیکھیں چھین لیں۔ زر، زمین زن کسی کی اس میں تخصیص نہ تھی۔ بیچارے غریب نہایت مصیبت اور پریشانی میں تھے۔

اسلام نے اسلام کے بانی نے غریبوں کو سنبھالا۔ مفلسوں کو اپنی آغوش میں لے لیا امیروں کو بتایا کہ غریب بھی خدا کے بندے اور تمہارے بھائی ہیں۔ وہ تمہاری خدمت کرنے کے لئے تو ہیں۔ وہ بھی جب کہ وہ خدمت کرنے پر رضامند ہوں۔ مگر اس لئے ہرگز نہیں ہے کہ تم ان کو میں ڈالو۔ ان پر حکومت کرو۔ ان سے سجدہ اور ان کی چیزیں چھین لو۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ جوں جوں اسلام بڑھتا اور پھیلتا رہا مساوات بھی بڑھتی رہی۔ غریبوں کو دائرہ اسلام میں آکر آرام ملا۔ اب وہ اس قدر بیباک ہو گئے تھے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو ذرا ذرا سی بات پر ٹوک دیتے تھے۔ اس سے امیروں رئیسوں اور حاکموں کے دماغ درست رہتے تھے۔ ان میں غرور پیدا ہونے نہ پاتا تھا۔

سعدؓ نے پھر کہا۔ یا ایھا المسلمین میں عرصہ سے بیمار ہوں عرق النساء کی شکایت ہے تمام بدن پر آبلے پڑے ہوئے ہیں۔ میں اس درجہ معذور ہوں کہ چل پھر بھی نہیں سکتا۔

یہ کہتے ہوئے انھوں نے عبا اتار ڈالی۔ تمام مسلمانوں نے دیکھا کہ آپ کے جسم پر آبلے تھے اور آبلوں میں زخم ہو رہے تھے۔ آج عامۃ المسلمین کو سعدؓ کی بیماری اور بیماری کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہونے کا حال معلوم ہوا۔

سعدؓ نے عبا پہنتے ہوئے کہا یہ مجبوری تھی جس کی وجہ سے میں جنگ میں شریک نہ ہو سکا۔ لیکن اگر مجاہدین میدان جنگ میں تمام دن اور ساری رات لڑتے اور جاگتے رہے تو میں بھی بالاخانہ پر بیٹھا دعائیں مانگتا رہا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہیں کیا۔ ایک نوالہ بھی نہیں کھایا۔ ایک قطرہ پانی بھی نہ پیا۔ چونکہ سعدؓ بیمار تھے۔ کمزور ہو رہے تھے۔ اس لئے دم پھول جانے کی وجہ سے تھوڑی دیر ترم لے کر انہوں نے پھر کہا۔ میں نے اپنی معذوری آپ سب پر اس لئے ظاہر نہ کی کہ کہیں اس سے دشمنوں کے حوصلے نہ بڑھ جائیں اب جبکہ خدا نے فتح عطا فرمائی میں نے ظاہر کر دیا۔

ایک نوجوان اعرابی صف سے نکل کر بڑھا۔ اس نے کہا۔ یا سردار المسلمین میرا خیال ہے کہ آپ نے وہ اشعار سن لئے جو میں نے پڑھے تھے۔ چونکہ مجھے صورت واقعہ معلوم تھی اس لئے بیساختہ وہ اشعار میری زبان سے نکل گئے اسلام کا یہ حکم ہے کہ کسی بات کی تحقیق کئے بغیر اس کے متعلق رائے زنی نہ کرو، میں نے اس حکم کے خلاف کیا میری ناز یبا حرکت نے آپ کے دل کو ٹھیس لگائی میں عفو تقصیر کا طالب ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ سعدؓ نے کہا تم بے گناہ ہو تم کو میری معذوری کا حال معلوم نہ تھا۔

البتہ تحقیق حال کے لئے تم کو میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ چونکہ تم اپنی غلطی پر نادم ہو۔ معافی مانگ رہے ہو۔ اس لئے میں نے معاف کیا۔ خدا بھی معاف کرے اعرابی پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔

چونکہ مال غنیمت کی فہرست تیار ہو گئی تھی۔ اس لئے سعدؓ نے پانچواں حصہ الگ کر کے باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ رستم کے زریں کپڑے۔ تاج۔ زیورات تلوار سب اس کے قاتل بلال کو ملے۔

درفش کا ویانی ضرار کو دیا گیا۔ ہر مجاہد کے حصے میں اس قدر مال غنیمت آیا کہ وہ مالا مال اور فارغ البال ہو گیا۔ اس تقسیم سے فارغ ہو کر سعدؓ نے فتح

کی خوشخبری کا خط لکھا اور ایک قاصد کو دے کر مع مال غنیمت کے پانچویں حصہ کے مدینہ منورہ بھیجدیا۔

ان تمام کاموں سے فراغت کرکے قعقاعؓ، شرجیلؓ اور زہرہ بن حیوۃؓ کو ایرانیوں کے تعاقب کا حکم دیا۔ یہ تینوں بزرگ اپنی اپنی ہمرکاب افواج کو لے کر ایرانیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور سعدؓ قادسیہ میں رہ کر امیرالمومنین کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

بیسواں باب

مراجل اور خسرو

جس وقت یزدگرد کمرۂ خاص کی شمعیں گل ہوتے ہی باہر نکل بھاگا تو نقاب پوش نے خوبصورت مراجل کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے برابر والے دوسرے کمرہ میں پہنچا۔ ان دونوں کے پیچھے مراجل کی کنیز بھی چلی۔ اس کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی مراجل نے یہاں پہنچ کر ترنم خیز لہجہ میں کہا آپ کا ہزار ہزار شکریہ کیا مہربانی کرکے آپ بتائیں گے کہ آپ کون ہیں۔ نقاب پوش نے آہستہ سے جواب دیا۔ میں مظلوموں ہمدردوں اور بیکسوں کا حامی و مددگار ہوں۔

مراجل۔ یہ درست ہے مگر آپ کا نام؟

نقاب پوش۔ نام دریافت کرکے کیا کیجیئے گا۔

مراجل۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے محسن کا نام دریافت کروں۔

نقاب پوش۔ پیاری دوشیزہ تم مجھے خوب جانتی ہو کیا تم نے مجھے میری آواز سے نہیں پہچانا؟

مراجل۔ آپ کی آواز کان آشنا ضرور ہے لیکن اس وقت . . .

نقاب پوش نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا پہچان نہیں سکیں!!

مراجل۔ جی ہاں۔

نقاب پوش نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ کر کہا، میری ننھی منی گڑیا دیکھو مراجل نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے خوش ہو کر کہا آہا ہا بزرگ خسرو اور وفور مسرت سے وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ حیرت اور مسرت کی نظروں سے خسرو کو دیکھنے لگی۔

خسرو ضعیف العمر تھا۔ اس کی داڑھی سفید اور لمبی تھی۔ لیکن باوجود کبر سنی کے چہرہ پر جھریاں نہ پڑی تھیں۔ یہ مراجل کا ہمسایہ تھا۔ جب مراجل چھوٹی سی تھی بہت ہی چھوٹی بچی یعنی ننھی منی گڑیا تھی۔ اسوقت خسرو اسے گھنٹوں گود میں لیکر کھلایا کرتا تھا۔ وہ اسے ننھی منی گڑیا ہی کہا کرتا تھا۔ مگر جب مراجل بڑی ہوئی ہوش سنبھالا گلشن شباب میں قدم رکھا اور وہ حسن کی تصویر رعنائی کا پیکر بن گئی تو وہ خسرو سے شرمانے لگی۔ خسرو نے بھی اس کے گھر آمد و رفت کم کر دی خسرو نے کہا ننھی منی گڑیا نہایت نازک موقعہ ہے جیپ چاپ میرے پیچھے چلی آؤ مراجل اور کنیز دونوں اس کے پیچھے چلیں۔ خسرو نے کمرہ کی شرقی دیوار کے پاس جا کر فرش پر ٹھوکر ماری بغیر کسی آواز سے دیوار شق ہوگئی اور ایک چھوٹا دروازہ نمودار ہوا۔ خسرو جلدی سے اس دروازہ میں گھس گیا اس کے پیچھے ہی مراجل اور کنیز داخل ہوئیں فوراً ہی دروازہ بلا کسی آواز کے غائب ہو کر بدستور دیوار قائم ہو گئی ٹھیک اسی وقت یزدگرد مہران۔ ایلا اس کمرہ میں آئے لیکن اب وہاں کیا تھا۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔

یہ قصر قصر ابیض کہلاتا تھا۔ مدائن کے آباد ہونے ہی یہ قصر تعمیر ہوا تھا۔ اسکو تعمیر کرنے والوں نے اسے گنجینۂ راز بنا دیا تھا اس کے نیچے متعدد تہ خانے تھے قریب قریب ہر دروازے میں چور دروازے تھے ان چور دروازوں سے شروع ہونے والے راستوں کا تمام جال تمام قصر میں بچھا ہوا تھا کئی راستے قصر کے باہر شہر میں جا نکلے تھے لیکن تمام راستوں اور تمام چور دروازوں کا حال کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہتے ہیں ساسان اول نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ وہ وہمی اور شکی المزاج آدمی تھا۔ امیروں سلطنت کے مشیروں۔ فوجی افسروں سے ہر وقت خائف رہتا تھا اس لئے اس نے ایسا قصر تعمیر کرایا تھا کہ جب کوئی اس پر حملہ کرے یا اسے خفیہ طریقہ پر قتل کرنا چاہے تو وہ خفیہ راستوں سے بھول بھلیوں میں

گھس کر پناہ لے سکے۔ ان تہ خانوں خفیہ راستوں اور چور دروازوں کو قصر کے رہنے والے بھی نہ جانتے تھے۔ خال خال لوگ واقف تھے۔ جب مراجل اسکے ساتھ چور دروازہ میں داخل ہوکر دوسری طرف پہنچی۔ تو وہاں قبر سے زیادہ تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔

نازنین مراجل اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس لئے کہا میرے بزرگ خسرو یہاں تو قبر سے بھی زیادہ اندھیرا ہے میرا جی گھبرانے لگا۔ خسرو نے کہا میری ننھی منی گڑیا گھبراؤ نہیں میرے پاس روشنی کا سامان ہے۔ یہ کہکر خسرو نے ایک شمع روشن کی۔ مراجل نے شمع کی کانپتی ہوئی روشنی میں اس جگہ کا جس جگہ وہ کھڑی تھی۔ جائزہ لیا۔ یہ ایک لمبا اور تنگ راستہ سا تھا۔ خسرو روشنی لیکر چلا مراجل اس کے پیچھے روانہ ہوئی۔ کنیز مراجل کے پیچھے روانہ ہوئی چلتے چلتے مراجل نے پوچھا۔ آپ مجھے بچانے کے لئے فرشتہ رحمت بن کر اس وقت کیسے آ گئے۔

خسرو نے کہا۔ یزدگرد کی اوباشی، بدچلنی، حسن کی ڈکیتی حد سے گذر گئی ہے۔ اس کے بدمعاش کارندے روزانہ کسی نہ کسی حسین دوشیزہ کو بہلا کر لے آتے ہیں۔ ہمارا گروہ ان مظلوم لڑکیوں کو بچانے کے لئے کوشش کرتا ہے۔ جو لوگ خفیہ راستوں سے واقف ہیں وہ روزانہ رات کو اس قصر میں آتے ہیں اور موقع پاتے ہی ایسی لڑکیوں کو جو زبردستی لائی جاتی ہیں چھڑا لے جاتے ہیں۔ خسرو نے کچھ دیر ٹھہر کر مراجل سے دریافت کیا۔ میری ننھی منی گڑیا تم یہاں کیسے آ گئیں۔

مراجل نے کہا۔ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میرے باپ کو یزدگرد نے گرفتار کر لیا ہے میرا باپ کچھ مجھ سے کہنا چاہتا ہے۔ اس نے قصر شاہی میں مجھے بلایا ہے میں اندھی ہوکر دوڑی چلی آئی۔

خسرو نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ بدمعاش . . . لیکن تم سے یزدگرد نے کیا کہا۔

مراجل نے شرم سے خوبصورت سر جھکا کر شرمیلے لہجہ میں کہا وہی جو ایسے لوگ کہا کرتے ہیں۔

اب یہ لمبا راستہ ختم ہو گیا تھا۔ خسرو نے اس کے اختتام پر پہنچکر دیوار کو اپنی طاقت سے ڈھکیلا۔ دیوار ہٹ گئی۔ خسرو نے کہا۔ میری ننھی منی گڑیا یہ زینہ ہے۔ سنبھل کر اترنا۔

خسرو، مراجل، کینز تینوں زینہ طے کرنے لگے۔ متعدد دیڑھیاں طے کر کے نیچے تہہ خانہ میں پہنچے۔ اگرچہ ان کے ساتھ شمع تھی مگر تہ خانہ میں اس بلا کا اندھیرا چھا تھا کہ روشنی اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے ناکافی تھی۔

پریجمال مراجل نے اِدھر اُدھر چھت کی طرف دیکھا اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ یہ تینوں آگے پیچھے چلتے رہے۔ خسرو نے کہا یزدگرد کا آخری وقت آپہنچا ہے اس کمبخت نے ساسانیوں کے نام کو بٹہ لگا دیا، ہمارا گروہ اعلیٰ پیمانہ پر بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

مراجل نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ کیا آپ بغاوت کریں گے۔

خسرو نے مراجل کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ شمع کی روشنی میں اس پیکر ناز کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ مراجل نے خسرو کی طرف نظر کی۔ خسرو نے کہا ننھی منی گڑیا... ہم بغاوت کا تہیہ کر چکے ہیں۔

مراجل۔ کیا تم زبردست سلطنت کا مقابلہ کر سکو گے؟۔

خسرو۔ ہم سلطنت کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے۔ یزدگرد اور اس کے بدمعاش مشیروں کا مقابلہ کریں گے۔

مراجل۔ سلطنت یزدگردہی کا نام ہے۔

خسرو۔ ہم تمام سلطنت کا مقابلہ کریں گے۔ تمام مضافات اور مفصلات پریشان ہو گئے ہیں۔ بغاوت تو ابھی شروع ہو جاتی مگر مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہونے کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی ہے۔

اس عرصے میں انھوں نے تہ خانہ کے متعدد کمرے طے کر لئے تھے اب یہ زینہ پر چڑھ رہے تھے۔ مراجل نے کہا میرے خیال میں مسلمان اس قدر ظالم نہیں ہیں جس قدر یزدگرد اور اس کے اوباش مشیر ہیں۔

خسرو۔ یہ سچ ہے ایرانی اپنی حکومت سے تنگ آ گئے ہیں وہ مسلمانوں کی حکومت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن بعض عاقبت اندیش ڈرتے ہیں کہ مبادا ایرانیوں[1] کی طرح

---

[1] کیانیوں کے دور میں اسکندر یونانی نے ایران پر حملہ کر کے ایرانی حکومت (بقیہ ۱۵۵)

مسلمان بھی ایران پر قابض ہو کر جور و استبداد شروع کر دیں۔

مراجل۔ اگرچہ میں کیا۔ نہ میں رموز مملکت سے واقف نہ سیاسیات سے خبردار صحیح رائے کیا دے سکتی ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ غیر قوم کی غلامی سے مر جانا بہتر ہے۔

خسرو۔ یہی وجہ ہے جو ہم نے مسلمانوں سے ساز باز نہیں کیا۔ ہم موجودہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔

مراجل۔ گویا آپ یزدگرد کو معزول کرنے کی فکر میں ہیں۔

خسرو۔ ہاں۔

مراجل۔ لیکن پھر کسے حکمراں بناؤ گے۔

خسرو۔ ملکۂ پوران دخت کو۔

مراجل۔ بے شک ملکہ کے عہد میں امن تھا۔

اب انہوں نے زینہ طے کر لیا تھا۔ خسرو نے نہ معلوم طریقہ پر دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا آیا۔ جھونکے کے ساتھ ہی شمع گل ہو گئی یہ تینوں باہر نکلے دروازہ یا تو خود بخود بند ہو گیا یا خسرو نے بند کر دیا باہر نکل کر مراجل نے یہ جگہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

اس نے خسرو سے دریافت کیا۔ میرے بزرگ اس وقت کہاں ہیں؟ خسرو نے کہا قصر شاہی کے عقب میں دریائے دجلہ کے کنارہ پر تم دریا کو نہیں دیکھ رہیں!

مراجل کچھ حیران سی ہو رہی تھی۔ اس نے بھی دیکھا اب خسرو کے کہنے پر جو اس نے پیچھے نظر کی تو قصر کی فلک شکوہ عمارت نظر آئی۔ سامنے دریائے دجلہ اپنے وسیع عریض دامنوں میں خاموش بہ رہا تھا۔ اب یہ مشرق کی جانب چلے۔ کچھ دور چل کر مغرب کی طرف گھوم گئے۔ خسرو نے کہا۔ میری ننھی منی گڑیا تم تھک گئی ہو گی۔

(بقیہ ۱۵۴ کا) اور کیانی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تھا تمام ایران پر قابض ہو گیا تھا۔ دارا کیانیوں کا آخری فرمانروا میدان جنگ میں کام آیا۔ یونانیوں نے آتش خانے منہدم کر دیئے۔ ایرانیوں کو اس قدر پیٹا اس قدر کچلا کہ ان کا کس بل نکل گیا صدیوں تک ایرانی غلام بنے رہے آخر ساسان اول نے ساسانی سلطنت کی داغ بیل ڈالی یونانی جوئے کو اتار کر خود مختارانہ سلطنت شروع کی۔ (صادق صدیقی۔ سردھنوی)

مراجل نے کہا نھک نہیں گئی۔ البتہ حیران ضرور ہوں کہ کہاں تھی اور اب کہاں آنکلی۔

اب سب چپ چاپ چل کر شہر میں پہنچے رات زیادہ آنے کی وجہ سے شہر پر خاموشی طاری تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چند محلوں کو طے کر کے یہ ایک بڑے مکان کے اونچے پھاٹک پر جا کر رکے۔

خسرو نے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا۔ میری ننھی منی گڑیا رخصت اپنے باپ روزبہ سے بغاوت کا ذکر نہ کرنا۔ وہ حکومت کے طرفدار ہیں یزدگرد کو ہوشیار کر دیں گے۔

مراجل نے خسرو سے دریافت کیا اب تم کہاں جاؤ گے؟

خسرو نے کہا۔ اس وقت تو میں اپنے مکان پر جاؤں گا۔ صبح ہماری بڑی کمیٹی کا اجلاس ہے اچھا رخصت۔

خسرو جانا ہی چاہتا تھا کہ مکان کے اندر سے روزبہ نکل آیا۔ اس نے مراجل اور خسرو کو دیکھتے ہی کہا۔

مراجل تو کہاں گئی تھی؟ ہیں خسرو بھی ساتھ ہے تو بھی باغیوں کی ہمنوا ہو گئی۔

مراجل نے کہا۔ ابا جان چلئے۔ اندر پہنچکر میں آپ کو اپنی داستان سناؤں گی۔

روزبہ نے بگڑ کر کہا۔

داستان جا بے وقوف لڑکی کیا تو سمجھتی ہے کہ میں خسرو کی موجودگی میں تیری کسی داستان پر یقین کر لوں گا!

خسرو نے ملائمت سے کہا۔ جناب والا میں مراجل کو لے نہیں گیا تھا البتہ لایا ہوں مراجل نے کہا۔ ابا جان بزرگ خسرو کی بدولت مجھے رہائی ملی۔

روزبہ نے کبیدگی کے ساتھ کہا۔ گویا تو کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

مراجل نے فی البدیہہ جواب دیا۔ جی ہاں، چلئے اور خسرو کو بھی مکان کے اندر چلنے کی اجازت دیجئے آپ کو معلوم ہو گا کہ انھوں نے کس قدر رحم پر اور ہمارے خاندان پر احسان کیا ہے۔

روزبہ طنزیہ لہجہ میں ہنسا۔ اس نے کہا احسان! سلطنت کا باغی بادشاہ کا دشمن ملک کا بدخواہ کسی پر احسان کر سکتا ہے!

مراجل نے دلیری سے کہا۔ مرزا در بزرگ خسرو کی توہین نہ کیجئے پہلے تمام

واقعات سن لیجئے پھر رائے قائم کیجئے۔ روزبہ مراجل کی دلیری دیکھ کر حیران ہوا اس نے کہا اچھا دونوں چلو اور سناؤ تم نے کون سی داستان وضع کی ہے روزبہ آگے چلا۔ مراجل اور خسرو اس کے پیچھے روانہ ہوئے سب کے پیچھے وفادار کنیز چلی۔

اکیسواں باب

دو ستم زدہ حوریں

حورِ وش آسیہ کو بدرو سفاک مہران، ظالم اور جفا کار ایبلا حراست میں لے کر چلے وہ ان کمروں کو طے کرنے لگے جن کو آسیہ پہلے دیکھ چکی تھی، آسیہ خاموش تھی اس کے نازک اور ننھے دل میں طرح طرح کے خیالات اور جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ لیکن ایبلا شمع لئے آگے اور مہران زنجیر جس میں حورِ وش آسیہ کے نازک ہاتھ بندھے ہوئے تھے پکڑے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ نہ کوئی اس کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا نہ کسی کو اس کے چہرہ سے ظاہر ہونے والے احساسات کا علم ہو رہا تھا۔ آسیہ کو رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ مہران کس قسم کا انسان ہے اس کے دل میں نہ رحم ہے نہ محبت اور تو کسی پر وہ کیا رحم کر سکتا ہے۔ جبکہ حقیقی ہمشیرہ پر بھی رحم نہیں کرتا۔ تمام کمروں اور برآمدوں کو طے کر کے وہ اس کمرہ کے نزدیک پہنچے جس میں ستم زدہ لیلیٰ قید تھی آسیہ کو ایک گونہ مسرت ہوئی کہ وہ مظلوم لیلیٰ کی تنہائی کو دور کر دے گی اور اسے اس کے بھائی اور اس کے پرستار کی رہائی کی خوش خبری سنا کر اس کے غموں اور مصائب کو ہلکا کر دے گی۔ ایبلا نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ آسیہ کمرہ میں داخل ہوئی سامنے آہنی جنگلہ کے اندر رشک حور لیلیٰ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ آہٹ ہونے پر اس نے اپنا خوبصورت سر اٹھایا۔ اس کا روشن چہرہ بالکل اس طرح آہستہ آہستہ اٹھا جس طرح افق مشرق سے چودھویں رات کا چاند بلند ہوا کرتا ہے۔ اس نے

غم اور افسوس بھری نظروں سے آنے والے کو دیکھا آسیہ اسکی غمزدہ بھولی صورت غم میں ڈوبی ہوئی موٹی موٹی آنکھوں کو دیکھکر افسردہ ہو گئی۔ ابیلا بڑھتے بڑھتے جنگلہ کے پاس پہنچی۔
چونکہ جب کوئی لیلی کے پاس آتا تھا اسے ستانے پھسلانے گمراہ بنانے کے لئے ہی آتا تھا اس لئے وہ ان تینوں کو دیکھکر کانپ گئی اس نے گھبرائی ہوئی نگاہیں ان پر ڈالیں۔ کچھ گھبراہٹ اور کچھ ایک دفعہ دیکھنے کی وجہ سے وہ آسیہ کو نہ پہچان سکی ابیلا نے جنگلہ کا تالا کھولا۔ مہران نے آسیہ کو جنگلہ کے اندر ڈھکیل کر کہا۔ بدبخت لڑکی اس تیرہ و تار جنگلہ میں رہ کر نوشتۂ تقدیر کا انتظار کر۔ ابیلا نے تالا لگایا مہران اور وہ دونوں کمرہ سے باہر چلے گئے ان دونوں کے چلے جانے کے بعد غمزدہ لیلی نے آسیہ کو دیکھا اس نے اسے پہچان لیا وہ حیرت میں آ گئی اس نے متحیر ہو کر کہا آسیہ یہ کیا ہوا آسیہ بھی غمزدہ ہو رہی تھی وہ ہمیشہ آزاد رہی تھی۔ ناز و نعم میں پرورش پائی تھی قید و بند کی سختیوں سے نا واقف تھی تو گرفتار تھی وہ ضبط غم کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کسی قدر استقلال کے لہجہ میں کہا۔ قسمت کا لکھا سامنے آیا۔
لیلی۔ افسوس میری برگشتہ قسمت نے تمہیں بھی اسیر ستم کرا دیا۔
آسیہ نے ایسے تبسم سے جس میں غم و افسوس کی آمیزش تھی مسکرا کر لیلی سے کہا نہیں لیلی تمہاری بدقسمتی کو اس میں کیا دخل بلکہ میری ہی تقدیر میں یہ لکھا تھا۔
لیلی۔ تعجب یہ ہے کہ مہران خود تمہیں قید خانہ میں ٹھونس کر گیا ہے۔
آسیہ۔ تم شاید اس سے بھی زیادہ اس پر تعجب کرو گی کہ مہران مجھے گرفتار کر کے لایا ہے۔
لیلی سخت متعجب ہوئی اس نے کہا کیا دنیا کا خون سفید ہو گیا کیا شرافت اور نجابت بالکل ہی جاتی رہی۔
آسیہ۔ نہ اب شرافت رہی نہ جوش خون صرف لوالہوسی اور حرص و آز رہ گئے ہیں۔
لیلی۔ لیکن اس قدر بھی کیا بے حمیتی ہے۔
آسیہ۔ لیکن جو غیرت و حمیت کو جانتے ہی نہ ہوں۔
لیلی۔ اس کی تہ میں کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔
آسیہ۔ ہاں خاص بات بھی ہے تمہیں یاد ہو گا میں نے تم سے مہ جبین پروین کا ذکر کیا تھا

لیلیٰ۔ہاں یاد ہے۔!
آسیہ مہران کو پروین سے محبت ہے۔!۔
لیلیٰ۔لیکن پروین کو اس سے محبت نہیں۔
لیلیٰ نے یہ کہتے ہی آسیہ کی طرف دیکھا۔آسیہ نے کہا محبت؟۔۔۔۔۔اسے مہران سے سخت نفرت ہے۔
لیلیٰ۔کیا پروین کسی اور کو چاہتی ہے۔
آسیہ۔ہاں۔!
لیلیٰ۔کسے؟
آسیہ۔تمہارے بھائی کو۔۔ لیلیٰ لیکن مہران تم سے کیوں برافروختہ ہوگیا
آسیہ۔میں نے پروین سے اس کی اعانت کا وعدہ کرلیا تھا تمہارے بھائی کو مہران نے گرفتار کرایا تھا۔یزدگرد مہران کا بہت زیادہ کہنا مانتا ہے۔پروین کے کہنے سے میں نے مہران سے عاصم کی رہائی کے لئے کہا۔وہ مجھ سے بھی بدظن ہوگیا اور کچھ ایسا بدظن ہوگیا کہ دشمنی پر اتر آیا۔
لیلیٰ۔کیا زمانہ برا آگیا۔
آسیہ۔نہ زمانہ برا ہے نہ لوگ برے ہیں قسمت بری ہے اور بخت نارسا نے جیل خانہ میں لا ٹھونسا۔
لیلیٰ۔کیا تم انگشتری چراتے وقت گرفتار ہوئیں۔
آسیہ۔نہیں انگشتری چراتے وقت کسی نے نہیں دیکھا۔۔۔لیلیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا لیکن تم نے انگشتری چرائی تھی؟
آسیہ۔ہاں قسمت نے یاوری کی بلا کسی سعی کے انگشتری ہاتھ لگ گئی۔
لیلیٰ۔مگر تم انگشتری سے کام نہ لے سکیں اور گرفتار ہوگئیں۔
لیلیٰ نے آسیہ کی طرف غور سے دیکھا۔آسیہ نے کہا انگوٹھی سے کام لینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔
لیلیٰ کو خوف ہوا کہ شاید عاصم کو قتل کر ڈالا گیا۔وہ سخت غمزدہ نظر آنے لگی۔اس نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ سنبھال کر دریافت کیا کیا عاصم کی زندگی؟۔۔۔۔۔
آسیہ اس کے افسردہ چہرہ غم آلود نظروں سے سمجھ گئی کہ لیلیٰ یہ سمجھ رہی تھی کہ عاصم

کی زندگی ختم ہوگئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ لیلیٰ عاصم میرے انگشتری لیجانے سے پہلے ہی رہا ہو گئے۔

لیلیٰ کے چہرہ سے افسردگی دور ہو گئی۔ غم کی گھٹا چھٹتے ہی اس کا چہرہ ایسا روشن ہوگیا جیسے برسات کے ایام میں چاند سے بادل ہٹ کر چمکنے لگتا ہے۔ آنکھوں میں بجلی جیسی چمک پیدا ہو گئی۔ مسیحا صفت لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ اس نے کہا۔ خدا کا شکر ہے ہزار ہزار شکر یہ.......

آسیہ نے مسکرا کر کہا ایک اور بھی خوش خبری سنو!

لیلیٰ نے بھولے پن سے آسیہ کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا کیا؟

آسیہ۔ تمہارا پرستار نہیں جس پر تم فدا ہو وہ بھی آزاد ہو گئے

لیلیٰ نے بے ساختہ پن سے کہا کیا عبید۔

آسیہ۔ ہاں عبید عاصم کا دوست۔

لیلیٰ نے بہت چاہا کہ وہ دل میں گدگدی پیدا کرنے والے مسرت کے آثار کو چھپا لے مگر بہت کچھ جد وجہد کرنے پر بھی نہ چھپا سکی اس کا چہرہ فردوسی حور چہرہ سے زیادہ روشن ہو گیا۔ آنکھوں میں بجلیاں بھر گئیں نگاہوں میں ہوشربا چمک آگئی۔ آسیہ اس کے منور چہرہ کی تاب نہ لا سکی۔ لیلیٰ نے دریافت کیا۔ مگر دونوں رہا کس طرح ہوئے؟

آسیہ نے جو کچھ عاصم کی زبان سے سنا تھا سب لیلیٰ کو سنا دیا لیلیٰ نے دریافت کیا اب عاصم کہاں ہے؟

آسیہ۔ وہ اور اس کا دوست دونوں مدائن سے چلے گئے۔

لیلیٰ بے اختیارانہ طریقے پر سجدہ میں گر گئی۔ اس نے کہا خداوند تیری مہربانیوں کا کرم گستریوں کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا اے الہ العالمین تو نے ان دونوں کو رہا کرایا ہے تو ہی ان کی حفاظت کر۔ لیلیٰ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ آسیہ نے کہا۔

تم نے اپنے لئے دعا کیوں نہ مانگی؟

لیلیٰ۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں زندگی ہے تو بچ جاؤنگی تقدیر میں مخلصی لکھی ہے تو رہا ہو جاؤں گی۔ جن کی آزادی (رہائی) کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ خدا نے ان کو بھی رہا کر دیا۔ اب میری ذاتی کوئی رائے نہیں۔

آسیہ کو لیلیٰ کی گفتگو سن کر حیرت ہوئی۔ ایسی سیر چشم لڑکیاں بھی موجود ہیں جو اپنے

نے دعا بھی نہیں مانگتیں۔ راضی برضائے الٰہی رہتی ہیں لیلیٰ نے کچھ وقفہ کے بعد آسیہ سے دریافت کیا۔

آسیہ جب تم قصر شاہی سے نکل گئی تھیں پھر کیوں نہ کہیں چھپ گئیں۔ آسیہ نے کہا میری اور تیری رہائی کی فکر نے مجھے نہ چھپنے دیا۔

لیلیٰ نے حیرت محبت اخوت بھری نظروں سے آسیہ کو دیکھکر دریافت کیا۔ گویا تم چھپ سکتی تھیں ؟

آسیہ۔ نہ صرف چھپ سکتی تھی بلکہ عاصم علبید اور پروین کے ہمراہ مدائن سے نکل سکتی تھی۔

لیلیٰ کو حیرت ہوئی اس نے استعجاب انگیز لہجہ میں دریافت کیا۔ پروین بھی مدائن سے چلی گئی۔

آسیہ۔ ہاں۔

لیلیٰ۔ کہاں۔

آسیہ۔ قادسیہ۔

لیلیٰ کو معلوم نہ تھا کہ قادسیہ میں عجمیوں اور مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے اس نے حیران ہو کر دریافت کیا کس لئے گئی ہے۔

آسیہ۔ قادسیہ میں مسلمانوں کی ایرانیوں سے جنگ ہو رہی ہے شہنشاہ نے جوشناہ کو محاذ جنگ پر روانہ کیا ہے۔ پروین اپنے باپ کے ساتھ قادسیہ گئی ہے۔

لیلیٰ۔ اور عاصم ؟

آسیہ۔ عاصم اور علبید بھی ان کے ساتھ گئے ہیں۔

لیلیٰ کے لئے یہ تمام باتیں معمہ سے کم نہ تھیں۔ جوشناہ کس طرح عاصم اور علبید کو اپنے ہمراہ لیجانے پر تیار ہو گیا اس نے اس بات کو اور کسی وقت دریافت کرنے کیلئے اٹھا رکھا۔

چونکہ رات نصف سے زیادہ گذر چکی تھی اس لئے ان ہر دو پیکر ناز پر نیند نے اپنا تسلط کرنا شروع کر دیا۔ انکی نشیلی آنکھڑیوں میں نیند کا خمار چھا گیا۔ دونوں چٹائیوں پر پڑ گئیں۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے سے وہ سو گئیں۔ صبح آفتاب طلوع ہونے کے بعد بیدار ہوئیں۔ پہلے تنہا لیلیٰ اس تیرو تار جیلخانہ میں پڑی رہتی تھی بمشکل سے وقت کٹتا تھا۔ اب آسیہ کے آنے سے دور ہو گئیں وہ دن اور رات اسکی بآسانی گذر گئی۔ کوئی قابل ذکر واقعہ ظہور

پذیر نہ ہوا۔ تیسرے دن جبکہ وہ بیدار ہوئیں تو ابیلاان کے پاس آئی۔

ابیلا نے کہا آج تم دونوں کو شہنشاہ کے حضور میں پیش ہونا ہوگا اور آج ہی تمہاری قسمتوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ابیلا یہ کہکر رک گئی۔ لیلیٰ اور آسیہ اسکی طرف دیکھتی رہیں۔ ابیلا نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ عربی دوشیزہ سنو اگر تم اپنی حماقت سے اپنی ضد پر اڑی رہیں اور شہنشاہ کا کہانہ مانا تو آج تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

وہ پھر رک گئی لیلیٰ کے دل پر اسکی گفتگو کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ ابیلا نے پھر کہا۔ آسیہ تم تو تم نے شاہی انگشتری چرائی ہے۔ تم جانتی ہو کہ ایسے چور کی یہ سزا ہے کہ اسے ان بجھے چونہ کے ڈھیر میں ڈالکر اوپر سے پانی چھڑک دیا جائے سمجھ تو کیسی سزا ہے لیکن تم اس سے بچ سکتی ہو اگر تم لیلیٰ کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آؤ۔ یہ کہکر ابیلا کھڑی ہوئی کچھ دیر لیلیٰ اور آسیہ کو دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس چلی گئی۔ لیلیٰ نے آسیہ سے کہا تم نے سمجھ لیا کہ تمہارے لئے کیا سزا تجویز ہوئی ہے۔

آسیہ نے کہا میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔

لیلیٰ۔ کیا تم اس طرح مرنے پر آمادہ ہو؟

آسیہ۔ بالکل آمادہ ہوں۔

لیلیٰ۔ لیکن میں تمہیں بچاؤں گی۔

آسیہ نے حیرت سے لیلیٰ کو دیکھکر کہا تم بچاؤ گی۔

لیلیٰ نے کہا۔ ہاں میں بچاؤں گی۔ تم نے میرے بھائی کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ تمہارا احسان مجبور کرتا ہے کہ میں تم کو بچاؤں۔

آسیہ۔ کیا، بدکار بن کر!

لیلیٰ۔ اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تب بھی میں بدکار نہیں بن سکتی۔

آسیہ۔ پھر کیا کرو گی۔

لیلیٰ۔ میں بادشاہ کے پاؤں پڑکر اس سے رحم کی درخواست کروں گی۔

آسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اگر پتھر میں جونک لگ سکتی ہے۔ دریائے دجلہ الٹا بہہ سکتا ہے آفتاب بجائے مشرق کے مغرب کیطرف سے نکل سکتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ یزدگرد مان جائے

لیلیٰ نے یاس انگیز نظروں سے آسیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر کیا ہوگا؟

آسیہ نے جرأت بھرے لہجہ میں کہا۔ موت میرا اور تمہارا انتظار کر رہی ہے ہمیں مرنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہیئے۔

لیلی۔ بے شک موت ہی ہم کو نجات دلا سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ دونوں مہروش لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ دیر تک خاموش بیٹھی رہیں یہانتک کہ دوپہر کا وقت آگیا۔ کھانا آیا دونوں نے نہایت اطمینان سے کھانا کھایا جب آفتاب ڈھل گیا تو مہران اور ابیلا آئے مہران کو دیکھتے ہی دونوں نے اس کی طرف سے اپنے منھ پھیر لئے مہران اور ابیلا نے کچھ نہیں کہا۔

ابیلا نے تالا کھولا لیلی اور آسیہ جنگلہ سے باہر نکلیں اب مہران نے کہا۔ لڑکیوں! چلو مقتل میں چلو۔

ابیلا نے دونوں کی زنجیریں پکڑ لیں۔ مہران پیچھے ہو لیا۔ دونوں غمزدہ لڑکیاں چلیں قدم قدم چل کر اس کمرہ سے باہر آئیں۔

بائیسواں باب

روزبہ اور خسرو

روزبہ ایک مشہور رئیس تھا اگرچہ اس کا شمار اراکین سلطنت میں نہ تھا لیکن وہ حکومت کا بہی خواہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کہ عورتوں کی حکومت اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ عورت کو مرد پر کوئی فوقیت نہیں ہے عورتیں مردوں کی دست نگر ہیں۔ مرد عورتوں پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، عورتوں کا کام مردوں کے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہے وہ تمام عورتوں کی ناقص العقل سمجھتا تھا اس لئے اس نے ملکہ پوران دخت کی حکومت کو ناپسند کیا تھا۔ اور یزدگرد کی موجودہ حکومت کو پسند کرتا تھا وہ بیحد شگی مزاج انسان تھا اور مغلوب الغضب بھی تھا۔ لیکن اپنی مراجل سے بہت محبت کرتا تھا اسکی بیوی سونا اگلی بیحد فرمانبردار بیحد اطاعت گذار بہت زیادہ محبت کرنیوالی تھی لیکن وہ سیاسیات کو سمجھتی اور اس میں حصہ لیتی تھی بلکہ پوران دخت کی حکومت کی مداح تھی اور یزدگرد کی

حکومت پر تختہ چینی کرتی تھی اس لئے روزیہ کی اس سے دال نہ گلتی تھی۔ آئے دن داننا کل کل رہتی تھی روزیہ اپنے محل کے اندر داخل ہوا اسکے پیچھے ہی پیچھے خسرو مراجل اور کنیز پہنچی یہ سب لوگ ایک کمرہ میں جاکر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ابھی یہ بیٹھے ہی تھے کہ سودایہ بھی آگئی وہ روزیہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اگرچہ سودایہ شباب کی منزلیں طے کر چکی تھی، جوانی کا زمانہ لد گیا تھا۔ ضعیفی آچکی تھی، مگر عہد شباب اپنی رعنائی اور خوبصورتی کا جو عکس چھوڑ گیا تھا وہ اب بھی اسے حسین بنائے ہوئے تھا۔

سودایہ نے بیٹھتے ہی کہا یہ اس وقت کیسی مجلس ہو رہی ہے۔

روزیہ نے کہا۔ مراجل کوئی داستان سنانا چاہتی ہیں۔

سودایہ نے مراجل کی طرف دیکھکر کہا مراجل تو قصر شاہی میں کیوں گئی تھی؟

مراجل نے کہا۔ یہی وہ بات ہے جو میں سنانا چاہتی ہوں۔

روزیہ نے حیرت سے مراجل کی طرف دیکھکر کہا۔ تو قصر شاہی میں گئی تھی کس لئے؟۔

مراجل سنبھل کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا جب امی جان خیزبان سے ملنے چلی گئیں اور آپ بلا کسی سے کچھ کہے کہیں باہر چلے گئے تو دفعتاً میری طبیعت گھبرانے لگی۔ میں اس کنیز کو ہمراہ لیکر دریائے دجلہ کے پل پر جا پہنچی۔ دیر تک طبیعت کو بہلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن طبیعت کچھ ایسی بگڑی تھی جو کسی طرح نہ بہلی، تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں واپس آگئے جب ہم واپس آئے ہیں تو آفتاب غروب ہو چکا تھا میں نے آتے ہی ملازموں سے استفسار کیا کہ امی جان اور آپ تشریف لے آئے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ دونوں میں سے ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا۔ میں کپڑے بدلنے کے لئے جانا چاہتی تھی کہ ابیلا آگئی۔

سودایہ اور روزیہ نے حیرت سے مراجل کی طرف استعجاب بھرے لہجہ میں ایک ساتھ کہا: ابیلا!

مراجل نے کہا جی ہاں ابیلا۔

اس نے آتے ہی کہا۔ مراجل کچھ خبر ہے کہ تم پر کیا افتاد پڑ گئی ہے میرا دل پہلے ہی سے بے قرار و مضطرب ہو رہا تھا میں اسکی یہ بات سن کر گھبرائی۔ میں نے اس سے جلدی ہی دریافت کیا۔ کیسی افتاد ابیلا یہ تم کیا کہہ رہی ہو!

ابیلا میرے چہرہ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ میرا چہرہ اضطراب و بے قراری کا مظہر تھا اس نے بھانپ لیا۔ وہ میرے پاس کھسک آئی اور نہایت آہستگی سے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔

آج تمہارے والد گرفتار کر لئے گئے یہ سنتے ہی میں ہکی بکی رہ گئی طبیعت پہلے ہی سے آشفتہ تھی اور بھی مضطرب ہو گئی دل بیٹھ گیا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں سا۔

ایلا برابر میرے چہرے کو تکے جا رہی تھی میں اس قدر گھبرا گئی اسقدر بے چین ہوگئی کہ ایلا
کے چہرہ سے جو شیطنت ظاہر ہو رہی تھی اسے نہ سمجھ سکی بلکہ اسکی شیطنت کو ہمدردی سمجھی
میں نے دریافت کیا۔ کب گرفتار کئے گئے؟ اس نے کہا ابھی دو گھنٹے ہوئے۔
آپ تین گھنٹے پہلے سے تشریف لے گئے تھے۔ مجھے یقین آگیا میں نے پھر دریافت کیا کس جرم میں؟
اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا۔ بغاوت کے جرم میں! میرا دل ڈوب گیا میں پیکر غم
بن گئی۔ وفور رنج و غم سے بدن کا کس بل نکل گیا۔ تمام جسم کانپنے لگا اس نے بڑھ کر مجھے
سہارا دیتے ہوئے کہا مراجل اس قدر غم نہ کرو۔ سنبھلو!!
بے اختیار میرے لبوں سے ایک آہ نکل گئی میں بیان نہیں کر سکتی اس وقت مجھے کس قدر
صدمہ ہوا۔ میرا سینہ پھٹ گیا کلیجہ ہل گیا آنکھوں میں طوفان اشک امنڈ آیا۔ اور بے اختیار
آنسو جاری ہو گئے۔

سودابہ اور روزبہ دونوں حیرت بھری نظروں سے پری جمال مراجل کو دیکھ رہے تھے
مراجل بھولے پن سے برابر اپنی داستان غم بیان کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ایلا نے مجھے تسلی دیتے
ہوئے کہا مراجل تیرے باپ اور شہنشاہ میں کچھ گفتگو ہوئی ہے انہوں نے تجھے بلایا ہے۔
میں نے جلدی سے دریافت کیا۔ مجھے بلایا ہے؟ کس نے؟
ایلا نے جواب دیا تیرے باپ نے۔
میں فوراً تیار ہوگئی۔ اس وقت یہ کنیز موجود تھی۔ تمام گفتگو اس کے سامنے ہوئی میں
جیسی کھڑی تھی ویسی ہی کنیز کو ہمراہ لے کر ایلا کے ساتھ روانہ ہوئی۔
روزبہ انتہائی حیرت سے مراجل کو دیکھ رہا تھا۔ جب ذرا کی ذرا مراجل رکی تو
روزبہ نے کہا۔ حیرت ہے مجھے ایک عجیب طریقہ پر اتنی دیر کے لئے روکا گیا۔
سودابہ نے دریافت کیا۔ آپ کو کس نے روکا۔
روزبہ۔ مجھے تیرجان نے روکا۔ ہر چند میں نے سوچا لیکن اس نے نہ اٹھنے دیا۔
میں حیران تھا کہ آخر تیرجان آج کیوں اسقدر مجھ پر مہربان ہے اب میں سمجھ گیا کہ یہ سب
کارروائی لگی بندھی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ مکان سے غیر حاضر رہوں۔ اور میرے پیچھے
مراجل کو بہکا کر قصر شاہی میں لیجایا جائے۔ اچھا مراجل پھر کیا ہوا۔
مراجل نے پھر کہنا شروع کیا۔ جب میں قصر شاہی میں پہنچی تو ایلا الگ ہو گئی ایک ادھیڑ
عمر کی عورت مجھے ہمراہ لیکر چلی تھوڑی دور چل کر اس نے کنیز کو روکنا چاہا۔

میں نے کہا کنیز اگر میرے ہمراہ نہ جائے گی تو میں بھی نہ جاؤنگی دراصل مجھے شبہ ہوگیا تھا۔ شبہ کیسے ہوا۔ اسے میں خود نہیں سمجھی۔ قصر شاہی میں پاؤں رکھتے ہی میں کچھ گھبرانے سی لگی تھی۔ اس عورت نے گھور کر مجھے دیکھا میں بھی اسے دیکھتی رہی وہ سمجھ گئی کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہی کروں گی مجبوراً اس نے کنیز کو میرے ہمراہ چلنے کی اجازت دی۔

ہم دونوں کو لے کر وہ ایک کمرے میں پہنچی نہایت شاندار کمرہ تھا عود جل رہا تھا خوشبو سے لپٹیں آرہی تھیں۔ کمرے میں اس وقت شہنشاہ یزدگرد اور ایبلا بیٹھے تھے ایبلا سامنے کھڑی کچھ کہہ رہی تھی۔ میں اور بھی کھٹک گئی۔

ایبلا کا مجھے چھوڑ کر پہلے یزدگرد کے پاس آنا اس عورت کا بلا وجہ چکر دیکر ہمیں اس کمرہ میں لانا ایسی باتیں تھیں جن سے میرا شبہ اور پختہ ہوگیا۔

یزدگرد مجھے دیکھتے ہی کچھ گھبرا سا گیا۔ میں نے اس کے چہرہ سے گھبراہٹ کے آثار معلوم کر لئے۔

ایبلا جلدی سے الگ جا کھڑی ہوئی۔ یزدگرد کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ کافی وقفہ کے بعد اس نے کہا مراجل تمہارا باپ باغی ہے وہ نقاب پوش انقلابیوں کا ساتھی ہے مجھ پر یزدگرد کا رعب پڑ گیا تھا۔ میرا دل کانپ رہا تھا اور بدن لرز رہا تھا لیکن چونکہ میرے متعلق جو بات کہی جا رہی تھی۔ وہ غلط تھی اس لئے مجھے کچھ جوش آ گیا۔

میں نے عرض کیا جہاں پناہ میرا باپ باغی نہیں ہے حضور کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ میرے باپ پر جھوٹ کا طومار باندھا گیا ہے۔

یزدگرد اس طرح سے مجھے دیکھتا رہا جیسے کسی بہترین مغنیہ کو گاتے وقت دیکھا جاتا ہے۔ میں اسکی نگاہوں کو دیکھکر شرما گئی۔ یزدگرد نے سنبھل کر کہا نہیں مراجل وہ باغی ہے ماہ دولت نے اسکی اچھی طرح سے تصدیق کر لی ہے میں نے کہا میرے والد حضور کے تخت و حکومت کے وفادار ہیں ہمارے تو دماغ میں بغاوت کا خیال تک بھی نہیں آسکتا یزدگرد نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں بڑھی اس نے آہستہ سے کہا مراجل یقین کر تیرا باپ باغی ہے وہ جیل خانہ میں ہے کیا تو اسے بچانا چاہتی ہے۔

میں نے کہا کون ایسی بدبخت لڑکی ہے جو اپنے باپ کو بچانا نہ چاہتی ہو۔ یزدگرد نے کہا۔ اسکے بچانے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ۔۔۔۔

مراجل شرما گئی اس نے کہا۔ بادشاہ نے مجھ سے ایسی بات کہی جس سے میرے کان

پہلے نا آشنا تھے۔ میں نے اسکی بات ماننے سے انکار کر دیا اس وقت یزدگرد برہم ہوا وہ اٹھا اور مجھے گود میں اٹھا کر لے چلا۔

میں نے بہت کچھ اسکی آغوش سے نکلنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوئی۔ آخر وہ مجھے اپنی خوابگاہ میں لے گیا۔ روزبہ کو یہ سن کر طیش آگیا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔ اس نے کہا،

بدمعاش۔۔۔۔

سودابہ نے کہا پھر کیا ہوا؟

مراجل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

یزدگرد نے مجھے مسہری پر جا پٹکا۔ چونکہ وہ مجھے دور تک گود میں اٹھا کر لے گیا تھا اس لئے اسکا دم پھول گیا، وہ کرسی پر دم لے کر ذرا سستانے لگا میں بھی رہائی کی کوشش کرنے میں ہلکان ہو گئی تھی۔ میں بھی سانس لینے لگی۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اسے۔

دفعتاً میرے دل میں بھاگ نکلنے کا خیال آیا۔ میں اٹھکر بیٹھ گئی اس نے کچھ نہ کہا۔ اتفاقیہ کمرے کے دوسری طرف کچھ کھٹکا ہوا۔ وہ اٹھکر دیکھنے لگا۔ میں نے بھاگنے کیلئے موقع غنیمت سمجھا۔ چپکے سے کھڑی ہو گئی دبے قدموں چلی۔ قالینوں کا فرش تھا چلنے میں کچھ آہٹ نہ ہوئی۔ ابھی میں دروازہ کے پاس ہی پہنچی تھی کہ یزدگرد نے دیکھ لیا۔ وہ میری طرف لپکا میں دوڑ کر کمرے سے باہر نکلی اور تیزی سے بھاگی۔ ایک کمرے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا پھلانگ گئی میں اس کمرے میں پہنچی جس میں اوّل ہی میں یزدگرد کے سامنے پیش ہوئی تھی۔

میری وفادار کنیز بیٹھی رو رہی تھی۔ مہران اور آسیہ بھی کھڑے تھے آسیہ کے ہاتھوں میں لوہے کی زنجیر پڑی تھی۔۔۔

روزبہ نے دریافت کیا۔ آسیہ کو کس نے قید کیا تھا؟

مراجل نے کہا اسی وقت معلوم ہوا کہ مہران اپنی بہن کو خود قید کر کے لایا تھا۔

روزبہ نے کڑک کر کہا۔

بدمعاش مہران خدا اس کو غارت کرے۔

مراجل نے اپنی داستان شروع کرتے ہوئے کہا۔

میں آسیہ کو دیکھکر حیران ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آسیہ کو انگشتری چرانے کے الزام میں

اسیر کر کے قید کیا گیا ہے میرے سامنے اسکے بدکردار بھائی نے اس پر نقاب پوش انقلابیوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا۔ بادشاہ نے آسیہ کو لیلیٰ کے ساتھ قید کرنے کا حکم دیا۔

میں لیلیٰ کا نام سن کر حیران رہ گئی نہ معلوم یہ لیلیٰ کون ہے؟

روزبہ نے کہا۔ آسیہ کو ایلا اور مہران لے گئے۔

ہاں، اب کمرہ میں کنیز اور بادشاہ رہ گئے بادشاہ نے مجھ سے پوچھا بتا اب تجھے کون بچائے گا؟

میں نے کہا۔ یزدان! بادشاہ نے ہنس کر کہا کہ یزدان آسمان کے اوپر ہے یہاں میری حکومت ہے

ٹھیک اسی وقت بزرگ خسرو نقاب ڈالے وہاں پہنچے انھوں نے تمام کمرے کی شمعیں گل کر دیں۔ یزدگرد ڈر کر کمرے سے نکل گیا۔ یہ بزرگ ہستی مجھے اور کنیز کو لے کر خفیہ راستوں سے نکل آئے۔

روزبہ نے کہا۔

تو نے ایک ایک لفظ سچ کہا ہیں۔ بزرگ خسرو کا بے حد مشکور ہوں۔

خسرو نے کہا۔ مشکور ہونے کی ضرورت نہیں مرا جل میری بیٹی ہے میرا فرض تھا کہ میں اسکی اعانت کرتا۔ آپ نے اس بادشاہ کی کرتوت سن لی جسکی وفاداری کا آپ دم بھرتے ہیں جسکی حکومت کی آپ تعریف کرتے ہیں۔ کیا یہ حسن کی ڈکیتی نہیں ہے؟ نہ معلوم اس کمبخت نے کتنی عورتوں کی عصمت برباد کی ہے کہیئے کیا اب بھی نقاب پوش انقلابی ہی قصوروار ہیں؟

روزبہ نے کہا بالکل نہیں قصوروار یزدگرد ہے اسکا اسکی حکومت کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔

خسرو۔ کیا آپ ہماری اعانت کا وعدہ کرتے ہیں۔

روزبہ۔ آج سے میں آپکا معاون ہوں۔ جو خدمت میرے سپرد کیجائیگی میں اُسے بخوبی انجام دونگا۔

خسرو۔ آپ کا شکریہ عنقریب ہماری جماعت کا بڑا اجلاس ہونے والا ہے۔ یقین ہے کہ آپ اس اجلاس میں شریک ہوں گے۔

روزبہ۔ ضرور شریک ہوں گا۔ بشرطیکہ مجھے آگاہ کیا جائے۔

خسرو۔ میں آپ کو مطلع کرونگا اب رات زیادہ آگئی ہے اسلئے اجازت دیجئے۔

روزبہ۔ اسوقت آدھی رات کو کہاں جایئے گا؟ اسی جگہ آرام فرمائیے۔

خسرو۔ آرام! ہم کو ایک لمحہ بھی آرام نہیں ملتا حکومت اور عمال حکومت کے

خوف سے دن بھر چھپے پھرتے ہیں۔

روزبہ۔ میری خواہش ہے کہ آپ یہیں آرام کریں۔

خسرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ بھی مشکلات میں گرفتار ہو جائیں۔

روزبہ۔ کچھ پرواہ نہیں اب تو میں نے بھی آپ کی اعانت کا وعدہ کر لیا ہے۔ آج نہیں کل ضرور میری نگرانی شروع ہو جائے گی!

خسرو۔ آجکل کسے بھروسہ پر نہ رہئے۔ مراجل قصر شاہی سے نکال لائی گئی ہے یزدگرد اس کو واپس لینے کیلئے اپنی تمام جدوجہد کرے گا۔ صبح و شام ہی میں آپ بھی گرفتار کر لئے جائیں گے۔

روزبہ۔ آپ درست فرماتے ہیں میں تنہا حکومت کا کس طرح سے مقابلہ کر سکونگا!

خسرو۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسی وقت آپ مراجل۔ مراجل کی والدہ میرے ہمراہ چلیں آپ ہماری اعانت کرینگے ہم آپکی۔ اور نقاب پوش انقلابی آپکی شرکت سے بہت خوش ہونگے۔

روزبہ۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مراجل تیار ہو جاؤ۔

مراجل اور سودابہ اٹھیں جلدی جلدی تیاری کی۔ روزبہ نے بھی ہاتھ بٹایا تھوڑی دیر میں سب کے سب تیار ہو کر محل سے باہر آئے گاڑیوں میں سوار ہوئے اور مدائن کی ان غیر معروف گلیوں میں جاتے نظر آئے۔ جو کہ کثافت اور غلاظت کی وجہ سے بدنام تھیں۔

تیئسواں باب

دلیر حسینہ حلقۂ اسلام میں

مہران اور رابیلا لیلی اور آسیہ کو لیکر جنگلہ والے کمرہ سے باہر نکلے وہ خوابگاہ کے کمرہ کیطرف نہیں گئے بلکہ اسکے برعکس دوسری طرف چلے۔ برآمدہ کے انتہائی کنارہ پر ایک خوبصورت دروازہ ملا۔ دروازہ کو عبور کر گئے وہ ایک چمن زار میں پہونچے اس چمن کا چپہ چپہ سبزہ زار تھا نہایت سلیقہ سے تختہ بندی ہو رہی تھی۔ روشوں کے دونوں طرف پھولوں کے پودے کثرت سے کھڑے تھے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی رنگ رنگ کے پھول ہوا کے جھونکوں سے لہراتے نظر آتے تھے خوشبو سے تمام چمن مہکا ہوا تھا۔

یہ دونوں بیلنجانہ سے نکل کر چمن زار میں آنا بالکل ایسا تھا جیسے کی دوزخ سے نکل کر فردوس میں آجانا۔ شام کو ہوا نے جو پھولوں کی خوشبو سے عطر آگیں تھیں دونوں ستم زدہ لڑکیوں کو شگفتہ خاطر کر دیا۔ انکے پھولوں سے رخسارے تازہ ہوا سے شاداب ہو گئے۔

یہ دونوں اِدھر اُدھر دیکھتی مہران اور ابلیک کے پیچھے بڑھتی رہیں۔ جوں جوں یہ آگے بڑھتی گئیں چمن کی دلفریبیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ چمن کی وسط میں پہنچیں۔

یہ جگہ نہایت دلفریب تھی ایک وسیع دائرہ تھا جسکے چاروں طرف پھولوں کی تختہ بندی ہو رہی تھی۔ چاروں طرف چار بڑے بڑے حوض تھے جو حوضوں کے بیچ میں فوارے لگے ہوئے تھے۔ فواروں سے پانی اُچھل کر حوضوں سے باہر ننھی ننھی بوندیں برسا رہا تھا۔

تمام دائرہ میں چھوٹی چھوٹی خوبصورت سبز سبز گھاس کھڑی تھی وسط دائرہ میں دبیز قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ قالینوں کے ایک طرف تخت بچھا تھا۔ تخت پر یزد گرد بیٹھا تھا تخت کے دائیں بائیں خوبصورت نوخیز کنیزیں گلابی ریشم کی پوشاکیں پہنے ہوئے دلفریب اداکیساتھ پرا باندھے کھڑی تھیں۔ تخت کے سامنے چند مغنیہ ساز لئے بیٹھی تھیں یہ گانے والی عورتیں بھی نہایت خوبصورت تھیں۔ ان سے ذرا ہٹ کر اونچی اونچی سلاخوں میں ریشمی جھولے پڑے ہوئے تھے۔ جھولوں میں خوبصورت قمر طلعت لڑکیاں بیٹھی تھیں یہ سب کی سب نہایت بیش قیمت پوشاکیں اور نہایت قیمتی زیورات پہنے ہوئے تھیں جھوٹے دینے والی لڑکیاں بھی خوبصورت تھیں یہ سب فردوسی حوریں معلوم ہوتی تھیں۔ انکے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھے۔

لیلیٰ اور آسیہ نے اس فردوسی منظر کو دیکھا۔ مہران نے انکو قالینوں کے پاس کھڑا کر دیا۔ یزدگرد نے انھیں گویا دیکھا ہی نہیں۔ اس نے گانے والیوں کو اشارہ کیا فوراً انھوں نے ساز درست کئے اِدھر جھولوں کو جھونکے دیئے جانے لگے۔ جھونکے دینے والیوں نے چہل شروع کیا گویا حوروں میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔

ایک پرکیف نغمہ شروع ہوا۔ ایسا پرکیف جس نے سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دی سب نغمہ کی گہرائیوں میں کھوئے سے گئے۔ گانے والیوں کی لوچدار آواز نے سب کو محو دبنا دیا۔ اسوقت اس میدان میں فردوسی مسرت کا سماں نظر آرہا تھا جھولنے والی لڑکیاں خوش ہو رہی تھیں ایک دوسرے کے چٹکیاں لے رہی تھیں جھونکے دینے والی لڑکیاں نزاکت سے اچھل رہی تھیں۔ انکے زیورات انکے چہرے انکے کپڑے اور زیورات جگمگا رہے تھے۔

یزدگرد اس منظر کو دیکھ رہا تھا وہ مسرت و عشرت کے انتہاہ سمندر میں ڈوب رہا تھا حسن کی پتلیاں ہنس رہی تھیں کھیل رہی تھیں گا رہی تھیں۔ وہ لطف اٹھا رہا تھا۔

لیلیٰ اور آسیہ بھی اس مسرت انگیز منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ حیران تھیں کہ دنیا میں ہیں یا فردوس کے کسی خطہ میں پہنچ گئی ہیں۔ اس وقت آفتاب مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ اس کی طلائی کرنیں ہر چیز پر سنہرا غازہ پھیر کر اسکی دلکشی اور دلفریبی میں اضافہ کر رہی تھیں خصوصاً ماہ طلعت لڑکیوں کے چہروں کو اسقدر جگمگا رہی تھیں کہ انکی طرف دیکھا نہ جاتا تھا۔

کچھ دیر کے بعد نغمہ ختم ہوا۔ جھولے رکے۔ چھیڑ چھاڑ بند ہوئی یزدگرد نے لیلیٰ اور آسیہ کو دیکھا۔ اس نے مہران کو آگے لانے کا اشارہ کیا مہران اور ابیلان دونوں کو لیکر بڑھے۔ تمام پری چہرہ لڑکیوں اور عورتوں کی نگاہیں ان دونوں پر پڑیں۔

وہ دونوں خوبصورت تھیں۔ خصوصاً لیلیٰ بہت زیادہ خوبصورت تھی گویا حسن اس کے لئے ہی ودیعت کیا گیا ہے۔

اگرچہ وہ متفکر تھی۔ مغموم تھی۔ عرصے تک جیلخانہ میں رہی تھی چہرے پر شادابی نہ تھی کپڑے میلے تھے سر کے گھونگھریالے بال شانہ نہ ہونے کی وجہ سے الجھ رہے تھے۔ اور لٹیں ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے مگر اس پر بھی حسن کی ملکہ۔ فردوس کی حور نور مجسم معلوم ہو رہی تھی۔ اسکا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ طلائی کرنیں اسکے پیارے چہرہ میں بجلیاں سی بھر رہی تھیں۔ سب کی نگاہیں اس حور وش کے پیارے چہرے پر آ کر رکیں۔

دونوں سیم تن لڑکیاں ہزار عشوہ ناز سے اٹھلاتی۔ بل کھاتی ہوئی یزدگرد کے سامنے جا کر ٹھہریں۔

یزدگرد نے پہلے آسیہ پھر لیلیٰ کو دیکھا۔ وہ دیر تک لیلیٰ کو دیکھتا رہا لیلیٰ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھکر شرما گئی۔ اس نے شرما کر اپنا نازک سر جھکا لیا۔

یزدگرد حسن کی گہرائیوں میں کھو یا سا تھا۔ وہ للچائی نظروں سے اس ماہ طلعت کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سنبھلا ہوشیار ہوا حسن کا مسحور کن اثر زائل کرنے کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا چند منٹ بعد لیلیٰ سے خطاب کرتے ہوئے بولا۔

او سنگدل عربی دوشیزہ اپنے اس پرستار پر رحم کرو۔ جو تیرا اور صرف تیرا پجاری بن کر رہنا چاہتا ہے۔ لیلیٰ نے اسکا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوبصورت سر سے ڈھلک آنیوالے دوپٹہ کو درست کرنے لگی۔

یزدگرد نے پھر کہا۔ اے رشک حور! یہ عیش و عشرت کا سامان جو تو دیکھ رہی ہے تیرا ہوگا۔ یہ پریوش لڑکیاں جو تیرے سامنے ہیں تیری کنیزیں ہوں گی۔ ایران کا تاج تیرے سر پر ہوگا۔ ایران کا بادشاہ تیرا خدمتگار ہوگا۔ ایران کی دولت تیری ہوگی۔ ساری رعایا تیرا احترام کرے گی تو میری اور صرف میری ہو جا!

لیلیٰ نے متانت سے کہا۔ یہ تمام چیزیں انسان کو آلودہ عصیان کرنے والی۔ خدا کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔ خدا نے تم کو حکومت دی ہے شہنشاہ بنایا ہے۔ بیکسوں، مظلوموں پر رحم کرو۔ خدا تم پر مہربانی کریگا

یزدگرد نے کہا۔ لیلیٰ سنو آج اگر تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ میری بات نہ مانی تو یزدان کی قسم میں تمہارا چراغ زندگی گل کر دوں گا۔

لیلیٰ نے نہایت استقلال اور متانت سے جواب دیا۔ اگر میرے سانس پورے ہو گئے ہیں۔ رزق ختم ہو چکا ہے تو موت لابدی ہے جب مرنا یقینی ہے تو گنہگار بن کر عصمت جیسی بیش بہا چیز کھو کر کیوں مروں۔ اے شہنشاہ میں مسلمان ہوں مسلمان لڑکی گنہگار نہیں بن سکتی۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حشر ہوگا۔ خدا کرسی عدالت پر بیٹھے گا۔ انصاف کریگا۔ ہر شخص سے اسکے اعمال کا جواب لیا جائے گا۔ اس روز ایک سیاہ کار، زانی عصمت فروش کیسے خدا کو خدا کے رسول کو اپنا منہ دکھائی گی۔ کیسے اسکی بخشش ہوگی۔ یقیناً نہ ہوگی اور کبھی نہ ہوگی وہ دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ ایندھن کی طرح آگ میں جلے گی۔ چند روز عیش کے لئے خدا کی نافرمانی کر کے آخرت کا دائمی عذاب مول لینا دانشمندی نہیں ہے۔

یزدگرد سنتا رہا در اصل لیلیٰ کی آواز ایسی پیاری تھی کہ سننے والی کا جی ہی چاہتا تھا کہ وہ بولے جائے یزدگرد نے کہا آخرت کچھ نہیں یہ سب ڈھکوسلا ہے۔

لیلیٰ نے کہا ممکن ہے کہ آپ کے مذہب میں ڈھکوسلہ ہی ہو مگر میرے مذہب میں ڈھکوسلہ نہیں ہے۔ خدائے عز وجل نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

(ترجمہ) اور قیامت آنیوالی ہے اس میں شبہ نہیں اور بالتحقیق اللہ ان لوگوں کو اٹھا دے گا جو قبروں میں ہیں)

یزدگرد تخت سے اٹھا۔ اتر لیلیٰ کے پاس آیا۔ اس نے کہا لیلیٰ کیا تو نہ مانے

گی۔ لیلیٰ نے سر جھکا کر کہا۔ میں مجبور ہوں۔ میرا مذہب مجھے مجبور کرتا ہے۔

یزدگرد نے غصہ میں آ کر کہا۔ بہت خوب بہت اچھا یہ صورت جس پر تجھے ناز ہے یہ جسم جس پر تو مغرور ہے بگاڑ دونگا۔ مٹا دونگا۔ ابلیا جلاد کو بلا۔ ابلیا اظہار اطاعت کے لئے جھکی پیر سے دروازے چلی۔ یزدگرد کو کمال طیش آ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں شرربار ہو گئی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح پھنکار مار کر آسیہ کی طرف پلٹا۔ اس نے کہا۔ خوبصورت حور تو نے اس سنگدل ساحرہ کو نہ سمجھایا۔

آسیہ نے کہا۔ اے شہنشاہ میں کیا سمجھاتی میری نگاہوں میں دنیا خود حقیر نظر آتی ہے لیلیٰ کی باتیں سن کر یقین ہو گیا ہے کہ نظام عالم ایک دن درہم برہم ہو جائیگا کائنات کا ذرہ ذرہ بکھر جائے گا آسمان و زمین پہاڑ سب نابود ہو جائیں گے۔۔۔

لیلیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ خدائے کون و مکان نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝

ترجمہ۔ جس وقت کہ آسمان پھٹ جائے اور جس وقت کہ تارے جھڑ جائیں اور جس وقت دریا چڑھ جاویں اور جس وقت قبریں زندہ کر کے اٹھائی جائیں جاویگا۔ ہر جی جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔

آسیہ نے کہا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت قریب ہے۔ خدا مجھ سے میرے اعمال کا جواب لینے والا ہے۔

یزدگرد غضبناک ہوا اور اس نے کہا۔ بیوقوف لڑکی تو بھی کیا اس خوبصورت ساحرہ کی باتوں میں آ گئی۔ یہ محض خیال آفرینی ہے۔

آسیہ نے کہا۔ خیال آفرینی نہیں بلکہ حضور زردشت۔۔۔۔

یزدگرد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ بس خاموش! میں سننا نہیں چاہتا۔ بتا کیا تو نے اس حور کو نہیں سمجھایا؟

آسیہ نے جواب دیا نہیں۔

یزدگرد نے غصہ میں آ کر کہا اچھا تو بھی اس ساحرہ کے ساتھ ہی مرنا۔ اس عرصے میں جلاد آ گیا۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے تھا۔ صورت کالی تھی آنکھیں خوفناک اور سرخ دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا تھا برہنہ تلوار لئے تھا۔

اس نے آتے ہی سجدہ میں گر کر یزدگرد کو سلام کیا۔ یزدگرد نے کہا۔ اس عربی دوشیزہ۔

آسیہ نے بڑھ کر کہا ٹھہریئے۔
یزدگرد نے دریافت کیا کیوں۔
آسیہ۔ میں لیلیٰ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔
یزدگرد۔ کیا!
آسیہ۔ لیلیٰ ابھی نوجوان ہے اس لئے اسے ابھی مرنا نہ چاہیئے۔
یزدگرد۔ اچھا تو سمجھانا چاہتی ہے سمجھا لے۔
یزدگرد ہٹ گیا۔ جلاد ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ آسیہ لیلیٰ کے پاس پہنچی، اس نے کہا لیلیٰ تم نے دیکھا جلاد آ گیا ہے اب مرنے میں کیا کسر باقی ہے۔
لیلیٰ کے مسیحا صفت لبوں پر دلفریب تبسم کھیل رہا تھا اس نے کہا کچھ نہیں موت میرے آلام کا علاج کر دے گی۔
آسیہ۔ میرے خیال میں ضد چھوڑ دو۔ شہنشاہ کا کہا مان لو ایران کی ملکہ بن جاؤ عمر بھر عیش کرو گی۔
لیلیٰ۔ دنیا میں عیش کر لوں گی لیکن عاقبت میں کیا ہو گا۔ دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنوں گی یہ مجھے منظور نہیں!!
آسیہ۔ کیا تم کو اپنی جوانی پر ترس نہیں آتا۔
لیلیٰ۔ عصمت پر ہزار جوانیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔
آسیہ۔ لیلیٰ تم نہایت مستقل مزاج ہو۔ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے تمہارے بعد یا تم سے پہلے میں بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاؤں گی۔ کیا کوئی ایسا سبیل ہے جس سے کہ مرنے کے بعد بھی تم اور میں ایک جگہ رہ سکیں۔
لیلیٰ۔ ہے جو مذہب میرا ہے وہی تم ابھی اختیار کر لو۔ اگر میں اور تم دونوں شہید کرائی جائیں گی تو جنت الفردوس میں ملیں گے۔
آسیہ۔ اس وقت جبکہ جلاد تلوار سونتے ہمارے سروں پر کھڑا ہے میں تمہارا مذہب کیسے اختیار کر سکتی ہوں۔
لیلیٰ۔ کچھ مشکل نہیں زبان سے کلمہ پڑھ لو۔ اور دل سے قرار کر لو۔
آسیہ۔ اچھا مجھے کلمہ پڑھاؤ۔
لیلیٰ۔ پڑھو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللّٰهِ

(ترجمہ) گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔

آسیہ نے جلدی سے کلمہ پڑھ لیا۔ یہ کارروائی اس سرعت سے ہوئی کہ یزدگرد اور مہران اس وقت خبردار ہوئے جبکہ آسیہ کلمہ پڑھ چکی مہران اور یزدگرد سخت غضبناک ہوئے۔ یزدگرد نے کڑک کر کہا۔ بدبخت لڑکی تو مسلمان ہوگئی۔

آسیہ نے متانت سے کہا۔ ہاں میں مسلمان ہوگئی ہوں۔

مہران نے کہا۔ او ننگ خاندان تجھے تڑپا تڑپا کر ایک ایک عضو کاٹ کاٹ کر قتل کیا جائیگا۔ یہ حیا کا تما تو پیدا ہوتے ہی مرجاتی یزدگرد آسیہ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ آسیہ تو ڈر گئی۔ تجھے خیال ہوا کہ تو نے شاہی انگشتری چرائی ہے قتل کیجائے گی تو نے غلط خیال کیا ہیں ایسی دلربا لڑکی کو کبھی قتل نہیں کرسکتا۔ وہ تو محض دھمکی تھی جس مذہب کو تو نے اختیار کیا ہے اسے چھوڑ دے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ یہ تیری خوشی پر منحصر ہے قصر شاہی میں رہ یا باہر۔ مہران بھی تجھے معاف کردیگا۔

مہران نے کہا میں نے بھی معاف کیا۔ آسیہ میں تجھے کبھی قتل نہ ہونے دیتا شہنشاہ کے پاؤں میں گر کر عضو تقصیر کا طالب ہوتا۔ تجھے بچاتا۔ اب شہنشاہ نے خود ہی معاف کردیا ہے میری عزیز ہمشیرہ اسلام کو چھوڑ دے اقرار کر کہ تو نے اسلام چھوڑ دیا۔

آسیہ دونوں کی باتیں سن کر مسکرائی اس نے کہا اگر آپ نے یہ سمجھا کہ میں موت سے ڈر کر گھبرا کر مسلمان ہوئی ہوں تو غلط سمجھا میں سوچ سمجھ کر مسلمان ہوئی ہوں اب اس مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی۔

یزدگرد نے مصنوعی تبسم سے مسکرا کر کہا۔ ابھی تجھے خوف ہے کہ شاید ہم تجھے بہکا رہے ہیں۔ آسیہ! یہ بات نہیں۔ یزدان کی قسم میں نے تجھے معاف کیا۔ چھوڑ دے یہ بری آسیہ مذہب اسلام کو چھوڑ دے۔

آسیہ نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ کبھی نہیں چھوڑ سکتی میں اندھیرے میں پڑی تھی اب روشنی میں آئی ہوں کیا پھر اندھیرے میں چلی جاؤں۔ کبھی ایسا نہیں کرسکتی۔

اب یزدگرد کو غصہ آیا اس نے کہا پچھتائے گی۔

آسیہ نے دلیرانہ طریقہ پر کہا پرواہ نہیں۔

یزدگرد سخت غضبناک ہوا وہ پیچ و تاب کھا کر پیچھے ہٹا اور اس نے کہا مہران اس بدبخت کو ایسی سزا دو جس سے اس کا بند بند لرز جائے۔ مہران کو پہلے ہی غصہ آ رہا

تھا۔ اس نے نازک اندام آسیہ کے ہاتھوں سے لوہے کی زنجیر کھولی اور غصہ میں آکر پوری طاقت سے پھولوں سے نازک آسیہ کی پشت پر لات ماری۔
آسیہ تڑپ گئی تلملا گئی۔اس نے ضبط کرنے کے لئے اپنے نازک عنابی لب موتی جیسے سفید دانتوں میں دبا لئے۔مہران غصہ میں آ آکر اپنی پوری طاقت سے آسیہ کے پھول سے نازک بدن پر زنجیر مارنا شروع کی۔بیدردی اور سفاکی کا یہ منظر سب دیکھ رہے تھے۔
آسیہ ضبط کر رہی تھی لیکن کب تک ضبط کرتی۔آخر بے اختیار اسکے منہ سے آہ نکلی ایسی آہ جس نے سننے والوں کے دلوں کو ہلا دیا۔لیلیٰ تڑپ گئی اور بے قرار ہو گئی۔
وہ دیوانہ وار آگے بڑھی اور اس نے لجاجت آمیز لہجہ میں کہا، مہران رحم رحم کر۔اس مظلوم پر رحم!
آسیہ کے کپڑے زنجیر کے حلقوں میں آ آکر کہیں کہیں سے پھٹ گئے تھے سوراخوں سے اسکے گلاب کی رنگت والا جسم نظر آنے لگا تھا۔کہیں خراشیں بھی آگئی تھیں اور خون چھلک کر کپڑوں پر رنگ دینے لگا تھا۔
آسیہ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا کرب و بے قراری نے اس کے پیارے چہرہ کی گلابی رنگت اڑا دی تھی۔
لیلیٰ اسکی کیفیت دیکھ کر تلملا گئی تھی اور مہران سے آسیہ کے لئے رحم کی طالب ہوئی۔مہران نے لیلیٰ کو پیچھے ڈھکیل دیا۔لیلیٰ گرتے گرتے بچی۔بے درد و سفاک مہران نے پھر آسیہ کے زنجیریں مارنا شروع کیں آسیہ برداشت نہ کر سکی وہ زمین پر گر گئی۔
اس کی آنکھیں بند ہو گئیں لیلیٰ تڑپ گئی۔وہ آسیہ کو بچانے کے لئے اسکے اوپر جھک گئی۔اس نے کہا۔آسیہ میری معصوم آسیہ!!
آسیہ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔وہ بیہوش زمین پر پڑی ہوئی تھی۔اسکے بدن سے خون کا فوارہ ابلنے لگا تھا لیلیٰ اسکی یہ کیفیت دیکھ کر رونے لگی۔اس نے کہا۔
خداوند تیرے پرستاروں پر ظلم ہو رہا ہے۔تیرے پوجنے والوں کو ستایا جا رہا ہے تو کیوں مدد نہیں کرتا۔آہ بچالے معصوم آسیہ کو بچالے یہ وہ پاک ہستی ہے جس نے تیری توحید اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے۔
یہ کہکر اس نے آہستہ سے بیہوش آسیہ کا خوبصورت سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا

اس کے بالوں کو مٹی سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ میری آسیہ آنکھیں کھولو مجھ سے بولو۔ آہ ظالموں نے تجھے مار ڈالا۔ ہائے تیرا پھولوں سے زیادہ نازک جسم لہولہان ہو گیا ملکوتی صفات معصومہ۔ مجھے دغا نہ دینا اور مجھ سے پہلے فردوس میں نہ چلی جانا۔

میری آسیہ صرف ایک دفعہ آنکھیں کھول دے ایک دفعہ مجھ سے بول لے لیلیٰ زار و قطار رو رہی تھی۔ روتے روتے اسکے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

یہ ظلم یہ ستم مظلوم آسیہ پر اس لئے ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی اسے اس لئے لوہے کی زنجیریں مار مار کر مردہ بنا دیا گیا کہ اس نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ اگر وہ اس مذہب کو چھوڑ دیتی تو یقیناً معاف کر دی جاتی اور اس قدر ایذا نہ اٹھاتی۔

آسیہ کو اسکے بھائی نے مارا۔ اس بیدردی سے مارا کہ وہ موت کے قریب تر ہو گئی۔ لیلیٰ رو رہی تھی۔ بیہوش آسیہ کی صورت دیکھکر رو رہی تھی۔

اس وقت دنیا اسکی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی تھی اسکے نازک دل میں یہ جذبہ پیدا ہو رہا تھا کہ آسیہ پر قربان ہو جائے اسلام پر فدا ہونے والی حور ہوش میں آ جائے۔ اس سے ایک مرتبہ بول لے اور اس صلے میں کوئی اسکی جان ہی کیوں نہ لے لے وہ اپنی زندگی آسیہ کو دینے کے لئے تیار تھی۔ اس کے آنسوؤں کے گرم گرم قطرے رخساروں سے لڑھک کر آسیہ کے چہرہ گرنے لگے۔

آسیہ اب بھی بے ہوش تھی لیلیٰ اسکے جسم پر ہاتھ پھیر پھیر کر اسے آہستہ آہستہ بلا رہی تھی۔ وہ کہتی جاتی تھی۔ میری آسیہ اٹھو دیکھو میں رو رہی ہوں مجھے تسلی دو۔ تم مجھے آزردہ دیکھکر بے قرار ہو جایا کرتی تھیں۔

اب ایسی خفا ہوئی ہو کہ میں رو رہی ہوں تم بولتی بھی نہیں لیلیٰ کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی اب آفتاب بہت کچھ مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ اسکی طلائی کرنیں سمٹ سمٹ کر غائب ہونے لگی تھیں۔

ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے تھے۔ کچھ ٹھنڈی ہوا نے اور کچھ لیلیٰ کے آنسوؤں نے یہ اثر کیا کہ آسیہ کو قدرے ہوش آ گیا اس نے آنکھ کھولی۔ لیلیٰ کو دوبارہ زندگی ملی۔

اس نے جھک کر آسیہ کی منور پیشانی کو چوم کر کہا۔ آسیہ اٹھو ہائے میں تمہارا غم کرتے کرتے مر جاؤں گی۔ آسیہ آنکھیں کھول کر لیلیٰ کو دیکھنے لگی۔ وہ ابھی ہوش میں آئی تھی۔

یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ رفتہ رفتہ اسے اچھی طرح ہوش آگیا۔ ہوش آتے ہی تمام بدن میں کسک پیدا ہوئی اس نے آہ کی۔
آہ کی آواز سن کر لیلیٰ تڑپ گئی۔ اس نے کہا آسیہ! آسیہ میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے اشارہ سے پانی مانگا۔ لیلیٰ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ حوض پانی سے لبریز تھا مگر پانی کا کوئی برتن نہ تھا۔
لیلیٰ آہستہ سے آسیہ کا سر زمین پر رکھ کر اٹھی۔ حوض پر گئی اپنا آنچل پانی میں تر کیا اور آسیہ کے پاس واپس آئی بے رحم جلاد مہران نے دیکھا۔ وہ شیر کی طرح بڑھا۔ اس نے لیلیٰ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ پانی کیا تو آسیہ کو پانی پلائے گی؟
لیلیٰ غم سے نڈھال ہو گئی تھی۔ وہ معمولی جھٹکا بھی برداشت نہ کر سکی زمین پر گر پڑی۔ اس کے چوٹ آئی۔ مگر اس نے اپنی چوٹ کی پرواہ نہ کی۔ وہ اٹھی اور مہران سے بولی مہران اپنی ہمشیرہ پر رحم کرو۔ اسے آخری وقت پانی کے چند قطرے پی لینے دو۔
مہران نے کڑک کر کہا۔ ایک قطرہ نہیں اسے مسلمان ہونے کا مزہ چکھنے دو لیلیٰ نے اسکی پرواہ نہ کی۔ وہ آسیہ کی طرف چلی۔ آسیہ نے نحیف آواز میں کہا۔ آہ پانی۔ . . . .
لیلیٰ بے چین ہو گئی۔ وہ لپک کر اسکے پاس پہنچی۔ اس نے آنچل آسیہ کے لبوں سے لگا دیا۔ ابھی بھیگے ہوئے آنچل سے اسکے لب تر بھی نہ ہوئے تھے کہ جفا کار مہران نے لیلیٰ کو دھکا دے کر پیچھے گرا دیا۔
لیلیٰ کے سخت چوٹ آئی۔ اس کے نازک ہاتھ میں جھٹکا آگیا اس نے ایک آہ کی آسیہ کو ہوش آچکا تھا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ لیلیٰ کی آہ نے اسے بیقرار کر دیا اس نے اٹھنا چاہا۔ مگر و فور جوش نے اٹھنے نہ دیا۔
لیلیٰ خود ہی آہستہ آہستہ اٹھی۔ اس نے کہا خداوند کیا تیری رحمت جوش میں نہ آئے گی۔ کیا تو اپنے پرستاروں پر رحم نہ کرے گا۔
ابھی لیلیٰ نے اتنا قدر ہی کہا تھا کہ ایک شخص فوجی ڈریس پہنے گرد و غبار میں اٹا ہوا آیا اور یزدگرد کے سامنے سجدہ میں گرا۔ اٹھا تو یزدگرد نے اس سے پوچھا۔
تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟
زرہ پوش نے جواب دیا۔ میں قادسیہ سے آیا ہوں۔

یزدگرد نے جلدی سے دریافت کیا۔ جنگ کا کیا انجام ہوا؟

زرہ پوش نے کہا۔ ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ رستم اور اس کا بیٹا دونوں مارے گئے۔ سواروں میں سے ایک بھی زندہ باقی نہ بچا۔ کچھ پیدل بچے تھے وہ بھاگ گئے۔ اس خبر کے سننے سے یزدگرد پر گویا بجلی گری وہ سکتہ کے عالم میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

لیلیٰ نے کہا۔ خداوندا تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیتا ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد یزدگرد سنبھلا۔ اس نے کہا۔ کیا مسلمانوں کو مدد پہنچ گئی تھی۔

زرہ پوش نے کہا۔ کچھ زیادہ مدد نہیں پہنچی۔ مدد پہنچنے پر بھی ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ تیس ہزار تھی۔

یزدگرد نے حیرت سے زرہ پوش کو دیکھ کر کہا۔ صرف تیس ہزار کیا دو لاکھ ایرانیوں کو تیس ہزار مسلمانوں نے شکست دی؟

زرہ پوش۔ جی ہاں! مسلمان انسان نہیں ہیں۔ لوہے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں یا جن ہیں۔

یزدگرد کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے مہران سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ مہران فوراً ان دونوں بدبخت لڑکیوں کو جیل خانہ میں پہنچاؤ۔ اور جلد سے جلد ارکین سلطنت کو قصر شاہی میں طلب کرو!

مہران نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد نے آسیہ کو گود میں اٹھایا۔ لیلیٰ اس کے ساتھ ہوئی۔ مہران اور ابیلا پیچھے چلے۔ یزدگرد نے زرہ پوش سے دریافت کیا۔ اب مسلمان کیا کر رہے ہیں۔

زرہ پوش۔ مجھے کچھ علم نہیں لیکن وہ بابل اور کوثی پر ضرور حملہ کریں گے۔

یزدگرد نے کہا۔ اچھا تم ہمارے ساتھ آؤ۔

یزدگرد کہتے ہی چلا۔ زرہ پوش اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اس طرح یہ بزم عشرت درہم برہم ہو گئی۔

چوبیسواں باب
مسافر نواز کم سن دوشیزہ

قاصد نہایت سُرعت سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے پیچھے مال غنیمت کا پانچواں حصہ اونٹوں پر لدا ہوا جا رہا تھا۔ چار سو پانچ سو اونٹ تھے دُو دُو کی قطاریں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ساربانوں کے علاوہ تین سو سوار حفاظت کے لئے ہمراہ تھے۔ جس طرف سے قاصد اور مال غنیمت گذرا۔ ایرانیوں کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتحیابی کی خبر معلوم ہوتی چلی گئی۔

اس خبر نے سرحدی ایرانیوں کو دل شکستہ اور مسلمانوں کو مسرور کر دیا۔ چونکہ مال غنیمت اونٹوں پر بار تھا۔ اونٹ آہستہ آہستہ چلتے تھے اس لئے نامہ بر تیزی سے سانڈنی دوڑا کر آگے آگے روانہ ہوا۔ فتح کی خوش خبری امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اور ان مسلمانوں کو جو مجاہدین کے لئے دیارِ رسول میں رہ کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے پہنچانے کے لئے قاصد جلد سے جلد منازل طے کر رہا تھا۔ وہ دن اور رات کے کم حصے میں آرام کرتا اور زیادہ حصہ سفر میں گذارتا تھا۔ تپتی ہوئی دھوپ میں جلتے ہوئے ریت میں ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھتا اور نماز پڑھتے ہی سفر پر روانہ ہو جاتا۔

حجاز کی گرمی۔ حجازی تپنے والا ریگستان حجازی بگولے قدم قدم پر نامہ بر کو روکتے تھے۔ مگر وہ ان سب کا مقابلہ کرتا ہوا تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ آخر چلتے چلتے وہ دیار حبیبؐ کے قریب پہونچا۔ ابھی مدینہ دور تھا۔ لیکن یہ توقع ہو چلی تھی کی ظہر کی نماز سے پہلے مدینہ منورہ میں داخل ہو جائے گا۔

اس نے قریب ہی کھجوروں کے دُو باغ دیکھے۔ جو توشہ وہ لایا تھا۔ وہ راستہ میں ختم ہو چکا تھا۔ دوپہر کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اسے بھوک معلوم ہونے لگی۔ وہ سانڈنی بٹھا کر باغ کے اندر جا گھسا۔

کھجور کے لمبے لمبے درخت کثرت سے کھڑے تھے۔ درختوں پر پکی پکی کھجوریں

لگ رہی تھیں۔ مگر بغیر باغ کے مالک کی اجازت کے کھجوریں کھانا یا اٹھانا ناجائز تھا۔ اس لیئے وہ مالک کی تلاش میں آگے بڑھا۔

تھوڑی دور چل کر اسے ایک چمڑے کا خیمہ نصب نظر آیا۔ یہ خیمہ بڑا تھا مگر اسکی صورت بالکل ہندوستانی رتھ کی سی تھی۔ پچھلا حصہ گول تھا آگے کی طرف گول حصہ سے بڑھا ہوا دروازہ تھا۔

یہ دروازہ ایسا تھا۔ جیسے گول خیمہ کے سامنے چھوٹا سا سائبان کھڑا کر دیا ہو سائبان کے نیچے ایک گیارہ سالہ عربی دوشیزہ تیر کمان ہاتھ میں لیئے خنجر پٹی میں اڑسائے نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی۔ وہ نامہ بر کو دیکھ کر نہ جھجکی نہ ڈری بلکہ اس کے استقبال کے لئے خیمہ سے باہر نکل آئی نامہ بر تیز دھوپ اور بادصرصر کی سختیوں کو برداشت کئے چلا آرہا تھا۔ بھوک اور پیاس سے مضمحل ہو رہا تھا۔ تمام چہرہ اور سر کے بال ریت میں اٹ رہے تھے۔ لڑکی نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ دور سے سفر کئے چلا آرہا ہے۔ وہ اس کے قریب آئی۔ اس نے کہا۔ یا عم[1] معلوم ہوتا ہے کہ آپ دور سے سفر کئے چلے آرہے تھے۔ حجاز کی تیز دھوپ اور بادصرصر کے گرم جھونکوں نے آپ کو جھلسا دیا ہے خیمہ میں چل کر آرام کیجئے۔

نامہ بر نے لڑکی سے دریافت کیا۔ بیٹی کیا تو تنہا اس باغ میں رہتی ہے؟۔

لڑکی نے جواب دیا تنہا نہیں میرے والد بھی باغ ہی میں رہتے ہیں۔

نامہ بر۔ تمہارے والد کہاں ہیں۔

لڑکی صبح سے دیار رسولؐ میں گئے ہیں۔

نامہ بر۔ یہ باغ تمہارا ہی ہے۔

لڑکی۔ جی ہاں۔

نامہ بر۔ تمہارے والد کب تک واپس آجائیں گے۔

لڑکی۔ شام تک۔

نامہ بر۔ تعجب ہے تم لق ودق میدان میں تنہا رہتی ہو کیا تم کو خوف نہیں آتا۔

یہ نامہ بران عربوں میں سے تھا جو عرصہ سے ایرانی سرحد پر جا کر آباد ہو گئے تھے

---

[1] عرب میں قاعدہ ہے کہ بڑے آدمی کو یاعم (اے چچا) کہہ کر خطاب کرتے ہیں

ان کے خاندان کو وہیں صدیاں گذر گئی تھیں۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کر رہے تھے۔ اس نے یا اسکے قبیلہ والوں نے اپنی عمر میں مدینہ منورہ کو نہ دیکھا اور نہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو وہ ایرانی معاشرت میں اسقدر ڈوب گئے تھے کہ عربی معاشرت بھول گئے تھے۔

لڑکی نے جواب دیا۔ ڈر کس بات کا ہے یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں میں نہ کوئی چور ہے نہ بدراہ۔ اگر کوئی مسلمان اس طرف آتا بھی ہے تو ذرا سی دیر دم لے کر چلا جاتا ہے۔ اب رہے صحرائی جانور ان سے بچنے کے لئے میرے پاس تیر کمان ہے۔ نامہ بر لڑکی کی دلیرانہ باتیں سن کر کچھ حیران سا ہوا۔ اس نے کہا میں کچھ کھجوریں خریدنا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے بھولے پن سے جواب دیا۔ ہم مسافروں کے ہاتھ کھجوریں بیچا نہیں کرتے تم خیمہ میں چل کر بیٹھو۔ ذرا ٹھنڈے ہو لو۔ میں پانی لاتی ہوں وضو کرنا۔ کھجوریں کھانا اور دوپہر کو خیمہ ہی میں آرام کرنا۔

یہ کہتے ہی لڑکی نامہ بر کو ساتھ لے کر چلی اس کو خیمہ میں بٹھایا اور خود چھاگل لے کر پانی لینے روانہ ہوئی۔ تھوڑی دیر میں وہ پانی کی چھاگل لے کر آئی۔ اس کے پیچھے نامہ بر سانڈنی آ رہی تھی۔

نامہ بر نے دور سے دیکھ کر کہا۔ پیاری لڑکی تم نے سانڈنی کو بھی ساتھ ہی لے آئیں۔ لڑکی نے کہا۔ کیوں نہ لاتی اس بے زبان غریب جانور نے کیا قصور کیا تھا جو یہ باغ کے باہر دھوپ میں بیٹھی رہتی۔

یہ کہتے ہی لڑکی نے چھاگل نامہ بر کو دی اور سانڈنی کو کھجوروں کے جھنڈ میں جہاں کافی سایہ تھا باندھ دیا اس عرصے میں نامہ بر وضو کر کے فارغ ہو گیا۔ لڑکی نے خیمہ کے اندر سے تازہ کھجوریں لا کر اس کے سامنے رکھ دیں نامہ بر نے کھجوریں کھائیں پانی پیا اور تازہ دم ہو کر ذرا کمر سیدھی کرنے کے لئے پڑ رہا۔ لڑکی ایک طرف ادب سے بیٹھ گئی۔

چونکہ نامہ بر کو عجلت تھی اس لئے وہ زیادہ دیر نہ ٹھہرا۔ چند ہی منٹ کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی نے متعجب نظروں سے اسے دیکھکر کہا۔ کیا آپ اس کڑکتی ہوئی دھوپ، بگولوں اور بادصرصر کے طوفان میں سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نامہ بر نے کہا۔ ہاں میری لڑکی مجھے جلد جانا ہے۔

لڑکی نے بجواب کی سعا ضد کرتے ہوئے کہا نہیں میں ہرگز نہ جانے دوں گی جب میرے والد سنیں گے کہ ایک مسافر آیا تھا اور میں نے اسے چلچلاتی ہوئی دھوپ میں باغ سے نکال دیا تو وہ کیا کہیں گے۔ نہیں نہیں! یا تم تمہیں اسوقت ہرگز نہ جانے دوں گی۔

نامہ بر اس معصومہ نا سمجھ بچی کمسن عرب دوشیزہ کی یہ مسافر نوازی دیکھکر حیران رہ گیا۔ اس نے کہا میری معصوم بیٹی مجھے جانا ہے تیری مسافر نوازی نے میرے دل پر گہرا نقش کیا ہے۔ خدا تجھے اور تیرے عزیزوں کو خوش و خرم رکھے یہ کہتے ہی نامہ بر نے اپنی عبا کی جیب سے ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا ٹکڑا نکالا اور لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا بچی یہ لو اور اپنے باپ سے میرا سلام کہنا۔ لڑکی نے نہایت تحقیر آمیز نظروں سے سونے کے ٹکڑے کو دیکھکر کہا آپ مجھے معاوضہ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسافروں کی خدمت کسی معاوضہ کے لالچ سے کرتے ہیں۔ نامہ بر مرعوب ہوگیا۔ اس نے کہا۔ نہیں بچی میں معاوضہ نہیں دیتا تمہاری مسافر نوازی کا تو کوئی معاوضہ نہیں ہوسکتا۔ میرے کوئی بیٹی نہیں ہے میں تجھے اپنی بچی سمجھ کر یہ دیتا ہوں۔

لڑکی نے کہا۔ میں نہیں لے سکتی۔ ایک عرب دوشیزہ کبھی کوئی معاوضہ نہ لیگی۔

یہ کہتے ہی وہ خیمہ کے اندر چلی گئی۔ نامہ بر اسکی سیر چشمی دیکھکر متعجب ہوا۔ وہ سانڈنی لایا۔ جب وہ خیمہ کے سامنے سے گذرا تو اس نے لڑکی کو دروازہ کے اندر کھڑے دیکھا۔

لڑکی نے کہا آپ کو کیا عجلت ہے کیوں ایسی دھوپ میں جارہے ہیں۔

نامہ بر نے کہا۔ میں ایران سے آرہا ہوں فتح کی خوشخبری لئے جارہا ہوں . . .

لڑکی فوراً خیمہ سے باہر نکل آئی۔ اس کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا کیا قادسیہ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی۔

نامہ بر۔ ہاں ایرانی لشکر پارہ پارہ ہوگیا۔ رستم اس کا بیٹا۔ نیز ایرانی لشکر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ لڑکی قبلہ رو ہوکر سجدہ میں گر گئی۔ اس نے کہا۔ خداوند تیرا شکر ہے تونے اپنے حبیب کی امت کو کامیاب کیا۔ جب اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو اسکی منور پیشانی خاک آلود ہوگئی تھی۔ نامہ بر اس کی اس بات سے کمال متاثر ہوا۔ وہ سچے دل سے اس صحرا کی دوشیزہ کو دعا دے کر باغ سے باہر آیا۔ اور سانڈنی پر سوار ہوکر چل پڑا۔ اسوقت

آفتاب نصف النہار کے قریب آگیا تھا۔ دھوپ نہایت تیز ہوگئی گرم ہوا کے بگولے ایسے چل رہے تھے کہ ہر چیز کو جھلس دیتے ریت تپ رہا تھا۔ حد نگاہ تک چاروں طرف ریگ زار تھا۔ کہیں کہیں ریت کے انبار پہاڑی چٹانوں کی طرح ایسے چمک رہے تھے کہ اسکی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ نامہ بر تیزی سے روانہ ہوا۔

ہوا جو ریت کو اچھالتی پھر رہی تھی۔ نامہ بر کو قدم قدم پر روک رہی تھی جب ناک اور منہ کے ذریعہ سے ریت حلق میں پہنچنے لگا۔ تو اس نے عمامہ کا کچھ حصہ ناک اور منہ میں اس طرح لپیٹ لیا۔ کہ صرف آنکھیں ہی کھلی رہ گئیں باقی چہرہ کا سب حصہ ڈھک لیا۔

سانڈنی نہایت تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ یہانتک کہ مدینہ منورہ کے باغات دور سے نظر آئے۔ نامہ بر باغات کو دیکھ کر کچھ خوش ہوا وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے ایک اعرابی ملا۔ یہ اعرابی لمبے قد کے قوی الجثہ تھے۔ یہ ہند لگی عبا پہنے تھے۔ سیکی چادر کا عمامہ باندھے تھا۔ سفید چادر کا تہا ٹھ باندھے تھے۔ ہاتھ میں درہ لئے تھے۔ اعرابی نے نامہ بر کے قریب آتے ہی دریافت کیا۔ تم کہاں سے آرہے ہو۔

نامہ بر نے کہا۔ میں قادسیہ سے آرہا ہوں۔ اعرابی نے پوچھا قادسیہ میں جنگ کا کیا نتیجہ ہوا؟ نامہ بر نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

اعرابی۔ کیا۔ ایرانیوں کو کامل ہزیمت ہوئی۔

نامہ بر۔ جی ہاں۔

اعرابی۔ رستم مارا گیا۔ یا گرفتار کر لیا گیا؟

نامہ بر۔ وہ بھی مارا گیا اور اس کا بیٹا بھی!

اعرابی۔ اور اس کے لشکر کے سردار؟

نامہ بر۔ زیادہ تر مارے گئے بہت کم بھاگ کر اپنی جان بچا سکے۔

اعرابی۔ سعدؓ کا کیا حال ہے۔

نامہ بر۔ بیمار ہیں۔

اعرابی۔ تم نامہ بر ہو۔

نامہ بر۔ جی ہاں۔

یہ دونوں اس طرح باتیں کرتے کرتے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ایک عرب

راستہ میں ملا۔ اسنے اعرابی کو السلام علیکم یا امیر المومنین کہکر سلام کیا۔ نامہ بر حیران ہوا کہ کیا یہی اعرابی جو دور سے اس کے ساتھ حالات جنگ دریافت کرتے چلے آرہے ہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔

وہ خوف سے کانپ گیا اس نے جلدی سے سانڈنی سے اترنے کا ارادہ کیا یہ اعرابی دراصل حضرت عمر فاروقؓ ہی تھے مسلمانوں کے خلیفہ وہ خلیفہ جن کی دھاک دنیا بھر میں تھی جن کا نام سن کر غیر مسلم کانپ جاتے تھے جن سے قیصر و کسریٰ ڈرتے تھے جن کے درہ کے خوف سے مسلمان سیدھے راستہ پر چل رہے تھے انہوں نے شتر سوار کو اترنے سے منع کرتے ہوئے کہا۔ مت اترو تم جنگ کے حالات سناتے جاؤ۔ عمر تو گھر میں بیٹھا ہوا مجاہدوں کی برابری کیسے کرسکتا ہے۔

نامہ بر نے تفصیل سے حالات سنانا شروع کئے۔ یہانتک کہ وہ دونوں مسجد نبویؐ میں پہنچے مسجد کے باہر کھجوروں کے چند درخت تھے۔ نامہ بر نے سانڈنی ایک درخت سے باندھا اور امیر المومنین کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا۔

فوراً حضرت عمر فاروقؓ نے نامہ بر کے لئے ستو منگایا۔ اسے بلایا اس عرصے میں وہ جنگ کے حالات مسلمانوں کی خیریت معلوم کرتے رہے نامہ بر نے حضرت سعدؓ کا خط دیا۔ امیر المومنین نے کھول کر پڑھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ظہر کی اذان ہوئی اذان سنتے ہی مسلمان جوق جوق مسجد میں آنے لگے۔ چشم زدن میں تمام مسجد مسلمانوں سے لبریز ہوگئی۔

نماز پڑھی گئی۔ نماز کے بعد حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے حمد و صلوٰۃ کے بعد انہوں نے کہا۔ مسلمانو! خدا نے قادسیہ میں مسلمانوں کو فتح دی۔ ایرانیوں کا وہ لشکر جو مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے بڑی شان سے آیا تھا۔ قادسیہ کے میدان میں پارہ پارہ ہوگیا۔ رستم جو اس لشکر کا سپہ سالار تھا مارا گیا۔

اس کا بیٹا جنگ میں کام آیا اور بہت سے سردار مارے گئے خدا نے عجمیوں کا اس قدر مال مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے کہ تمام مسلمان غنی ہوگئے۔ ہم ایرانیوں پر لشکر کشی کرنا نہ چاہتے تھے۔ مگر ایرانیوں نے ہمیں مجبور کیا۔ جب انکی چیرہ دستیاں حد سے گذر گئیں تو ہمیں یورش کرنا پڑی۔

اگرچہ قادسیہ میں ایرانیوں کو کامل ہزیمت ہوئی ہے مگر اس پر بھی انکی آنکھیں

نہیں کھلیں۔ وہ اب بھی حجاز کی فتح کے خواب دیکھ رہے تھے۔ سمجھتے ہو یہ کیا بات ہے صرف شخصی حکومت کی تم ظریفیاں ہیں ایک شخص کے سمجھ میں جو کچھ آتا ہے وہ وہی کرتا ہے۔

اب اس میں ملک کا نفع ہو یا نقصان ہر بادشاہ اپنی رعایا کو غلام سمجھتا ہے رعایا کی ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ دولت لوٹتا اور عیش و عشرت کرتا ہے اپنے محکوموں کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ اس سے ملک، و قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔

ہر بادشاہ فخر و غرور کا مجسمہ۔ خود غرضی کا پیکر۔ نفس کا بندہ بن جاتا ہے بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کسی کو اپنا غلام بنانا نہیں چاہتا میں خود خدا کا غلام ہوں۔ میرے کندھوں پر خلافت کا بوجھ رکھ دیا گیا ہے۔ حکومت کا نہیں۔ حفاظت کا کام میرے سپرد ہے۔

اگر میں اس طرح تمہاری حفاظت کر دوں کہ تم آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرو تو یہ میری سعادت ہے۔ خوش بختی ہے۔ اگر خدا نخواستہ میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازہ پر حاضری دو۔ تو یہ میری بدبختی ہے۔ ایک خلیفہ ایک بادشاہ کے لئے کسی طرح یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے دروازہ پر پہرہ دار ہوں۔

ایک مظلوم ایک فریادی کیسے پہرہ داروں کی بلا رضا و رغبت بادشاہ تک پہنچ سکے مسلمانو! میں تم کو تعلیم دیتا ہوں۔ نصیحت کرتا ہوں صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے اب بتاؤ کہ ایران کی مہم بغیر مسلمانوں کا انتقام لئے۔ بغیر مسلم قیدیوں کو رہائی دلائے بند کر دی جائے یا جاری رکھی جائے ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ جب تک ایک مسلمان بھی ایرانیوں کے پاس قید ہے۔ جبتک مسلمانوں کا ایرانیوں سے انتقام نہ لیا جائے۔ اور جب تک شاہ ایران ہمارے تمام مطالبات پورے نہ کر دے مقتولوں کا خون بہا نہ دے اسیروں کو نہ چھوڑے انکے نقصان کی تلافی نہ کرے اسوقت تک ہرگز جنگ بند نہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ وہ منبر سے اتر آئے۔ گویا مجلس شوریٰ ختم ہو گئی مسلمان بھی اٹھ کر چلے گئے۔ سب کے بعد حضرت عمرؓ قاصد کو لے کر اپنے مکان میں پہنچے اور انکی رہائش کا انتظام کیا۔ تیسرے دن مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تمام مسلمان مال غنیمت کو دیکھنے کے لئے امنڈ آئے۔ مسجد نبوی کے سامنے کمبلوں کے فرش پر تمام مال ڈھیر کر دیا گیا۔

اس میں سونے چاندی کے سکے آبدار موتی ہیرے۔ جواہرات سونے کے تاج مرصع و ستوں کی تلواریں۔ ریشمی کپڑے دیبائے حریر کے تھان۔ یمن کی چادریں۔ رومی قالین سونے چاندی کے ظروف سب ہی کچھ تھے۔ تمام مسلمان حلقہ باندھے کھڑے تھے مال غنیمت کو دیکھ کر سب کے سب نہایت خوش ہوئے۔

سب نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس نمائش کے بعد مال غنیمت بیت المال[1] میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو خط لکھا کہ جب تک ایرانی بادشاہ تمام مسلم اسیروں کو نہ چھوڑ دے۔ مسلمان شہداء کا خون بہا نہ دے۔ جن مسلمانوں کا سامان لوٹا گیا ہے ان کے سامان کی قیمت ادا نہ کرے یا جزیہ نہ دے۔ اس وقت تک جنگ بند نہ کرو۔

قادسیہ سے بڑھ کر بابل۔ کوثیٰ۔ بہرہ شیر اور مدائن پر حملہ کیا جائے۔ یہ خط قاصد کے حوالے کر دیا گیا۔ قاصد اسی دن کی رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر روانہ ہو گیا۔

---

[1] چونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے تمام مسلمانوں کے روزینے مقرر کر دیئے تھے اس لیئے مال غنیمت بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اور اسی مال سے روزینے دیئے جاتے تھے۔ کبھی مال غنیمت تقسیم بھی کر دیا جاتا۔

(صادق۔ صدیقی)

حصہ دوم ختم

ایران کی حسینہ

کا

حصۂ سوم

فتح ایران

مصنفہ

صادق صدیقی سردھنوی

باب اوّل

انقلاب پسندوں کا اجلاس

خسرو، رونہ یہ، سعدا یہ اور مراجل کو ہمراہ لے کر تنگ اور غلیظ راستوں و گلیوں سے ہوتا ہوا ایک ایسے محلہ میں پہنچا جہاں کے باشندے اوباشی اور آوارگی میں مشہور تھے ایک وسیع مکان کے دروازہ پر رکے اُن کے رکتے ہی دو آدمی ایک گلی کے اس کونہ سے اور دوسرا دوسرے کونہ سے دوڑتا ہوا آیا۔ گاڑیوں کو گاڑیوں کے اندر بیٹھنے والوں کو دیکھا۔

سب سے پہلے خسرو اُترا۔ انھوں نے خسرو کو پہچان لیا۔ خسرو نے کہا سامان اُتار کر اندر لے چلو، چپ چاپ اُنھوں نے حکم کی تعمیل کی اور سامان اٹھا اٹھا کر مکان کے اندر لے جانے لگے۔ جب تمام سامان لے جایا چکا تو خسرو آگے اور اُسکے پیچھے اور سب چلے۔ ایک آدمی گاڑیاں آگے بڑھا لے گیا۔ دوسرا اِن دونوں کے ہمراہ چلا۔ یہ مکان باہر سے بدحیثیت معلوم ہوتا تھا۔

رونہ یہ جو قصر میں رہنے کا عادی تھا، اس مکان کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا لیکن جب مکان کے اندر پہنچے تو حیران رہ گئے نہایت اچھا اور دلکشا مکان تھا۔ یہ سب ایک وسیع کمرہ میں جا بیٹھے۔ خسرو نے اس آدمی سے جو ساتھ آیا تھا سامان قرینہ سے رکھوا کر اسے کچھ ہدایت کی اور وہ چلا گیا۔ جب خسرو رونہ یہ کے پاس آیا تو رونہ نے دریافت کیا۔ کیا سب انقلابی اسی مکان میں رہتے ہیں؟ ـــ

خسرو نے جواب دیا۔ نہیں انقلابیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ ایک دو مکانوں میں نہیں رہ سکتے، اکثر انقلابی ایسے ہیں جن پر حکومت کو شبہ نہیں ہے۔
روزبہ۔ کیا انقلابیوں کی تعداد زیادہ بڑھ گئی ہے۔
خسرو۔ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ جب اجلاس ہوگا آپ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ چونکہ رات زیادہ آگئی ہے۔ مراجل کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ اس وقت ہم سب آرام کریں اور صبح تبادلۂ خیالات کریں گے۔

روزبہ نے جمائی لیتے ہوئے کہا، تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔
سوادیہ کی آنکھوں میں خمار بھرا ہوا تھا، خسرو نے سب کو علیحدہ علیحدہ کمرے بتائیے لیکن نیا مکان ہونے کی وجہ سے سب نے ایک ہی کمرہ میں سونا پسند کیا۔ سب الگ الگ صوفوں پر پڑ گئے۔ پڑتے ہی سو گئے۔ صبح جب وہ بیدار ہوئے تو آفتاب بہت کچھ بلند ہو چکا تھا۔ سب نے اٹھ اٹھ کر ضروریات سے فراغت کی، ناشتہ کیا۔
خسرو نے کہا۔ آج میں مدائن سے باہر جاؤں گا، شاید تمام دن باہر رہوں مہربانی کرکے آپ اس مکان سے باہر نہ نکلیں۔
روزبہ نے کہا۔ کیا یہ مکان محفوظ ہے؟
خسرو۔ ہاں محفوظ ہے، لیکن اگر کوئی کھٹکا آپ سمجھیں اور آپ کو چھپنے کی ضرورت پیش آئے تو دیکھئے یہ الماری ہے اس الماری میں یہ کنڈہ لگا ہے اس کنڈہ کو داہنی طرف کھینچ لیجئے، الماری سرک جائے گی۔ دروازہ نمودار ہوگا آپ دروازہ میں داخل ہو جاؤیں، سمجھ لیجئے سب طرف سے محفوظ ہو گئے۔ روزبہ نے اطمینان کرنے کے لیے کنڈہ کھینچا!
بغیر کسی آواز کے الماری سرک گئی، دروازہ نمودار ہوا۔ وہ سوادیہ مراجل اور خسرو سب دروازہ میں داخل ہو گئے، دوسری طرف بھی ایک کنڈہ تھا۔ اس کنڈہ کو کھینچ کر برابر کر دیا گیا اور الماری اپنی جگہ پر آگئی۔
اس طرف دروازہ بند ہونے کی وجہ سے کسیقدر اندھیرا چھا گیا تھا مگر ایسا نہیں جس سے کچھ نظر ہی نہ آئے۔ جب نظر ٹھہری، نگاہیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں

اور انھوں نے اپنے گردوپیش دیکھا تو اپنے آپ کو ایک وسیع کمرہ میں کھڑے پایا۔
یہ کمرہ بھی نہایت خوب صورت تھا اور صاف لمبی کی صوفے اور مسہریاں پڑی تھیں دیوار سے لگی ہوئی چند کرسیاں رکھی تھیں، یہ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے خسرو نے کہا۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں چھپنے والوں کا کوئی کسی طرح سراغ نہیں لگا سکتا۔
روزبہ نے کہا، بے شک اس کمرہ کو دیکھ کر ذرا اطمینان ہوا۔
خسرو اٹھا اور اس نے کہا، اگر آپ کسی خادم کو بلانا چاہیں تو اس دیوار کو تھپکی دے دیں۔ خادم آجائے گا۔
یہ کہتے ہی خسرو نے آہستہ سے سامنے والی دیوار کو تھپتھپایا۔ چند ہی لمحہ کے بعد بغیر کسی آواز کے دیوار شق ہو گئی اور ایک آدمی دیوار سے نمودار ہوا، سب کے سب اس دیوار پھٹنے اور دیوار سے آدمی کے نکلنے سے حیران ہوئے، انکو یہ طلسمی کارخانہ معلوم ہوا۔ آدمی بڑھ کر خسرو کے پاس آیا۔ اُس نے دریافت کیا، کیا حکم ہے؟
خسرو نے کہا دیکھو، میں آج باہر جا رہا ہوں یہ سب ہمارے مہمان ہیں۔ ہماری جماعت میں رات شامل ہوئے۔ انھیں کسی طرح کی بھی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔
اس آدمی نے اظہار اطاعت کے لئے سر جھکا دیا۔ خسرو نے اُسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جس حیرت انگیز طریقہ پر آیا تھا۔ اسی طریقے سے دیوار میں غائب ہو گیا۔
روزبہ نے دریافت کیا، کیا ان تمام لوگوں پر جو آپ کے رازدار ہیں آپ کو اعتماد ہے۔
خسرو۔ پورا اعتماد ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی غداری کی اُمید نہیں۔ آئیے، اب باہر چلیں۔
سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ روزبہ نے مشق کرنے کے طریقہ پر کنڈہ کھینچا، دروازہ نمودار ہوا، سب کے سب باہر نکل آئے، روزبہ نے کنڈہ کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔ خسرو ان سب سے رخصت ہو کر باہر چلا گیا۔ اگرچہ یہ سب اگرچہ سمجھ رہے تھے کہ یہاں ہر طرح محفوظ ہیں لیکن پھر بھی کسی قدر خوف زدہ تھے، وہ وقت گذارنے کے لئے کوئی مشغلہ چاہتے تھے۔ اس لئے انھیں تلاش ہوئی کہ کوئی ایسا شغل مل جائے جس سے بآسانی دن گذر سکے۔
جس دن کمرہ میں وہ بیٹھے تھے، اس میں متعدد الماریاں تھیں۔ انھوں نے

الماریوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ قریب قریب تمام الماریوں میں کتابیں تھیں
انھوں نے کتابیں دیکھنا شروع کیں، وہ دیکھتے دیکھتے ایک ضخیم کتاب پر نظر گئی۔
اس کتاب کا نام تھا، "مظلوم سیاوش"!

روزنیہ اس کتاب کو اٹھا لایا۔ مراجل اور سودابہ اس کے پاس آ بیٹھیں
روزنیہ نے کتاب پڑھنی شروع کی۔ دونوں مراجل اور سودابہ سننے لگیں، یہ
کیانی خاندان کے شہزادہ سیاوش کی سوانح عمری تھی۔

سیاوش کیکاؤش کا بیٹا تھا۔ عہد طفلی میں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔
کاؤس نے دوسری شادی کر لی تھی۔ جس عورت سے شادی کی اس کا نام سودابہ
تھا وہ خوبصورت مگر شفتی عورت تھی۔ وہ سیاوش پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے سیاوش
سے اپنی ناجائز خواہش کا اظہار کیا۔ سیاوش اسے اپنی والدہ سمجھتا تھا۔ اس نے
بڑی سختی سے اس کو ملامت کی۔ سودابہ نے تریا چرتر دکھایا۔ کاؤش کو برانگیختہ
کر کے سیاوش کے اس قدر خلاف کر دیا کہ باپ نے بیٹے کو جلا وطنی کا حکم دے دیا۔
سیاوش ایران سے توران چلا گیا۔

توران میں افراسیاب بادشاہ تھا۔ کاؤش اور افراسیاب کے درمیان سخت
دشمنی تھی۔ اکثر دونوں سرگرم پیکار رہتے تھے، لیکن افراسیاب کو سیاوش سے کچھ
ایسی الفت ہو گئی کہ باوجود دشمن کا بیٹا ہونے کے اس سے اپنی چھوٹی بیٹی
فرنگیش کی شادی کر دی۔

صرف اتنا سا حال اس کتاب کے سیکڑوں صفحات میں لکھا ہوا تھا۔ تمام دن میں
صرف اتنا ہی قصہ پڑھا جا سکا۔ جب دن چھپ گیا تو کتاب اٹھا کر رکھ دی گئی۔
اور خسرو کی واپسی کا انتظار کیا جانے لگا۔

کچھ رات گئے خسرو واپس آیا۔ سب نے کھانا کھایا۔ اور سو گئے دوسرے
دن خسرو نے کہا، عنقریب ہماری مجلس کا بڑا اجلاس ہونے والا ہے۔ اگرچہ قادسیہ
میں ایرانیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح نے صورت حال کو بہت کچھ بدل دیا ہے
اور سب کے سب محبان وطن پہلے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں
مگر چند لوگ ایسے ہیں جو کہ یہ چاہتے ہیں کہ یزدگرد کو معزول کر کے کسی اور کو تخت
پر بٹھا کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں، یہ مسئلہ بڑی مجلس میں ہی طے ہو گا۔ کاش اب بھی

یزدگرد سنبھل جائے۔ روزبہ نے کہا، خیال یہ ہوتا ہے کہ شاید اس زبردست ہزیمت کی خبر سن کر یزدگرد سنبھل جائے۔

خسرو۔ مشکل ہے، عشرت کے خوگر ایسی ٹھوکر دل سے نہیں سنبھلا کرتے۔ اس کے بعد مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس طرح کئی دن گذر گئے ایک دن خسرو نے روزبہ سے کہا، آج انقلابیوں کا اجلاس ہوگا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اجلاس اسی مکان میں ہوگا۔

روزبہ نے دریافت کیا۔ کس وقت اجلاس ہوگا۔

خسرو نے جواب دیا۔ آدھی رات کے بعد۔

خسرو اجلاس کی تیاری میں مشغول ہوگیا۔ سارا دن مکان کی صفائی میں گذر گیا دن چھپتے ہی ایک ایک دو دو کر کے لوگ آنے شروع ہوگئے آدھی رات تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ روزبہ نے ان میں ایسے لوگ بھی دیکھے، جو یزدگرد کے بہی خواہ تھے، وہ انھیں انقلابی جماعت میں دیکھ کر نہایت حیران رہ گیا۔

آدھی رات کے بعد وسیع صحن میں اجلاس شروع ہوا، جتنے لوگ تھے اتنی کرسیاں تو کہاں سے آتیں، فرش بچھا دیا گیا سب فرش پر بیٹھ گئے صرف ایک کرسی صدر کے لئے رکھ دی گئی جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی ایک بڈھا آدمی صدر بنایا گیا۔

حاضرین جلسہ میں امیر و غریب، عالم، جاہل، ادیب، مدبر سب ہی طبقہ کے لوگ تھے، ایک شخص نے کہا، ایران کا موجودہ فرماں روا عیش و عشرت کا پیکر، بندۂ نفس، حسن کا ڈاکو، عزت و آبرو کا رہزن ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے بادشاہ کے لئے ایسے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، مگر حقیقت ہیں نظر میں جانتی کہ یہ سچ ہے اور سچ کا اظہار کوئی گناہ نہیں ہے میں اور میرے خیال کے لوگ ایسے فرمانروا کو ملک اور قوم کا بدترین دشمن سمجھتے ہیں، چونکہ ہم نے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی اس لئے وہ اور اس کے مشیر ہمارے سخت ترین دشمن ہوگئے ہیں ہم میں سے جو ان کے ہاتھ آجاتا ہے اسے فوراً قتل کر دیا جاتا ہے۔ جان کے خوف سے ہم چھپتے پھرتے ہیں۔ ہماری جماعت کو انقلابی جماعت کہا جاتا ہے، آج یہ اجلاس اس لئے منعقد ہوا ہے کہ آخری طور پر یہ طے کیا جائے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرے آدمی نے کہا جو کچھ میرے معزز دوست نے کہا وہ صحیح ہے لیکن اسوقت ہمارا ملک بدیشی لوگوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔ عرب جو ہمارے محکوم رہ چکے ہیں ہم کو محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہمیں بادشاہ کی حرکات سے درگذر کر کے حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کا مقابلہ ضروری ہے، ایک تیسرے شخص نے کسی قدر جوش میں آکر کہا۔ ہم حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے۔ مجھے معلوم ہے قادسیہ میں ایرانیوں کو زبردست شکست ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شکست ہمارے لئے نہیں، بادشاہ کے لئے ایک انتباہ ہے لیکن کیا ہمارا بادشاہ جس کے ہاتھ میں ایران کا سیاہ و سفید ہے، اپنی کرتوتوں سے باز آجائے گا۔ یزدان کی قسم کبھی باز نہ آئیگا پھر ہم کیسے اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔

ایک اور شخص نے کہا تعاون تو اس لئے بھی ناممکن ہے کہ بادشاہ اور اس کی حکومت ہماری سخت ترین دشمن ہے۔ ہماری جماعت کا جو آدمی اُن کے ہاتھ آجاتا ہے۔ فوراً قتل کر دیا جاتا ہے۔ جب ہم تعاون کا ہاتھ بڑھائیں گے تو کیا سب قتل نہ کر دیئے جائیں گے۔

ایک بڈھے آدمی نے کہا۔ ناممکن ہے کہ حکومت ہماری تمام جماعت کو انتقام کے جذبہ سے سرشار ہو کر قتل کر ڈالے۔ پھر ایسے وقت، جب کہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اسلامی فوجیں بابل کی طرف بڑھ رہی ہیں، اس وقت مادرِ وطن قربانی چاہتی ہے۔ ہر محبِ وطن کا یہ فرض ہے کہ سب باتوں کو بھول کر اور صرف وطن کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔

ایک نوجوان نے کہا۔۔ بیشک یہی بات ہے، ہم بادشاہ کے خلاف ہیں، ملک کے خلاف نہیں۔ اس وقت ملک معرضِ خطر میں ہے ملک کو اغیار سے بچانے کے لئے تمام نوجوانوں کو سینہ سپر ہو جانا چاہئے۔

خسرو نے کہا۔۔ دوستو بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مادرِ وطن کو بچانے کے لئے اُس کے ہر فرزند کو سینہ سپر ہونا چاہئے۔ لیکن اس وقت جب بادشاہ اپنی نفس پرستی سے تائب ہو جائے۔ ہم سے زیادہ وطن کا قوم کا حکومت کا خیال تو بادشاہ کو ہونا چاہئے۔

چند آوازیں، بے شک یہی بات ہے۔
صدر نے کہا۔ یہ بات نہیں ہے اگر بادشاہ نا اہل ہے یا نا اہل اور خود غرض لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے اور اپنی ناشائستہ حرکات چھوڑ کر ملک و قوم کو نہیں بچاتا تو اہل ملک کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔
ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے بگڑ کر کہا۔ ہم ایسے بادشاہ کو معزول ہی کیوں نہ کردیں۔ جو خود بھی مرتا ہے اور اپنے ہمراہ اپنے ملک کو بھی لئے مرتا ہے۔
صدر:۔ اس طرح ملک میں خانہ جنگی ہو جائے گی۔ اس سے ہماری قوت کمزور ہو جائے گی اور ہم متفق ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔
وہی شخص:۔ یہ بات عمال حکومت کو بھی سوچنی چاہیئے۔
صدر۔ حکومت کے کل پرزے بد اندیش اور خود غرض ہیں۔
چند لوگوں نے کہا:۔ ایسے خود غرضوں کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیئے۔
صدر نے کہا:۔ یہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔
اس کے بعد جلسہ میں ہلڑ سا مچ گیا۔ لوگ الگ الگ باتیں کرنے لگے کوئی حکومت کے ساتھ تعاون پر زور دے رہا تھا۔ کوئی اس کے خلاف تھا۔ عرصے تک یہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔
آخر اس انقلابی جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک نے حکومت سے تعاون کا عزم کر لیا۔ دوسرے نے حکومت میں انقلاب پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا۔
صدر نے یہ کیفیت دیکھ کر جلسہ برخاست کر دیا۔ خسرو نے کھڑے ہو کر کہا۔ دوستو، بد قسمتی سے آج ہماری جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ میں یہ ضرور کہوں گا دونوں جماعتیں اپنے اپنے نکتۂ خیال کے مطابق صحیح راستوں پر ہیں، ہماری جماعت کا فرض ملک کو غیروں سے بچانا اور بادشاہ کو راہ راست پر لانا ہے۔
میں دو باتوں کی آپ تمام اصحاب سے استدعا کرتا ہوں، ایک تو یہ کہ ہمیں آپس میں کشیدہ خاطر نہ ہونا چاہیئے۔ اس کشیدگی سے ہماری جماعت کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ اس بات کا حلف اٹھایئے کہ آپ کشیدگی لے کر نہیں جا رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنگ سے فارغ ہو کر پھر متفق و متحد ہو جائیں۔
اس کے بعد سب ہنسی خوشی رخصت ہوئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد خسرو،

روزنیہ، سودیہ، اور مراجل کمرہ میں جا کر صوفوں پر بیٹھ رہے۔ چونکہ رات زیادہ آگئی تھی۔ اس لئے جلد سو گئے۔

دوسرا باب

خونریز جنگ

قادسیہ کی فتح کے بعد فوراً ہی حضرت سعدؓ نے زہرہ بن حیات کو مقدمۃ الجیش بنا کر بابل کی طرف روانہ کیا۔ ایک ہزار سرفروشان اسلام اُن کے ساتھ تھے، زہرہ کے عقب میں شرجیل بن اسمط حاکم میسرہ کو پانصد مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا۔ شرجیل کے پیچھے ہاشم بن عتب کو پانصد سوار دے کر چلتا کیا۔ شرجیل کے بعد ہی خالد بن عرفطہ جن کو حضرت سعد نے قادسیہ میں اپنا قائمقام بنا کر ایکہزار پرجوش مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے۔

یہ مختصر لشکر چند گھنٹوں توقف سے آگے پیچھے روانہ ہوئے۔ ایرانیوں کے تمام قریوں اور قصبوں میں اس لشکر کی آمد کی خبر پہنچ گئی۔ قادسیہ کی ہزیمت نے ایرانیوں پر ہراس طاری کر دیا۔ وہ مسلمانوں سے ڈرنے لگے تھے ان لشکروں کی آمد یا مسلمانوں کی پیشقدمی نے ان کو متوحش کر دیا۔ وہ گاؤں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے جس گاؤں پر اسلامی لشکر پہنچا اُسے غیر آباد اور ویران پایا۔

ہم ۱۵ھ کا تذکرہ کر رہے ہیں، اس زمانہ میں قیصر و کسریٰ کی فوجیں جب اور جس طرف سے گذرتیں دشمنوں کے مواضعات کو تباہ و برباد کر دیا کرتی تھیں زراعت کو روند ڈالتیں۔ آبادیوں میں آگ لگا دیتیں۔ ممکن ہے اسوقت اس قسم کا کوئی فوجی قانون ہو۔ لیکن اسلامی افواج نے ان باتوں سے احتراز کیا۔ نہ انھوں نے زراعت کو روندا۔ نہ کسی گاؤں میں آگ لگائی۔

زہرہ نے قادسیہ سے بڑھ کر دو روز تک کوفہ میں قیام کیا۔ یہاں اُن سے شرجیل، ہاشم، اور خالد بھی آملے۔ مگر جب یہاں سے کوچ ہوا تو جس طرح حضرت

سعدؓ نے آگے پیچھے لشکروں کو روانہ کیا تھا اسی ترتیب سے یہاں سے روانہ ہوئے کوفہ تک ایرانیوں کا کوئی لشکر مسلمانوں سے نہ ملا نہ کوئی ایرانی ہی نظر آیا۔ زراعت کی حفاظت کرتے ہوئے بھی کوئی ایرانی نہ دیکھا گیا۔ دراصل ایرانیوں پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا تھا کہ وہ لشکر اسلام کے آنے کی خبر سُن کر پہلے ہی فرار ہو جاتے تھے۔ مجاہدینِ اسلام کوچ در کوچ برابر دشمنوں کے مُلک میں گھُستے چلے گئے تھے۔ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قادسیہ سے بھاگنے والے ایرانی تمام دریاؤں اور نہروں کے پلوں کو توڑتے چلے گئے۔ بعض بعض، راستوں کو بھی کاٹ کاٹ کر ناقابلِ گذر بنا گئے تھے۔ چنانچہ اکثر جگہ راستے کٹے ہوئے، اکثر پل ٹوٹے ہوئے ملے۔ مسلمانوں کو راستے ہموار اور قابلِ گذر بنانے، پلوں کو درست کرنے میں بھی بڑی تکلیف اُٹھانا پڑی، مگر انھوں نے کسی تکلیف اور کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کی، ایک مختصر دستہ جس میں صرف اڑھائی سو مجاہدین تھے راستوں کی صفائی اور پلوں کی مرمت کے لئے موجودہ زمانہ کے سفر مینا کی پلٹن کی طرز پر ترتیب دے لیا گیا یہ مختصر دستہ ایک دن پہلے روانہ ہوتا اور راستوں کو صاف اور درست اور پلوں کو قابلِ گذر بناتا چلا جاتا۔ اسلامی لشکر کوفہ سے کوچ کر کے برس میں پہنچا یہ معمولی قلعہ تھا قلعہ نشین مسلمانوں کے ڈر سے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے مسلمان قلعے پر قابض ہو گئے۔ برس کے مضافات میں کچھ زنگی آباد تھے تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ لوگ کب آ کر آباد ہوئے، کون انھیں لایا۔ یہ لوگ سیاہ فام اور دراز قد تھے بالکل ایسے ہی جیسے دمشق[1] کے قریب مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ ایک دن کئی سو زنگی ہر طرح مسلح ہو کر لشکرِ اسلام میں آ گئے۔ اسلامی مختصر لشکر قلعہ برس کے باہر وسیع میدان کے ایک گوشہ میں خیمہ زن تھا مسلمان نہایت بے فکری اور اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف تھے ــ یہ میدان جس میں یہ زمرہ قیام پذیر تھے۔ سرسبز و شاداب اور وسیع تھا تمام میدان میں گھاس اُگی ہوئی تھی، کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی تھے قلعہ کے نیچے ایک چھوٹی نہر تھی۔ نہر کے کنارہ پر ایک

---

[1] زنگی نہایت دراز قد اور قوی الجثہ تھے ملک بجلوۃ کا عیسائی بادشاہ زنگیوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے لڑا تھا، مفصل حالات ہمارے مشہور ناول عرب کا چاند میں ملاحظہ فرمائیں۔ صادق حسین۔

اسلامی لشکر پڑا تھا۔ اسوقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ تمام میدان میں پھیل گئی تھی۔ مسلمان دھوپ سے بچنے کے لئے یا تو خیموں میں بیٹھے تھے یا سرسبز گھاس پر درختوں کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جب مسلمان حجاز سے آئے تھے تو اُن کے ساتھ اس قدر خیمے تھے کہ سب مسلمان خیموں میں رہ سکتے۔

لیکن قادسیہ میں ایرانیوں کی شکست نے انھیں اس قدر خیموں کا مالک بنا دیا کہ نہ صرف تمام اسلامی لشکر کے لئے خیمے کافی ہو گئے بلکہ سیکڑوں خیمے فالتو سمجھ کر مدینہ منورہ بھیج دیئے گئے۔ میدان میں نہر کے کنارے پر خیموں کی قطاریں دُور تک دُور رویہ لگی ہوئی تھیں۔ جب زنگی اسلامی لشکر میں گھسنے لگے تو مسلمانوں نے ان کو ٹوکا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس اسلامی لشکر کے سردار سے ملنا چاہتے ہیں فوراً مسلمانوں نے زہرہ کو اطلاع دی، انھوں نے اجازت دی۔ زنگی اُنکے خیمے پر پہنچے چونکہ زنگی عرصہ سے اس نواح میں آباد تھے، کسریٰ اور کسریٰ کے لشکروں سرداروں، سپہ سالاروں کی شان و شوکت دیکھے ہوئے تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ وہ فاتح قوم جو کسریٰ جیسی زبردست سلطنت کو فتح کرنے کا عزم کر کے آئی ہے اور جس نے قادسیہ میں رستم جیسے طاقتور شخص کو قتل کر کے ایرانیوں کو شکست دی ہے ایرانیوں سے زیادہ شان و شوکت سے رہتی ہوگی۔ لیکن جب انھوں نے اسلامی لشکر کی سادگی، مسلمانوں کی بے تکلفی دیکھی تو حیران رہ گئے!

زہرہ اپنے خیمہ کے سامنے گھاس پر کمبل بچھائے درختوں کے سائے میں بیٹھے تھے۔ وہ ان کی سادگی، ان کا لباس دیکھ کر سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہی صاحب مقدمۃ الجیش کے سپہ سالار ہیں۔ زہرہ کے پاس پہنچکر انھوں نے کہا ہم اس لشکر کے سپہ سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔ زہرہ نے مسکرا کر کہا، آپ بیٹھئے، بتائیے، آپ کو اسلامی لشکر کے سپہ سالار سے کیا کام ہے؟

تمام زنگی بیٹھ گئے، ان میں سے ایک نے کہا آپ ہی اس لشکر کے سپہ سالار ہیں، زہرہ نے کہا، لوگ مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر میں مسلمانوں کا خادم ہوں۔

اسی زنگی نے کہا تعجب ہے آپ اور تمام مسلمان کس سادگی سے رہتے ہیں، آپ نے قادسیہ میں بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے، اس مال نے آپ کو غنی نہیں بنایا۔ زہرہ نے جواب دیا۔ ہم وہ قوم ہیں جو دنیا کی دولت کی پرواہ نہیں

کرتے۔ اگر ہمیں کسریٰ کا وہ تمام خزانہ مل جائے جو نہاوند[1] کے پاس ہے اور جسے ساسانی جمع کرتے چلے آئے ہیں۔ تب بھی ہم اسی حالت میں رہیں گے۔

اس زنگی نے کہا۔۔۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں امان دیں۔

زہرہ نے دریافت کیا کن شرائط پر۔

زنگی۔ جس پر آپ امان دینا پسند کریں۔

زہرہ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ جزیہ دیں۔

زنگی۔ منظور ہے۔

زہرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ راستہ کی صفائی پلوں کی مرمت کرادیں۔

زنگی۔ یہ بھی منظور ہے۔

زہرہ۔ تیسری بات یہ کہ ایرانی لشکر کی خبریں دینے کا وعدہ کریں۔

زنگی۔ جو خبریں ہمیں معلوم ہوں گی وہ ضرور آپ کو پہنچائیں گے۔

زہرہ۔ چوتھی بات یہ کہ اقرار کرنا ہوگا کہ کبھی ہم کو دھوکہ نہ دوگے۔

زنگی۔ اس کا ہم حلف اٹھا کر اقرار کرتے ہیں کہ کبھی دھوکا نہ دیں گے۔

یہ شرائط طے ہوتے ہی اقرارنامہ لکھا گیا۔ ادھر سے زہرہ نے دستخط کئے ادھر سے زنگیوں کے سردار نے جزیہ کی رقم جو صلحنامہ ہوتے ہی ادا کرنی تھی زنگیوں کے سردار نے جزیہ کی ادائیگی کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت طلب کی۔

زہرہ نے کہا۔۔۔ معزز سردار سنو، جزیہ حفاظت کا ٹیکس ہے چونکہ ابھی ہمیں یہ اطمینان نہیں ہے کہ ہم سال بھر تک تمہاری حفاظت کرسکیں گے اس لئے ابھی تم سے جزیہ وصول نہ کیا جائے گا۔ اطمینان ہونے پر ہم تم کو اطلاع دیں گے اسوقت ادا کردینا۔

---

[1] ساسانیوں نے مدائن سے دُور کوہ ورزن پر اپنا خزانہ قائم کیا تھا۔ اس خزانہ کی نہ صرف ایران بلکہ دُور دور شہرت تھی، مشہور تھا کہ اسقدر خزانہ کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہے سندھ و ملک اس خزانہ سے خریدے جاسکتے تھے، ہر ساسانی بادشاہ اس خزانہ میں اضافہ کرتا رہا۔ (از فتوح البجم)

زنگیوں نے نہایت تعجب سے زہرہ کو دیکھا ان کے سردار نے کہا عاملوں اور ایماندار کی
اس کو کہتے ہیں، ہم بہت زیادہ خوش ہیں کہ ایک جابر قوم کی حکومت سے نکل کر
عادل قوم کی حکومت میں آ گئے ہیں۔ یزداں آپ کو فتح و ظفر عطا کرے۔
زہرہ نے دریافت کیا، تمھیں ایرانیوں کے لشکر کی کچھ خبر ہے۔
سردار نے جواب دیا۔ ایرانی لشکر آپ سے بہت قریب ہے اور اس قدر
قریب کہ میں ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سن رہا ہوں!!
زہرہ کچھ متفکر ہوئے۔ انھوں نے کہا کیا تم نے اس لشکر کو دیکھا ہے۔
سردار۔ جی ہاں، دیکھا ہے۔
زہرہ کس قدر لشکر ہے۔
سردار۔ کم سے کم چھ ہزار۔
زہرہ کو اور بھی فکر ہوا، ان کے ساتھ صرف ایک ہزار سوار تھے۔ شرجیل ابھی
اور خالد ابھی یہاں نہ آئے تھے، ایک ہزار آدمی چھ ہزار کا مقابلہ کیسے کر سکتے انھوں
نے پریشان ہو کر دریافت کیا، اس لشکر کا سردار کون ہے۔
سردار نے جواب دیا۔ فراہرز ایک شہور دلاور سردار ہے۔
ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ سامنے سے ایرانیوں کا لشکر نمودار ہوا، اُس کی
زرق برق بیرقیں دھوپ میں چمک اور ہوا میں لہرا رہی تھیں، زہرہ اور اُن
کے ساتھ تمام مسلمانوں نے لشکر کو دیکھا زہرہ نے فوراً ہوشیار ہو کر مسلمانوں کو جلد
سے جلد مسلح ہونے کا حکم دیا۔ مسلمان خیموں کی طرف دوڑ پڑے۔ زہرہ بھی خیمہ
کے اندر گھس گئے۔ جلدی سے زرہ بکتر پہنا، ہتھیار لگائے اور خیمہ سے باہر
تمام مسلمان مسلح ہو ہو کر خیموں سے باہر آ رہے اور گھوڑوں پر زینیں کس رہے
تھے، زہرہ نے بھی اپنے گھوڑے پر خود ہی زین کسنا شروع کیا۔ اس تمام میدان
میں امن و سکون کا قبضہ تھا۔ اطمینان اور اقتدان کا دور دورہ تھا۔ ہلچل شروع
ہو گئی، گھوڑوں کے ہنہانے لوگوں کے ایک دوسرے کو آوازیں دینے سے شور و شغب
شروع ہو گیا۔ ایرانی لشکر برابر تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا تھا مسلمان بھی نہایت
پھرتی سے اور چستی سے گھوڑوں پر زین کس کس کر سوار ہو رہے تھے اتنے میں
ایرانی لشکر قریب پہنچے اور مسلمان ابھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر گھوڑوں پر

سوار ہو گئے۔

زنگی حیرت سے بیٹھے ہوئے ایرانیوں کو آتے مسلمانوں کو مسلح ہو ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ زہرہ نے اسلامی علم ہاتھ میں لیا اسے جنبش دی، پھر برا ہوا میں لہرایا۔ وہ ایرانیوں کی طرف بڑھے ایرانی کچھ دور آ کر رک گئے۔ انھوں نے جلد از جلد صفیں ترتیب دینا شروع کیں۔

زہرہ کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمان سمٹ کر ان کے پیچھے ہو گئے ایرانیوں کے سامنے پہنچ کر زہرہ رکے، انھوں نے تمام مسلمانوں کی صرف ایک صف قائم کی ایرانی جوش میں بھرے ہوئے تھے، ان کی تعداد زیادہ تھی۔ مسلمانوں کو کم دیکھ کر اور دلیر ہو گئے۔ قادسیہ کی جنگ کا انتقام لینے کے لیے سیلاب کی طرح مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ مسلمانوں کو خیال تھا کہ حسب قاعدہ[1] ایرانیوں میں سے کوئی دلاور صف شکن میدان میں نکل کر اپنے مقابلہ کے لئے لڑنے والے کو طلب کرے گا۔ مگر جب انھوں نے ایرانی لشکر کے سیلاب کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو خود بھی مستعد ہو گئے۔ مگر آگے نہ بڑھے، بلکہ جس جگہ کھڑے تھے اسی جگہ کھڑے رہے۔

ایرانی نہایت جوش و خروش سے تلواریں سونتے بڑھ رہے تھے دھوپ میں تلواریں بجلی کی طرح سے چمک رہی تھیں تمام مسلمانوں نے نیزے سنبھال لئے اور اس طرح اکڑ کر کھڑے ہو گئے گویا وہ ان پر جھپٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔

ایک دم ایرانی لشکر مسلمانوں سے ٹکرایا۔ مسلمانوں نے نیزوں سے حملہ کیا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ ایرانیوں کا سیلاب اس طرح پیچھے ہٹا جس طرح امواج آب ساحل سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔

فرامرز ایسے ریشمیں کپڑے پہنے ہوئے تھا کہ جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے، سر پر سونے کا تاج تھا، قربوس، رکابیں، لگام سب نقرئی تھے ڈاب مرصع تھی، تلوار کے دستہ پر جواہرات آویزاں تھے، اسکی ہر چیز دھوپ میں چمک رہی تھی، وہ

---

[1] اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ اول اول ایک ایک آدمی میدان میں نکل کر لڑتا تھا، جنگ کے ہنر دکھاتا تھا پھر جنگ عمومی شروع ہوتی تھی۔ (صادق۔ صدیقی سردھنوی)

قلب لشکر میں کھڑا تھا۔ اُس نے ایرانیوں کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر للکارا۔ ایرانی پھر جوش میں آ کر بڑھے۔ اب مسلمانوں نے بھی حرکت کی، وہ بھی بڑھے پھر دونوں لشکر بڑھے اور پھر ٹکرائے۔

اب مسلمانوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ ایک فریق نے دوسرے پر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ صاف و شفاف ہزاروں تلواریں دھوپ میں بجلی کی طرح کوندیں انسانی سمندر میں تیریں پھر جو ابھریں تو زیادہ تر خون کے فوارے برساتی ابھریں۔ جنگ شروع ہو گئی۔ نہایت خونریز، بڑی ہولناک، دلیر مرنے اور مارنے کے لئے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ خون کے چھینٹے اڑا اڑ کر سرفروشوں کے کپڑوں، زرہ بکتروں، گھوڑوں اور ہتھیاروں پر پڑ پڑ کر جمنے لگے۔ انسانی اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ سر گیندوں کی طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے ٹھوکر کھانے لگے۔

زخمیوں کی چیخ و پکار، قومی نعروں کی آواز، ہتھیاروں کی جھنکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔ ایرانی مسلمانوں کو مٹھی بھر سمجھ کر انھیں کچلنے، پیس ڈالنے فنا کر دینے کے لئے بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔

انکی خارا شگاف تلواریں نہایت تیزی سے چل رہی تھیں۔ مسلمان نہایت ہی استقلال، بڑے صبر سے ڈٹے ہوئے حملے روک رہے تھے، دشمنوں کے وار بچا رہے تھے۔ کبھی کبھی بڑھ کر حملہ بھی کر دیتے تھے، نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔

دونوں فریق پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ دونوں لشکروں کی صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ ایرانی مسلمانوں میں، اور مسلمان ایرانیوں میں گھسے ہوئے لڑ رہے تھے تمام مجاہدین جنگ میں کچھ ایسے منہمک تھے کہ دوست اور دشمن کی پہچان بھول گئے تھے۔ جس کے جو سامنے آجاتا تھا اس پر حملہ کر دیتا تھا۔ مسلمان اگرچہ کم تھے لیکن جس ہمت اور جس استقلال سے وہ لڑ رہے تھے وہ انہی کا حصہ تھا۔

سرفروش مجاہدین نظریں جھکائے نہایت پھرتی، بڑے جوش اور کمال دلیری سے لڑ رہے تھے، ایرانی بہادر ہوتے ہیں۔ ان کی بہادری کے افسانے تاریخوں میں ہر قوم ہیں وہ جب اور جس قوم پر چڑھ کر گئے، فتحیاب ہوئے لیکن اب جس قوم سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ ان سے بھی زیادہ دلیر اور بہادر تھی۔

ایرانی غصہ میں آ آ کر پیچ و تاب کھا کھا کر حملے کر رہے تھے، مگر انکے بنائے

کچھ نہ بنتا تھا مسلمان سنگی چٹانوں، آہنی انسانوں کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ اگر ایک
مسلمان شہید ہوتا تھا، تو پانچ سات ایرانیوں کو پہلے قتل کر ڈالتا تھا۔
مسلمانوں کو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت دیکھتے ہوئے توقع تو تھی ہی نہیں کہ
وہ فتحیاب ہوں گے، سمجھے ہوئے تھے کہ سب کے سب شہید ہوں گے لیکن ان کے تیور
کہہ رہے تھے کہ ان میں سے ہر شخص پانچ چھ دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہونے کا عزم
کر چکا ہے۔ جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے موت اُن سے ڈرتی ہے، مرتے وہی
ہیں جو موت سے ڈرتے ہیں، باوجودیکہ مسلمان کم تھے، مگر مرنے کے لئے تیار نہ تھے
اس لئے موت ان کے پاس تک نہ پھٹکتی تھی۔ وہ کم مر رہے تھے، ایرانی عیش و
عشرت کے خوگر تھے، دنیا کی محبت میں غرق تھے۔ موت سے ڈرتے تھے، قضا ان
کو اپنی آغوش میں کھینچ رہی تھی۔ وہ زیادہ مر رہے تھے۔ لیکن ان کی تعداد زیادہ تھی
مرنے پر بھی ان کی تعداد میں کمی معلوم نہ ہوتی تھی۔ ایرانی افسر سپاہیوں کو جوش دلا دلا
کر بڑھا رہے تھے، ہنگامہ کارزار گرم تھا، سرفروش لس رہے تھے، سبزہ زار زمین
لالہ زار بن گئی تھی۔ اس وقت آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ
میں ناقابل برداشت گرمی آگئی تھی۔ لڑنے والوں کی پیشانیوں سے پسینہ کے قطرے
ٹپک رہے تھے مگر بیشہ شجاعت کے شیروں کو نہ گرمی کی پرواہ تھی نہ پسینہ پونچھنے
کا ہوش وہ نہایت اطمینان اور پورے شغف سے جنگ میں مشغول تھے۔
فرامرز نے ایرانیوں کو جوش دلایا۔ ایرانی جوش میں آکر بڑھے، مسلمانوں نے انھیں
روکنے کے لیے پورا زور صرف کر دیا۔ لیکن ایرانی کچھ ایسے جوش سے بڑھے تھے کہ
باوجود بہت کوشش کرنے کے وہ نہ رکے، مسلمان ان کی زد میں آکر چند قدم پیچھے ہٹے
یہ دیکھ کر زہرہ کو جوش آگیا انھوں نے بلند آواز سے کہا مسلمانو! یہ کیا پست ہمتی ہے،
کیا خدا کے قرب سے بھاگتے ہو، شہادت سے منہ توڑتے ہو، جنت سے بھاگتے ہو
خدا کی نافرمانی کرتے ہو، رکو، سنبھلو، بڑھو، لڑو، اور دشمنوں کو بتا دو کہ تم موت کے
آرزومند ہو۔
اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کو گرما دیا وہ رکے، سنبھلے اور نعرۂ تکبیر بلند کر کے ایرانیوں
پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے نہایت دلیری اور بڑے جوش سے حملہ کیا۔ ایرانی سمجھ رہے
تھے کہ مسلمان پیچھے ہٹتے ہٹتے ہزیمت کھا کر بھاگ جائیں گے مگر جب انھوں نے

سنبھل کر حملہ کیا تو حیران رہ گئے۔ جو وقت مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے حملہ کیا ہے ٹھیک اُس وقت مسلمانوں کی پشت کی جانب سے اس نعرہ کی تکرار کی آواز آئی مسلمانوں نے پھر پھر کر ایرانیوں نے سر اٹھا اٹھا کر دیکھا انھیں مسلمانوں کا دستہ نہایت تیزی سے آتا ہوا نظر آیا، یہ شرجیل اور اس کا رکابی دستہ تھا، انھوں نے دور سے ہی جنگ ہوتے ہوئے دیکھ لی تھی۔ وہ تلواریں سونت سونت کر گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کئے نہایت تیزی سے دوڑے آرہے تھے۔ قریب آتے ہی انھوں نے کوہ شکن حملہ کیا۔ وہ ایسے ایرانیوں پر ٹوٹ کر گرے جیسے کئی دن کا بھوکا خوانِ نعمت پر گرتا ہے۔ ان کی بے پناہ تلواروں نے ایرانیوں کو بڑی سُرعت کے ساتھ کاٹنا شروع کیا۔ ان آنے والے مسلمانوں کا جوش، ان کا دلیرانہ حملہ دیکھ کر تمام مسلمانوں میں جوش کی لہر دوڑ گئی۔

انھوں نے بھی سنبھل کر بڑے زور سے حملہ کیا۔ مسلمانوں کے اس حملہ نے ایرانیوں کو کسقدر پیچھے ہٹایا۔ شرجیل نے آتے ہی ایرانیوں کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا۔ وہ جس طرف حملہ کرتے، جس پر تلوار چلاتے اُسی کو مار ڈالتے، قتل کرنے میں وہ ایسے حریص تھے کہ ہر شخص تمام ایرانیوں کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے۔

مسلمان بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑا دوڑا کر حملے کر رہے تھے، ان کی تلوار موت کا فرشتہ بن گئی تھی، ایرانیوں نے ان کو روکنا، نرغہ میں لے کر قتل کر ڈالنا چاہا لیکن جب کبھی اُن پر یورش ہوئی۔ انھوں نے یورش کرنے والوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔ ایرانی ان سے ڈرنے لگے۔

زہرہ پہلے ہی سے نہایت دلیری اور جوش سے لڑ رہے تھے۔ انھوں نے دور سے دیکھا کہ فرامرز قلب لشکر میں کھڑا ایرانیوں کو جوش دلا رہا ہے وہ سمجھ گئے کہ جب تک فرامرز موجود ہے ایرانی برابر لڑتے رہیں گے، لہٰذا وہ فرامرز کی طرف جھپٹے، ایرانی ان کا یہ ارادہ تو نہ سمجھے کہ وہ فرامرز کی فکر میں بڑھ رہے ہیں لیکن وہ اُن کو قدم قدم پر روکنے لگے۔ وہ بھی انھیں مارتے کاٹتے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ صفوں کو چیر کر فرامرز کے سامنے جا پہنچے۔

اُنھوں نے اس کے سامنے جاتے ہی للکارا۔ اے ایرانی سردار، کچھ جرأت ہے تو مقابلہ میں آ۔

فرامرز بھی بہادر تھا۔ اُسے جوش آگیا۔ وہ گھوڑا بڑھا کر زہرہ کے اوپر جھپٹا۔ اس نے نیزہ سنبھال کر حملہ کیا۔ زہرہ نے نہایت ہوشیاری سے ڈھال پر اس کا حملہ روکا فرامرز دوبارہ حملہ کرنے کے لئے پیچھے ہٹا۔ زہرہ نے بھی نیزہ سنبھالا۔ دونوں نے آگے بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ فرامرز کا ہاتھ بہک گیا۔ اس کا وار خالی گیا زہرہ کا نیزہ فرامرز کے سینہ پر پڑا ایرانی زرہ توڑ کر سینہ کے پار ہوگئی۔ فرامرز نے ایک چیخ ماری۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں وہ چکرا کر گھوڑے سے گرا۔

جب ایرانیوں نے فرامرز کو مرتے دیکھا۔ تو جوش غیظ و غضب نے ان کو دیوانہ بنا دیا۔ انھوں نے سنبھل کر ہر محاذ پہ نہایت شدت سے حملہ کیا مسلمان ان کے حملہ سے گھبرا گئے۔

شرجیل نے مسلمانوں کو ڈانٹا۔ مسلمانوں نے جرأت کر کے پورے جوش سے حملہ کیا۔ اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر ایک اور حملہ کیا ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے وہ پشت پھیر کر نہایت تیزی سے بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ زہرہ نے ان کو روک دیا۔ اس طرح ایرانی اپنی ہزاروں لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان مظفر و منصور ہو کر اپنے کیمپ کی طرف لوٹے۔

سب سے پہلے انھوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی، پھر کھانے پکانے کے انتظام میں مصروف ہوگئے۔ زنگی اُٹھ کر چلے گئے۔ ان کو یقین ہوگیا کہ مسلمان ضرور تمام ایران پر قابض ہو جائیں گے۔

انھوں نے حسب قرار داد اگلے ہی دن دو سو آدمی راستوں کی صفائی اور پلوں کی مرمت کے لئے روانہ کر دیئے۔ مسلمان دو دن برس میں قیام کر کے تیسرے دن بابل کی طرف روانہ ہوئے۔

تیسرا باب

پُر جوش ایرانیوں کا کوچ

یزدگرد نے مسلمانوں کی درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا اُسے معلوم تھا کہ اس کی قلمرو میں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں۔ خود اس کے حکم یا ایماء سے ہی بہت سے مسلمان نشانۂ ستم بنائے گئے تھے ایک عربی پر جمال دوشیزہ قصر شاہی میں قید تھی، مسلمانوں کا وفد آیا۔ وفد نے اُسے سمجھایا لیکن اُس نے مسلمانوں کی درخواست ٹھکرا دی، جس دریائے استبداد میں وہ بہہ رہا تھا برابر بہتا رہا۔

دراصل اُسے زعم تھا کہ ایرانی سلطنت بڑی زبردست سلطنت ہے۔ جس سلطنت نے اس کا مقابلہ کیا۔ زیر و زبر ہو کر رہ گئی۔ مسلمانوں کی اس کے مقابلہ میں ہستی ہی کیا ہے۔ رستم جیسا دلاور، صف شکن دو لاکھ لشکر لئے ساباط میں مقیم تھا، اُسے یقین واثق تھا کہ رستم مسلمانوں کو نہ صرف پسپا کر دے گا بلکہ حجاز پر لشکر کشی کر کے تمام عربستان کو محکوم بنا لے گا اس لئے اس نے نہ مسلمانوں کی درخواست پر کوئی توجہ کی اور نہ ان کی یورش کو اہمیت دی۔

لیکن جب قادسیہ میں ایرانیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ رستم اور اس کا بیٹا مارے گئے، جس لشکر پر اُسے زعم تھا وہ پارہ پارہ ہو گیا تو اُسے ہجوم افکار نے گھیر لیا۔ قادسیہ کی ہزیمت نے اُسے دل شکستہ کر دیا۔ اسے اپنا انجام تاریک نظر آنے لگا۔ اب وہ مسلمانوں کو کچھ سمجھنے لگا۔ اُسے خوف پیدا ہو گیا کہ اگر ایرانیوں نے متفقہ طور پر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا تو عجب نہیں کہ مسلمان سارے ایران پر قابض ہو جائیں۔ اس لیے اُس نے تمام مشیروں اور سارے رئیسوں کو دارالسلطنت میں طلب کیا۔ تاریخیں شاہد ہیں کہ یزدگرد کچھ اچھا بادشاہ نہ تھا، وہ نو عمر تھا، عشرت پسند تھا، عصمت کا رہزن تھا، اس کے طرز عمل سے ایرانی اُس سے ناخوش ہو گئے تھے۔ اور ملک میں ایک انقلاب پسند جماعت قائم ہو گئی تھی، ایران میں

شخصی حکومت تھی، اگرچہ اس زمانہ میں ساری دنیا ہی میں شخصی حکومتیں تھیں، لیکن کہیں کہیں کسی وقت جمہوریت بھی رہ چکی تھی، لوگ جانتے تھے کہ جمہوریت کیا ہے۔ اور کس قدر اس میں برکت ہے۔ لیکن ایران ایسا ملک تھا، جہاں کبھی جمہوریت کا مذاق ہی پیدا نہ ہوا تھا لوگ واقف ہی نہ تھے کہ جمہوریت کیا چیز ہے حکومت میں عوام کا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں۔ یزدگرد بادشاہ تھا۔ اس کا حکم اٹل تھا کیا مجال جو اس کے حکم میں کوئی دخل دے سکے۔ اس کا ہر حکم ماننا پڑتا تھا عدول حکمی کی سزا موت تھی۔ قادسیہ کی وحشت ناک ہزیمت کی خبر سن کر وہ بہت زیادہ گھبرا گیا سارا عیش منغض ہو گیا عشرت خاک میں مل گئی۔ وہ باغ عشرت سے مردہ دلی کے ساتھ کمرۂ خاص کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے غم والم نے ایسا مضمحل کر دیا تھا کہ پاؤں ڈگمگانے لگے تھے، اس نے چلتے چلتے قاصد یا زرہ پوش سے تمام واقعات سُنے۔ وہ مسلمانوں کی تحیّر خیز جنگ کا حال سُن کر حیران رہ گیا۔ اُسے تعجب پر تعجب تھا کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے کس طرح عظیم الشان لشکر پارہ پارہ کر دیا اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے مسلمان جادوگر ہوں اور انھوں نے جادو کے زور سے ایرانیوں کو پسپا کر دیا ہو۔ کمرۂ خاص کے دروازہ پر پہنچ کر اس نے زرہ پوش کو رخصت کر دیا۔ اور خود ایک مسہری پر جا پڑا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ کمرہ بیش قیمت اشیاء سے آراستہ تھا، ہر چیز عطر میں بسی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہر طرف سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں، یزدگرد کے پہنچتے ہی حسن پری چہرہ کنیزیں زرق برق پوشاکیں پہنے آ موجود ہوئیں، ان کے حسن سے تمام کمرہ جگمگا اٹھا کافوری شمعیں بے نور معلوم ہونے لگیں۔ یہ وہی کنیزیں تھیں جن سے یزدگرد کو دل بستگی ہوتی تھی۔ وہ ہر وقت اُن کو چھیڑتا رہتا تھا، ان میں سے ہر کنیز اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنے کے لئے زاہد فریب ادائیں دکھاتی رہتی تھی، آج یزدگرد متفکر تھا، پریشان تھا۔ اُسے ان کی موجودگی سے دل بستگی نہ ہوئی بلکہ اور پریشانی بڑھ گئی۔ انسان کا ضمیر اُسے ہر بات پر انتباہ کرتا ہے مثلاً ایک شخص گانا سننے کا شوقین ہے، ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔ مگر وہ ضمیر کے کہنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ گانا سُنتا ہے، تھوڑی ہی دیر میں گانے سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے گویا ضمیر اور شوق کی جنگ۔ شوق کی شکست، اور ضمیر کی ضحیابی پر ختم ہو جاتی ہے۔

یزدگرد کو عرصے کے بعد ہوش آیا۔ اس وقت جبکہ تباہی دروازہ پر آگئی، اُسے حسن کی دیویاں نور کی پتلیاں، ناز وادا کی پریاں بُری معلوم ہونے لگیں، اس نے ان سب کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ سب کی سب ماہ پیکر لڑکیاں ایک ایک دو دو کر کے چلی گئیں یزدگرد تنہا رہ گیا۔ وہ غم و فکر کے اتھاہ سمندر میں ہچکولے کھانے لگا۔ اسکو اپنی سلطنت کے زوال کا صرف خوف ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا۔ آج اُس نے ناشتہ بھی تناول نہ فرمایا۔ اور نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیا۔ ساری رات ہی کمرہ میں مسہری پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔

صبح کو وہ دس بارہ بجے سے پہلے اٹھنے کا عادی نہ تھا لیکن آج طلوع آفتاب سے پہلے اٹھ بیٹھا۔ اٹھتے ہی اس نے مہران کو طلب کیا۔ مہران حاضر ہوا، یزدگرد نے اُس سے کہا۔ مہران معلوم ہوتا ہے کہ میری خوش بختی کا زمانہ لد گیا۔ ان کمبخت مسلمانوں نے میرا عیش منغص کر دیا۔ کاش تو لیلیٰ کی تعریف میرے سامنے نہ کرتا۔

مہران نے بڑے اطمینان سے کہا، آپ فضول متفکر ہو رہے ہیں۔ مسلمان ایران جیسی سلطنت کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک اتفاقیہ بات ہو گئی کہ قادسیہ میں ایرانیوں کو شکست ہوئی، اس شکست سے تمام ایرانیوں میں جوش پیدا ہو گیا میں حضور کو ایک خوشخبری سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

یزدگرد نے تعجب سے مہران کو دیکھ کر کہا، خوشخبری کیا اس وقت جبکہ سیاہ بختی نے ایران پر ڈیرہ ڈال دیا ہے میرے لئے کوئی خوشخبری ہو سکتی ہے۔

مہران نے کہا، جی ہاں، سنئے انقلاب پسندوں کی جماعت نے تاج اور تخت کی وفاداری کا عہد کر لیا ہے۔

یزدگرد نے نہایت حیرت سے مہران کو دیکھ کر کہا۔ یہ تم کو کیسے معلوم ہوا ہے، مہران نے ایک کاغذ یزدگرد کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ یہ انقلاب پسندوں کی جانب سے ایک درخواست آئی ہے انھوں نے اپنی ناز یبا حرکتوں کی معافی طلب کی ہے۔

یزدگرد نے درخواست لی۔ پڑھی، پڑھ کر بولا۔ فوراً اعلان کر دو کہ انقلاب پسندوں کو عام معافی دے دی گئی ہے۔ یہ ملک کی خوش بختی ہے کہ ایسی خطرناک جماعت تخت و تاج کی وفادار بن گئی ہے کیا تم نے تمام افسروں، رئیسوں اور ملوک کو بھی گشتی مراسلے روانہ کر دیئے ہیں؟۔

مہران۔ عالی جاہ، کر دیئے، انھیں جلد سے جلد دار الخلافہ میں آنے کے لئے لکھ دیا ہے۔

یزدگرد۔ اچھا کیا مہران تم پر ورلیلیٰ کی محبت نے میری ہر قوت پر بڑا اثر کر لیا ہے میں نے اُسے سمجھایا، لالچ دیا۔ دھمکایا سب کچھ کیا لیکن وہ یم تن رام نہیں ہوئی۔

مہران۔ مجھے بھی تعجب ہے کہ کون ایسی عورت ہے جو زر و زیور کے لالچ میں نہیں پھنس جاتی۔ ملکہ بننے کے لئے عفت و عصمت کی قربانی نہیں کر دیتی بلکین لیلیٰ ایسی ضدن ہے کہ مانتی ہی نہیں۔

یزدگرد۔ مجھے کئی دفعہ غصہ آیا جا ہا، اُسے قتل کر دوں لیکن اس کی بھولی صورت نے ہر دفعہ اس کی سفارش کی۔ کم بخت اس قدر حسین ہے کہ اچھے کپڑے نہ ہونے، بناؤ سنگار نہ کرنے پر بھی حسن کی ملکہ، نور کی پتلی، خوبصورتی کا پیکر معلوم ہوتی ہے۔

مہران۔ وہ اس زمانہ کی بے نظیر حسینہ ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن شمع حرم بن کر رہے گی۔

یزدگرد۔ اس کے بھائی کو بلاؤ۔ ممکن ہے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے وہ گھبرا گیا ہو۔

مہران۔ بہت خوب، میں خود ہی اُسے لینے کے لئے جاتا ہوں۔

یزدگرد۔ ہاں جاؤ۔

مہران چلا گیا۔ یزدگرد امید و بیم کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگا۔ کبھی وہ خیال کرتا کہ یقیناً حوروش لیلیٰ کا بھائی عاصم زندہ انسانوں کے قبرستان میں رہتے رہتے گھبرا گیا ہو گیا۔ زندگی سے تنگ آ گیا ہو گا۔ وہ اس بات پر رضامند ہو جائے گا کہ لیلیٰ کو شمع حرم بننے پر آمادہ کر دے کبھی سوچتا، وہ عرب ہے۔ عرب غیور ہوتے ہیں مسلمان جان سے زیادہ عزت کو عزیز سمجھتے ہیں، عاصم مر جائے گا۔ مگر کبھی یہ ذلت گوارا نہ کرے گا کہ اپنی جان بچانے کے لئے لیلیٰ کو ایران کی ملکہ بننے پر مجبور کرے وہ اسی امید و بیم میں تھا کہ مہران گھبرایا ہوا آیا۔ اس کے چہرہ سے غم و فکر کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ یزدگرد اسے دیکھتے ہی کھٹکا وہ سمجھا کہ شاید نہ خانہ کی زہریلی ہوا نے عاصم کا خاتمہ کر دیا۔ جب مہران پاس آیا، تو یزدگرد نے دریافت کیا۔ کیا عاصم مر گیا۔

مہران نے جواب دیا۔ جی مرا نہیں بلکہ فرار ہو گیا۔

یزدگرد۔ نے حیرت سے مہران کو دیکھا۔ تعجب بھرے لہجہ میں کہا۔ بھاگ گیا۔ کس طرح؟

مہران:۔ یہ یزدان ہی کو خبر ہے، یہ مسلمان ضرور شیطان ہیں، ساتوں تالوں میں بند کرنے پر بھی نکل بھاگتے ہیں۔

یزدگرد۔ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھاگ گیا۔

مہران۔ میں نے تہ خانہ میں جاکر تلاش کیا، شمعیں روشن کرا کر ڈھونڈا کونہ میں دیں وہ نہ بولا نہ نظر آیا۔

یزدگرد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ممکن ہے کہ وہ مرگیا ہو۔

مہران نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہوا تھا، لیکن تمام تہ خانہ چھان ڈالنے پر بھی کوئی تازہ لاش نہ ملی۔ مجھے تعجب ہوا آخر تلاش کرتے کرتے جب تہ خانہ کی انتہا پر پہنچے تو دیوار ٹوٹی ہوئی پائی۔

یزدان نے استعجاب بھرے لہجہ میں کہا۔ دیوار ٹوٹی ہوئی پائی؟

مہران:۔ جی ہاں، میں دیوار میں گھس گیا۔ ایک زینہ ملا زینہ طے کرنے پر پھر ایک دیوار ملی۔ یہ دیوار بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ باہر نکل کر دیکھا تو ہرمزان کا قصر تھا۔ یزدگرد کمال متعجب ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا ہرمزان کا قصر!

مہران:۔ حضور والا۔ وہ ہرمزان کا قصر تھا۔ ہرمزان معہ اپنی پری زاد ہمشیرہ کے جوشناہ کے ساتھ بابل گیا ہے۔ قصر غیر آباد ہے اس کم بخت کو...... بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔

یزدگرد۔ جا کہاں سکتا ہے، مدائن کی چار دیواری بہت اونچی ہے۔ دروازہ پر ہر وقت پہرہ رہتا ہے۔ پہرہ والوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر کیسے نکل سکتا ہے۔

مہران۔ بے شک اسے نکلنا نہیں چاہئے لیکن جو شخص اس تہ خانہ سے نکل آیا ہے جو کہ زندہ انسانوں کا قبرستان ہے جہاں سے کبھی کوئی زندہ نہیں نکلا وہ مدائن سے باہر کیوں نہیں جا سکتا یقیناً وہ مدائن سے نکل گیا۔

یزدگرد۔ یہ تو بُرا ہوا۔

مہران۔ حضور والا بہت برا۔

یزدگرد فکر و پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا۔ افسوس جو خبر سننے میں آتی ہے پریشان کن ہوتی ہے۔ اچھا مہران تم جاؤ، پہرہ والوں کو ہدایت

کرو کہ کسی شخص کو بغیر اچھی طرح دیکھے بھالے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی مدائن ہی میں ہے۔

مہران چلا گیا۔ یزدگرد غور و فکر میں گرفتار ہو گیا۔

مہران نے پہرہ والوں کو ہدایت کر دی کہ کسی شخص کو بغیر اچھی طرح دیکھے بھالے نہ نکلنے دیں۔ جس آدمی پر ذرا بھی شبہ ہو فوراً اسے اسیر کر کے میرے سامنے پیش کرو تمام مدائن میں جاسوس چھوڑ دیئے، مگر اس تلاش اور تجسس اور نہ اس روک ٹوک کا کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ نہ عاصم مدائن میں تھا اور نہ اس کا پتہ چلا۔ کئی روز تک اس کی تلاش ہوتی رہی جب وہ نہ ملا تو یقین کر لیا گیا کہ وہ مدائن سے نکل گیا۔ یزدگرد کو عاصم کے فرار ہو جانے کا افسوس تھا۔ لیلے کے رام نہ ہونے کا ملال تھا۔ ایرانیوں کی ہزیمت کا الم تھا۔ وہ زیادہ غمزدہ نظر آنے لگا تھا اب اس کی تمام تر توجہ مسلمانوں سے جنگ کرتے ان کو ہزیمت دینے، ہزیمت کا انتقام لینے کی طرف منعطف ہو گئی تھی، وہ بڑے پیمانہ پر لشکر کی فراہمی میں مصروف ہو گیا تھا، رضا کاروں کی بھرتی شروع کر دی گئی تھی، ایرانی جوق در جوق فوج میں بھرتی ہونے کے لئے دور دور سے کھنچے چلے آرہے تھے، وہ تمام رئیس، امیر، مشیر، ملوک مدائن میں آ گئے تھے، جن کی طلبی کے لئے شاہی حکمنامہ بھیجا گیا تھا، سب اپنے اپنے ساتھ فوجیں لائے تھے۔ بڑی شان و عظمت سے آئے تھے، جب سب آ گئے تب مہران نے یزدگرد کو اطلاع دی۔

یزدگرد کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع روزانہ ہوتی رہتی تھی اسے مجاہدین اسلام کے قادسیہ سے کوچ کرنے برس میں فرامرز سے لڑنے فرامرز کے مارے جانے کی خبر معلوم ہو گئی تھی، یہ بھی اطلاع ہو گئی تھی کہ زنگیوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اور راستے درست کرتے، پلوں کی مرمت کرتے، بابل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسلامی لشکر کے بابل کی طرف بڑھنے کی بھی اطلاع آ چکی تھی، وہ ان خبروں کو سن کر پریشان ہو رہا تھا۔

اسلامی لشکر کی پیش قدمی کی خبریں سن سن کر صرف وہی پریشان نہ ہو رہا تھا، بلکہ تمام ایرانی گھبرا رہے تھے، سارے مدائن پر افسردگی چھانے لگی تھی۔ گھر گھر مسلمانوں کی آمد اور ایرانیوں کی شکست کے تذکرے ہو رہے تھے۔ یزدگرد نے ایک دن لشکر کا جائزہ لیا۔ ڈیڑھ لاکھ کے قریب لشکر فراہم ہو چکا تھا۔ وہ اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر قدرے مسرور ہوا، اس نے تمام بڑے بڑے سرداروں کو قصر میں،

بلایا۔ یہ تمام سردار اور ملوک نہایت بہادر اور تجربہ کار تھے، تمام ایران میں ان کی بہادری کا شہرہ تھا۔ یزدگرد نے ان سب کو اسی روز کوچ کرنے کی ہدایت کی۔ بڑے بڑے سرداروں اور ملوک میں بخرجان، مہرجان، شہرزاد، شہریار خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ یہ لوگ بڑے بہادر، بڑے جنگجو، اور بڑے ہی پختہ کار تھے، تمام لشکر مدائن کی گلیوں سے گذرا۔ عورتیں، بچے، جوان، بڈھے، راستوں کے سروں مکانوں کی چھتوں راستوں کے درختوں پر چڑھ گئے۔

لشکر نہایت شان کے ساتھ روانہ ہوا۔ تمام دن فوجیں راستوں سے گذرتی رہیں، تمام ایرانیوں نے اس لشکر کی فتحیابی کے لئے دعا مانگی۔

یزدگرد مدائن کے صدر دروازہ پر بیٹھ کر لشکر کی روانگی کا منظر دیکھنے لگا لشکر سے تمام راستہ بھرا ہوا تھا۔ پیدلوں اور سواروں کے چلنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ عریض و وسیع دریا میں موجیں اٹھ رہی ہوں!!

اس شاندار لشکر کی روانگی کے شاندار نظارہ کو دیکھکر یزدگرد کمال خوش ہوا، اس نے مہران کو بھی لشکر کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ وہ اس وقت تک بیٹھا رہا، جب تک کہ لشکر کا آخری سپاہی بھی دروازے کے نیچے سے نہ گزر گیا۔

جب تمام لشکر کوچ کر گیا تو وہ دروازے سے اتر کر قصر کی جانب روانہ ہوا۔

چوتھا باب

رہزن ایمان حسینہ

جوشناہ شاہی رسالہ کے چار ہزار آزمودہ کار سوار لے کر قادسیہ کیجانب روانہ ہوا تھا، عاصم اور عبید بھی اس کے ہمراہ تھے، پری پیکر پروین اور رسمین خیزران بھی ساتھ تھیں اسے نہایت تیزی سے چلکر قادسیہ پہنچنے کا حکم تھا۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ قطع منازل طے مراحل کر رہا تھا۔ دراصل جوشناہ یزدگرد سے ناخوش تھا۔ وہ اس کی جیتی پروین، اس کے خاندان والے سب مہران سے نفرت کرتے تھے اسے بدخصلت شیطان سیرت

کمینہ عادات کا انسان سمجھتے تھے۔

یزدگرد نے اُس سے پرویں کے عقد پر زور دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر اُس نے اس شاہی حکم کو نہ مانا تو غضب شاہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ جوشن ماہ کو مہران ایک آنکھ نہ بھاتا۔ پرویں اس کی صورت دیکھنے تک کی روادار نہ تھی، دونوں اس سے سخت متنفر تھے مگر شاہی حکم کی خلاف ورزی بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے جوشن ماہ یزدگرد کی گرفت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ خوشی کی بات تھی جو اُسے قادسیہ جانے کا حکم ہو گیا وہ مسرور ہوا اور اسی وقت روانہ ہو گیا اس نے مدائن سے چل کر بھیرہ شیرہ میں قیام کیا۔ مدائن سے بھیرہ شیرہ کا کچھ بھی فاصلہ نہ تھا۔

دریائے دجلہ کے ایک کنارہ پر مدائن تھا۔ دوسرے پر بھیرہ شیر مگر جوشن ماہ جلد قادسیہ پہنچنا نہ چاہتا تھا اس لیے وہ بھیرہ شیر میں ٹھہر گیا۔ تیسرے دن اس نے بھیرہ شیر سے کوچ کیا اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر قیام کرتا ہوا کوثی پہنچا، کوثی میں وہ کئی دن ٹھہرا۔ جس دن اُس نے کوثی سے کوچ کیا اور بابل کی طرف بڑھا۔ چند میل ہی چلا کہ اسے چند ایرانی بدحواسی سے بھاگے ہوئے آتے ملے۔ اُس نے روک کر اُن سے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے بے اوسان بھاگے چلے آ رہے ہیں۔

ایک ایرانی نے جواب دیا۔ وہ رستم کے ہمراہیوں سے ہیں اور قادسیہ سے بھاگے آ رہے ہیں، جوشن ماہ نے پھر دریافت کیا۔ اس طرح بے اوسان ہوئے کیوں بھاگے آ رہے ہو کیا رستم کو شکست ہوئی، اسی ایرانی نے جواب دیا، جی ہاں، ایرانیوں کو ہزیمت ہوئی رستم اور اس کا بیٹا مارے گئے، عظیم الشانی ایرانی لشکر پارہ پارہ ہو گیا، جوشن ماہ پری زاد پرویں، علیدا اور عاصم اس نوید جانفزا کو سن کر کمال مسرور ہوئے جوشن ماہ نے مسکرا کر دریافت کیا اب مسلمان کہاں ہیں؟

وہی ایرانی:۔ ہمارے پیچھے بھاگے چلے آ رہے ہیں، یزدان کی قسم مسلمان پتھر یا لوہے کے انسان ہیں، مٹی یا گوشت پوست کے بنے ہوئے نہیں ہیں، کم بخت مرنا اور پیچھے ہٹنا تو جانتے ہی نہیں۔

جوشن ماہ:۔ اب تم کہاں جا رہے ہو۔

وہی ایرانی۔ مدائن۔

جوشن ماہ۔ مدائن میں جا کر غضب شاہی میں گرفتار ہو جاؤ گے یزدگرد میدان جنگ

سے بھاگ کر آنے والوں کو سولی پر لٹکا دیتا ہے تم میرے ہمراہ واپس چلو۔

تمام بھاگ کر آنے والے ایرانیوں نے کہا۔ صاحب مسلمانوں کے سامنے جانے سے سولی پر لٹک کر مر جانا اچھا ہے۔ اُن کی صورتیں دیکھ کر دلیں ہول بیٹھ جاتا ہے جوشن ماہ نے ہر چند ان لوگوں کو روکا مگر وہ نہ رکے بھیرہ شیر کیطرف بھاگے چلے گئے۔ جوشن ماہ مقام و کوچ کرتا رہا۔ اُس کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبریں ملتی رہیں۔

جس روز وہ بابل[1] پہنچا ہے اُسی دن اُسے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے فرامرز کو مار ڈالا قلعہ برس پر قبضہ کر لیا۔ زنگیوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی اُسے ان متوحش خبروں کے سننے سے کوئی فکر نہیں ہوا، اُس نے قلعہ کی مرمت شروع کرا دی، ہزاروں آدمی پختہ فصیل کی درستی پر مامور ہو گئے۔

---

[1] بابل دریائے فرات کے دونوں کناروں پر تقریباً ایکہزار سال قبل مسیح آباد کیا گیا تھا نہایت وسیع اور شاندار شہر تھا یوں تو عام بادشاہ جو اس پر حکمراں رہے اسکی رونق دوبالا کرنے میں سعی کرتے رہے لیکن خاص طور پر نمرود اور بخت نصر بادشاہوں نے اسے شاندار بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا اس شہر کی چار دیواری یا فصیل ۳۰ فٹ سے بھی بلند تھی ہر چہار جانب ۲۵۔ ۲۵ عالیشان دروازے تھے ایک دروازہ دوسرے دروازہ سے چھ فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔ چار دیواری کی ہر دیوار تقریباً ۱۵ میل لمبی تھی سارے شہر کا رقبہ تقریباً ۶۰ میل تھا ہر دروازہ سے ایک وسیع سڑک شہر کے اندر دوسرے دروازہ تک سیدھی نکالی گئی تھی، اس طرح ۲۵ سڑکیں شرقاً غرباً اور ۲۵ سڑکیں ان سڑکوں کو کاٹتی ہوئی شمالاً جنوباً تھیں۔ شہر کے اندر مرغزار باغیچے ہزاروں بیگھے مزروعہ آراضی تھی، شہر کے اندر وسط میں دریائے فرات لہریں لیتا رہتا تھا، اس دریا پر بند لگا کر متعدد نہریں نکالی گئی تھیں جو باغات اور مزروعہ آراضی کو سیراب کرتی تھیں جس جگہ سے دریا شہر میں داخل ہوتا تھا اور جس جگہ دوسری طرف باہر نکلتا تھا عالیشان دروازے بنا کر موٹی موٹی سلاخوں سے بند کر دیئے گئے تھے بانیان شہر نے یوں تو نہایت شاندار عمارتیں بنائی تھیں مگر قیلوس دیوتا کا مندر خاص طور پر قابل ذکر اور رفیع الشان تھا۔ یہ مصر کے مخروطی میناروں کی وضع پر بنایا گیا تھا۔ یہ مندر سطح زمین سے ۸۰۰ فٹ کی بلندی پر بنایا گیا تھا۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹ پر)

روزانہ ایرانی قادسیہ اور برس کی طرف سے غول کے غول بھاگ بھاگ کر آتے رہے ان بھاگ کر آنے والوں میں زیادہ تعداد ایسی تھی، جنھوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تک نہ تھا۔ محض ان کی پیشقدمی کی خبر سن کر گاؤں اور قصبے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ مگر جو لوگ روزانہ آرہے تھے وہ مسلمانوں کے متعلق عجیب و غریب خبریں بیان کرتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ مسلمان نہیں ہیں، جن ہیں، سوار کو مع گھوڑے کے اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ گھوڑا ان سے تیز نہیں دوڑ سکتا۔ کوئی کہتا ہے کہ بھوت ان کے محکوم ہیں وہ جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہی گر کر تڑپنے لگتا ہے اور تڑپتے ہی تڑپتے مرجاتا ہے۔ بھوت اس کا گلا گھونٹ ڈالتے ہیں اسی قسم کی عجیب عجیب باتیں ان کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔

ان باتوں کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ایرانیوں پر مسلمانوں کا خوف بیٹھا جارہا تھا اگرچہ ابھی مسلمان ان سے دور تھے، لیکن ایرانیوں کے خوف کی وجہ سے بُرا حال تھا انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسلمان بابل میں آگئے ہیں اور اُن کے محکوم بھوت اور جن اُن کے گلے گھونٹ رہے ہیں، یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ فاتح قوم کے متعلق ہمیشہ ہر زمانہ میں محیر العقول قصے بیان ہوتے رہے ہیں۔

مسلمان فاتح قوم تھی اس لئے اس کے متعلق بھی ایسے قصے بیان ہونا ضروری تھے۔ بابل پہنچکر عاصم اور عبید نے جوشن ماہ سے رخصت کی اجازت چاہی جوشن ماہ نے اجازت نہ دی۔ اور باصرار انھیں اپنے ہی پاس قیام کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ عاصم اور عبید اسلامی لشکر میں جانے کے لئے بے قرار تھے لیکن وہ جوشن ماہ کو اپنا محسن سمجھتے تھے۔ بغیر اس کی مرضی کے نہ جانا چاہتے تھے۔

یہ بات عجیب تھی کہ جوشن ماہ انھیں اپنے پاس سے جانے بھی نہ دیتا تھا اور

(بقیہ صفحہ ۲۸ کا) بخت نصر کے بعد تے کے زمانہ میں بابل پر شاہ ایران نے قبضہ کر لیا تھا۔ اگرچہ بعد میں وہ رونق اور عجوبہ عمارتیں تو نہ رہیں جن کی وجہ سے بابل دنیا بھر میں مشہور رہا تھا۔ لیکن پھر بھی نہایت شاندار اور بارونق شہر تھا۔ استبداد زمانہ نے جس طرح اور دیرینہ یادگاریں مٹادیں اسی طرح اس عجوبہ روزگار شہر کو بھی مٹا دیا اب اس مشہور شہر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ (صادق صدیقی)

ان سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتا تھا۔ ان سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اکثر بے مروتی سے بھی پیش آتا تھا۔ البتہ ہرمزان خوب ان سے گھل مل کر باتیں کرتا تھا۔ عاصم اور عبید جوشن ماہ کے اس رویہ کو حیرت سے دیکھتے تھے کبھی کبھی وہ آزردہ خاطر بھی ہو جاتے تھے۔ مگر احسان فراموشی کر کے بغیر اس سے اجازت لئے اسلامی لشکر میں جانے پر تیار نہ تھے۔ عاصم اور عبید ایرانیوں میں رہ کر یاد خدا سے غافل نہ ہوئے تھے۔ وہ پانچوں وقت نماز پڑھتے اور مسلمانوں کی فتح اور گلعذار لیلیٰ کی دعائیں مانگتے اکثر جوشن ماہ انھیں نماز پڑھتے دیکھتا اُن سے مذہبی باتیں دریافت کرتا۔ بحث و مباحثہ کرتا۔ وہ دونوں سمجھ ہی نہ سکے کہ جوشن ماہ کس قسم کا انسان ہے اُسے مسلمانوں سے نفرت ہے یا محبت، اسلام کو کیا سمجھتا ہے، البتہ ہرمزان نہایت دلچسپی سے اسلام کے فضائل سنتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ دلچسپی گلعذار پروین اور رستم روز گار خیزران لیتی تھیں وہ دن رات کے زیادہ حصے ان دونوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سن کر گذارتی تھیں۔

عاصم کو پروین کی ہر بات ہر ادا بید بھلی معلوم ہوتی تھی۔ جب وہ حیات بخش تبسم سے مسکرا کر شوخی آمیز نظروں سے اُسے دیکھ کر باتیں کرتی تو وہ کچھ کھویا سا جاتا اس کے رُخ زیبا کو دیکھتا رہتا۔

جس طرح چکور چاند کو تکے جاتا ہے وہ اس کی چاندنی صورت، پھول سے رخسارے سیاہ مست و نشیلی آنکھیں۔ پتلے پتلے عنابی لب۔ موتیوں کی لڑی جیسے خوشنما دانتوں کو بے تحاشا تکتا رہتا۔

جب گلعذار پروین باتیں کرتی ہنستی یا مسکراتی تو اس کے پیارے چہرہ پر شہابی رنگ دوڑ جاتا۔ منہ سے پھول جھڑنے لگتے۔ انگھڑیوں بجلیاں بھر جاتیں۔ ایسی حالت میں عاصم کیا جو بھی اُسے دیکھتا ہزار جان سے اس پر مفتون ہو جاتا۔

خیزران بھی انہی کے لگ بھگ حسین تھی وہ شوخ و طرار تھی اس کی بوٹی بوٹی پھڑکتی تھی، گویا اس کی رگوں میں خون نہ تھا شہابی پارہ تھا۔ وہ جو بات کہتی تھی مسکرا کر ہنس کر اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں دل چرانے والی شرم لبوں پر سحر کن تبسم رہتا تھا۔ وہ ہر وقت ہنستی اور ہنسائی رہتی تھی مگر عبید کی حالت سب سے الگ تھی وہ خاموش سا رہتا۔ بہت کم باتیں کرتا تھا ہنستا تو کبھی تھا ہی نہیں، افسردہ خاطر، مغموم،

متفکر اور پریشان رہتا تھا۔
ہر چند خیزران اُسے خوش کرنے کی کوشش کرتی، اُس پر آوازے کستی، اسے چھیڑتی لیکن وہ خدا کا بندہ جواب دینا نہ ہنستا بلکہ صُمٌ بُکمٌ رہتا۔
بابل جیسا کہ ہم ضمنی نوٹ میں بیان کر آئے ہیں نہایت دلفریب اور پاکیزہ شہر تھا، اس کا چپہ چپہ سرسبز و شاداب اور فردوس نژاد تھا۔ شہر کے اندر بیش باغ اور پارک تھے۔ سبزہ سے لدی ہوئی کناروں والی سڑکیں تھیں، باغوں اور باغیچوں، چمنوں میں پانی کی چھوٹی چھوٹی نہریں جاری تھیں۔ پھولوں سے لدے ہوئے پودے، بیلیں اور درخت تھے۔ ان کی عطر بیز خوشبو سے تمام بابل مہکا رہتا تھا۔
ایک دن عاصم تنہا ایک پارک میں چلا گیا۔ یہ پارک اسی قصر کے قریب تھا۔ جس میں جوش ماہ مقیم تھا۔ اکثر وہ عبید، رنگ قمر پروین، پریزاد خیزران اسی پارک میں آتے رہتے تھے۔
عصر کا وقت ہو گیا تھا اُس نے نہر پہ بیٹھ کر وضو کیا۔ پھولوں سے گھرے ہوئے سبزہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ یہ جگہ بے حد دل فریب اور جاذب نظر تھی نرم نرم پر ہری ہری دوب جمی تھی۔ چاروں طرف سبز سبز مہندی کی ٹٹی تھی۔ خوش رنگ پھولوں کی بیلیں مہندی کی ٹہنیوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگ کے پھول کھل رہے تھے، ان کی بھینی بھینی خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی۔
جس وقت عاصم نماز پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حور وش پروین اس کے پاس آ کر اُسے دیکھنے میں محو ہو گئی تھی، اس وقت اس بت ہوشربا نے پیازی رنگ کی باریک پوشاک زیب تن کر رکھی تھی، اپنی سیاہ مشکبو زلفوں میں چنبیلی کے سفید پھول لگا رکھے تھے۔ بڑے بڑے سفید آبدار موتیوں کے ہار خوبصورت حنا رنگ سر پر نہایت سلیقہ سے لپیٹ رکھے تھے۔ ہار کی کچھ لڑیاں دونوں طرف کانوں کے پاس لا کر چھوڑ دی تھیں، جن کا سفید رنگ روئے تاباں میں کھپا جاتا ہے۔
آفتاب کی طلائی کرنیں اس حور جمال کے پھول سے رخساروں میں جذب ہو ہو کر بجلی جیسی تڑپ پیدا کر رہی تھیں۔ اس مست شباب کی رنگینیاں اس کے پھول سے گالوں کی شادابی آنکھوں میں لال لال ڈوروں کا جال کچھ ایسے

کیف آگیں تھے کہ دیکھنے والا اس بت طنّاز کو دیکھتے ہی رہ جاتا ہے۔

عاصم نماز سے فارغ ہوا، دعا مانگ کر اٹھا۔ اس کی نظر بلا تک فریب ایران کی حسینہ پر پڑی۔ وہ حسن کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ محبت کا بے پایاں دریا اس کی آنکھوں میں لہریں لینے لگا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

پروین حوروں کی شان سے قیامت کو رفتار ناز سے بیدار کرتی بڑھی عاصم کے پاس پہنچی اپنے اس پرستار کو محو دید پا کر شرما گئی۔ ملکوتی صفات نازنین کے شرما نے محبت کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ عاصم پر سرشارانہ کیفیت طاری ہو گئی وہ اس طرح جھومنے لگا جیسے پروین کی آنکھوں کے پیالوں سے اس نے شراب پی ہو۔

پروین نے نغمہ زا آواز سے کہا۔ تم کس پُر فریب منظر کے نظارہ میں کھوئے گئے ہو۔

پروین کی سُریلی آواز عاصم کو ایسی معلوم ہوئی جیسے فردوس کی نغمے شروع ہوں حوروں کی سی ترنم خیز آواز نے اس پر وجدانی کیفیت طاری کر دی۔ اُس نے اپنی بیٹی بیٹی آنکھیں پروین کے رُخ زیبا پر جما رکھی تھیں وہ اس حور طلعت کے چہرۂ زیبا کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ اس گل تر کو آنکھوں کی کھڑکیوں کے راستہ دل کے اندر رکھنا چاہتا ہے۔

پروین پر حوروں جیسی حیا، پھولوں جیسی شادابی، چاند جیسی دل فریبی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بھی عاصم کی محبت بھری نظروں سے محبت کے پیالے پر پیالے چڑھائی رہی تھی۔ اس کی مست اور نشیلی آنکھڑیاں اور بھی مست ہو گئی تھیں۔ اس نے پھر کہا۔ عاصم تم بولتے نہیں، بتاؤ کیا دیکھ رہے ہو۔

عاصم آہستہ آہستہ حسن کی گہرائیوں سے نکلا، کچھ ہوشیار ہوا، اور آہستہ سے بولا، خدا کی بہترین صنعت کا نظارہ دیکھ رہا ہوں۔

پروین کے مسیحا صفت لبوں پر ہلکا تبسم لوٹنے لگا اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، خدا کی بہترین صنعت؟ ... وہ کیا ہے؟

عاصم نے سرشارانہ حالت میں کہا اس کی کاریگری کا بہترین نمونہ، حسن کی جیتی جاگتی تصویر ......

پروین نے قطع کلام کر کے کہا ــــ وہ کہاں ہے؟

عاصم نے اس بُت ہوشربا کے شاداب رخساروں پر نظریں جما کر کہا ــــ میرے سامنے!!

پروین نے مصنوعی تعجب سے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا سامنے تو سبزہ زار چمن ہے کیا تم چمن کو دیکھ رہے ہو عاصم!

عاصم نے آہ سرد بھر کر کہا ــــ ہاں اس چمن کو جس پر ہزاروں چمنوں کی رنگینیاں نثار ہیں۔

پروین :۔ کیا مجھے اس چمن کو نہ دکھاؤ گے۔

عاصم :۔ تم!..... تم دیکھ سکتی ہو پروین۔

پروین :۔ دکھاؤ۔

عاصم :۔ آؤ میں دکھاؤں۔

عاصم بڑھا اس نے پروین کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس بُت ہوشربا کا گداز اور پھولوں کی رنگت والا ہاتھ عاصم کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے نازک اور شاداب پنکھڑیوں والے پھولوں کو ہاتھ میں لے لیا ہو وہ نہر کی طرف بڑھا۔ پروین ہمراہ چلی۔ دونوں نہر کے کنارہ پر پہنچے۔ نہر میں صاف اور شفاف پانی بہہ رہا تھا۔ اس کی تہ آئینہ کی طرح صاف تھی۔ کنارہ پر کھڑے ہوئے پھولوں کا عکس پانی پر پڑ پڑ کر چمک رہا تھا۔ عاصم نے کہا اے رشک چمن اس چمن کو دیکھو جس پر ہزاروں چمنوں کی رعنائیاں نثار ہیں۔

پروین نے جھانک کر دیکھا، ایک حسن کی پتلی، نور کا پیکر، شادابی کا مجسمہ رعنائی کی تصویر سامنے کھڑی نظر آئی۔ وہ اُسے دیکھ کر جھجک گئی۔ عاصم نے دریافت کیا۔ تم نے دیکھا، خدا کی بہترین صنعت کا نمونہ دیکھا۔ ایران کی بہترین حسینہ کو دیکھا۔ پروین مسکرائی اُس نے کہا تم بڑے شریر ہو عاصم۔ عاصم محبت کا دیوتا بنا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔

۔ تم چمن روزگار کی بہترین تصویر ہو پروین!!

پروین نے کہا اور تم کیا ہو؟

عاصم :۔ میں محبت کا دیوتا، حسن کا پرستار، تمہارا پجاری ہوں۔

پروین :۔ کیا یہ سچ ہے عاصم۔

عاصم :- بالکل سچ ہے مجھے والہانہ عشق ہے، کہیں تم پہلے جنم میں حور تو نہ تھیں پروین؟

بے ساختہ پروین کی ہنسی نکل گئی، ہنسنے سے اس کے باریک عنابی لب کھل کر موتیوں کی لڑی جیسے سفید دانت چمکنے لگے رخسار ترو تازہ ہوکر رنگینیوں میں ڈوب گئے۔ آنکھوں میں بجلیاں چمکنے لگیں، اُس نے کہا، آہا ہا، بالآخر تم بھی آواگون کے قائل ہو گئے عاصم!

عاصم :- تمہارا حسن، تمہاری رعنائی، تمہاری محبت مجھے سب باتوں کی قائل بنا دے گی پروین!

پروین نے متین صورت بناکر کہا ـــــ عاصم کیا تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔

عاصم نے ایسی نظروں سے جن میں حیرت اور افسوس کی مخلوط جھلک پائی جاتی تھی، پروین کے متین چہرہ کو دیکھ کر کہا، کیا تم کو میری محبت میں شبہ ہے۔

پروین نے خوبصورت آنکھیں جھکا کر کہا ـــ ہاں شبہ ہے، مسلمان کبھی کسی سے محبت نہیں کرتے۔

عاصم :- کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ مسلمان کے دل میں محبت کے جذبات نہیں ہوتے۔

پروین :- میں ایسا ہی سمجھتی ہوں۔

عاصم :- نہیں پروین جب مسلمان کسی سے محبت کرتا ہے تو اُسی کا ہو رہتا ہے۔

پروین نے اپنا ہوشربا نگاہوں سے جن میں شراب حسن نے رنگینی پیدا کر دی تھی۔ عاصم کو دیکھ کر کہا ـــ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اس لئے میرے ہو، عاصم۔

عاصم اس کی نگاہوں سے مدہوش ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور تمہارا ہی ہوں پروین!

پروین :- دھوکہ تو نہ دو گے؟

عاصم :- کبھی نہیں۔

پروین :- بدل تو نہ جاؤ گے۔

عاصم :- ہرگز نہیں۔

پروین :- بس تو تم میرے اور صرف میرے ہی بن جاؤ۔

عاصم :۔ میں تمہارا اور صرف تمہارا ہی ہوں !

پروین :۔ زبانی اقرار سے کچھ فائدہ نہیں ۔

عاصم :۔ اور کیا چاہتی ہو میری حور ۔

پروین نے محبت بھری نظروں سے عاصم کو دیکھتے ہوئے کہا ۔ تم اسلام کو چھوڑ دو زرتشتی بن جاؤ !!

جس طرح انسان کے پھول چنتے چنتے دفعتاً کانٹا چبھ جائے اور وہ چونک پڑے یا کسی کے گیسوئے دراز کے دھوکہ میں کوئی سیاہ ناگن ہاتھ میں آجائے اور وہ ڈس لے اور پاس سے انسان ایک دم اچھل پڑے اسی طرح عاصم چونک پڑا وہ حسن کی گھرائیوں اور محبت کے جال سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا ۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے ماہ پیکر پروین کو دیکھا ، پروین نے مست نگاہوں سے شراب محبت کیف آگیں ڈوڈوبے ڈالتے ہوئے عاصم کو دیکھکر کہا ۔ تم حیران ہو رہے ہو ۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے ۔ ہماری محبت میں مذہب کی جو خلیج حائل ہے ۔ اسے پاٹ دو ۔

عاصم نے ٹھنڈا سانس بھر کر نظریں جھکالیں ۔ اس نے کہا ، او نور حسن میں تجھے دل دے چکا ہوں ، جان دے سکتا ہوں ، مگر ایمان نہیں دے سکتا ۔

پروین اس طرح چونکی جیسے کسی نے اس کے ننھے دل میں چٹکی لی ۔ اس نے کہا ۔ کیا تمہاری محبت جھوٹی تھی ۔ کیا تم مجھ سے فریب کر رہے تھے ۔

پروین کو قدرے طیش آگیا تھا ۔ طیش سے دوران خون تیز ہو کر اس کی شہابی رنگت نکھر آئی تھی ۔ وہ شعلۂ جوالہ معلوم ہونے لگی تھی ۔ اس کے گورے گورے گالوں سے گلابی رنگ ٹپکنے لگا تھا ۔

عاصم نے اس پری پیکر کو طیش میں دیکھا ۔ وہ اس کی برق فشان آنکھوں سے نگاہیں چار نہ کر سکا ۔ اس نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا ۔ پروین میں نے فریب نہیں دیا ۔ مسلمان دھوکہ دینا نہیں جانتے ۔ لیکن او بھولی صورت والی تو نے مجھے فریب دیا ۔ تو نے میری رگ رگ میں محبت کے جراثیم اس لئے بھرے کہ مجھے بے خود بنا کر ٹھگے ۔

او میرے دل کو چرانے والی تو نے اس لئے مجھ سے لگاوٹ کی کہ میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالے ۔ عاصم کو جوش آگیا ۔ اس کے بشرہ پر سرخی دوڑ گئی ۔ اور آنکھوں

سے بجلیاں نکلنے لگیں۔ پروین اس کی یہ کیفیت دیکھکر مرعوب ہوگئی۔ وہ ادا اے جانانہ سے اٹھلاتی ہوئی بڑھی۔ عاصم کے پاس آئی۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر بولی۔ عاصم میں چور نہیں۔ ڈاکو نہیں۔ تم سے محبت کرتی ہوں، تمھاری پرستار ہوں جب تک تم وہ مذہب اختیار نہ کرو جو میرا ہے میں تمھاری نہیں ہوسکتی۔

عاصم نے کچھ کہنا چاہا۔ پروین نے رُوک کر کہا پہلے وہ سب سُن لو جو مجھے کہنا ہے یہ میری خواہش نہیں کہ تم اس دین میں آجاؤ جو میرا ہے، میں ان پست خیالات سے بالاتر ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں ___ اور کرتی رہوں گی۔

عاصم نے قطع کلام کرکے دریافت کیا۔ پھر کون چاہتا ہے کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں ___؟

پروین نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر جواب دیا۔ میرا باپ جوش ماہ! اُس نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ جب تک عاصم ہمارے مذہب میں داخل نہ ہوگا اس سے کوئی رشتہ قائم نہ کیا جائے گا۔

عاصم نے اپنا سر جھکا لیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ پروین نے کہا، عاصم میرے باپ کی ضد پوری کردو۔ اسلام چھوڑ دو۔

عاصم نے پروین کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ اس نے کہا پروین یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

پروین اسکی طرف بڑھی وہ اس کے پاس پہنچکر دوزانو کھڑی ہوگئی اس نے اپنے خوب صورت اور نازک ہاتھوں کو جوڑکر کہا۔ عاصم مان جاؤ، میں منت کرتی ہوں، مان جاؤں۔

عاصم نے کہا:۔ پروین یہ غیر امکان ہے۔ ایک مسلمان سب کچھ کر سکتا ہے لیکن مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

پروین نے عاصم کا دامن پکڑ لیا۔ اس کی موتی موتی ٹر نگیں آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں نکلنے لگیں، اس نے کہا، عاصم ضد نہ کرو، میری رگ رگ میں تمھاری محبت اثر کرچکی ہے اگر تم نے اپنا مذہب نہ چھوڑا تو میرا باپ مجھے تم سے ملنے کی کبھی اجازت نہ دے گا۔ اور جب تم سے ملنا چھوٹا تو میری موت یقینی ہے۔

عاصم نے اس کے دست نازک سے اپنا دامن چھڑاتے ہوئے کہا پروین میری

اور تمھاری دونوں کی موت یقینی ہے، میں اپنا مذہب نہ چھوڑوں گا تمھارا باپ اپنی ضد نہ چھوڑے گا۔ بڑھی ہوئی محبت مجھے اور تجھے دونوں کو گھلا گھلا کر مار ہی ڈالے گی۔

پروین نے ایسی یاس بھری نظروں سے جن میں مایوسی کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں، عاصم کو دیکھ کر کہا، آہ عاصم مجھ پر رحم کرو۔ مجھے بچالو۔

عاصم آبدیدہ ہو گیا، اس نے کہا، پروین میں مجبور ہوں، ممکن ہے تیری محبت کا دریا پایاب ہو جائے تو مجھے بھول جائے لیکن میں . . . آہ میں مر کر بھی تجھے نہ بھولوں گا۔ زیر مزار بھی میری روح بیقرار رہے گی۔

پروین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بابل کے قلعہ میں شور عظیم پیدا ہوا، پروین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اور عاصم نے حسرت سے بابل کی فصیل کی طرف دیکھا، لوگ ٹھٹ کے ٹھٹ فصیل پر جمع ہو رہے تھے۔ وہ کوثیٰ کی طرف دیکھ دیکھ کر خوش ہو ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔

یہ دونوں بھی آہستہ آہستہ چل کر فصیل پر پہنچے انھوں نے دیکھا کہ ایرانیوں کا عظیم الشان لشکر بابل کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ عاصم اس لشکر کو دیکھ کر کسی قدر متفکر ہو گیا۔ وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا پروین اُسے دیکھنے لگی۔ دفعتاً انھوں نے نعرۂ تکبیر کی دل ہلا دینے والی آواز سنی۔ انھوں نے پلٹ کر دیکھا، قادسیہ کی جانب سے اسلامی لشکر نہایت شان کے ساتھ آرہا تھا اسلامی علم ہوا میں لہرا رہا تھا عاصم نے مدت کے بعد مسلمانوں اور اسلامی علم کو دیکھا تھا۔ اس لئے وہ نہایت مسرور ہوا۔

پانچواں باب

اشتباہ

ماہ پیکر پروین نے بھی اسلامی لشکر کو دیکھا، مسلمان قلعہ سے فاصلہ پر آکر رک گئے عاصم برابر انھیں دیکھ رہا تھا۔ پروین نے عاصم کی طرف دیکھا اُس نے ٹھنڈا سانس

بھرا، ایسا ٹھنڈا سانس بھرا جس نے عاصم کو بیقرار کر دیا۔

عاصم نے اس حوریہ کو دیکھا۔ اس کی پیاری اور دلفریب نظروں سے غم و حسرت ٹپک رہے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ اُس پری پیکر کو دیکھکر عاصم چپ رہتا، اس نے پوچھا کیا بات ہے پروین۔

پروین نے جواب دیا۔ کچھ نہیں عاصم، میری طبیعت کچھ گھبرانے لگی ہے، آؤ چلیں!

عاصم:۔ کہاں۔

پروین:۔ قصر میں خیزران اور اباجان میرے منتظر ہوں گے۔

عاصم:۔ کیا مجھ سے خفا ہو گئی ہو۔ میری حور۔

پروین:۔ ان مصنوعی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں، تم نے مجھے فریب دیا، جس قدر خوش تم آج مسلمانوں کو دیکھ کر ہوئے ہو اس قدر آج سے پہلے نہ ہوئے تھے، تم نے مجھے تباہ کر دیا عاصم۔!

عاصم:۔ میں خود تباہ ہو گیا۔ کس نے تباہ کیا اگر صاف کہوں تو تم اور خفا ہو گی اچھا بگڑ لو، ستم کا کوئی حوصلہ باقی نہ رہے۔

پروین:۔ چلو عاصم دیکھو لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔

عاصم:۔ یہی تو جلنا ہے پروین، جو تم کو دیکھتا ہے دیکھے ہی جاتا ہے، میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کسی کی تم کو نظر نہ لگ جائے، کاش میں تمھیں اپنے دل میں رکھ سکتا آنکھوں کے پردوں میں چھپا سکتا۔

پروین:۔ مگر لوگ تو تم کو دیکھ رہے ہیں۔

عاصم:۔ اس لئے کہ آج میری قوم بابل پر چڑھ کر آگئی ہے انکی کینہ پرور نگاہیں اس لئے میرے اوپر پڑ رہی ہیں کہ میرے ٹکڑے کر ڈالیں۔

ابھی پروین نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ جوشن ماہ آگیا۔ اس کے چہرہ سے کچھ گھبراہٹ، کچھ غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اُس نے پروین سے مخاطب ہو کر کہا پروین تم یہاں ہو خیزران تم کو پارکوں میں ڈھونڈھ رہی ہے ... عاصم تم نے ایرانی لشکر کو دیکھا۔

عاصم:۔ جی ہاں دیکھا ایکمرتبہ اور ایرانی اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آئے ہیں۔

جوشن ماہ:۔ یہی بات ہے مگر تم نے مہران کو نہیں دیکھا وہ شیطان بھی آیا ہے۔

عاصم :۔ میں نے نہیں دیکھا میرے محسن اب آپ مجھے اجازت دے دیں ۔ اسلامی لشکر میں پہنچکر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں ۔

جوشن ماہ :۔ ابھی اور ٹھہرو، شاید تم کو یہ خیال ہو گیا کہ مہران تم کو پہچان کر نقصان نہ پہنچا ئے ۔ اطمینان رکھو وہ میری موجودگی میں تمھیں ضرر پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتا ۔

عاصم :۔ محترم بزرگ ، نہ میں مہران سے ڈرتا ہوں نہ اُس کے خوف کی وجہ سے آپ جیسے محسن کو چھوڑنا چاہتا ہوں بلکہ مجھے اسلام اور مسلمانوں کی محبت آپ کی جدائی پر مجبور کر رہی ہے ۔

جوشن ماہ :۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں آؤ قصر میں چل کر باتیں کرینگے ۔

عاصم سمجھ گیا ۔ جو باتیں پری پیکر پروین نے اس سے کی تھیں ان کا ہی اعادہ جوشن ماہ کرے گا ۔ اس نے سر جھکا کر کہا ۔ چلئے ۔ جوشماہ آگے چلا ۔ پروین اور عاصم اُس کے پیچھے چلے ، یہ تینوں فصیل سے اتر ے اور جس قصر میں انھوں نے قیام کیا تھا اس کی طرف روانہ ہوئے ۔

اس وقت ایرانی لشکر بابل میں داخل ہو رہا تھا ۔ وسیع راستہ سپاہیوں سے لبریز ہو کر تنگ ہو گیا تھا ۔ جوشماہ کچھ ہی دور چلا تھا کہ مہران آ گیا اس نے بڑھ کر جوشن ماہ کو سلام کیا اور محبت بار نظروں سے پروین کو دیکھکر بولا میں خوش ہوں کہ مجھے آپ کی خدمت کرنے کا پھر فخر حاصل ہوا ۔

جوشماہ نے جواب دیا ۔ مہران اچھا ہوا کہ تم آ گئے آج ہر ایرانی کا فرض ہے کہ ملک و قوم کے لئے جو کچھ وہ کر سکتا ہے کرے ۔

مہران :۔ میں اسی لئے آیا ہوں ، میرے بزرگ یہ تمام لشکر میری ہی قیادت میں ہے ۔

پروین اس سے اس قدر بیزار تھی کہ اس کی صورت تک دیکھنا نہ چاہتی تھی اس نے اس کی طرف سے منہ پھیر رکھا تھا ۔ گویا وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی ۔

مہران اُسے تک رہا تھا ۔ بے تحاشا تک رہا تھا ۔ اُس نے کہا کیا تم مجھ سے کچھ ناخوش ہو پروین ۔

پروین اس سے بولنا نہ چاہتی تھی ۔ مگر جب اُس نے مخاطب کیا تو جواب دینا

ضروری ہو گیا۔ اُس نے کہا میں کسی سے ناخوش کیوں ہوتی مہران!

مہران نے پھر کہا۔ پروین ان مسلمانوں کو شکست دے کر میرا اعزاز بڑھ جائیگا۔ یہ تمام علاقہ جو مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے میری جاگیر میں آجائیگا اور پھر اے میری حُور تو میری ہو گی۔

پروین یہ سُکر چونک پڑی۔ جوشن ماہ کو ناگوار گذرا مگر اسے مہران نے بتا دیا تھا کہ وہ اس تمام لشکر کا سپہ سالار ہے جو اُس کے ساتھ آیا ہے لہٰذا وہ خاموش رہا اس کے علاوہ جوشن ماہ کو ایک خوف اور بھی تھا وہ یہ کہ عاصم اس کے ساتھ تھا۔ علیحدا اس کے قصر میں تھا۔

یہ دونوں مسلمان حکومت اور بادشاہ کے مجرم تھے۔ جیل خانہ سے فرار ہو کر آئے تھے اس کے ساتھ موجود تھے۔ مجرموں کی اعانت کرنے والا بھی مجرم ہوتا ہے اس لئے جوشن ماہ مجرم تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں مہران عاصم کو پہچان نہ لے۔ اس کے پہچانتے ہی ایک بڑے فتنہ کے آغاز کا اندیشہ تھا۔ جوشن ماہ یہ چاہتا تھا کہ مہران عاصم کو نہ دیکھے دوسری طرف متوجہ رہے۔

مہران نے ابھی تک عاصم کو نہ دیکھا تھا وہ پروین کے رخِ تاباں کو دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ عاصم پروین کے دوسری طرف اس کے برابر ہی تھا مگر مہران کی اس پر نظر نہ پڑی تھی۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ روشنی زائل ہوتی جا رہی تھی تاریکی بڑھتی جاتی تھی۔ مگر پروین کا چہرہ اب بھی چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ مہران ٹکٹکی لگائے اس کے پُرنور چہرہ کو دیکھ رہا تھا۔

جب مہران نے کہا۔ تو میری ہوگی۔ تو پروین نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس فقرہ کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ جوشن ماہ البتہ سمجھ گیا۔

جوشن ماہ نے پروین سے وہ باتیں بیان نہ کی تھیں، جو یزدگرد نے اُس سے پروین کے ساتھ مہران کے عقد کی بابت کی تھیں۔ مہران کو بالکل یقین تھا کہ مسلمانوں کو شکست دیتے ہی یزدگرد پروین سے اس کا عقد کرا دے گا۔ اسے مفتوحہ علاقہ جاگیر میں دیگا۔ اس سے اس کا بڑا اعزاز بڑھ جائے گا۔

مہران چھچھورا، سفلہ اور زود رنج واقع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نا آشنا محبت غرض کا بندہ اور ظالم بھی تھا۔ جب پروین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو

اس نے مسکرا کر کہا۔ حیران ہو کر کیا دیکھ رہی ہو پروین۔ حضور شہنشاہ نے سب کچھ طے کر دیا ہے۔ کیا بزرگ جوشماہ نے تم سے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ اگرچہ جوشماہ کو اس کی ہر زہ سرائی ناگوار گذر رہی تھی۔ لیکن اُس نے ناگواری کا مہران پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ البتہ گفتگو کا رخ بدلنے کے لئے کہا۔ مہران یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے کس قدر لشکر تمہارے ہمراہ ہے۔

مہران نے کہا پورا ڈیڑھ لاکھ آپ دیکھیں گے کہ یہ لشکر مسلمانوں کو پارہ پارہ کر دیگا میری تلوار مسلمانوں کے سپہ سالار کے ٹکڑے کر دے گی۔

پروین کو اس کی تعلی پر ہنسی آگئی اُسے یاد تھا کہ کس طرح عاصم نے اسکی کلائی میں زخم لگا کر اُسے نہتا کر دیا تھا اگر وہ عاصم سے سفارش نہ کرتی تو مہران ضرور مار ڈالا جاتا۔ آج مہران ڈیڑھ لاکھ لشکر کو دیکھ کر شیخی بگھار رہا تھا۔ مہران نے بھی اس حور زاد کو ہنستے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ اس کی ہنسی کی وجہ سمجھ گیا، اس سے اُسے ہوش سا آگیا۔

اس نے کہا تم ہنستی ہو پروین، کیا تم کو میری بہادری میں شبہ ہے۔

پروین نے استہزاء کے طور پر مسکرا کر کہا۔ یزدان نہ کرے شبہ کیوں ہوتا لیکن مہران سنا ہے مسلمان بڑے بہادر ہوتے ہیں۔

مہران اس کے استہزاء کو سمجھ گیا اُسے غصہ آگیا۔ اس نے بگڑ کر کہا تم میرا تمسخر اڑاتی ہو تمھیں میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے، کل میدان کارزار میں میری بہادری دیکھنا۔

جوشماہ نہ چاہتا تھا کہ اس ناگوار گفتگو کا سلسلہ جاری رہے اُس نے کہا مہران ہمیں تمھاری بہادری میں شبہ نہیں ہے۔

پروین مہران کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اُسے ہنستے ہوئے دیکھ کر مہران کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اُس کا غصہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اُس نے کہا آپ کو شبہ نہیں ہے آپ مجھے جانتے ہیں لیکن پروین کو شبہ ہے یہ میرا تمسخر اڑا رہی ہے ......

جوشماہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پروین ایسی جرأت نہیں کر سکتی۔

مہران نے کہا:۔ پروین کو معلوم نہیں ہے کہ مسلمان مجھ سے کس قدر کانپتے ہیں۔

جب سے انھوں نے سنا ہے کہ یہ لشکر میری سرکردگی میں اس وقت ہے وہ بھی گھبرا گئے ہیں

پروین نے مسکرا کر کہا۔ جی ہاں اسی لئے وہ گھبرائے ہوئے آپ کے سامنے آئے ہیں۔ جو شخص شیر سے ڈر جاتا ہے کیا وہ ڈر کر شیر ہی کے سامنے چلا جاتا ہے۔

جو شماہ نے پروین کو چشم نمائی کرتے ہوئے کہا کیا واہیات ہے پروین۔ مسلمان، مہران تو مہران، ہر ایرانی سے ڈرتے ہیں۔

جو شماہ کے تعریف کرنے سے مہران مسکرا پڑا اس نے کہا لیکن پروین کو تو یقین نہیں آتا۔

اب وہ قصر جس میں جو شماہ مقیم تھا قریب آگیا تھا۔ قصر کے سامنے والا پارک شروع ہو گیا تھا، پارک میں داخل ہوتے ہی خیزران اور عبید ملے خیزران مہران کو دیکھ کر قدرے خوفزدہ ہو گئی۔ مہران نے پہلے خیزران کو اور عبید کو دیکھا۔

چونکہ اس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ کسی قدر اندھیرا چھا گیا تھا عبید ایرانی پوشاک میں تھا۔ اس لئے مہران جلدی اسے شناخت نہ کر سکا البتہ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

جوشن ماہ پریشان ہو گیا اسے خوف ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا کہ مہران عبید کو پہچان لے گا اس نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔ میرے خیال میں لشکر کو اس وقت فصیل پر متعین کر دینا چاہئے۔

مہران نے کہا میرا بھی ایسا ہی خیال ہے آپ تیر جان سے جا کر کہدیں کہ وہ اسی وقت لشکر فصیل پر متعین کر دے۔

جوشن ماہ کو اور بھی فکر ہوا وہ سمجھ گیا کہ مہران یہاں سے جانا نہیں چاہتا بلکہ اسے ٹالنے کی فکر میں ہے اسے اندیشہ ہوا کہ اس کے جانے کے بعد اگر مہران نے عاصم اور عبید کو پہچان لیا تو بڑی خرابی ہو گی وہ ان دونوں کے ساتھ ہی پروین، خیزران ہرمزان غرضیکہ سب کو گرفتار کر لے گا۔

اس نے مہران کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے اس کی تعریف شروع کی اس نے کہا، آپ نے خوب کہا تیر جان فنون حرب سے ناواقف ہے اس بات کو تو آپ ہی خوب سمجھتے ہیں کہ کہاں کہاں اور کس قدر لشکر متعین کیا جائے۔

جوشماہ کا افسوں کارگر ہو گیا۔ مہران اپنی تعریف جوشن ماہ کی زبان سے پروین اور خیزران کی موجودگی میں سُنکر بہت مسرور ہوا۔ اُس نے کہا آپ نے درست فرمایا۔ تجز جان کیا لشکر میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو کہ فنون حرب سے پُورا ماہر ہو۔ اسی وجہ سے ملک معظم نے مجھے اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے۔

جوشماہ:۔ درست ہے، آئیے پھر فصیل پر لشکر متعین کر دیجئیے۔

مہران:۔ چلئے سپہ سالار کے فرائض بھی کس قدر اہم ہیں، خیال کیجئے، دور دراز سے سفر کئے چلا آرہا ہوں، آرام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن ابھی آرام نہیں کر سکتا۔!

جوشماہ:۔ جی ہاں اچھا:۔ جن کے رہتے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

مہران ابھی تک عبید کو تکے جا رہا تھا۔ اُس نے خیزران سے دریافت کیا تمھارے ساتھ یہ نوجوان کون ہے؟

خیزران گھبرا گئی، جوشن ماہ نے کہا یہ ہرمزان کا دوست ہے جلولہ سے آیا ہے۔

مہران:۔ مجھے اس پر عبید کا شبہ ہوا تھا۔

جوشن ماہ نے بناوٹی حیرت سے مہران کو دیکھکر کہا۔ عبید کا؟ عبید تو مدائن کے جیل خانہ میں پڑا سڑ رہا ہے۔

مہران:۔ نہیں وہ اور عاصم دونوں بھاگ گئے۔

جوشماہ نے بڑی حیرت سے مہران کو دیکھکر کہا بھاگ گئے، کس طرح۔

مہران:۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس طرح بھاگے، شاہی انگشتری چوری گئی تھی آسیہ کے پاس سے برآمد ہوئی وہ گرفتار کر لی گئی۔

پروین اور خیزران دونوں نے ایک دوسرے کو غم آلود نظروں سے دیکھا پروین نے دریافت کیا کیا آسیہ نے انھیں رہا کرا دیا؟

مہران:۔ نہیں وہ جیل خانہ کی دیوار توڑ کر بھاگ گئے۔

خیزران:۔ پھر آسیہ کو کیوں گرفتار کیا گیا؟

مہران:۔ اُس نے شاہی انگشتری چرائی تھی۔ انقلابیوں سے ملی ہوئی تھی یہ سن کر پروین اور خیزران دونوں کو بے حد رنج ہوا۔ پروین نے دریافت کیا اب آسیہ کہاں ہے؟

مہران :- جیل خانہ میں ۔

جوشماہ دیکھ رہا تھا کہ دونوں سمیت لڑکیاں آسیہ کی گرفتاری کی خبر سن کر بید رنجیدہ اور غمزدہ ہوگئی ہیں اُس نے مناسب سمجھا کہ کسی طرح مہران کو یہاں سے ہٹالیا جائے ۔ اُس نے کہا آپئے تو پھر فصیل کا معائنہ کر لیجئے ۔

مہران :- چلئے، (خیزران سے) تم ہرمزان سے کہنا وہ اپنے اس دوست (علبید کی طرف اشارہ کر کے) کو لے کر رات کو میرے پاس آئیں ۔

خیزران نے کوئی جواب نہ دیا۔ جوشماہ نے کہا۔ ہرمزان اور رئیں مع اس کے دوست کے آپ کے پاس آویں گے ۔

مہران اور جوشماہ دونوں چلے گئے ۔ پروین اور خیزران ایک دوسرے کو غم اور افسوس بھری نظروں سے دیکھنے لگیں۔ عاصم نے ان سے خطاب کر کے کہا، غم نہ کرو۔ خدا آسیہ کی حفاظت کریگا۔ تم دونوں قصر میں جاؤ، میں اور علبید مغرب کی نماز پڑھ کر آتے ہیں ۔

دونوں سیم تن لڑکیاں غم وافسردگی سے اپنے خوبصورت اور نازک سر جھکائے چلی گئیں۔ عاصم اور علبید نے وضو کیا اور نماز مغرب ادا کرنے میں مصروف ہو گئے ۔

چھٹا باب

مشورہ

عاصم اور علبید نماز پڑھ کر قصر کے اندر داخل ہوئے، چونکہ اب رات آگئی تھی اس لئے تمام قصر میں شمعیں روشن کر دی گئی تھیں سارا قصر اس روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ یہ دونوں صحن طے کر کے ایک وسیع کمرہ میں پہنچے، یہ کمرہ بہترین ساز وسامان سے آراستہ تھا۔ بلوری فانوسوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں روشنی اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ دن نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ پروین اور خیزران ایک ہی کوچ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔ ان کے گلابی رخسارے آنسوؤں سے تر تھے ان دونوں کو دیکھتے ہی انھوں

نے آنسو پینے چاہے مگر نہ پی سکیں۔ عاصم پروین کو روتے ہوئے دیکھ کر بیقرار ہو گیا وہ بڑھ کر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا تم رو رہی ہو پروین۔ تمھارے آنسو موتیوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔

پروین نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ کیسے نہ روؤں عاصم جس نے مجھ پر احسان کیا، اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا۔ درندہ صفت انسانوں نے اسے گرفتار کر لیا۔

عاصم:۔ وہ چند ہی روز مصیبت میں گرفتار رہے گی۔ . .

پروین نے اشک آلود نگاہوں سے عاصم کو دیکھ کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔؟

عاصم:۔ وہ رہا ہو جائے گی۔

پروین:۔ اسے کون رہا کرائے گا۔

عاصم:۔ مسلمان۔

پروین۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ مسلمان فتح یاب ہوں گے۔

عاصم:۔ بالکل یقین ہے خدا اور اس کے رسول کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں سے ایران کی فتح کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

پروین:۔ آہ تم نہیں جانتے کہ ایرانی کس قدر بے رحم کس قدر بے درد اور کتنے جفا کار ہیں، اتنے مسلمان وہاں پہنچیں گے وہ اسے زندہ ہی کیوں چھوڑیں گے۔

عاصم:۔ اچھا تو مجھے اجازت دو پروین میں اپنی محسنہ کو رہائی دلانے کے لئے جاؤں۔

پروین نے حیرت بھری نظروں سے عاصم کو دیکھ کر کہا تم . . . عاصم ایران کا ذرہ ذرہ تمھارا دشمن ہے تم بھول کر بھی وہاں نہ جانا۔

عاصم:۔ لیکن میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ تم بے چین رہو، غمگین رہو، آنسو بہاؤ۔

پروین:۔ میں ضبط کرونگی اب آنسو نہ بہاؤں گی!!

یہ کہتے ہوئے پروین اور خیزران نے آنسو پونچھے۔ دوسری کوچ پر عاصم اور علیمہ بیٹھ گئے۔ پروین نے کہا۔ عاصم، کمبخت مہران یہاں بھی آ گیا ہے۔ خیریت ہوئی جو اس نے تمھیں نہیں دیکھا۔ میں سارے راستہ اس خوف سے لرزتی رہی

اگر وہ پہچان جاتا تو بڑی خرابی ہوتی۔

عاصم:۔ میں تمہارے برابر اسی وجہ سے چلتا رہا۔ اس کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ لیکن پروین سارے راستہ اُسے دیکھ دیکھ جوش اور غصہ سے خون میری رگوں میں کھولتا رہا۔ میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا ہے مجھے خوف ہے کہ آئندہ جب وہ ملیگا تو میں دفور جوش سے ضبط نہ کر سکوں گا۔

پروین:۔ نہیں عاصم تم کو ضبط ہی کرنا چاہئے۔

ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ جوشماہ اور ہرمزان آگئے ان کو دیکھتے ہی سب تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں عاصم اور علید کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی اور سب بھی بیٹھ گئے۔ جوشن ماہ نے کہا۔۔ عاصم مہران کو علید پر شبہ ہوگیا ہے غنیمت ہوا جو اُس نے تم کو نہیں دیکھا۔ وہ اپنا شبہ مٹانے کے لئے ابھی میرے ہمراہ آرہا تھا۔ مگر اس وقت تو میں اُسے ٹال آیا ہوں، البتہ صبح یا تو وہ خود یہاں آئیگا یا علید کو وہاں بلاوے گا۔

عاصم:۔ پھر کیا ہوا، دن میں علید کو دیکھتے ہی وہ پہچان لے گا۔

جوشماہ:۔ میں بھی اسی فکر میں ہوں، علید کو شناخت کرتے ہی وہ ہمیں بھی گرفتار کرلے گا۔

عاصم:۔ میرے خیال میں اب آپ مجھے اور علید کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیں۔

جوشماہ:۔ لیکن صبح جب مہران علید کو طلب کریگا تو کیا جواب دیا جائے گا۔

عاصم:۔ اس سے کہہ دیجئے گا کہ وہ رات ہی جلولہ چلا گیا۔

جوشن ماہ۔ نہیں عاصم اس سے اس کا شک یقین کے درجہ تک پہونچ جائے گا اور چونکہ اُسے ہم سے خدائی عناد ہے اس لئے فوراً ہمیں حراست میں لے لیگا۔

عاصم:۔ پھر آپ نے کیا سوچا ہے کیا میں اور علید اپنے آپ کو اسکے حوالہ کردیں۔

جوشن ماہ۔ اسی طرح ہم پر سے آئی بلا ٹل سکتی ہے۔

عاصم:۔ بس تو مطلق فکر نہ کیجئے آپ ہم دونوں کو اس کے حوالہ کردیجئے۔

ابھی جوشن ماہ نے کچھ جواب نہ دیا تھا کہ پروین نے کہا۔ نہیں ابا جان، اسطرح تو اس کا شک اور بڑھ جائے گا۔ ان دونوں کی گرفتاری سے اُسے پورا ثبوت مل جائیگا

اور پھر وہ ہمیں بھی یقیناً گرفتار کرے گا۔ کیوں آپا خیزران تمھارا کیا خیال ہے؟
خیزران نے کہا۔ بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ دنیا ہم پر لعنت کرے گی کہ ہم نے اپنے مہمانوں کو گرفتار کرا دیا، کیوں بھائی جان آپ کی کیا رائے ہے۔
ہرمزان نے کہا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم پر چاہے جس قدر مصیبتیں آئیں تکلیفیں پہنچیں لیکن ہم ان دونوں پر آنچ نہ آنے دیں۔ عبید نے کہا۔ آپ اصحاب کی عنایات اور ہمدردیوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں یہ کہوں گا کہ مہران نے مجھ پر شبہ کیا ہے صرف مجھے اس کے حوالے کر دو۔
عاصم نے قطع کلام کر کے کہا۔ دوست عبید کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے سامنے اسوقت تمھیں کوئی پکڑ کر لے جائے گا اور میں خود کو بچانے کے لئے چھپ جاؤں گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ میں تم سے پہلے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دوں گا دوستی کا اقتضا یہ نہیں ہے کہ ایک دوست پر آنچ آئے اور دوسرا بیٹھا دیکھتا رہے دوستی کرنا آسان ہے مگر نبھانا مشکل ہے دوست کے لئے عیش و آرام ہی نہیں، تن، من دھن سب کچھ نثار کرنا پڑتا ہے۔
عبید نے کہا۔ لیکن عاصم جن لوگوں نے ہمیں نکالا آرام پہونچایا اور سیکڑوں تکالیف سے بچایا کیا ہم انہیں مصیبت میں گرفتار ہونے دیں۔
عاصم:۔ نہیں ہم کو ان کی تکالیف اپنے اوپر لینی چاہئیں۔
عبید:۔ کس طرح؟
عاصم:۔ دو ہی صورتیں ہیں، یا تو آج ہی رات کوشش کر کے مہران کو مار ڈالیں یا سب کے سب اسلامی لشکر میں چلے چلیں۔
جوشماہ نے کہا مہران کا مار ڈالنا مشکل ہے، اس کی خواب گاہ کے گرد ہر وقت سو آدمی کا پہرہ رہتا ہے اس تک رسائی غیر ممکن ہے لشکر اسلام میں بھاگ جانا مسلمان، کسی ایرانی کو کیوں پناہ دیں گے!
عاصم نے کہا، مسلمان جب یہ سنیں گے کہ آپ نے ہم کو بچایا ہے ہر طرح سے آرام پہونچایا ہے آپ کے بے حد مشکور ہوں گے، یہ آپ کی کمال عزت کریں گے جو آپ کہیں گے وہی کریں گے!!
جوشن ماہ:۔ اس کا ضامن کون ہوگا؟
عاصم۔ میں ضامن ہوں گا۔

جوشن ماہ نے مسکرا کر کہا: تم . . . . . اسلامی لشکر کا سپہ سالار تمھاری بات کیوں مانے گا۔

عاصم: مسلمانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی جو معاہدہ کرلیتا ہے سارے مسلمانوں پر اس کا ایفا فرض ہو جاتا ہے۔

جوشن ماہ نے غور سے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ عاصم میرا دل کہتا ہے کہ تم مسلمانوں میں ذی عزت ہو یا بڑے تاجر ہو یا رئیس ہو۔

عاصم نے نظریں جھکا کر جواب دیا میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں محترم بزرگ مسلمانوں میں اعلیٰ وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہوں، ہماری قوم میں رئیس۔ امیر غریب۔ فقیر سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں اگر فوقیت ہے تو دینداری کی!!

جوشن ماہ: لیکن تمھارا بادشاہ۔

عاصم: ہمارا بادشاہ تمھارے بادشاہ کی طرح خدا بن کر نہیں بیٹھتا اس کے پاس تخت نہیں ہے، تاج نہیں ہے، ریشمی ملبوسات نہیں ہیں، زیورات نہیں پہنتا جس طرح عام مسلمان رہتے ہیں اسی طرح وہ بھی رہتا ہے جس فرش پر مسلمان بیٹھتے ہیں اسی پر وہ بیٹھتا ہے وہ رعایا کا محافظ اور خدمت گذار ہے، رعایا اس کی نگہبانی اور خدمت نہیں کرتی۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو معزول کر دیا جائے۔

یہ سن کر جوشن ماہ، ہرمزان، پرویز اور خیز ران سب کو سخت تعجب ہوا، وہ سمجھتے تھے جس طرح ان کا بادشاہ شان و شوکت سے رہتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا بادشاہ بھی رہتا ہو گا۔ انہیں یہ ایک نئی اور عجیب بات معلوم ہوئی۔ جوشن ماہ نے کہا اچھا عاصم تم اسی وقت لشکر اسلام میں چلے جاؤ اور ہمارے لئے جن شرائط پر مناسب سمجھو مصالحت کر لو۔

عاصم: شرائط . . . . آپ کے ساتھ کوئی شرائط نہ ہوں گی لیکن میں تنہا جاؤں یا عبید کو ہمراہ لے لوں؟

جوشن ماہ: عبید کو ضرور لیتے جاؤ۔

عاصم: لیکن جب مہران عبید کو دریافت کرے گا تو کیا جواب دوگے۔

جوشن ماہ: یہی کہ وہ جلوکہ چلا گیا۔

عاصم: یہ مناسب نہیں، اس سے اس کا شبہ بڑھ جائے گا۔

جوشن ماہ:۔ پھر کیا کہوں۔

عاصم:۔ کہد یجئے گا کہ رات وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ لشکر اسلام میں جاسوسی کے لئے گیا ہے۔

جوشن ماہ:۔ یہی کہدیا جائے گا، اب تم کھانا کھاکر فوراً چلے جاؤ۔

یہ کہتے ہی جوشن ماہ اٹھا۔ بہرزان بھی کھڑا ہوا دونوں چلے گئے شوخ اور شریر خیزران نے شربیلی نظروں سے عاصم کو دیکھ کر کہا آپ بہت چالاک ہیں کس طرح آپ نے بزرگ جوشن ماہ کو فریب دے کر یہاں سے نکل بھاگنے پر آمادہ کرلیا۔ عاصم نے مسکرا کر کہا۔۔۔ ہم مسلمانوں کو چالاکی نہیں آتی خیزران، چالاکی تو ان کو ہی آتی ہے جو دوسروں کا دل چھین لیتی ہیں۔

شوخ و شریر خیزران نے دزدیدہ نظروں سے کافرادا پروین کو دیکھ کر شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم نے سچ کہا عاصم! دل چھین لینے والی شریر پروین ہے۔

اگرچہ پروین عاصم کے چلے جانے کی خبر سن کر کچھ آزردہ خاطر ہو گئی تھی۔ خیزران کی چھیڑ چھاڑ نے اس کی کلفت دور کردی۔ اس نے ایسے تبسم سے جس میں انداز مسیحائی کا اظہار ہو رہا تھا۔ خیزران کو دیکھ کر کہا تم نے میرا ذکر کیوں کیا۔ گفتگو تو ان کی اور تمہاری ہو رہی تھی۔

خیزران نے ذرا کھل کر مسکراتے ہوئے کہا کن کی؟ ہاں ذرا نظریں ملاکر بتایئے کہ کس سے گفتگو ہو رہی ہے؟

حورو ش پروین شرما گئی۔ اس کی ہوش ربا نگاہیں جھک گئیں۔ شرم سے رعنائی میں اضافہ ہو گیا۔ دوران خون تیز ہونے کی وجہ شہابی رنگ تیز ہو گیا۔ اس کے رخسار چکنے، گال گلابی ہو گئے۔ وہ بڑی دلربا، بڑی پیاری اور نہایت دلفریب معلوم ہونے لگی۔ عاصم اس رشک حور کو آفتاب حسن کو ملائک فریب نازنین کو گہری محبت بھری نظروں سے دیکھ کر مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ خیزران نے پھر کہا۔ اے واہ آپ تو شرما گئیں، شرمانے کی سند نہیں ہے، بتایئے کن سے گفتگو ہو رہی ہے، پروین نے ان حیا بار آنکھوں کو جن میں بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اٹھا کر خیزران کو دیکھا اور خفیف تبسم سے جس میں کیف آگیں رعنائی تڑپ رہی تھی کہا۔ جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں خیزران نے شوخی سے مسکرا کر کہا، کیا عبیدہ سے؟

عبید کو بھی ان پری جمال نازنینوں کی چھیڑ چھاڑ میں لطف آ رہا تھا، اس نے بزرگی کے ساتھ کہا۔ مجھ غریب کو کون پوچھتا ہے۔

خیزران بے ساختہ ہنس پڑی، اس نے کہا بے شک آپ سچ کہتے ہیں، نہ کوئی تمھیں پوچھتا ہے نہ مجھے:۔ عاصم نے بھولے پن کے انداز سے کہا۔ تمھیں خیزران... دنیا تمھاری گرویدہ ہے۔

خیزران نے ہنس کر کہا۔ شائد تم بھی۔

عاصم نے مسکرا کر کہا۔ میں بھی دنیا ہی میں ہوں۔

خیزران:۔ حسن کی دنیا میں۔

عاصم:۔ ہاں حسینوں کی دنیا میں، دل چھین لینے والوں کی دنیا میں، اتنے میں جوشماہ آ گئے۔ جوشماہ نے کہا، کھانا لایا جا رہا ہے عاصم! تم اور عبید کھانا کھا کر چلے جاؤ۔ عاصم نے کہا، لیکن ہم کیسے جا سکتے ہیں، شہر پناہ کے دروازے بند ہیں، سپاہی متعینات ہیں ہم کو کون باہر نکلنے دے گا۔

جوشن ماہ:۔ تم میرے ساتھ چلنا میں تم کو باہر نکال دوں گا۔

عاصم:۔ بہت خوب۔

اب چند خادم کھانا لیکر آ گئے۔ کھانا چنا گیا۔ نہایت پر تکلف کھانا، چونکہ سب متفکر اور پریشان تھے اس لئے شکم سیر ہو کر تو نہ کھا سکے البتہ کچھ نہ کچھ ضرور کھا لیا۔ کھانے سے فراغت کرکے جوشن ماہ اٹھا۔ عاصم اور عبید کو ہمراہ لے کر باہر آیا۔ یہ تینوں دروازہ کی طرف چلے۔ راستہ میں جوشماہ نے کہا، عاصم تم اقرار کرو کہ کل رات واپس آ جاؤ گے۔

جوشن ماہ بچارے کو کیا خبر تھی کہ عاصم کسی کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا ہے ناممکن ہے کہ وہ واپس نہ آئے، عاصم نے کہا میرے محترم بزرگ، میں آؤں گا آدھی رات سے پہلے آپ شہر پناہ کے پھاٹک پر ملیں۔

جوشن ماہ:۔ میں پھاٹک پر نہیں پھاٹک سے باہر ملوں گا۔

اب یہ باتیں کرتے ہوئے قصر سے باہر نکل آئے یہاں تین گھوڑے زین کسے ہوئے ایک خادم لئے کھڑا تھا، تینوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ گھوڑوں کو تیز کیا اور اس پھاٹک کی طرف روانہ ہوئے جس طرف مسلمانوں کا لشکر آ کے اترا تھا ہم بیان کر آئے ہیں کہ بابل نہایت وسیع شہر تھا۔ ان تینوں نے سرپٹ گھوڑے چھوڑ دیئے، راستہ میں

کوئی بات چیت نہ ہوئی تقریباً اڑھائی گھنٹے میں یہ پھاٹک پر پہونچے۔ جوشن ماہ نے پھاٹک کھلوایا، عاصم اور علید اُسے سلام کر کے پھاٹک سے باہر نکل گئے۔

جوشن ماہ نے پہرہ والوں کو یہ بتانے کے لئے کہ اُس نے جاسوسوں کو اسلامی لشکر میں دریافت حال کے لئے بھیجا ہے بلند آواز سے کہا، دیکھو مسلمانوں کے تمام حالات دریافت کر کے کل رات ہی واپس آجانا ہوگا۔

عاصم نے کہا، رات ہی کو واپس آجائیں گے۔ آپ ہمارا انتظار کریں؟ جوشن ماہ نے کہا۔ میں انتظار کروں گا!۔

اس کے بعد پھاٹک بند کر لیا گیا۔ جوشن ماہ پہرہ والوں کو بیدار رہنے کی ہدایت کر کے واپس لوٹ گیا۔

ساتواں باب

ہراس

جب جوشن ماہ واپس لوٹ کر آیا، تو اس نے حور وش پروین اور پری جمال خیزران کو کمرہ میں بیٹھے ہوئے پایا۔ جوشن ماہ نے کہا، تم دونوں ابھی تک بیٹھی ہو رات زیادہ آگئی ہے اب جاکر آرام کرو، دونوں نے جواب کچھ نہ دیا البتہ اٹھ کر چلی گئیں اور اپنے اپنے کمروں میں جاکر مسہریوں پر پڑ گئیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان دونوں کو نیند آئی یا نہیں، اور آئی تو کب اور کتنی دیر تک، صبح بہت سویرے وہ کمروں سے نکل کر باہر آئیں اور ضروریات سے فراغت کر کے قصر کے سامنے والے چمن میں چلی گئیں، بہ نسبت خیزران کے پروین زیادہ متفکر زیادہ پریشان زیادہ افسردہ خاطر معلوم ہوتی تھی۔ یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسینوں کی ہر ادا ہر عالم اور ہر بات دلکش معلوم ہوا کرتی ہے، پروین متفکر تھی۔ غمزدہ تھی اسکی موہنی آنکھوں سے غم و حسرت ٹپک رہے تھے، افسردگی کی وجہ سے شاداب رخسارے پژمردہ ہو رہے تھے وہ چپ تھی لیکن اس عالم میں پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ کوئی شہزادی غرور و تمکنت کا مجسمہ بنی بیٹھی ہو، حالانکہ وہ مغرور نہ تھی شہزادی

جیسی ہو گئی تھی، خیزران اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس حور جمال سے بے حد محبت کرتی تھی، اس کے افسردہ رہنے کی وجہ سمجھتی تھی وہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ چنانچہ اُس نے کسی قدر متبسّم ہو کر کہا، تم اس قدر متفکر کیوں ہو پروین غم و فکر کے سمندر میں بیٹھی، ہچکولے کھا رہی تھی، وہ اس وقت دنیا اور ما فیہا سے بے خبر تھی، کسی خیال میں مستغرق تھی، خیزران کی آواز سن کر چونکی، خیالات کی گہرائیوں سے نکلی، اور خیزران کی طرف دیکھنے لگی وہ اس قدر مستغرق تھی کہ اس نے سنا بھی نہیں کہ خیزران نے اس سے کیا کہا اور اُسے کیا جواب دینا چاہیئے۔ خیزران مسکرا رہی تھی۔ اس نے پھر کہا کس کے خیال میں غرق ہو، میری حور، پروین کسی قدر مسکرائی لیکن اس کا یہ مسکانا زبردستی کا مسکرانا تھا، تم بھی پریشان کرلو، خیزران! خیزران نے ہنس کر کہا میں کیا پریشان کرسکتی ہوں ہاں اگر مرد ہوتی . . . . .

پروین نے شرمیلی ادا سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب بن جاؤ۔

خیزران:۔ بن نہیں سکتی ورنہ تم دیکھتیں، چپ رہو، دیکھو بھائی جان آرہے ہیں۔

ہرمزان آگیا، وہ ان دونوں ماہ پیکروں کو دیکھ کر سیدھا انکے پاس چلا آیا، ہرمزان خیزران کا بھائی تھا، خیزران خوبصورت تھی، ہرمزان بھی خوبصورت تھا، نوعمر تھا عورتوں کے دلوں کو لبھانے والی خصوصیتیں اس میں موجود تھیں، دونوں سیم تن لڑکیوں نے اسے دیکھا وہ ان دونوں کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ اس نے کہا خیزران، مہران کو صرف شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا ہے کہ جس شخص کو رات اس نے دیکھا تھا۔ وہ مسلمان تھا۔

دونوں لڑکیوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ خیزران نے دریافت کیا۔ اس کمبخت کو کیسے پتہ چل گیا۔

ہرمزان۔ پتہ نہیں چلا، صرف شبہ ہو گیا، اور شک یقین کے درجہ تک پہونچ گیا۔

خیزران:۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔

ہرمزان:۔ اسنے صبح سویرے مجھے بلایا تھا، کہتا تھا، رات بھر نیند نہیں آئی اب اُس نے پروین کے والد کو بلایا ہے، وہ یا تو چلے گئے ہوں گے یا جانے والے ہوں گے۔

پروین نے غم و افسوس بھری نظروں سے ہرمزان کو دیکھ کر کہا، اب کیا ہوگا وہ بڑا ظالم ہے۔

ہرمزان۔ نہایت سفاک ہے ہمارے چلے آنے کے بعد اس نے معصوم آسیہ کو گرفتار کرلیا۔

خیزران افسردہ خاطر ہو گئی اس نے غمزدہ لہجہ میں کہا۔ ہاں اپنی حقیقی ہمشیرہ کو گرفتار کرلیا۔

ہرمزان ۔ وہ غرض کا بندہ ۔ حرص کا پتلا، نفس کا غلام ہے خیزران ایک بات بڑی ہوئی
خیزران اور پروین دونوں نے گھبرا کر ہرمزان کو دیکھا خیزران نے دریافت کیا، کیا؟
ہرمزان ۔ آسیہ مسلمان ہو گئی!
یہ سن کر دونوں سیم تن لڑکیاں کمال متحیر ہوئیں، خیزران نے حیرت زدہ ہو کر کے دریافت کیا، کیسے مسلمان ہو گئی کس نے اُسے مسلمان کیا۔
ہرمزان ۔ لیلےٰ نے۔
خیزران ۔ وہ لیلےٰ کے پاس کیسے پہنچ گئی تھی؟
ہرمزان ۔ جب مہران اُسے گرفتار کر کے لے گیا تو یزدگرد نے اس شرط پر اسے معافی دینے کا وعدہ کیا کہ وہ لیلےٰ کو سمجھا کر، بہلا کر، پھسلا کر اسکی بیوی بننے پر آمادہ کر دے، چنانچہ اُسے لیلےٰ کے پاس بند کر دیا۔ لیلےٰ نے اس پر جادو کر کے اُسے مسلمان بنا لیا۔
خیزران ۔ لیلیٰ کی آنکھوں میں جادو ہے، بھولی صورت میں جادو ہے، چاند سے چہرہ میں جادو ہے۔ جو اُسے ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ جو وہ کہتی ہے وہی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔
ہرمزان ۔ یہی بات ہے، جب وہ ہمارے قصر میں تھی تو میں اسی ڈر سے کہ کہیں اسکا جادو مجھ پر اثر نہ کر جائے۔ اس کی طرف دیکھتا تک نہ تھا، جب شہنشاہ نے اُسے قصر شاہی میں طلب کر لیا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔
خیزران ۔ تم کو یہ سب باتیں کس نے بتائیں۔
ہرمزان ۔ خود مہران نے وہ کہتا تھا کہ جب آسیہ مسلمان ہوئی تو بادشاہ بہت برہم ہوا، اس نے اُسے سزا دینے کا حکم دیا۔ بیدرد مہران نے کمسن آسیہ کو زنجیروں سے مارا۔
دونوں پری نژاد لڑکیوں کو آسیہ کا حال معلوم کر کے بیحد ملال ہوا، آسیہ نے محض پروین کے لئے تمام مصائب اپنے سر لیے تھے، پروین ہی زیادہ بیقرار ہوئی اسکا ننھا سا دل بیٹھنے لگا۔ آنکھوں سے اظہار غم ہونے لگا، لب خشک ہو گئے، پیارے پیارے اور بھولے چہرہ پر غم کے بادل چھا گئے، خیزران نے اسکی یہ کیفیت دیکھی تو وہ بیقرار ہو گئی اس نے کہا اس قدر غم نہ کرو پروین۔
پروین نے غم و حسرت بھری نظروں سے خیزران کو دیکھ کر کہا آہ کیسے غم نہ کروں، بھولی آسیہ میری وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوئی۔ خیزران نے کہا۔ آؤ پروین ہم اسکی رہائی

کیلئے دعا کریں، دونوں نے نہایت عاجزی اور خلوص سے آپ کی رہائی کے لئے دعا مانگی، ابھی وہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئی تھیں کہ جوشن ماہ آگیا، وہ اس وقت سخت متفکر اور مغموم معلوم ہو رہا تھا، اس کا چہرہ رنج و غم و الم میں ڈوبا ہوا تھا، پیشانی سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے، آنکھوں سے ہراس ظاہر ہو رہا تھا، پروین اپنے باپ کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی وہ اس کی طرف بڑھ گئی اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں دریافت کیا، آہ ابا جان یہ آپ کی کیا کیفیت ہو گئی، کیا کوئی اور نئی افتاد آپڑی؟

جوشن ماہ نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا، ہاں پروین مصیبتوں کا آغاز ہو گیا ہے۔ مہران کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا ہے کہ رات اس نے جس آدمی کو دیکھا تھا وہ عبید ہے جب میں نے بتایا کہ وہ عبید نہیں ہے تو اس نے اسے دیکھنے اور اپنا شبہ مٹانے کی آرزو ظاہر کی، میں نے کہا کہ وہ اسلامی لشکر میں سراغ رسانی کرنے کے لیے گیا ہے تو وہ سخت برہم ہوا، اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ یا تو رات ہی کو جب وہ واپس آئے تو اس کے سامنے پیش کیا جائے ورنہ صبح ہوتے ہی وہ مجھے ہرمزان کو پروین کو اور خیزران کو گرفتار کر کے مدائن بھیج دے گا۔

ہرمزان جوشیلا نوجوان تھا، اُسے طیش آگیا، اُس نے کہا، بکنے دو مردود کو، جوشن ماہ نے سنجیدگی سے کہا ہرمزان کیا تم مہران کے اختیارات و اقتدار سے ناواقف ہو، جو کچھ اُس نے کہا ہے، وہ ضرور کر کے رہے گا۔

ہرمزان:۔ تو کیا ہم عبید کو اس کے حوالہ کر دیں؟

جوشن ماہ:۔ نہیں میں اس فکر میں ہوں کہ اگر مسلمانوں نے عاصم کی بات مان لی ہمیں امان دے دی۔ تو ہم سب مسلمانوں کے پاس چلے جائیں گے

ہرمزان نے حیرت سے جوشن ماہ کو دیکھ کر کہا کیا تمھیں مسلمانوں پر اعتماد ہے۔

جوشن ماہ:۔ بالکل، مسلمان سچ بولتے ہیں، جو وعدہ کرتے ہیں اُسے نبھاتے ہیں میں نے اکثر ان مسلمانوں کو آزمایا ہے جو ہمارے ملک میں آباد ہو گئے تھے۔

ہرمزان:۔ کیا وہ جبراً ہمیں مسلمان بنانے کی کوشش نہ کریں گے۔

جوشن ماہ:۔ ہرگز نہیں ان کے مذہب میں کسی کو جبراً مسلمان کرنے کی سخت ممانعت ہے۔

ہرمزان:۔ جب تو ہم کہاں کے پاس ہی پناہ لینا چاہیئے۔

جوشن ماہ۔ بیشک اب ہمیں مسلمانوں ہی میں پناہ مل سکتی ہے میرا دل کہتا ہے کہ مسلمان

ضرور تمام ایران پر قابض ہو جائیں گے انکی پناہ لینے سے ہم نقصان میں نہیں رہیں گے۔

ہرمزان:۔ خدا کرے مسلمان عاصم کی بات مان لیں۔

جوشن ماہ:۔ ضرور مان لیں گے عاصم معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا ضرور کسی ایسے قبیلہ سے ہے جس کا تمام مسلمان احترام کرتے ہیں کیا تم بھول گئے تھے کہ وہ سفارت پر جارہا تھا سفیر معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔

پروین جوشن ماہ کے اس اظہار خیال سے خوش ہوئی، جوشماہ نے پھر کہا جو باتیں اس وقت میں نے کہی ہیں انہیں دل میں رکھو، رات کو جب عاصم آجائے تو۔ . . . .

ابھی جوشن ماہ کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ کچھ شور وغل کی آواز بلند ہوئی یہ سب حیران ہو کر دیکھنے لگے، انہیں خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ابھی وہ حیرت واستعجاب سے دیکھ ہی رہے تھے کہ دو معزز ایرانی فوجی اس پہنے تیزی سے انکی طرف آتے نظر آئے جوشن ماہ نے ان کو پہچان لیا۔ وہ دونوں امپریل گارڈ کے افسر تھے اب جوشن ماہ کو بالکل یقین ہو گیا کہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ اور وہ افسر اسے حملہ کی اطلاع دینے کیلئے آئے ہیں، دونوں افسروں نے قریب آکر سلام کیا، افسروں کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ سخت متفکر اور مخوف ہیں، جوشن ماہ نے ان سے دریافت کیا، کیا بات ہے تم دونوں کیوں گھبرائے ہوئے آرہے ہو، کیا مسلمانوں نے حملہ کر دیا؟ ایک افسر نے کہا حضور والا مسلمانوں نے حملہ نہیں کیا بلکہ مہران کے لشکریوں نے ہمارے دو آدمی پکڑ لئے۔ یہ سن کر جوشماہ کو حیرت ہوئی اس نے استعجاب بھرے لہجہ میں دریافت کیا کیوں؟

وہی افسر:۔ یزدان ہی کو خبر ہے، صرف اتنا ہی سنا ہے کہ وہ دونوں عبیدا اور عاصم کا تذکرہ کر رہے تھے، مہران کے کسی آدمی نے سن لیا اس نے جاکر مہران کو مطلع کر دیا مہران نے کئی آدمی بھیج کر ان کو گرفتار کراکر منگوا لیا۔ اس بری خبر کو سن کر جوشن ماہ کا چہرہ فق پڑ گیا۔ ہرمزان بھی گھبرا گیا یہ تینوں لڑکیاں بھی سہم گئیں کچھ عرصہ کے بعد جوشماہ نے کہا کتنی دیر کا واقعہ ہے؟

وہی افسر:۔ ابھی ابھی کا، زیادہ سے زیادہ دس منٹ گذرے ہوں گے۔

جوشماہ:۔ یہ تو برا ہوا اگر ان دونوں نے صحیح صحیح بات مہران سے کہہ سنائی تو ہم سب مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے!

وہی افسر:۔ مجھے ان دونوں پر پورا اطمینان ہے اگر ان کے ٹکڑے بھی اڑا دیئے جائیں تو وہ ہرگز نہ بتائیں گے۔

جوشن ماہ :- ہمیں چل کر دیکھنا چاہیئے کیا ہوتا ہے۔

ہرمزان :- نہیں اے محترم بزرگ، وہاں نہیں جانا چاہیئے، اگر انھوں نے غداری کا تمام واقعہ کہہ دیا تو وہیں گرفتار کر لئے جاؤ گے۔

جوشن ماہ :- ہر چہ بادا باد، میں ضرور جاؤں گا۔

وہی افسر :- چلئے ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ چلیں۔

جوشن ماہ :- چلئے۔ ہرمزان تم ان دونوں لڑکیوں کو لے کر قصر میں چلے جاؤ۔

یہ کہتے ہی جوشن ماہ دونوں افسروں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا، ہرمزان، پروین اور زہرہ زان کے ساتھ قصر کی طرف چل دیا۔

آٹھواں باب

عارضی مسرت

جوشن ماہ پارک سے باہر نکل کر ایک گھوڑے پر سوار ہوا، یہ گھوڑا جوشن ماہ ہی کا تھا اسی گھوڑے پر سوار ہو کر وہ مہران سے ملنے گیا تھا دونوں افسروں کے گھوڑے بھی اسی جگہ کھڑے تھے وہ بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے، یہ تینوں اس عالیشان قصر کی طرف روانہ ہوئے جس میں مہران نے قیام کیا تھا۔ قصر اس جگہ واقع تھا جہاں دریائے دجلہ بہتا تھا ناظرین یہ بات لکھے ہوئے نوٹ میں پڑھ چکے ہیں کہ بابل کے عین وسط میں دریائے دجلہ لایا گیا تھا، اس شہر کے بانیوں نے یہ دانشمندی اس لئے کی تھی کہ اگر کسی وقت بابل شہر محصور ہو جائیں تو پانی کی قلت سے تکلیف نہ اٹھانی پڑے، دریا شہر کے بیچ میں ہونے سے کشتی بھی خوب ہو سکے گی اور ساحل شہر کو پانی بھی بافراط مل سکے گا جس جگہ دریا شہر میں داخل ہوتا تھا، اور جس جگہ باہر نکلتا تھا۔ دونوں طرف لوہے کی سلاخیں اور آہنی چادریں لگا کر گھاٹوں کو بند کر دیا تھا، لوہے کے مضبوط ایسے جھرنے دونوں طرف لگائے گئے تھے کہ سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہ مل سکتی تھی۔ اور وہ آسانی سے کوڑے بھی نہ جا سکتے تھے جوشن ماہ اور دونوں افسر نہایت تیزی سے گھوڑے دوڑائے چلے جا رہے تھے، وہ

یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان آدمیوں سے پہلے مہران کے پاس پہونچ جائیں جو گرفتار کر کے لے جائے گئے ہیں بہت تیز گھوڑے سرپٹ چھوڑ دیئے لیکن وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو ان کو راستہ میں وہ آدمی یا انہیں گرفتار کرنیوالے نہ ملے آخر دوڑتے دوڑتے وہ قصر کے سامنے پہونچے دروازہ پر سنتریوں کا پہرہ تھا نہ صرف دروازہ پر بلکہ قصر کے چاروں طرف تقریباً سو سوار پہرہ پر متعین تھے۔

دروازہ پر پہونچتے ہی جوشن ماہ اور دونوں افسر اترے سنتریوں نے ان کو سلام کر کے ان کے گھوڑے پکڑ لئے تینوں قصر میں داخل ہو گئے۔

جوشن ماہ اور اس کے ساتھ والے اس عجلت سے گذرے چلے گئے کہ انھوں نے سنتریوں سے بھی گرفتار شدہ آدمیوں کے متعلق کچھ نہ پوچھا۔ قصر پہونچتے ہی وہ اس کمرے میں گئے جس میں مہران کی نشست تھی۔

یہ کمرہ نہایت وسیع تھا، بہترین شاہانہ سامان سے آراستہ تھا۔ مہران کرسی پر بیٹھا تھا اس کے سامنے دو آدمی بندھے کھڑے تھے کئی سپاہی ان کو حراست میں لئے کھڑے تھے یہ دونوں امپریل گارڈ کے سوار تھے۔

مہران نے جوشاہ کو دیکھا اس کے بشرہ سے معلوم ہوا کہ اُسے اس وقت جوشن ماہ کا آنا سخت ناگوار گذرا۔ وہ زیر لب کچھ بڑبڑایا بھی لیکن جوشاہ بھی معمولی آدمی نہ تھا تمام ایرانی سارے ارکین سلطنت، خود یزدگرد اس کی عزت کرتے تھے، مہران اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، جوشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اس کے ساتھ آنے والے افسر مہران کی پشت کی طرف جا کر کھڑے ہو گئے، جوشاہ نے کہا مجھے افسوس ہے کہ آپ نے شاہی رسالہ کے دو آدمیوں کو گرفتار کرا منگایا، یہ رسالہ میری ماتحتی میں ہے اس سے میری توہین ہوئی۔

مہران نے غرور سے کیدگی سے کہا۔ مجھے تمام لشکر پر اقتدار حاصل ہے میں تمام لشکر کا سپہ سالار اعظم ہوں، سیاہ و سفید کا مالک ہوں، جو چاہوں کروں، کوئی دخل دینے والا کون؟

جوشاہ۔ گویا آپ اس لئے سالار اعظم بن کر آئے ہیں کہ لوگوں کی توہین کریں۔

مہران۔ نہیں اس لئے نہیں بلکہ شہنشاہ کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے

جوشن ماہ۔ شاہی رسالہ کے سواروں کو گرفتار کر لینے سے کون سے شاہی حقوق کی حفاظت مقصود ہے؟

مہران۔ جن باتوں کو آپ چھپا رہے تھے، اب وہ ظاہر ہو جائیں گی۔

جوشن ماہ: مہران حد سے نہ گذرو۔ مجھ پر رکیک الزام نہ لگاؤ۔ یاد رکھو میں بھی جوشن ماہ ہوں۔

مہران نے استہزاء کے طور پر ہنس کر کہا اور جلولہ کے رئیس بھی۔

جوشن ماہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ہاں جلولہ کا رئیس بھی اور اعزازی کرنیل بھی۔

مہران: دیکھئے ابھی معلوم ہو جائیگا کہ آپ نے واقعات کو کہاں تک چھپایا ہے۔ شاہی مجرموں کو پناہ دے کر کہاں تک نمک حلالی کا ثبوت دیا ہے۔

جوشن ماہ کو طیش آگیا۔ اس نے درشت لہجہ میں کہا اہل وطن سے پوچھو۔ کون نمک حلال ہے اور کون نمک حرام ہے لوگ کسے بھلائی سے اور کسے برائی سے یاد کرتے ہیں۔

مہران یہ سنکر سخت برافروختہ ہوا بگڑتے ہوئے کہا! میرے منہ پر ہی مجھے برا کہا! ۔۔ جانتے ہو؟ اس کا انجام کیا ہے!!

جوشن ماہ: ملک و قوم کی تباہی ہے۔

مہران: نہیں خود اپنی تباہی۔

جوشن ماہ۔ اب تم شہنشاہ کے حضور میں باریاب ہوکر تمھاری کیا دی کا پول کھولنا پڑے گا۔

مہران: تم کہیں نہیں جا سکتے پہلے اس الزام سے تو بری ہو لو جو تم پر عائد ہو رہا ہے

جوشن ماہ: کونسا الزام۔

مہران۔ خاموش رہ کر سنو۔

اب مہران شاہی رسالہ کے سواروں سے مخاطب ہوا۔ اس نے کہا، بادشاہ کے نمکخوارو تم وہ ہو جن کی وفاداری، نمک حلالی، اور صداقت پر شہنشاہ کو ناز ہے تم کو حکومت سے عقیدت اور شاہ سے محبت ہے اور ہونی بھی چاہئیے۔

تم شاہی رسالہ کے سوار ہو، بادشاہ کے محافظ ہو۔ بڑے رتبہ کے لوگ ہو، یہ بات مشہور ہے کہ تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے بتاؤ عبید اور عاصم جو کہ شاہی مجرم ہیں جیلخانہ سے بھاگ آئے ہیں جن کا تم ابھی تذکرہ کر رہے تھے وہ کہاں ہیں ایک سوار نے کہا" نہ ہم ان دونوں کو جانتے ہیں نہ ہم نے ان کو دیکھا اور نہ ہی ان کا تذکرہ کیا۔ اس جواب سے جوشن ماہ کا فکر دور ہو گیا اس نے فاتحانہ انداز سے مہران کو دیکھا، مہران جوش غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا، تم جھوٹ بولتے ہو،

تم ان کو جانتے ہو وہ جوشن ماہ کے پاس ہیں، یا تھے لیکن تم جوشن ماہ سے ڈرتے ہو بیچ بیچ بتا دو وہ کہاں ہیں۔ تم کو کوئی آزار نہ آنے گا۔ تم بچائے جاؤ گے بلکہ شہنشاہ تم کو انعام دینگے اب جوشن ماہ کو سخت طیش آگیا۔ اس نے بگڑ کر کہا بس مہران بہت ہو چکا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسی کمرہ میں خون کی ندیاں بہہ جائیں۔

مہران بزدل تھا۔ سفاک اور ظالم انسان ہمیشہ بزدل ہوتا ہے، وہ کمزوروں، بیکسوں بے وارثوں پر غرایا کرتا ہے۔ مہران بھی بے بس مظلوموں فلک کے ستائے تم زدوں پر شیر کی طرح غرایا کرتا تھا مگر آج جوشن ماہ سے معاملہ آپڑا تھا۔ جوشن ماہ بہت کچھ ڈرا، دبا لیکن کب تک اور دبا دینے سے تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے وہ تو انسان تھا، ذی عزت انسان وہ سیدھا ہو گیا۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو ڈرتا اور دبتا ہے اُسے اور ڈرایا، دبایا جاتا ہے مگر جو نہیں ڈرتا کوئی اُسے ڈرانے کا بھی حوصلہ نہیں کرتا۔

جوشن ماہ کے سیدھا ہونے سے مہران دب گیا۔ اس نے کہا۔ میرے بزرگ آپ فضول ناراض ہو گئے جو بات میرے کانوں میں پڑی تھی، سالار اعظم ہونے کی وجہ سے مجھے اس کی تصدیق کر کے اپنا اطمینان کرنا ضروری اور لازمی قرار پاتا تھا۔

جوشن ماہ نے دیکھ لیا کہ مہران دب گیا۔ اب وہ شیر ہو گیا اس نے گرج کر کہا۔ بھونکو ایسے اطمینان کو آگ لگاؤ ایسی تصدیق کو تم کو معلوم ہو گیا کہ شاہی سواروں پر الزام لگایا گیا ہے، اب الزام لگانے والوں کو سامنے بلاؤ اور انھیں سزا دو، مہران کو خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ جوشن ماہ ایسا سخت مطالبہ کرے گا۔ وہ گھبرا کر بغلیں جھانکنے لگا۔ جن لوگوں نے مہران سے یہ بات کہی تھی کہ فلاں فلاں شاہی سوار کہہ رہے تھے کہ عبید اور عاصم جوشن ماہ کے ساتھ ہیں وہ مہران کے خاص آدمی تھے، مہران ان کو سزا کیسے دے سکتا تھا۔ اس نے معاملہ رفع دفع کرنے کے لئے کہا۔

محترم بزرگ! شائد قدرے غلط فہمی سے کام لیا گیا۔ مجھے موقعہ دیجئے کہ میں تحقیقات کر لوں۔ اگر شاہی سواروں پر الزام لگانے والے جھوٹے ثابت ہوئے تو ان کو سزا دی جائے گی۔

جوشن ماہ نے تیز نظروں سے مہران کو دیکھ کر کہا کیا اب بھی آپ کو شبہ رہ گیا۔ مہران جوشن ماہ سے بہت کچھ دب گیا تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ نہیں شبہ نہیں بلکہ ممکن ہے،

مجھے ہی مغالطہ ہوا ہو۔ یعنی کہا کچھ گیا اور میں نے سمجھ کچھ اور لیا۔

جوشن ماہ: ۔ مگر اس غلطی سے شاہی رسالہ کے سواروں کی جو توہین ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟

مہران: ۔ یہ غلطی میری ہے اور میں ہی معافی چاہتا ہوں۔ اور ساتھ عزت کے ان امروم سواروں کو رہا کرتا ہوں۔

یہ کہتے ہی مہران نے اپنے ان آدمیوں کو جو شاہی سواروں کو حراست میں لئے کھڑے تھے اشارہ کیا فوراً سواروں کی بندشیں کھول دی گئیں، جو لوگ ان کو حراست میں لئے کھڑے تھے انھوں نے دو زانو ہو کر تلواریں اٹھا کر سواروں کو سلام کیا مہران کھڑا ہوا، اس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر چھت کی طرف بلند کیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ سوار باعزت رہا کر دیئے گئے۔

جوشن ماہ کو سواروں کی رہائی سے بڑی خوشی ہوئی اس نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا، جھوٹا الزام لگانے والوں کو کب تک سزا دی جائے گی۔

مہران نے جواب دیا، کل تحقیقات کے بعد۔

جوشن ماہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں افسر اور دونوں سوار بھی نکل آئے یہ سب کے سب اپنی کامیابی پر نہایت خوش ہو رہے تھے مگر جوشن ماہ سمجھا تھا کہ یہ کامیابی کی مسرت عارضی ہے، بھانڈا پھوٹے گا اور پھر پھوٹے گا۔ اصلیت ظاہر ہو کر رہے گی، ناممکن ہے کہ عاصم اور رعبید کی موجودگی کا راز نہ کھلے، اس خیال سے جوشن ماہ پھر افسردہ خاطر ہو گیا۔

جب وہ قصر سے باہر نکلے تو جوشن ماہ نے افسروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس وقت تو ہم کو کامیابی ہو گئی مگر یہ کامیابی عارضی معلوم ہوتی ہے۔

ایک افسر نے کہا: ۔ بے شک آپ کا خیال صحیح ہے مہران پورا شیطان ہے وہ پھر تحقیقات کرے گا۔ اور یقیناً اصلیت اس پر منکشف ہو جائے گی!!

جوشاہ۔ مجھے بھی اندیشہ ہے، اس وقت تو مہران دب گیا ہے مگر جب اُسے اصلی حال معلوم ہو جائیگا تو وہ ہماری بیکی، تباہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا۔

وہی افسر: ۔ یہ ٹھیک ہے لیکن پھر ہم کیا کریں

جوشاہ۔ کیوں نہ ہم مسلمانوں کی پناہ لے لیں۔

افسر نے حیرت سے جوشناہ کو دیکھ کر کہا: مسلمانوں کی پناہ . . . .
جوشناہ نے قطع کلام کر کے کہا:- ہاں اس میں ہرج کیا ہے؟
وہی افسر لیکن مسلمان پناہ کیوں دیں گے۔
جوشناہ۔ عاصم نے اس کا اقرار کر لیا ہے۔
وہی افسر:- لیکن اگر مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔
جوشناہ:- جس رفتار سے مسلمان بڑھ رہے ہیں، جس تیزی سے انہیں فتوحات مل رہی ہیں۔ جس جوش سے وہ لڑ رہے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے اول تو امکان ہی بہت ہی مشکل ہے اور بالفرض اگر شکست ہو بھی تو جو ان کا حشر ہو گا، وہی ہمارا۔ اپنے ملک اور اپنی قوم میں رہتے ہوئے جو ذلت ہماری ہو رہی ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ ہم غیر قوم میں عزت سے رہیں اگر عرب واپس لوٹیں تو ہم بھی ان کے ساتھ حجاز چلے جائیں گے۔
وہی افسر:- ممکن ہے کہ مسلمان ہماری عزت نہ کریں۔
جوشناہ۔ کبھی نہیں۔ وہ سب کو اپنے سے زیادہ اچھا جانتے ہیں۔
وہی افسر:- اگر آپ نے سب کچھ سوچ لیا ہے تو پھر بحث و تحمیص بیکار ہے جو آپ کی سمجھ میں آئے کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔
جوشن ماہ:- آپ تمام افسروں اور سپاہیوں کو اس پر آمادہ کر لیں۔
وہی افسر:- تمام سپاہی سب افسر آپ سے محبت کرتے ہیں سب کے سب فوراً آمادہ ہو جائیں گے۔
جوشن ماہ۔ خفیہ خفیہ تم سب کو تیار کر لو۔
وہی افسر:- بہتر ہے۔
جوشن ماہ:- مجھے آج دن چھپے ہی اطلاع کر دینا۔
اس افسر نے حیرت سے جوشناہ کو دیکھ کر کہا آج ہی۔
جوشن ماہ۔ ہاں آج ہی ممکن ہے کہ ہمیں رات ہی کو مسلمانوں کے لشکر میں جانا پڑے۔
وہی افسر:- بہتر ہے، میں آج ہی دن چھپے کے بعد آؤں گا۔
اب یہ سب جوشن ماہ کے قصر کی طرف روانہ ہوئے۔

نواں باب

فتح کے اسباب

مہران جوشاہ، پروین اور پری زاد خیزران کو ساتھ لے کر قصر میں پہونچا۔ تینوں وسیع کمرہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تینوں متفکر، تینوں پریشان اور تینوں افسردہ خاطر تھے۔ چپ چاپ بیٹھ گئے۔ واقعات کچھ ایسے پیش آ رہے تھے کہ ان کے فکر و آلام میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا، کمی نہ ہوتی۔ کافرادا پروین نت نئے آلام کا مقابلہ کرتے کرتے گھلی جا رہی تھی لیکن یہ بات عجیب تر تھی کہ اسکی خوبصورتی اسکی رعنائی، اس کی دلربائی بڑھتی جاتی تھی۔ ان تینوں کو فکر تھا، خوف تھا، وہ جوشاہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ انتظار کرتے کرتے انہیں دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کے وقت ان کی بیقراری بڑھ گئی۔ انکو طرح طرح کے اوہام، قسم قسم کے خیالات آ آ کر ستانے لگے کبھی خیال ہوتا تھا کہ جوشاہ گرفتار ہو گیا کبھی خیال ہوتا کہ جوشاہ غضب ناک ہو کر گیا ہے کہیں لڑ نہ پڑا ہو۔ غرض اسی اور اسی قسم کے تخیلات میں وہ غلطاں تھے کہ جوشاہ آ گیا اسے دیکھتے ہی سب کے سب خوش ہو گئے۔

جوشاہ آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پروین نے بیٹھتے ہی دریافت کیا۔ کیا۔ ابا جان! مہران کس طرح پیش آیا۔

جوشاہ نے تمام حال مفصل طریقہ پر سنا کر کہا۔ اب ہمارے لئے خطرات بڑھ گئے ہیں اسوقت تو مہران اپنی بزدلی کیوجہ سے مرعوب ہو گیا۔ بات بن گئی۔ مگر مجھے خدشہ ہے کہ یہ بات زیادہ عرصے تک چھپی نہ رہے گی۔ ہم کو یہاں سے نکل ہی جانا چاہیئے۔ رات تک تیاری کر لو۔ رات کو عاصم آئیگا اسکے آتے ہی اس کے ہمراہ چل دیں گے۔

اس کے بعد ان سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر چپکے ہی چپکے تیاریاں کرنے لگے قیمتی سامان باندھا جانے لگا۔ تیاریوں میں وقت گذرتا معلوم ہوا۔ دوپہر سے سہ پہر سہ پہر سے شام، پھر رات ہو گئی۔ رات ہوتے وقت تمام قصر میں شمعیں روشن کر دی گئیں روشنی نے قصر کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اسوقت جوشاہ تنہا بیٹھا تھا کہ شاہی رسالہ کے دونوں افسر

جو صبح اس کے ساتھ مہران کے پاس گئے تھے، آ گئے۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے جوشماہ نے دریافت کیا۔ کہئیے آپ نے اور لوگوں سے تذکرہ کیا تھا؟

ایک افسر نے جواب دیا۔ جی ہاں کیا تھا۔ تمام افسران اور سارے سپاہی تیار ہیں تمام شاہی رسالہ میں جوش پھیلا ہوا ہے۔ ہر شخص کو مہران سے نفرت ہو گئی ہے سب کا خیال ہے کہ مہران نے شاہی رسالہ کو ذلیل کرنے کے لئے دو سوار دل پر بیجا الزام لگا گرفتار کیا تھا۔

جوشماہ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا اس نے کہا۔ لوگوں کا خیال صحیح ہے بدسرشت شیطان سب کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔

وہی افسر:۔ یہی بات ہے، تمام رسالہ آپ کے ساتھ ہے جو آپ کہیں گے کریگا۔ جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ جائے گا۔

جوشماہ:۔ اب رات زیادہ آ گئی ہے، عاصم واپس آ رہا ہوگا۔ آؤ اسے لے آئیں۔

وہی افسر:۔ چلئے۔

یہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے قصر سے باہر آئے دونوں افسروں کے گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ جوشماہ نے اپنا گھوڑا منگایا تینوں سوار ہو کر پھاٹک کی طرف چلے۔ چونکہ پھاٹک فاصلے پر تھا، اس لئے تینوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پھاٹک پر پہونچ گئے۔ جوشماہ نے سنتریوں کو پھاٹک کھولنے کا حکم دیا پھاٹک کھلا اور تینوں باہر نکلے۔ اسوقت رات زیادہ آ گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا اندھیرا کہ چند قدم کی چیز بھی اچھی طرح نظر نہ آتی تھی۔ نیلگوں آسمان کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ ستارے سیاہ آسمان میں تیر رہے تھے۔ فضا خاموش تھی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ پر سکون تھا۔ جوشماہ نے بابل سے باہر نکل کر اسلامی لشکر کیطرف دیکھا، اسلامی لشکر میں جگہ جگہ آگ روشن ہو رہی تھی۔ دور سے آگ کی روشنی کے عکس میں خیمے مٹے مٹے نظر آ رہے تھے، جوشماہ اور اس کے دونوں ہمراہی اسلامی لشکر کی طرف بڑھے۔

ابھی وہ تھوڑے ہی دور چلے تھے کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی وہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ جوشماہ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ چند سوار اس طرف آ رہے ہیں۔ دونوں افسر آواز کی طرف کان لگاتے ہوئے تھے۔

ایک افسر نے کہا۔ میرے خیال میں تین سوار ہیں۔

جوشماہ نے کہا۔ ہاں تین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ہم تو عاصم و عبید دو ہی آدمیوں کا انتظار کر رہے ہیں، یہ ان کے ہمراہ تیسرا کون ہے؟

دوسرے افسر نے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ عبید اور عاصم نہ ہوں بلکہ کوئی اور ہوں۔

جوشماہ۔ یہ بھی ممکن ہے۔

پہلا افسر۔ ہم کو احتراز و احتیاط کرنا لازمی ہے، یہ مسلمان بڑے نڈر اور بہادر ہوتے ہیں۔ کہیں ہم پر ہی نہ آ ٹوٹیں۔

جوشماہ۔ بے شک احتیاط کرو۔ دیکھو آنے والوں میں سے کوئی بول رہا ہے۔

جوشماہ نے سچ کہا، کوئی کہہ رہا تھا جعفر بابل کا قلعہ آگیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ چلو۔ ساتھ ہی گھوڑوں کے آہستہ آہستہ آنے کی آواز آنے لگی۔

جوشماہ نے کہا۔ کچھ خوف نہ کرو۔ میں نے پہچان لیا ہے، یہ آواز عاصم کی تھی۔ بس یہیں ٹھہر جاؤ۔ عاصم کو آنے دو۔

یہ سب رک گئے، تھوڑی دیر میں آنے والے سوار قریب آ گئے۔ انھوں نے جوشماہ اور ان کے ہمراہیوں کو دیکھ لیا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ یہ شناخت نہ کر سکے یہ کون لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر بڑھایا اور ڈپٹ کر کہا۔ یہ کون کھڑے ہیں فوراً بولو، ورنہ نیزہ سینہ کے پار ہوگا۔ ساتھ ہی نیزہ کی انی چمکی، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جھپٹنے والے سوار نے نیزہ سنبھال لیا ہے۔

جوشماہ نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ عاصم کی آواز تھی۔ اس نے کہا۔ عاصم میں ہوں جوشماہ، تمھارا انتظار کر رہا تھا۔

عاصم نے قریب پہونچ کر سلام کیا۔ اس نے کہا آپ ٹھیک وقت پر تشریف لائے مجھے یہی اندیشہ تھا کہ کہیں آپ پھاٹک پر نہ آ سکے تو بڑی دقت ہوگی۔

اب عبید اور جعفر بھی عاصم کے پاس پہونچ گئے۔ جوشماہ نے کہا، کیسے نہ آتا، مجھے خود آنے کی فکر تھی۔

عاصم۔ کیئے مہران نے تو دن میں کچھ نہیں پوچھا۔

جوشماہ۔ وہ مشکوک ہو گیا ہے، عاصم یزداں نے بڑی خیریت کی، آج بچ گئے۔

یہ کہہ کر جوشماہ نے تمام واقعہ جو دن میں گذرا تھا عاصم کو سنا دیا۔ عاصم نے سب

کچھ سننے کے بعد دریافت کیا اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟
جوشناہ۔ پہلے تم بتاؤ، تمہارے سردار نے کیا کہا۔
عاصم۔ انھوں نے میری عرضداشت منظور کر لی ہے، آپ کو اماں مل گئی نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے متعلقین کو بھی اماں مل گئی اس سے بھی زیادہ یہ کہ جس کو آپ کہیں گے اماں دی جائے گی۔
جوشناہ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے انھوں نے کہا یہ زبانی وعدہ ہی یا تحریری۔
عاصم:۔ تحریری۔ لیجئے یہ اماں نامہ ہے۔ اگر روشنی ہو تو پڑھ لیجئے۔
عاصم نے ایک جھلی نما کاغذ جوشناہ کو دیا۔ جوشناہ نے لے کر اپنی کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ یہاں روشنی نہیں ہے میں پڑھ لوں گا۔ ۔ عاصم اس وقت میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا ہے۔
عاصم:۔ کیا؟
جوشناہ:۔ کیوں نہ میں تمہارا قبضہ بابل پر کرا دوں۔
عاصم:۔ اگر ایسا ہو تو بہت ہی اچھا ہے، کیونکہ اس سے تمام مسلمانوں میں آپ کا وقار بڑھ جائے گا۔
جوشناہ۔ بس تو تم واپس چلے جاؤ اور جس قدر لشکر مناسب سمجھو اپنے ہمراہ لے آؤ میں سنتریوں کو پھاٹک پر سے ٹال دوں گا۔ تمہارے آتے ہی دروازہ کھول دیا جائیگا۔
عاصم:۔ بہتر ہے۔
جوشناہ۔ بس تو جلدی کرو اور فوراً جاؤ۔ اور لشکر کو اس طرح لاؤ کہ اس کے آنے کا کھٹکا نہ ہو۔
عاصم۔ ایسا ہی ہوگا۔ مگر آپ اپنے لشکر کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ لڑائی میں شریک نہ ہوں کوئی سپاہی ہتھیار نہ باندھے کیونکہ مسلمان لڑائی کے وقت یہ کیسے سمجھ سکیں گے کہ آپ کے ہمراہی کون ہیں، اور مہران کے کون۔
جوشناہ۔ میں ان کو ہدایت کر دوں گا۔ میرے ہمراہیوں میں سے ایک فرد تک بارک سے باہر نہ نکلے گا۔
عاصم۔ ٹھیک ہے۔
عاصم، عبید اور جعفر تینوں چلے گئے، جوشناہ اور اسکے دونوں ساتھی کھڑے

رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد جوشناہ نے کہا۔ میرے خیال میں تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ اور اپنے تمام لشکر کو ہدایت کر دو کہ بغیر میرے حکم کے کوئی بارک سے باہر نہ نکلے نہ ہتھیار لگائے ایک افسر نے بہت خوب کہا۔ اور دونوں چلے گئے۔ اب جوشناہ تنہا رہ گیا وہ گھوڑے کو اِدھر اُدھر چکر دینے لگا۔ رات خاموشی سے بڑھتی رہی کائنات کا ذرّہ ذرّہ خاموش رہا۔ سیاہ آسمان میں تیرنے والے ستارے ساکنان ارض کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ دو ثلث رات گذر کر صرف ایک ثلث باقی رہ گئی۔ جوشناہ اس وقت بابل کی فصیل سے آگے بڑھا کھڑا تھا۔ وہ مسلمانوں کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دور پر کچھ آواز محسوس ہوئی اس نے کان لگا کر سنا اسے معلوم ہو کہ بہت سے گھوڑے آہستہ آہستہ آرہے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مسلمان ہیں۔

وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ آنے والے قریب آگئے جوشناہ نے انکو دیکھا اس نے اندازہ کر لیا کہ وہ ایک ہزار سوار تھے سب سے آگے عاصم تھا۔ عاصم بڑھکر جوشناہ کے پاس آیا۔ جوشناہ نے کہا کیا صرف اتنے ہی لشکر سے تم بابل فتح کرنیکا ارادہ رکھتے ہو؟

عاصم نے کہا آپ انکی قلت کا خیال نہ کریں ان میں سے ہر ایک وہ شخص ہے جو ایک ہزار سے لڑ سکتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ کس طرح ایرانیوں کا تختہ الٹ دیں گے!

جوشناہ۔ عاصم، تم نے غلطی کی تمھیں تمام لشکر لانا چاہیئے تھا۔

عاصم:۔ تمام لشکر بھی آنے والا ہے یہ تھوڑے سے آدمی اس لئے لے آیا ہوں کہ فصیل والے ہماری آمد سے خبردار نہوں۔ اور ہم آسانی سے پھاٹک پر قابض ہو جاویں ہمارے پیچھے تمام لشکر آرہا ہے۔

جوشناہ:۔ اچھا میرے ہمراہ صرف دس آدمی چلو، پھاٹک پر جو سنتری ہیں پہلے ان کو قبضہ میں کر لو۔

عاصم نے بہتر ہے کہا اور دس آدمیوں کو منتخب کر لیا۔

جوشناہ ان کو ہمراہ لے کر بابل کے پھاٹک کی طرف بڑھا۔ باقی لشکر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ اس طرح خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جس سے یقین ہونے لگا تھا کہ مسلمان بابل کو فتح کر لیں گے۔

دسواں باب

بابل کی فتح

جوشناہ ان دس انتخاب شدہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر پھاٹک کے قریب پہونچا فصیل کے اوپر والے سپاہیوں کی "بیدار باش" اور "ہوشیار باش" کی آواز سنی جوشناہ نے آہستہ سے کہا، دیکھو پھاٹک میں داخل ہوتے ہی سنتریوں پر جھپٹ پڑنا عاصم نے کہا۔ آپ چلیں تو سہی دیکھئے کس آسانی سے ہم سنتریوں کو قابو میں کر لیتے ہیں۔

اب یہ سب آہستہ آہستہ چلے اور پھاٹک میں داخل ہوئے سنتری پھاٹک کے دوسری طرف بیٹھے تھے اور اونگھ رہے تھے، عاصم اور اس کے ساتھیوں نے تلواریں نکال نکال کر ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ وہ کھٹکے کی آواز سن کر ہوشیار ہوئے انھوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں، ننگی تلواریں دیکھ دیکھ کر سہم گئے۔ ان میں سے ایک بھی نہ اٹھ سکا نہ کچھ بول سکا۔ تلواریں ان کے سروں پر پڑیں اور ان کا کام تمام ہو گیا۔

پھاٹک پر دس ہی سنتریوں کا پہرہ تھا۔ دسوں کام آئے، پھاٹک کے دونوں طرف بارکیں تھیں۔ بارکوں میں ایرانی سپاہ بڑی میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی ان کو خبر تک نہ ہوئی کہ سنتری مار ڈالے گئے۔

سنتریوں کا صفایا ہوتے ہی جوشناہ نے آہستہ سے کہا۔ جب تم فتح پالو تو میرے پاس قصر میں آنا۔

یہ کہتے ہی جوشناہ چلا گیا۔ عاصم اپنے ہمراہیوں کو پھاٹک پر کھڑا کر کے باہر نکلا وہ آہستہ آہستہ چلکر مجاہدین کے پاس پہونچا اور ان کو خاموشی سے چلنے کی ہدایت کی۔

اسلامی لشکر نہایت احتیاط اور خاموشی سے بڑھا۔ بڑی آہستگی سے چلکر پھاٹک کے اندر داخل ہوا اگرچہ مسلمانوں نے بہت زیادہ احتیاط کی، مگر احتیاط وہاں کام کرتی ہے جہاں دو چار دس بیس آدمی ہوں۔ اور جہاں ایک ہزار ہوں وہاں کیا احتیاط ہوتی پھر پیادے نہیں بلکہ سوار تھے چنانچہ جب مسلمان پھاٹک عبور کر کے بابل میں داخل ہوئے

تو ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے ان ایرانیوں کی آنکھ کھل گئی جو کہ پھاٹک کے قریب بارکوں میں پڑے سو رہے تھے۔

بہت سے ایرانی بیدار ہوتے ہی آنکھیں ملتے ہوئے بارکوں سے باہر نکل آئے اگرچہ اندھیرا ہو رہا تھا لیکن ایک تو فاصلہ کم تھا۔ دوسرے کھلا ہوا میدان تھا تیسرے مسلمانوں کی جداگانہ پوشاک تھی۔ ایرانیوں نے پہچان لیا۔ وہ فوراً بارکوں کی طرف پلٹے اور انھوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا مسلمان آ گئے! بابل کے اندر مسلمان آ گئے۔

ان متواتر آوازوں کو سُن سُن کر تمام بارکوں میں ہلچل شروع ہو گئی۔ ہر بارک سے سپاہی اٹھ اٹھ کر باہر نکلنے اور مسلمان آ گئے۔ بابل کے اندر مسلمان آ گئے کے نعرے مارنے لگے بارکوں سے کسی قدر فاصلے پر خیمے نصب تھے خیموں کے اندر بھی ایرانی لشکر مقیم تھا۔ وہ بھی گھبرا کر اٹھے، اور خیموں سے باہر نکل نکل کر چلانے لگے مسلمان آ گئے بابل کے اندر مسلمان آ گئے۔

بارکوں اور خیموں والے ایرانیوں کی آوازیں فصیل سے ٹکرائیں، فصیل کے اوپر سونے والے ایرانی بھی جاگ پڑے وہ بھی اس افراتفری میں اٹھے اور چلا چلا کر کہنے لگے مسلمان آ گئے، بابل کے اندر مسلمان آ گئے!!

ان پیہم آوازوں کو مسلمانوں نے سنا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، عاصم نے کہا یہ وقت دیکھنے اور سوچنے کا نہیں ہے چاروں طرف بکھر جاؤ۔ اور ایرانیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دو۔

یہ لشکر عاصم ہی کی ماتحتی میں آیا تھا۔ عاصم سے اتنا سنتے ہی مسلمان پھیل گئے۔ وہ بارک والوں پر جا پڑے۔ انھوں نے تلواریں سونت لیں۔ اور نہایت تیزی سے ایرانیوں کے سروں پر چلانی شروع کر دیں۔

ایرانی نہتے تھے، غیر مسلح تھے، ابھی سو کر اٹھے تھے، اکثر ابھی تک آنکھیں ہی مل رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے سامنے سے بھاگے۔ شور مچاتے ہوئے بھاگے اپنی پوری طاقت سے چلاتے گلا پھاڑتے ہوئے بھاگے۔ لیکن وہ پیدل تھے۔

مسلمان سوار۔ بھاگ کر کہاں جاتے چند ہی قدم دوڑتے جاتے تھوڑا ہی چلاتے کہ کسی نہ کسی مسلمان کی تلوار سر پر پڑتی اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو کر لمبے لمبے لیٹ جاتے چشم زدن میں مسلمانوں نے ہزاروں ایرانیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر

ڈال دیا۔ مگر ایرانیوں کے چلانے سے ان کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ تمام قلعے میں ہنگامہ مچ گیا۔ طرح مچ گیا۔ سارے ایرانی جلد جلد اٹھ اٹھ کر مسلح ہو ہو کر اسی طرف آنے لگے۔ جس طرف موت کا بازار گرم ہو رہا تھا۔ مسلمان ایرانیوں کو کاٹ رہے تھے۔

سب سے پہلے تیرجان اپنا لشکر لے کر پہونچا۔ عجلت کی وجہ سے سارا لشکر تو وہ بھی نہ لا سکا لیکن پانچ ہزار سواروں کو مسلح کر لایا۔ باقیوں کو جلد سے جلد مسلح ہو کر آنے کی ہدایت کر آیا۔ اس نے آتے ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان چاروں طرف بکھرے ہوئے ایرانیوں کو قتل کر رہے تھے جب انھوں نے تیرجان کے ہمراہیوں کو یورش باندھے آتے اور حملہ کرتے دیکھا تو وہ بھی سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور نہایت دلیری سے لڑنے لگے۔

جب تیرجان اور اسکے ہمراہیوں نے مسلمانوں کی تھوڑی تعداد دیکھی تو انکے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

مسلمان سنگی چٹان کی طرح پھاٹک کے سامنے جم گئے انھوں نے جلدی سے اپنی دو صفیں قائم کر لیں۔ اور بڑی بے جگری سے لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ ایرانی چلا چلا کر نعرے لگا رہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے تمام بابل نعروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ سالار لشکر اور تمام اہل شہر بیدار ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے لشکر مسلح ہو ہو کر حاذ جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ شہر کے باشندے گھروں میں چھپے خوف سے کانپ رہے تھے عاصم کے ہاتھ میں اسلامی علم کا پھریرا ہوا میں لہرا رہا تھا عاصم نہایت جوش، بڑی دلیری اور نہایت بے خوفی سے لڑ رہا تھا۔

وہ جس طرف حملہ کرتا تھا صف کی صف اُلٹ دیتا تھا، جس ایرانی پر اسکی تلوار پڑتی تھی وہیں مردہ ہو کر گر جاتا تھا۔

ایرانی جوش میں آکر پیچ و تاب کھا کھا کر بڑھتے تھے، عاصم پر حملہ کرتے تھے لیکن جب وہ عاصم کے قریب پہونچے عاصم ان پر جھپٹتا، پانچ سات ایرانی مارے جاتے بقیۃ السیف ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے!!

عاصم کے برابر ہی عبید تھا، عبید بھی نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا وہ بھی جس پر جھپٹتا جس پر حملہ کرتا اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ اس کی خارا شگاف تلوار خود اور زرہ کاٹ کر سر و تن کا فیصلہ کر دیتی!!

عبید کے قریب جعفر تھا وہ بھی کمال بہادر اور جنگجو تھا۔ نہایت پھرتی سے گھوڑا

دو بڑا کہ حملے کر رہا تھا اُس نے بھی بہت سے ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ صرف یہ تینوں ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان خونخوار شیر بنا ہوا تھا۔ اور ایرانیوں کو چیرنے پھاڑنے میں ایک دوسرے سے زیادہ حریص بن رہا تھا۔

چاروں طرف سے ایرانیوں کے دستوں پر دستے آ رہے تھے، بڑے جوش سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ غصہ میں آ آ کر آگے آ رہے تھے۔ اور صفیں باندھ باندھ کر سمٹ سمٹ کر حملے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو کچل ڈالنا چاہتے تھے، بڑے جوش سے حملے کرتے تھے، مگر مسلمان گویا لوہے کے تھے نہ ڈرنا جانتے تھے، نہ پیچھے ہٹنا۔ نہ برابر کھڑے ہوئے لڑ رہے تھے۔ ایرانیوں کو قتل کر رہے تھے۔ ایرانیوں کو بڑا غصہ آ رہا تھا۔ جنگ ہو رہی تھی، نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی اگرچہ برابر کا مقابلہ نہ تھا، مسلمان صرف ایکہزار تھے اور ایرانی ایک لاکھ سے بھی زیادہ، لیکن مسلمانوں کے پشت کی جانب فصیل تھی۔ سامنے ایرانی لشکر تھا۔ پیچھے کیطرف سے حملہ کا ڈر نہ تھا اور سامنے والوں سے وہ لڑ ہی رہے تھے۔

اگر ایرانی دو لاکھ بھی ہوتے تو کچھ فائدہ نہ تھا کیوں مسلمانوں کو جو کمین گاہ ملی ہوئی تھی وہ ایسی تھی کہ ایرانیوں کی کثرت ان کو کوئی نقصان نہ پہونچا سکتی تھی۔ اسلئے مسلمان نہایت اطمینان سے لڑ رہے تھے۔

اب صبح صادق کے آثار ظاہر ہو گئے تھے اندھیرا مغرب کی طرف سمٹنے لگا تھا شرقی جانب سے روشنی کی سفید چادر اٹھنے لگی تھی۔ اجالا پھیلنے لگا تھا۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی اور مسلمانوں کو ایرانیوں کی صورتیں نظر آنے لگی تھیں اب تک تو مسلمان اندھیرے میں سر جھکائے لڑتے رہے لیکن جب روشنی پھیلی اور انھوں نے سر اٹھا اٹھا کر سامنے نظر کی تو ایرانی سواروں کا سمندر نظر آیا۔ جو حد نگاہ تک ہچکولے کھا رہا تھا۔

مسلمان اس قدر لشکر دیکھ کر کسی قدر متفکر ہوئے۔ فکر وجہ معقول سے تھا ایرانی اس قدر زیادہ تھے کہ اگر وہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مسلمانوں کے سامنے قتل ہونے کیلئے بیٹھ جاتے تو یہ ایک ہزار مسلمان کئی دن میں ان کو قتل کر سکتے۔

مسلمانوں نے سمجھ لیا تھا کہ ایرانی ان کو زندہ نہ چھوڑیں گے بابل میں ان کے مزار بنیں گے۔ دیار غیر میں شہید ہوں گے۔ شہید ہونا ان کی عین تمنا تھی سب کے سب لوں میں ایک ساتھ یہ خیال پیدا ہوا کہ مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے بچنے کی کوئی سبیل نہیں

کیوں نہ ایرانیوں کو اچھی طرح قتل کر کر کے مریں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ بجلی سے حملے کرنے لگے۔ ایک دم گھوڑوں کی کنوتیاں ملا کر جھپٹے۔ ایرانی صفوں پر گرتے۔ جلد جلد حملہ کرتے اور تمام صفوں کو الٹ کر یا قتل کر کے پیچھے ہٹتے۔

ایرانی حیران تھے۔ ان کو غصہ بھی آتا۔ جوش بھی آتا۔ مگر نہ غصہ سے کچھ ہوتا نہ جوش سے۔ جو غصہ میں آکر بڑھتے جوش میں آکر حملہ کرتے وہی مسلمانوں کی تلواروں کی نذر ہو جاتے۔

اب آفتاب افق مشرق سے جھانکنے لگا تھا۔ تمام بابل میں کافی روشنی پھیل گئی تھی عام طور پر اس وقت بابل کے بازار کھل جاتے اور لوگ کاروبار میں مصروف ہو جاتے مگر آج مسلمان بابل کے اندر آکر لڑ رہے تھے۔ نہ کوئی باہر نکلا۔ نہ بازار کھلے اور نہ کاروبار شروع ہوا۔ تجبر جان کئی صفوں کے پیچھے کھڑا ایرانیوں کو جوش دلا رہا تھا اور ایرانی جوش میں آکر بڑھتے تھے۔ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ مگر جب مسلمان ان پر ٹوٹ پڑتے تھے تو وہ یا تو موت کا شکار ہو کر ڈھیر ہو جاتے یا گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔

یہ بات نہیں ہے کہ مسلمان شہید نہ ہو رہے تھے وہ بھی مر رہے تھے لیکن بہت کم البتہ قتل کرتے کرتے وہ تھک گئے تھے ان کے بازو سست پڑ گئے تھے اب وہ اس جوش سے نہ لڑ رہے تھے جس جوش سے آفتاب طلوع ہونے سے قبل حملے کرتے رہے تھے۔ ایرانیوں نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے قویٰ سست پڑ گئے تھے اور انکے بازو جواب دینے لگے ہیں۔ تلواریں پوری کاٹ نہیں کر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر انکے دل بڑھ گئے۔ انھوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اس حملہ کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر وہ ایرانیوں کو نہ روک سکے کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ عاصم نے مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھی اُسے افسوس بھی ہوا۔ جوش بھی آیا۔ اس نے للکار کر کہا مسلمانو! یہ کیا بزدلی ہے پیچھے ہٹتے ہو۔ لڑنے سے جی چراتے ہو۔ بہشت سے بھاگتے ہو۔ خدا کی نافرمانی کرتے ہو۔ خدا کی قسم قیامت کے دن رسول خدا تم سے ناخوش ہوں گے۔ بڑھو حملہ کرو۔ مارو یا شہید ہو جاؤ۔

عاصم کی اس مختصر تقریر نے مسلمانوں میں جوش و غیرت کا جذبہ پیدا کر دیا وہ اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر بڑھے۔ ایرانیوں پر ٹوٹے ان کو قتل کرنے لگے۔ مگر بہت جلد یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ طاقت جواب دے گئی جس قدر بڑھے تھے اس سے زیادہ پیچھے ہٹ گئے۔

اب ایرانی کمال جوش میں آکر بڑھے انھوں نے تلواروں کی باڑھ پر مسلمانوں کو رکھ لیا مسلمان شہید ہونے لگے۔ عاصم نے دیکھا وہ تڑپ گئے۔ وہ عبید۔ جعفر تینوں

اب بھی کمال دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن صرف تین آدمی ڈیڑھ پونے دو لاکھ لشکر سے کب تک لڑ سکتے تھے۔

عاصم نے خلوص دل سے دعا مانگی۔ اے الہ العالمین مسلمانوں کی غیب سے امداد کر انہیں بچا لے۔ یہ تیرے اور صرف تیرے پرستار اور نام لیوا ہیں۔ تیرے بھروسے پر لڑنے آئے ہیں۔ تو نے ہمیشہ مسلمانوں کی امداد کی ہے البتہ اب بھی ان کی امداد و اعانت فرما۔

ابھی یہ الفاظ ان کی زبان سے ادا ہو رہے تھے کہ اللہ اکبر کے پر ہیبت نعرہ کی آواز آئی۔ آواز کے ساتھ ہی مسلمان بابل کے اندر آنے شروع ہو گئے۔ ان کا تانتا لگ گیا۔ عاصم اور اسکے ہمراہی ایک طرف ہٹ گئے۔ تازہ دم مسلمانوں نے آتے ہی ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ ایرانی بھی ان پر جھک گئے۔ نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی مسلمان نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ نہایت پھرتی اور دلیری سے لڑ رہے تھے وہ مارتے کاٹتے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ایرانی قدم قدم پر الجھ رہے تھے ایک ایک انچ زمین پر لڑ رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو روکنا چاہتے تھے۔ مگر مسلمان کسی طرح سے نہ رکتے تھے برابر قتل اور خونریزی کا بازار گرم کرتے کشتوں کے پشتے لگاتے بڑھ رہے تھے۔

اگرچہ ہزاروں مسلمان اندر آ گئے تھے۔ مگر ان کے داخلہ کا تانتا بدستور لگا ہوا تھا بات یہ تھی کہ مسلمانوں کا وہ تمام لشکر جو حضرت سعدؓ کی سرکردگی میں تھا۔ رات ہی کو آ گیا تھا گویا تمام اسلامی لشکر بابل کے سامنے اکٹھا ہو گیا تھا۔ اور اسوقت سارا ہی لشکر بابل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس وقت اسلامی لشکر بابل میں داخل ہو رہا تھا اسوقت مہران بھی تمام لشکر لیکر آ گیا تھا۔ سارا بابل سوار اور سپاہیوں سے بھر گیا۔ زہرہ نے بھی قلعہ میں داخل ہوتے ہی نخیرجان کو دیکھا۔ وہ صفیں چیرتا ہوا بڑھا۔ اس کے ساتھ ہی کئی سو مسلمان بڑھے۔ ایرانی سد راہ ہو گئے اور جنگ زور و شور سے ہونے لگی۔ قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

چونکہ مرنے والے ایرانیوں کی جگہ تازہ دم ایرانی آتے جاتے تھے اس لئے مسلمان تیزی سے نہ بڑھ سکتے تھے۔ ایرانیوں کو قتل کرتے سامنے سے ہٹاتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی جد و جہد کے بعد زہرہ نخیرجان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے نخیرجان نے زہرہ کو دیکھا اس نے تلوار سے ان پر حملہ کیا۔ زہرہ نے نہایت پھرتی سے اس کا حملہ روکا اور پھر خود حملہ کیا۔ نخیرجان نے ڈھال سامنے کر دی۔ زہرہ کی تلوار

ڈھال کاٹ کر اسکے شانہ پر پڑی۔ اگرچہ شانہ میں چاندی کی زنجیر کا جال تھا مگر زہر کی تلوار اس بلا کی تھی کہ زنجیریں کاٹ کر کسی قدر شانہ کو زخمی کر گئی۔

زخمی ہوتے ہی تخرجان واپس لوٹا۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگا جس وقت وہ بھاگا ہے اسی وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ ایرانیوں نے ہرچند زور لگایا۔ بہت کچھ جمنا چاہا لیکن نہ جم سکے پیر اکھڑ ہی گئے وہ ایک قدم گھبرا کر ہٹے بدحواس ہو کر پیچھے لوٹ کر بھاگے۔ انکے بھاگتے ہی مسلمان انکے پیچھے دوڑے انھوں نے ایک اور حملہ کیا۔ یہ سخت حملہ ہزاروں ایرانیوں کو دم کے دم میں کاٹ کر ڈال دیا ایرانی ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ایرانی دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اگلے ایرانیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر پچھلے ان سے بھی پہلے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مہران نے ہرچند روکنا چاہا بہت غیرت دلائی۔ دھمکایا۔ ڈرایا لیکن کسی نے بھی اسکی ایک نہ سنی۔ وہ بھاگے چلے گئے مجبوراً مہران بھی بھاگا۔ مسلمان بھی ایرانیوں کے پیچھے ہی پیچھے مارتے کاٹتے چلے گئے۔ انھوں نے قدم قدم پر ایرانیوں کی لاشیں بچھا دیں۔ راستے۔ بازار۔ کوچے اور گلیاں خون سے سرخ ہو گئے۔ لاشوں سے پٹ گئے۔ اگر ایرانی بدحواس نہ ہو جاتے صرف ایک تخرجان کے بھاگنے سے سب کے سب گھبرا کر نہ بھاگ پڑتے تو فتح یقیناً ان کی ہی ہوتی۔ مسلمان ان کے مقابلہ میں بہت تھوڑے تھے۔ پھر سارے مسلمان قلعہ کے اندر بھی نہ آئے تھے۔ ایرانی اگر جم کر لڑتے تو مسلمانوں کو پسپا کر دیتے مگر ملک خدا کا ہے زمین خدا کی ملکیت ہے جس قوم کو چاہتا ہے دے دیتا ہے ایرانیوں کو بابل پر حکومت کرتے مدت گذر گئی تھی۔ زعم حکومت سے وہ مغرور ہو کر ظلم اور ستم کرنے لگے تھے۔ خدا کو نہ غرور پسند ہے نہ ظلم و ستم اس نے حکومت ایران کا بابل سے جنازہ نکال دیا۔ اول اول تو ایرانی گھبرا گئے بابل کی گلیوں بازاروں اور راستوں میں پھرتے رہے لیکن جب ہر جگہ مسلمان ملک الموت کی طرح ان کے پیچھے لگے رہے انہیں قتل کرتے رہے تو وہ دوسری طرف کا پھاٹک کھول کر باہر نکلے اور مدائن کیطرف بھاگنے لگے۔ اس طرح بابل کے جتنے دروازے تھے سب دروازے کھول دیئے گئے ایرانیوں کا سیلاب ہر دروازے سے نکلا اور مدائن کی طرف بہنے لگا۔ دوپہر ہونے سے پہلے ہی مہران کے تمام ساتھی بابل اور اہل بابل کو انکی قسمت پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے بابل پر قبضہ کر لیا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے منادی کرادی کہ چونکہ اہل شہر نے لڑائی کے وقت ایرانی فوج

کا ساتھ نہ دیا۔ اس لئے نہ ان کو لوٹا جائے، اور نہ قتل کیا جائے۔

مسلمان اس منادی کو سنتے ہی محتاط ہو گئے انھوں نے بابل پر تسلط کرتے ہی بابل کے باہر سے اپنے خیمے اور سب سامان منگایا۔ مجاہدین ان بارکوں میں فروکش ہو گئے جن میں رات کو ایرانی سوئے ہوئے تھے۔

حضرت سعدؓ نے اس قصر میں قیام کیا جس میں مہران ٹھہرا ہوا تھا۔ زہرہؓ خالدؓ شرجیلؓ اور دوسرے سرداران محلوں میں ٹھہرے جن میں تخر جان وغیرہ ٹھہرے ہوئے تھے۔

حضرت سعدؓ نے مجروح مسلمانوں کو عورتوں اور ان ڈاکٹروں (جراحوں) کے سپرد کر دیا جن کو حضرت عمرؓ نے اس لشکر کے ساتھ بھیجا تھا۔ شہداء کو اکٹھا کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کر دیا گیا۔ ایرانیوں کی لاشیں سڑکوں، گلیوں اور کوچوں میں سے اٹھوا کر دفن کرا دیں۔ اس جنگ میں تین سو پانچ ۳۰۵ مسلمان شہید ہوئے اور ایرانی گیارہ ہزار مارے گئے جب جملہ انتظامات سے فراغت ہو گئی تو عاصمؓ عبیدؓ اور جعفرؓ جوشناہ کے قصر کی طرف روانہ ہوئے۔

گیارہواں باب

ایک اور اسیر گیسو

جس وقت عاصمؓ عبیدؓ اور جعفرؓ جوشناہ کے قصر میں پہنچے اس وقت چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ آفتاب کی طلائی کرنیں قصر کی بلند دیواروں پر رقص کر رہی تھیں۔ یہ تینوں اس کمرہ میں پہنچے جس میں پروین کی نشست تھی۔ اس وقت کمرہ کے اندر پروین اور خیزران بیٹھی تھیں۔ دونوں ریشمیں پوشاک پہنے تھیں کمال حسین معلوم ہو رہی تھیں نور حسن سے کمرہ جگمگا رہا تھا۔ عاصم کو دیکھتے ہی پروین کا چہرہ اور بھی چمک گیا۔ ہلکے گلابی گال تمتما اٹھے۔ آنکھیں برق تپاں کا مظہر بن گئیں اس نے بے قرار نظروں سے عاصم کو دیکھا۔ عاصم اس کی ان ہوش ربا نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ اس کی نظریں لڑکھڑا کر جھک گئیں۔

جعفر نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی پہلے پروین کو پھر خیزران کو دیکھا وہ ان نور کی تیلیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ان کی نگاہیں خیزران کے پھول سے رخساروں پر اگر رُک گئیں!

خیزران کے مسیحا صفت لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ وہ عاصم کو دیکھ کر شوخی سے مسکرا رہی تھی۔ اتفاق سے اس کی نظر عاصم سے ہٹ کر جعفر پر پڑی۔ جعفر پہلے ہی اُسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ نگاہوں کے ملتے ہی ادھر تو جعفر کچھ کھو سا گیا۔ اِدھر خیزران کی شوخی کچھ کر گئی۔ اس کی بجلیاں گرانے والی آنکھیں جھک گئیں۔

چند لمحہ کے بعد عاصم سنبھلا۔ اس نے جعفر کی طرف اس سے سیم تن لڑکیوں کا تعارف کرانے کیلئے دیکھا۔ جعفر ہمہ تن دیدہ بنا ہوا مہوش خیزران کو دیکھ رہا تھا۔ خیزران شرمائی ہوئی نظریں نیچے کئے بیٹھی تھی۔ عاصم یہ دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا جعفر! یہ پروین جوشاہ کی دختر ہے اور یہ تمہارے سامنے جو نظریں جھکائے بھولی صورت بنائے بیٹھی ہیں۔ ہرمزان کی ہمشیرہ خیزران ہیں۔

جعفر حسن کی گہرائیوں۔ نور کی وادیوں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ خیزران نے اپنا چاند سا شرمیلا چہرہ اُٹھا کر عاصم کو شرمیلی نظروں سے دیکھا۔ عاصم مسکرا رہا تھا خیزران کے لبوں پر بھی شرمیلا تبسم نمودار ہوا۔

عاصم نے کہا۔ جعفر یہ خیزران بڑی شوخ ہے تم ان کو کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ تم سے ذرا شرما رہی ہیں۔ جب وقت کھل جائیں گی تم کو پریشان کر دیں گی۔ جعفر بہت ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے کہا۔ عاصم تم غلطی پر ہو یہ تو نہایت بھولی معلوم ہوتی ہیں کیا ان کو پریشان کرنا بھی آتا ہے۔

عاصم ہنس پڑا۔ اس نے کہا۔ اس بھولے پن کے بھروسہ پر نہ رہنا۔ صورت سے تو یہ بھولی ہی معلوم ہوتی ہیں لیکن بڑی شوخ اور طرار ہیں۔

جعفر کی نظریں مہوش خیزران کے شاداب رخساروں پر لوٹ رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ شوخی تو حسن کا تقاضا ہے لیکن بیدرد تو نہیں۔ عاصم بھی مسکرا کر خیزران کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا بڑی بیدرد۔ بڑی بے رحم کیا تم نے نہیں سُنا ؎

بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی

خیزران آنکھیں جھکائے چپکے چپکے مسکرا رہی تھی۔ پروین بھی ہلکے تبسم سے مسکرا

کر کبھی خیزران اور کبھی عاصم اور گاہ گاہ جعفر کو دیکھ رہی تھی اس نے حیا بار آنکھوں سے عاصم کو دیکھتے ہوئے کہا. واہ صاحب واہ آپ نے تو بہن خیزران کو بالکل ہی کھسیانہ کر دیا۔

خیزران نے ایسی نظروں سے جو فرط حیاء سے اوپر نہ اٹھتی تھیں پہلے عاصم اور پروین کو دیکھ کر کہا۔ اچھا اب میں سمجھی کہ تم دونوں نے آج سازش کی ہے جعفر کو اس کی ترنم خیز آواز نہایت ہی بھلی معلوم ہوئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے کسی فردوسی حور کا نغمہ سنا ہو۔

عاصم نے خیزران سے دریافت کیا۔ ہم دونوں نے کیا سازش کی ہے حضور خیزران نے مسکرا کر کہا۔ ٹھہریئے میں پروین سے دریافت کرتی ہوں۔ مگر خدشہ ہے کہ یہ تمھاری بات بتانے کی ہی نہیں۔

عاصم۔ پھر دریافت کرنا ہی بے سود ہے۔

خیزران۔ بالکل بے سود تم نے اس پر جادو کر دیا۔

عاصم۔ اور تم نے جعفر پر جادو کر دیا!

جعفر ہمہ تن دید اور ہمہ تن گوش بنا ہوا پروش خیزران کو دیکھ اور اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب عاصم نے اس کا نام لیا تو وہ چونکا اس نے کہا میرا تذکرہ کیوں وہ کرنے لگے ہو۔

عاصم۔ اس لئے کہ تم اس خوبصورت ساحرہ کو دیکھنے میں ایسے محو ہوئے کہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے!

پروین نے کہا۔ اب کھڑے ہی کھڑے باتیں ہوں گی بیٹھ جائیے۔

خیزران نے ہنس کر کہا۔ اللہ رے محبت کسی کا کھڑا رہنا بھی گوارا نہیں بیٹھ جائیے صاحب۔

ہنسنے سے اس کے گلابی لب کھل کر سفید موتیوں سے زیادہ آبدار دانتوں کی لڑیاں نظر آنے لگیں۔ جعفر کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی وہ اس کے حسن کو دیکھنے لگا۔ عاصم نے کہا۔ تب بیدرد یہ بھی گوارا نہیں کہ ہم بیٹھ ہی جائیں۔ خیزران نے مسکرا کر کہا۔ آج تمھاری چڑھ بن ہے جو چاہے کہہ دو۔ عاصم کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جوشن ماہ اور ہرزا آ گئے ان تینوں نے جوشن ماہ کو سلام کیا۔ جوشن ماہ نے کہا عاصم خوب آئے

عاصم میں مسلمانوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اہل شہر کو کسی قسم کا گزند نہیں پہونچایا۔
عاصم ۔ مسلمان آپ کے مشکور ہیں کہ آپ کی بدولت آسانی سے بابل پر قبضہ ہوگیا سالار اعظم آج ہی آپ سے کسی وقت ملیں گے۔
اب جوشن ماہ بیٹھ گیا۔ عاصم ۔ عبید ۔ جعفر اور ہرمزان بھی بیٹھ گئے۔ جوشن ماہ نے کہا میں خود ان سے ملنے کا متمنی ہوں ۔ جس وقت ایرانی ہزیمت اٹھاکر بھاگے اور مسلمان سارے شہر میں بکھر گئے تو مجھے خوف ہوا تھا کہ کہیں جوش میں آکر اہل بابل کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع نہ کردیں مگر ان کی طرف سے کمال رواداری اور ضبط ارتباط کا ثبوت ملا۔
عاصم ۔ سالار اعظم نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا کہ انھوں نے منادی کے ذریعہ سے شہریوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کی ممانعت کردی تھی۔
جوشن ماہ ۔ سالار اعظم کی اس شرافت نے میرے دل پر گہرا اثر کیا ہے تمام شہر والے مسلمانوں کے مشکور ہیں کوئی قوم کسی مفتوحہ شہر کو بغیر لوٹے نہیں چھوڑتی ۔ مگر مسلمانوں نے نہایت سیر چشمی اور شرافت سے کام لیا ہے۔
ہرمزان ۔ بلاشبہ یہی بات ہے میں یہ سمجھتا تھا کہ عرب افلاس اور غربت سے تنگ آکر ایران کو مالدار ملک سمجھ کر حملہ آور ہوئے ہیں لیکن آج اس خیال کی تردید ہوگئی ۔ اگر آپ دولت کے بھوکے ہوتے تو دوسری اقوام کی طرح شہر فتح کرتے ہی شہریوں کو لوٹنا شروع کردیتے بابل کے لوگ اسی وجہ سے سہمے ہوئے تھے دولت لٹ جانے کے خوف سے اہل دولت کانپ رہے تھے ۔ مگر مسلمانوں کی سیر چشمی نے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا ۔ یہ باتیں ہورہی تھیں ۔ جعفر خاموش بیٹھا تھا ۔ وہ نظریں چرا کر گاہے بگاہے پری جمال خیزران کو دیکھنے لگتا تھا ۔ خیزران بھی دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتی تھی ۔ خیزران شوخ تھی چنچل تھی ۔ اس کو خاموش بیٹھنا ہی نہ آتا تھا ۔ لیکن آج نہیں اس وقت خاموش تھی ساری خاموشی سارا چنچل پن رخصت ہوچکا تھا وہ جب موقع پاتی دزدیدہ نظروں سے جعفر کو دیکھ لیتی ۔ جعفر نوجوان تھا ۔ خوبرو تھا ایک حسین مرد میں جو خصوصیتیں ہونی چاہئیں وہ اس میں سب موجود تھیں اس نے پری جمال خیزران کا دل موہ لیا تھا ۔ جوشن ماہ عاصم کو دیکھ رہا تھا عاصم سر جھکائے بیٹھا تھا جوشن ماہ نے کہا ۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان

بہادر قوم ہے میں تمھاری تھوڑی تعداد دیکھ کر تذبذب میں تھا۔ مجھے ہی کیا کسی کو بھی یہ اعتماد نہ تھا کہ مسلمان اتنے بڑے لشکر کو ہزیمت دیکر بابل پر قابض ہو جائیں گے۔ عجب پر تعجب یہ ہے کہ بہت ہی تھوڑے عرصے میں عظیم الشان ایرانی لشکر کو شکست دے کر بابل پر قبضہ و تسلط جما لیا۔

عاصم نے جو شناہ کو دیکھ کر کہا۔ یہ سب آپ کی مہربانی سے ہوا۔

جو شناہ۔ میری کچھ مہربانی نہ تھی۔ میں نے آپ کے لئے دروازہ ضرور کھلوا دیا لیکن اس سے کیا ہوتا ہے تمھاری تعداد تھوڑی تھی۔ اغلب تھا کہ تم شکست کھا کر بھاگ جاتے لیکن نہیں تم بہادر تھے۔ بہادر قوم کے چشم چراغ تھے۔ کامران و مظفر ہوئے۔

عاصم۔ یہ تو ہم کو مسرت ہے کہ ہم نے ایرانیوں کے عظیم الشان لشکر کو شکست دی لیکن یہ افسوس ہے کہ مہران ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا۔

جو شناہ۔ اس کا مجھے بھی ملال ہے کاش وہ شیطان مارا جاتا۔

عاصم۔ ابھی اس کی زندگی باقی تھی لیکن کہاں جاتا ہے۔

اب آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا تھا۔ کمرہ میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ عبید نے جواب تک خاموش بیٹھا تھا۔ عاصم سے کہا۔ دن چھپنے والا ہے مغرب کی نماز کا وقت قریب آگیا ہے اب چلنا چاہیئے!!

عاصم۔ ہاں چلئے (جو شناہ سے) اب اجازت دیجئے۔ کیونکہ نماز کا وقت قریب آگیا ہے

جو شناہ۔ میں تم کو روک نہیں سکتا۔ تم نے کہا تھا سالار اعظم مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائیں گے!!

عاصم۔ جی ہاں آنے والے تھے شاید کثرت کار کی وجہ سے اسوقت نہ آسکے۔ میرے خیال میں دن چھپنے کے بعد تشریف لادیں گے۔

جو شناہ۔ ان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کر دیجئے کہ وہ رات کو آنے کی تکلیف گوارا نہ کریں۔ صبح میں خود حاضر ہوں گا۔

عاصم۔ بہتر ہے۔

اب عاصم۔ عبید اور جعفر کھڑے ہو گئے انھوں نے جو شناہ کو سلام کیا اور کمرہ سے باہر آکر صحن طے کرنے لگے۔ راستہ میں جعفر نے کہا۔ جو شناہ نہایت نیک آدمی ہے۔

عاصم نے قطع کلام کر کے کہا۔ نہایت نیک ہے اگر تمام ایرانی اس جیسے نیک ہوتے

تو مسلمانوں کو نہ ستاتے نہ ہم اس ملک پر چڑھ کر آتے۔

جعفر نے مسکرا کر کہا۔ لیکن یہاں آنا اچھا تھا۔ عاصم نے مسکراتے ہوئے غور سے جعفر کو دیکھتے ہوئے کہا اس لئے کہ تم اسیر گیسو ہو گئے۔

جعفر۔ کاش عاصم تم مجھے یہاں نہ لاتے۔

اب یہ قصر سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اس قصر کی طرف چلے جس میں سعدؓ نے قیام کیا تھا۔ ابھی یہ راستہ ہی میں تھے کہ مغرب کی اذان ہوئی انہوں نے گھوڑے تیز کر دیئے تیزی سے چل کر قصر کے سامنے پہونچے۔ قصر کے سامنے نہایت وسیع میدان تھا۔ مسلمان اس میدان میں نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ ان تینوں نے گھوڑے ایک طرف کر دیئے اور نماز میں شامل ہو گئے۔ نماز پڑھ کر عاصم سعدؓ کے پاس پہونچا!

سعدؓ کو اب آرام ہو گیا تھا صرف ضعف باقی تھا۔ عاصم نے سعدؓ سے کہا جو شماہ نے کہا ہے کہ صبح وہ خود ہی حاضر خدمت ہوں گے۔ سعدؓ نے کہا میں اس نیک انسان سے اس کے مکان پر ملنا چاہتا تھا۔ لیکن مصروفیت کار سے فرصت نہ ملی۔ عاصم تم بھی سارا دن مصروف رہے ہو تھک گئے ہو گے اب جا کر آرام کرو۔ عاصم سلام کر کے لوٹا۔

جعفر اور عبید کو ہمراہ لیکر گھوڑوں پر سوار ہوا اور اپنے جائے قیام کی طرف چلا۔ ان تینوں نے اپنے لئے ایک ہی قصر منتخب کیا تھا۔ وہ قصر یہاں سے قریب تھا۔ بہت جلد اس قصر میں پہونچ گئے۔ گھوڑے غلاموں کے حوالے کئے اور ایک وسیع کمرہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے صبح سویرے بیدار ہو کر نماز پڑھی اور تینوں سعد کے پاس پہونچے سعد ایک وسیع کمرہ میں بیٹھے تھے۔ زہرہؓ۔ خالدؓ۔ شرجیلؓ اور چند دیگر افسر بیٹھے تھے یہ بھی سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے اس وقت یہ تذکرہ تھا کہ کب اور کس طرف کوچ کیا جائے۔ سعدؓ کہہ رہے تھے کہ دربار خلافت سے مدائن تک یورش کی اجازت آ گئی ہے بابل خدا نے فتح ہی کرا دیا اب مدائن تک صرف دو مقام کوثی اور بھیرہ شیر اور رہ گئے ہیں خدا انہیں بھی فتح کرائے تو پھر مدائن کا نمبر ہے۔

شرجیلؓ نے کہا کوثی تو نہیں البتہ بھیرہ شیر کا قلعہ مستحکم اور رفیع الشان بتایا جاتا ہے اس کے فتح کرنے میں شاید کچھ عرصہ لگے۔

سعدؓ۔ یہی میرا خیال ہے چونکہ بھیرہ شیر مدائن کے قریب ہے اس لئے یزدگرد
ایڑی چوٹی کا زور لگا دیگا اپنی تمام طاقت اُسے بچانے میں صرف کر دیگا۔
خالدؓ۔ بیشک تمام ایرانی بھیرہ شیر اور مدائن کو بچانے کے لئے امنڈ آئیں تو
تعجب نہیں۔

عاصم نے کہا۔ جس قدر ایرانی بابل میں اپنا لشکر لا چکے ہیں اس قدر اب کسی
مقام پر نہیں لا سکتے اگر لائیں بھی تو خوف کس بات کا ہے!!
سعد۔ کچھ خوف نہیں جو سر بکف ہوں۔ شہادت کے تمنائی ہوں خدا کی خوشنودی
چاہتے ہوں انہیں کیا خوف....

ابھی سعدؓ کی گفتگو ناتمام ہی تھی کہ جوشناہ اور ہرمزان آ گئے سعدؓ نے کھڑے ہو کر
استقبال کیا۔ تمام مسلمان سعدؓ کے اٹھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو گئے جوشناہ اور ہرمزان
نے نہایت ادب سے جھک کر سعدؓ کو سلام کیا۔ سعدؓ نے سلام کا جواب دیکر انہیں اپنے
پاس بٹھایا۔ خود بھی بیٹھے۔ تمام مسلمان بھی بیٹھ گئے۔ سعدؓ نے جوشناہ سے کہا محترم ایرانی
میں اور تمام مسلمان آپ کے بیحد مشکور ہیں۔ عزیز عاصم نے مجھ سے اور اکثر مسلمانوں سے
تمہاری ان عنایات کا ذکر کیا ہے جو تم نے انکے ساتھ کی ہیں۔ مدائن سے انکو نکال کر لانا
اپنے ساتھ رکھنا۔ ہر طرح کا آرام پہونچانا بابل فتح کرانا یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ ہم آپ
کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

جوشناہ نے کہا۔ مجھے فخر ہے کہ اس قوم کا سپہ سالار جس کی دھاک آج تمام دنیا میں
ہے میری خدمات کو سراہ رہا ہے۔ مگر آپ نے مجھے میری قوم میری خدمات کا نعم البدل دیدیا
بابل جیسا شہر آپ نے فتح کیا اور ایک مکان کو بھی نہ لوٹا ایک گھر کو بھی آگ نہ لگائی۔
ایک شہری کو بھی نہ ستایا۔ یہ کچھ کم احسان نہیں ہے۔
سعدؓ۔ تمہارے احسانات کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ سُنیئے آپ جس کے
لئے جو سفارش کریں گے ناممکن ہے کہ وہ نامنظور ہو۔ میں نے دربار خلافت کو تمہاری
کارگزاریوں کی رپورٹ کر دی ہے

جوشناہ۔ آپ نے میری کمال عزت افزائی کی۔ میں نے مسلمانوں کے خلق کی ایثار کی
مروت کی جیسی شہرت سنی تھی اس سے زیادہ پایا۔
سعدؓ۔ ابھی تو آپ نے ہمارے ساتھ احسان کئے ہیں ہم نے آپ کے ساتھ کچھ نہیں

کیا۔ البتہ ہم آپ کے احسانات کا عوض ضرور دینا چاہتے ہیں۔

جوشناہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا میں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ نہ میں نے کسی معاوضہ کے خیال سے کوئی خدمت کی ہے۔

سعدؓ۔ مجھے یقین ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ آپ کو دربار خلافت میں طلب فرمائیں گے آپ کو تشریف لے جانے میں کوئی عذر تو نہ ہوگا؟

جوشناہ۔ کیوں نہ جاؤں گا جس ہستی کے رعب و دبدبہ نے سلاطین عالم کو لرزہ براندام کر رکھا ہے دنیا جس کے نام سے تھرا رہی ہے ضرور اس سے شرف ملاقات حاصل کروں گا۔

سعدؓ۔ آپ کو جب اور جو کچھ کہنا ہو بے تکلف فرما دیجئے گا۔

جوشناہ۔ بہت خوب۔

تھوڑی دیر گفتگو کر کے جوشناہ اور مہران چلے گئے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ مسلمانوں کے خلق کی، شرافت کی، تہذیب کی، مروت کی سارے راستہ تعریف کرتے گئے۔ تقریباً ایک ہفتہ سعدؓ نے بابل میں قیام کیا۔ جوشناہ قریب قریب روزانہ ان کے پاس آتا رہا۔ گاہ بگاہ شاہی رسالہ کے افسر بھی انکے ہمراہ آتے رہے تمام ایرانی مسلمانوں کے بعد شکر گزار تھے ایک ہفتہ کے بعد عساکر اسلامیہ نے کوثی کی طرف کوچ کیا۔ جوشناہ بھی مع شاہی رسالہ کے ان کے جلو میں روانہ ہوا۔

بارھواں باب

رہائی

بیرحم و سفاک مہران نے مدہوش لیلیٰ اور نیم مردہ آسیہ کو لے جا کر قید خانہ میں بند کر دیا۔ ڈیلمی نے تالا لگایا اور دونوں اس اطمینان سے واپس لوٹے گویا کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ جب وہ چلے گئے تو نیم مردہ لیلیٰ نے [illegible] زدہ آسیہ کو دیکھا آسیہ پر اب بھی غشی طاری تھی۔ اسکی خوبصورت آنکھیں بند تھیں۔ چاند جیسا چہرہ پسینہ کا پڑا ہوا تھا۔ نازک

اور مسیحا صفت لب جو گلابی رہتے تھے سفید ہو رہے تھے۔ سیاہ مشک بو زلفیں گداز سینہ پر بکھری پڑی تھیں۔ لیلیٰ نے اس غمزدہ حور کا نازک سر اپنے گداز زانو پر رکھ لیا اور انتہائی غم آلود نظروں سے اس پیکر وفا کو دیکھنے لگی۔ آسیہ بالکل خاموش تھی اسے سر دپا کی خبر تک نہ تھی۔ لیلیٰ کو یاد آیا کہ آسیہ نے کئی مرتبہ پانی مانگا تھا اس نے اپنا آنچل دیکھا۔ آنچل ابھی تک تر تھا۔ اس نے جلدی سے آسیہ کا منہ کھول کر اس کے منہ میں آنچل نچوڑ دیا۔ پانی کے چند قطرے ٹپکے۔ آسیہ کا خشک گلا تر ہو گیا۔

غمزدہ عرب دوشیزہ ٹکٹکی لگائے اسے دیکھنے لگی وہ اُسے دیکھ دیکھ کر اس قدر غمزدہ ہو رہی تھی کہ اس کی ہر شان سے اضطرار ہویدا تھا۔ وہ اس طرح آسیہ کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسکی تکلیف کو خود لینا چاہتی ہے۔ پانی کے قطروں نے رفتہ رفتہ اثر کیا۔ چند ہی منٹ میں آسیہ کو ہوش آ گیا۔ ہوش آتے ہی تکلیف کا احساس ہوا زخموں میں جھپک پیدا ہو گئی۔ مظلوم آسیہ نے آہ کی۔ غمزدہ لیلےٰ آہ کی آواز سنتے ہی بیقرار ہو گئی۔ تڑپ گئی وہ اُس کے اوپر جھک گئی اُس نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ مظلوم آسیہ!!۔

آسیہ نے اپنی ان دلفریب آنکھوں سے جن میں بجلیاں کوندا کرتی تھیں اور اب جن میں غم اور حسرت چھائے ہوئے تھے لیلیٰ کو دیکھا اس نے بولنا چاہا لیکن ضعف اور تکلیف نے آواز نہ نکلنے دی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ لیلیٰ نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ لیا کہ آسیہ میں بات کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی اُسے کمال صدمہ ہوا۔ اس کا چہرہ سفید ہو گیا وہ اسکے اوپر جھک گئی۔ اُس نے کہا آسیہ.....

لیلیٰ بھی اس قدر غمزدہ تھی کہ وہ بھی بات نہ کر سکتی۔ بولنا چاہتی تھی لیکن دل امڈا چلا آ رہا تھا۔ بولا نہ جاتا تھا۔ رونے کو جی چاہتا تھا۔ ہوش ربا آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے۔ وہ یہ بھی نہ چاہتی تھی کہ اسے روتا دیکھ کر آسیہ اور بے چین ہو جائے۔ وہ ضبط کر رہی تھی آنسوؤں کے سیلاب کو روکے ہوئے تھی۔ آسیہ خاموش پڑی لیلےٰ کو اس کی حالت کو دیکھ رہی تھی وہ سمجھ رہی تھی کہ لیلیٰ اس سے ہمدردی کر رہی ہے اس کے غم کو تکلیف کو بیقراری کو خود انگیز کرنا چاہتی تھی وہ نہ چاہتی تھی کہ عرب کی حور۔ حجازی دوشیزہ حسن کی پتلی ذرا بھی غمگین ہو۔ اس لئے وہ اپنے کرب اپنی بے چینی اپنی تکلیف کو چھپا رہی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ جن دو دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے ان دلوں میں خلوص اور ہمدردی کا دریا موجزن ہو جاتا ہے خود ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن جس سے محبت کرتا ہے اس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔

آسیہ لیلیٰ سے اپنی تکلیف چھپانا چاہتی تھی اور لیلیٰ اپنے بڑھتے ہوئے غم کو آسیہ سے پوشیدہ رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔ حالانکہ ایک کو سخت تکلیف تھی اور دوسری کو سخت غم تھا۔

لیلیٰ نے پھر آنچل سے پانی آسیہ کے منہ میں ٹپکایا پانی کے ان چند قطروں نے آب حیات کا کام کیا۔ آسیہ کی حالت کچھ سنبھلنے لگی اب اس میں بات کرنے کی ابھی طاقت آگئی۔ لیلیٰ نے اس سے دریافت کیا۔ آسیہ تمہارے کس جگہ درد ہے۔ کہاں ٹیس ہے؟ لیلیٰ کا دل بھرا ہوا تھا آنکھوں میں طوفان اشک موجزن تھا۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ آسیہ نے اسے دیکھا اس نے نحیف آواز میں جواب دیا۔ لیلیٰ غم نہ کرو میری چاند اس قدر غمزدہ نہ ہو میں اچھی ہو جاؤں گی لیلیٰ نے افسردگی کی نظروں سے اسے دیکھ کر دریافت کیا۔ میں دریافت کرتی ہوں کہ تمہارے کس جگہ درد ہے۔

آسیہ۔ زخموں میں کچھ ٹیس ہے۔

آسیہ کا پیراہن جگہ جگہ سے پھٹ کر اس کا گل انار جیسا جسم نظر آرہا تھا۔ کہیں کہیں خون بھی پیراہن پر پڑ پڑ کر جم گیا تھا۔ لیلیٰ نے اس کا رومال نما دوپٹہ الگ کر کے اس کا پیراہن اُلٹ کر دیکھا۔ کئی جگہ زخم تھے زخموں سے اب بھی خون رس رہا تھا۔ زخم دیکھ کر لیلیٰ سے ضبط نہ ہو سکا بے اختیار اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ خداوندا کیا مسلمان غم و ستم سہنے کے لئے ہی ہوتے ہیں ہائے ایسی نازک سیم تن دوشیزہ جیسی آسیہ ہے آنکھوں میں رکھنے کے قابل ہے یا زنجیروں میں لپیٹے جانے کے قابل ہے۔ آسیہ لیلیٰ کا دل رکھنے کے لئے مسکرائی اس نے کہا لیلیٰ اگر دنیا میں رنج و غم نہ ہو تو اس سے بڑھ کر فردوس نہیں ہو سکتی۔ عرب کی عورتو غم نہ کرو میرے زخم معمولی ہیں ایک دو دن میں اچھے ہو جائیں گے۔

لیلیٰ نے بھی سوچا کہ رونے سے سوائے خود کڑھنے اور دوسروں کو کڑھانے کے اور کیا فائدہ ہو گا اس نے اپنے آنچل سے آنسو خشک کئے اور بیٹھ کر اپنا آنچل پھاڑ کر آسیہ کے زخموں پر پھیرا۔ پھر آنچل کی دھجیاں کر کے زخموں پر باندھیں۔

اب ابھی خاصی رات ہو گئی تھی۔ چونکہ ابھی تک اس کمرہ میں شمع روشن نہ کی گئی تھی۔ اس لئے اندھیرا ہو رہا تھا۔ مگر یہ دونوں سیم تن لڑکیاں اس قدر خوبرو تھیں کہ اندھیرے میں ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ایلا ایک خادمہ کو ساتھ لے کر آئی۔ ایلا کے ہاتھ میں شمع اور خادمہ ایک طشت لئے آرہی تھی۔ ایلا نے شمع شمعدان میں رکھ دی۔ جنگلے کے پاس پہونچ کر تالا کھولا۔ خادمہ سے طشت لے کر جنگلہ کے اندر رکھ کر کہا۔ بیوقوف لڑکیو کھانا کھالو۔ دیکھو یزدگرد کس قدر رحمدل ہے کہ باوجود تمھاری ہٹ دھرمی کے بھی تم کو کھانے سے محروم نہیں رکھتا۔

معصوم لڑکیوں نے اسکی خرافات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اگرچہ ان دونوں کو بھوک نہ تھی لیکن قوت لایموت کے لئے کچھ نہ کچھ ضروری سمجھ کر دونوں نے کچھ کھایا جب وہ کھا چکیں تو ایلا نے طشت اٹھا کر خادمہ کو دیا۔ خادمہ طشت لے کر چلی۔ ایلا تالا لگا کر اس کے پیچھے روانہ ہوئی۔

اس کے جانے کے بعد دیر تک دونوں لڑکیاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں باتیں کیا تھیں افسانہ غم تھا۔ جب رات زیادہ آگئی تو وہ دونوں پڑ کر سو رہیں۔

چند ہی روز میں آسیہ کے زخم مندمل ہو گئے۔ اُسے آرام ہو گیا۔ لیلیٰ کو اس کے شفایاب ہونے سے بڑی مسرت ہوئی۔

چونکہ یزدگرد دوسرے معاملات میں اُلجھ گیا تھا۔ اس لئے وہ ان معصوم لڑکیوں کو نہ بلا سکا۔ نہ ان کے پاس آسکا۔ اور نہ ہی ان پر مزید ظلم و ستم کر سکا ایلا ہی اس کی نگراں تھی، وہی خبر گیری کرتی تھی وہی ان کے پاس آتی جاتی تھی گھنٹوں سے دن اور دنوں سے ہفتے گذر گئے۔ مگر کوئی تازہ بات نہ ہوئی ایک دن رات کے وقت جبکہ وہ کھانا کھا چکی تھیں۔ ایلا جا چکی تھی شمع روشن ہو رہی تھی دونوں معصوم لڑکیاں بیٹھی ہوئی اپنی حالت پر غم و افسوس کر رہی تھیں۔ اس زندگی سے تو موت ہی اچھی جلخانہ کی زندگی۔ تنہائی کی زندگی رنج و مصیبت کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

لیلیٰ نے کہا آسیہ تنہائی کی مصیبت بھری زندگی کی کیفیت مجھ سے پوچھو۔ تمھارے آنے سے پہلے میں تنہا تھی نہ کوئی بات کرنے والا تھا نہ تسلی دینے والا۔ میں تھی اور گوشہ تنہائی اکثر اوقات تنہائی سے اس قدر گھبرا جاتی تھی کہ دل اُلٹنے لگتا تھا خیال ہوتا تھا کہ کہیں

پاگل نہ ہو جاؤں تمہارے آنے سے بہت حد تک میری تکلیف دور ہوگئی ہے اگرچہ مجھے تمہاری موجودگی کی وجہ سے بڑی ڈھارس ہے لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح سے خدا تم کو رہا کر دے۔ آسیہ آج ہم کو احساس ہوا ہے کہ جب کسی پرند کو پنجرہ میں محبوس کر دیتے ہیں تو اسے تنہائی سے کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔

آسیہ۔ بےشک بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔ خدایا ہم پر رحم کر یا تو ہمیں موت دے یا رستگاری عطا فرما۔

ایک آواز آئی۔ خدا رہائی عطا فرمائیگا!! دونوں لڑکیاں اس آواز کو سن کر چونک پڑیں۔ انھوں نے خوبصورت نظریں اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا انکو شمال کی جانب جنگلہ سے لگا ہوا ایک نقاب پوش کھڑا نظر آیا۔ دونوں لڑکیاں اس نقاب پوش کو دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہو گئیں۔ لیکن یہ خوف چند ہی لمحہ رہا۔ خوف کے دور ہونے کی حیرت نے غلبہ کر لیا۔ ان کو سخت تعجب تھا کہ یہ نقاب پوش کہاں سے آیا ہے۔ ان کو بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے نقاب پوش جنگلہ میں سے ہی پیدا ہوا ہے۔ وہ حیرت و استعجاب کی نظروں سے اُسے دیکھنے لگیں۔ نقاب پوش گھوم کر آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھا۔ وہ اس احتیاط سے قدم رکھ رہا تھا کہ پیروں کی چاپ بلند نہ ہوتی تھی۔ لڑکیاں ششدر رکناں اس کی حرکت کو دیکھ رہی تھیں۔ نقاب پوش سیاہ نقاب چہرہ پر ڈالے ہوئے تھا۔ سیاہ نقاب میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخوں کے گرد سرخ گوٹ لگی ہوئی تھی نقاب پوش پنجوں پر چل کر لڑکیوں کے قریب پہونچا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جنگلہ پر لگا ہوا تالا دیکھا۔ آسیہ نے آہستہ سے دریافت کیا۔ محترم بزرگ آپ کون ہیں؟ نقاب پوش نے جواب دیا۔ مظلوموں کا حامی۔

آسیہ۔ آپ کا نام۔

نقاب پوش۔ ایک ہمدرد۔

آسیہ۔ آپ کس لئے اس کلبۂ احزان میں تشریف لائے ہیں۔

نقاب پوش۔ ایک معصوم ہستی کو رہائی دلانے۔

آسیہ۔ لیکن آپ۔۔۔۔

نقاب پوش نے قطع کلام کر کے کہا۔ میں وہ ہوں جو اس سانپ کو مارنا چاہتا تھا جس نے تم کو ڈسا ہے۔

آسیہ سمجھ گئی کہ یہ نقاب پوش ان نقاب پوشوں میں سے ایک ہے جو کہ اُس دن ملے تھے۔ جب مہران اُسے گرفتار کر کے لایا تھا اُس نے کہا واقعی تم مظلوموں کے ہمدرد ہو۔

نقاب پوش نے کہا۔ آسیہ بھولی آسیہ میں نے تجھے کہا کہ یہ افعی ہے آخر اس نے تجھے ڈس ہی لیا۔ کیا تو میرے ساتھ چلنے کو تیار ہے۔

آسیہ نے کہا کیا تنہا!!

نقاب پوش۔ اور کسے لے چلنا چاہتی ہے۔

آسیہ۔ لیلےٰ کو۔

نقاب پوش۔ یہ مشکل ہے ان مسلمانوں کو نہ معلوم کیا جادو آتا ہے کہ جو ان سے ایک دفعہ بات کر لیتا ہے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور اسلام کا حلقہ بگوش ہے۔ تو ہی دیکھ لے تجھ پر اس خوبصورت ساحرہ نے جادو کر دیا تو مسلمان ہو گئی اگر میں اسے نکال لے چلوں تو خوف ہے کہ یہ جادو کر کے ہماری جمعیت کو بھی مسلمان نہ کر لے۔

آسیہ۔ جسے تم جادو کہتے ہو وہ جادو نہیں ہے مسلمان تبلیغ کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے وہی پرستش کے قابل ہے چونکہ یہ بات دل کو لگتی ہے دل خدا کی وحدانیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس لئے لوگوں کے دل اسلام کی طرف جھک جاتے ہیں لوگ اسے جادو کہدیتے ہیں۔

لیلیٰ نے کہا آسیہ تم میرا خیال نہ کرو۔ تمہارا بادشاہ۔ تمہارا بھائی میرے سے زیادہ تمہارے دشمن ہیں تم ان کے ساتھ چلی جاؤ۔

آسیہ نے کہا۔ ہرگز نہ جاؤں گی۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ میں تم کو چھوڑ دوں اگر ہم رہا ہوں گی تو ساتھ رہیں گی تو ساتھ۔۔۔۔

نقاب پوش نے کہا۔ وقت تھوڑا ہے ابیلا کے آجانے کا اندیشہ ہے زیادہ بحث نہیں کی جا سکتی۔ اگر تم اس خوبصورت ساحرہ کو بھی لے چلنا چاہتی ہو تو لے چلو۔

آسیہ۔ کیسے لے چلوں جنگلہ کا تالا لگا ہوا ہے۔

نقاب پوش۔ تالا ابھی کھلا جاتا ہے۔

یہ کہتے ہی نقاب پوش نے تالے میں ایک تار ڈال کر گھمایا۔ تالا کھل گیا آسیہ اور لیلےٰ کھڑی ہو گئیں۔ نقاب پوش نے جنگلہ کو ڈھکیلا دروازہ نمودار ہوا دونوں لڑکیاں جلدی سے جنگلہ سے باہر نکلیں نقاب پوش نے جنگلہ کھینچ کر پھر تالا لگا دیا اور دونوں لڑکیا

کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے اس کمرہ کی طرف چلا۔ جس میں آپ پہلے بھی چھپ چکی تھی۔ اس کمرہ میں پہونچ کر نقاب پوش نے زمین پر ٹھوکر ماری دیوار میں جھری پیدا ہوئی جو آہستہ آہستہ بڑھنے لگی اور بڑھتے بڑھتے پورا دروازہ بن گئی۔ نقاب پوش دونوں لڑکیوں کو لے کر دروازہ میں داخل ہوا چونکہ کمرہ میں اندھیرا تھا اس لئے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ دروازہ کے اس طرف کیا تھا۔ انکے دروازہ میں داخل ہوتے ہی جس طرح دروازہ نمودار ہوا تھا۔ اسی طرح معدوم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ صرف ایک جھری رہ گئی اور وہ بھی ایک منٹ ہی میں سٹ کر دیوار بن گئی۔

تیرہواں باب

کوثی کی فتح

اسلامی لشکر کوثی کی طرف روانہ ہوا۔ جس ترتیب اور جس طریقہ سے لشکر یہاں تک آیا تھا۔ اسی ترتیب اور اسی طریقہ سے یہاں سے آگے بڑھا سب سے آگے زہرہ چلے۔ چونکہ ایرانی دارالسلطنت قریب رہ گیا تھا قدم قدم پر ایرانیوں کے اچانک حملہ آور ہونے کا احتمال تھا اس لئے پانچ ہزار لشکر ان کے ساتھ تھا ان کے پیچھے خالد بن عرفطہ دو ہزار کی جمعیت سے آ رہے تھے خالد کے عقب میں شرجیل تین ہزار لشکر لئے بڑھ رہے تھے ان کے پیچھے سعد رضی اللہ عنہ تمام لشکر کے کوچ کر رہے تھے ان کے ساتھ جوشناہ، ہرزان، بروین، خیرزان اور شاہی لشکر کے چار ہزار سوار تھے۔ جوشناہ جہاندیدہ آدمی تھا وہ مسلمانوں کی معاشرت، اخلاق، خلوص، اخوت کا نہایت غور سے معائنہ کر رہا تھا اسے مسلمانوں کی ہر بات اچھی معلوم ہو رہی تھی اس کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش ایرانی بھی مسلمانوں کی تمام باتیں اختیار کر لیں۔ عرب مہمان نوازی میں مشہور ہیں۔ چونکہ جوشناہ اور اس کے ہمراہی مسلمانوں کے مہمان تھے اس لئے ان کے ضروریات کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر مسلمان اور ہر مجاہد بڑے ادب و محبت سے ان کے ساتھ پیش آتا تھا۔ جو وہ کہتے تھے اس کی فوراً ہی تعمیل کی جاتی تھی ان باتوں کا جوشناہ اور اس

کے ہمراہیوں پر گہرا اثر پڑ رہا تھا۔ جب کبھی جوشماہ ہرمزان۔ شاہی رسالہ کے سردار ایک جگہ بیٹھتے مسلمانوں کے اخلاق۔ معاشرت اور محبت کی تعریف کرتے۔
اگرچہ پروین اور خیزران زیادہ تر جوشماہ کے ساتھ رہتی تھیں لیکن کبھی کبھی سلمیٰ اور دوسری خواتین سے ملنے بھی چلی جاتی تھیں وہ مسلم عورتوں سے مل کر بہت زیادہ خوش ہوتیں ان کے اخلاق کی تعریف کرتیں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھی رہتیں مسلمان عورتیں بھی پروین اور خیزران کی گرویدہ ہو گئی تھیں اگرچہ کسی وجہ سے یہ دونوں نہ جاتیں تو بلوا لی جاتیں۔

عاصم۔ عبید۔ جعفر زیادہ تر جوشماہ اور ہرمزان کے پاس رہتے۔ تھے ساتھ ہی چلتے تھے۔ ساتھ ہی قیام کرتے تھے اس ہر وقت کی ہم نشینی نے عاصم اور جعفر کے جذبات محبت کو بہت کچھ برانگیختہ کر دیا تھا۔

عاصم پروین کا گرویدہ تھا۔ پروین عاصم پر فریفتہ تھی۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ گوشۂ عافیت میں بیٹھے ایک دوسرے کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کرتے رہیں خیزران کی صحبت کا پروین پر یہ اثر ہوا تھا کہ وہ بھی کسی قدر شوخ و طرار ہو گئی تھی۔ عاصم سے شوخی سے باتیں کرتی کبھی روٹھ جاتی بگڑ جاتی اٹھ کر چل دیتی کبھی ہنستی مسکراتی خوب گھل مل کر باتیں کرتی۔ اور کبھی جب عاصم کو اپنی طرف گرم نظر دیکھتی تو شرما کر بھاگ جاتی عاصم پر اسکی ان معشوقانہ جفاطرازیوں سے گہرا اثر ہوا تھا۔ وہ اس کے خاموش ہونے سے خوش ہوتا اور بگڑنے سے مغموم ہوتا۔ اگرچہ عاصم پروین کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا لیکن وہ لیلیٰ کو نہ بھولا تھا۔ اسکی یاد ہر وقت اس کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی۔ ایک غم محبت کا، دوسرا غم بہن کی جدائی کا ان دونوں غموں نے اسے نیم بسمل کر دیا تھا اسکی ہر شان سے حسرت ٹپکتی تھی۔ جعفر خیزران کی محبت میں سرشار تھا اس کے خیال میں خیزران سے زیادہ خوبصورت۔ زیادہ شاندار زیادہ وضعدار دنیا میں کوئی حسینہ نہ تھی۔ وہ اُسے ٹکٹکی لگا کر دیکھتا اسکی باتیں سنتا اور یہی چاہتا کہ ہر وقت اس کے سامنے بیٹھا اُسے دیکھتا رہے خیزران پر بھی جعفر کی محبت نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بت خوش جمال بھی اس کی الفت کا اثر لینے لگی تھی۔ لیکن وہ شوخ تھی۔ طرار تھی۔ جعفر کے پاس آتی دو چار منٹ بیٹھتی۔ ایک دو باتیں کرتی، ہنستی اور فوراً ہی اٹھ کر چل دیتی۔ جعفر اسے اچھی طرح دیکھنے بھی نہ پاتا حسرت دیدپوری

نہ ہوتی۔ دل کی دل ہی میں رہ جاتی۔ وہ سوچتا گھنٹوں سوچتا کہ جب کبھی خیزران تنہائی میں ملے گی اس سے یہ کہوں گا وہ کہوں گا مگر وہ جب سامنے آجاتی وہ سارے سوچے ہوئے بھول کر محو دید ہو کر رہ جاتا علیہ البتہ ہر وقت مغموم رہتا تھا پروین کا غم یعنی خیزران کی شوخی۔ ہاشم کی ہمدردی جعفر کی تسلی اس کے پژمردہ دل کو شگفتہ نہ کرتے تھے۔ وہ اُداس غمزدہ اور حسرت زدہ تھا۔ ہر شخص کو اس کی حالت دیکھ کر اس پر رحم آتا تھا۔ سب ہی اس کا غم بٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر کوئی جد وجہد کارگر نہ ہوتی تھی۔ وہ افسردہ خاطر ہی رہتا تھا۔ اُسے دیکھنے والے بھی افسردہ خاطر ہو جاتے تھے!!

سعدؓ نے بہت سے جاسوس ایرانی لشکر کی خبر لانے کے لئے زہرہ کے لشکر سے آگے روانہ کر دیئے تھے۔ یہ جاسوس روز روز کی خبریں زہرہ کو پہونچاتے زہرہ سعدؓ کو خبر دیتے سعدؓ امیر المومنین کے پاس رپورٹ بھیج دیتے!!

بابل سے کوثیٰ تک کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں ایرانی لشکر رہتا ہو کیونکہ نہ کوئی قلعہ تھا نہ چھاؤنی تھی۔ کوثیٰ میں البتہ قلعہ تھا۔ وہاں ایرانی لشکر رہتا تھا۔ جاسوسوں نے جو آخری اطلاع زہرہ کو دی تھی۔ اس سے پایا جاتا تھا کہ قادسیہ اور بابل سے بھاگ کر آنے والے ایرانی کوثیٰ میں جمع ہو رہے ہیں۔ شہریار کوثیٰ کا قلعدار ہے اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست لشکر فراہم کر لیا ہے۔

زہرہ نے لشکر میں منادی کرا دی کہ کوئی شخص لشکر سے علیحدہ نہ ہو مسلمانوں نے احتیاط شروع کر دی۔ جب کوئی تھوڑے فاصلہ پر رہ گیا اور اس کا سر بفلک قلعہ نظر آنے لگا تو مسلمانوں نے ایرانی لشکر کو آتے ہوئے دیکھا۔ صبح کا وقت تھا۔ آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ سارے میدان میں پھیل گئی تھی۔ ایرانیوں کی زرق برق بیرقیں۔ سواروں کی ریشمیں وردیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں اس وقت مسلمان ایک وسیع میدان میں تھے وہ رُک گئے۔ فوراً زہرہ نے بڑھ کر لشکر کو صف بستہ کر دیا۔ ایرانی لشکر بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اسلامی لشکر ایک تیر کے فاصلہ پر آ کر رُکا افسروں نے بڑھ کر اس لشکر کو بھی ترتیب سے صف بستہ کر دیا۔ ایرانی لشکر بہت زیادہ تھا۔ دس ہزار سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لشکر کا سپہ سالار شہریار تھا۔

شہریار نہایت تجربہ کار۔ بہادر۔ نڈر اور جوان العمر تھا۔ ایرانیوں کو اپنے سالار کی شجاعت و بسالت پر بھروسہ اور ناز تھا جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف بستہ ہو گئے تو شہریار لشکر سے نکل کر آگے آیا۔ وسط میدان میں پہونچ کر زور کا چلا کر بولا میرے مقابلہ کے لئے کسی بہادر نوجوان کو بھیجو میں شہریار ہوں شیر شرزہ ہوں۔ بہادر سے بہادر میرا نام سن کر کانپ جاتا ہے اگر تمھارے ایک آدمی کو میرے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو تو دو۔ دو کو بھی جرأت نہ ہو تو چار اگر چار بھی ڈرتے ہوں تو دس آدیں۔

زہرہ ایران میں رہے تھے۔ فارسی خوب سمجھتے تھے وہ شہریار کی تعلی سن کر مسکرائے انھوں نے کہا اے پیکر فخر و غرور میں تیرے مقابلہ کے لئے کسی افسر کو بھیجتا مگر تیری لاف زنی نے میرے ارادے کو بدل دیا ہے اب میں ایک غلام کو بھیجتا ہوں کمزور۔ نحیف۔ بدھے غلام کو دیکھوں تو اسے قتل کرتا ہے یا وہ مجھے مار ڈالتا ہے۔

یہ کہتے ہی زہرہ نے نابل کی طرف دیکھا۔ نابل قبیلہ بنو تمیم کا غلام تھا ضعیف اور کمزور تھا اور زہرہ کو اپنی طرف دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ سپہ سالار اسے شہریار کے مقابلہ میں بھیجنا چاہتے ہیں اس نے فوراً گھوڑے کو مہمیز لگائی گھوڑا میدان کارزار کی طرف بڑھا۔ زہرہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کے لئے دعا مانگی۔ نابل گھوڑا دوڑا کر شہریار کے قریب پہونچا۔ شہریار نے متعجب ہو کر اُسے دیکھا۔ دیر تک دیکھنے کے بعد بولا۔ تم میرے مقابلہ کے لئے آئے ہو۔

نابل نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ ہاں میں آیا ہوں کیا تم مجھ سے ڈر گئے ہو؟ شہریار ہنسا۔ اس نے کہا۔ تمھارا ڈیل ڈول ہے بھی ایسا ہی بڑے بارعب آدمی ہو تم۔

نابل نے سنجیدگی سے کہا۔ بہادری ڈیل ڈول پر نہیں ہے دل پر ہے میرا دل قوی ہے اس لئے میں بہادر ہوں۔ بہادروں کا رعب دوسروں پر پڑا ہی کرتا ہے تم بھی مجھ سے ڈر گئے ہو تو کیا عجب ہے۔

شہریار نے کہا تم بڈھے ہو۔ کمزور ہو میں تم پر رحم کرتا ہوں چھوڑے دیتا ہوں جاؤ میرے سامنے سے چلے جاؤ کسی بہادر آدمی کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔

نابل نے کہا میدان جنگ میں آکر بغیر لڑے واپس جانا بزدلی کی بات ہے تم

میری پرواہ نہ کرو۔ میں سوچ سمجھ کر میدان میں آیا ہوں البتہ اگر تم مجھ سے ڈرتے ہو۔ لڑنا نہیں چاہتے تو واپس چلے جاؤ اور کسی ایسے بہادر کو بھیجو جو مجھ سے لڑ سکے۔
یہ سن کر شہر یار کو طارہ آگیا۔ اس نے تلوار میان سے کھینچ کر کہا۔ کمزور بڈھے مجھ سے لڑنے کا ارمان ہے بشیر کا مقابلہ کرنے کو جی چاہتا ہے جان گنوا دینے کو پھرتا ہے تو تلوار نکال اور مقابلہ میں آ۔
نابل نے تلوار نکالتے ہوئے کہا۔ شکر ہے کہ تم کو طارہ آگیا آؤ میں تم کو بتاؤں کہ بہادر کس طرح لڑا کرتے ہیں۔
شہر یار نے جھپٹتے ہوئے کہا۔ لڑائی کا اسلوب اس وقت بتانا جب کہ موت تم کو مہلت دے۔ یہ کہتے ہوئے شہر یار نے حملہ کیا۔ نابل نے بڑے تجربہ کاروں کی طرح۔ بڑے آزمودہ کاروں کی طرح ڈھال پر تلوار کو روکا شہر یار کا حملہ خالی گیا اس نے جھلا کر پھر وار کیا۔ نابل نے یہ حملہ بھی رد کر دیا۔
شہر یار و فور غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس نے جوش میں آکر ایک اور حملہ کیا۔ نابل نے نہایت استقلال و ہمت سے یہ حملہ بھی روکا اب تو شہر یار کو بجائے غصہ کے حیرت ہوئی۔ اس نابل کو کمزور اور حقیر اور ناچیز جانا تھا اسے دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ ایک یا دو حملوں میں اس کا کام تمام کر دے گا مگر جب نابل نے اس کے حملے روکے تو شہر یار کو اس کی آزمودہ کاری پر حیرت ہوئی۔
اب نابل نے سنبھل کر۔ جوش میں آکر جھپٹ کر شہر یار پر حملہ کیا۔ شہر یار بھی فنون حرب سے پورا ماہر تھا۔ اس نے بھی نہایت ہوشیاری سے حملہ روکا۔ نابل نے دوسرا حملہ کیا۔ ادھر شہر یار نے بھی تلوار چلائی۔
دونوں ٹکرا گئیں۔ دونوں تلواریں صیقل شدہ آبدار تھیں۔ ٹکراتے ہی دونوں ٹوٹ گئیں اور دونوں کے ہاتھوں میں دستے رہ گئے۔ شہر یار نے جلدی سے دستہ پھینکا اور گھوڑا بڑھا کر نابل کے پاس پہونچا۔
اس عرصہ میں نابل نے بھی دستہ پھینک دیا تھا۔ شہر یار نے نابل کی گردن میں ہاتھ ڈالکر کھینچا۔ نابل نے شہر یار کی پیٹی پکڑ لی۔ دونوں ایک دوسرے کو کھینچ کر زمین پر گرانے کی کوشش کرنے لگے۔ شہر یار بیش قیمت ریشمیں کپڑے پہنے تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ ہاتھوں میں طلائی کڑے گلے میں آبدار موتیوں کا ہار تھا۔ کمر میں مرصع پٹی تھی۔

پیٹی میں خنجر اڑسا ہوا تھا۔ نابل نے شہر یار کو گرانے کی کوشش کی۔ لیکن شہر یار طاقتور تھا عظیم الجثہ تھا۔ نابل اُسے جنبش نہ دے سکے۔ شہر یار نے نابل کی گردن پکڑ رکھی تھی اس نے زور کر کے نابل کو اٹھا لیا۔ نابل نے جلدی سے پیٹی چھوڑ کر شہر یار کی گردن میں دونوں ہاتھ حمائل کر دیئے۔ جب شہر یار نے اُسے زمین پر پھینکا تو خود اس کے ساتھ ہی زمین پر آ رہا۔ دونوں ایک ساتھ ہی زمین پر گر پڑے۔ شہر یار نے پوری طاقت سے کام لیا وہ نابل کو نیچے ڈال کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔

نابل کی آنکھوں کے سامنے موت پھر گئی۔ زندگی سے مایوس ہو گیا مگر اس نے حواس نہ کھوئے وہ شہر یار کو دیکھنے لگا۔ شہر یار نے نہایت ہی اطمینان سے خنجر نکالا۔ خنجر کی جھلک میں نابل کو موت کا بھیانک چہرہ نظر آیا اس نے آخری طور پر جدوجہد شروع کر دی۔ وہ شہر یار کو اُلٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ شہر یار نے بایاں ہاتھ بڑھا کر نابل کی گردن پکڑنا چاہی اتفاق سے نابل کے منہ میں شہر یار کا انگوٹھا آ گیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہر یار بلبلا اٹھا۔ اسکی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ نابل نے زور کر کے شہر یار کو پلٹ دیا اور حیرت انگیز پھرتی سے اسکے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ شہر یار تکلیف سے اس قدر بیقرار ہو گیا تھا کہ اسکے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر گر گیا تھا۔ نابل نے خنجر اٹھا لیا تھا اب شہر یار کی آنکھوں کے سامنے موت کا بھیانک چہرہ پھر گیا۔ وہ گھبرا گیا۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں سست پڑ گئے۔ نابل نے جلدی سے خنجر مارا شہر یار کے پیٹ میں خنجر تیر گیا۔ شہر یار نے زور سے چیخ ماری۔ جب نابل نے خنجر کھینچا تو ساتھ ہی خون کا فوارہ ابل پڑا۔

شہر یار تڑپنے لگا۔ اسکی آنکھیں پتھرا گئیں۔ چہرہ پر مردنی چھا گئی۔ نابل نے سینہ سے اتر کر۔ ہار، تاج، کپڑے، پیٹی اور خلعت وغیرہ سب اتار لئے جتنے عرصے میں نابل نے شہر یار کے جسم سے یہ اشیاء اتاریں اس عرصے میں وہ تڑپ کر سرد بھی ہو گیا۔

نابل نے تمام اشیاء لینے کے بعد اس کا گھوڑا پکڑا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسلامی لشکر کی طرف چلا۔ لشکر کے قریب پہونچ کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اسلامی لشکر میں ہلچل شروع ہو گئی۔ سپہ سالار نے جنگ کی اجازت دیدی تھی۔ مجاہدین جوش و استقلال سے بڑھے۔

ؒ از تاریخ اسلام!!

دونوں لشکر بھڑ گئے جس طرح طوفان کے وقت اربعہ عناصر کی ٹکر ہو جاتی ہے اسی طرح وہ دونوں لشکر ٹکرائے متخاصمین نے تلواریں سونت سونت کر بلند کیں۔ دھوپ میں شعاعیں پڑنے سے تلواریں بجلی کی طرح چمکیں۔ انسانی سمندر میں بیریں کچھ صاف اور شفاف اور کچھ خون آلودہ ہو کر ابھریں۔ شور و غل بلند ہونا شروع ہو گیا آلات حرب کی جھنکار، قوی نعروں کی آواز، زخمیوں کی چیخ دپکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔ شور و غل کی آواز میلوں تک پہونچی۔ سرفروش بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ انسانی اعضاء کٹ کٹ گرنے لگے۔ سر اور دھڑ گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جانے لگے۔ سبزہ زار میدان خون کی چھینٹیں پڑنے سے لالہ زار بن گیا۔

ایرانی جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمان سر جھکائے ہوئے کمال استقلال۔ بڑے جوش اور نہایت جرأت سے جنگ کر رہے تھے وہ ہر اس ایرانی کو قتل کر ڈالتے تھے جو انکی تلوار کی زد میں آجاتا تھا۔ جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ ہر فریق دوسرے کو کچل ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایرانی سرداروں کو جوش دلا دلا کر بڑھا رہے تھے۔

زہرہ ایک ہاتھ میں اسلامی علم لئے دوسرے ہاتھ میں تلوار سونتے نہایت جوش و خروش سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ میمنہ سے میسرہ اور میسرہ سے میمنہ کی جانب دوڑ دوڑ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلوار کی برش۔ ان کی دوڑ دھوپ نے ایرانیوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

مسلمان کم تھے۔ ایرانی زیادہ تھے۔ ایرانیوں کو اطمینان تھا کہ وہ مسلمانوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ اس لئے اگرچہ وہ قتل ہو رہے تھے مر رہے تھے۔ لیکن نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ جس قدر محاذ پر قتل ہوتے تھے اس سے زیادہ اس محاذ پر تازہ دم ایرانی پہونچ جاتے تھے تقریباً دو گھنٹے نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی ان دو گھنٹوں میں سیکڑوں سرفروش تلوار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اکثر افسر مارے گئے۔ ہزاروں مجروح ہو گئے اب آفتاب نصف النہار کے قریب پہونچ گیا تھا۔ آفتاب میں حدت آگئی تھی لڑائی کی سرگرمی اس پر مستزاد تھی۔ جانباز پسینہ میں ڈوب رہے تھے اس وقت ایرانیوں نے ہر محاذ پر سنبھل کر حملہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس حملہ کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر وہ ایرانیوں کے سیلاب کو نہ روک سکے۔ کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

ٹھیک اسوقت جبکہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے تھے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی ایرانیوں اور مسلمانوں دونوں نے ابھرا بھر کر نعرہ لگانے والے کو دیکھا۔ ان کو اسلامی لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ مسلمان گھوڑے دوڑاتے تیزی سے چلے آرہے تھے۔ یہ خالد بن عرطفہ اور ان کے ہمراہی تھے۔ وہ آتے ہی ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایسے جوش اور ایسے غضب آلود ہو کر ٹوٹے کہ ایرانیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا کشتوں کے پشتے لگا دیئے خون کا دریا بہا دیا۔ ایرانی گھبرا گئے۔ سہم گئے ان کا قلب پسپا ہوا۔ میمنہ اور میسرہ والوں نے قلب کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو وہ بھی پیچھے ہٹے۔

ان کے پیچھے ہٹنے سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ دل قوی ہو گئے۔ انھوں نے سنبھل کر پوری طاقت اور پورے جوش سے حملہ کیا۔ ہر محاذ پر ایرانیوں کو کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔ ہاتھوں، پیروں، سروں اور دھڑوں کے انبار لگا دیئے۔ ایرانی بدحواس ہو گئے ان کے قدم اکھڑ گئے وہ پیچھے پھر کر بھاگے۔ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ مسلمان بھی ان کے تعاقب میں دوڑے دوڑتے آگے پیچھے بھاگ کر کوثی کے قلعہ میں پہونچے ایرانی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ ایرانیوں کے پیچھے لگے ہوئے مسلمان بھی قلعہ میں داخل ہوئے ایرانی قلعہ میں داخل ہو کر رکے۔ سنبھلے لوٹے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے مسلمان پہلے ہی سے تیار تھے۔ وہ بھی ایرانیوں پر جھک پڑے قلعہ کے اندر نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ چونکہ اب صفوں کی ترتیب قائم نہ رہی تھی اس لئے جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی۔ ایرانی مسلمانوں میں مسلمان ایرانیوں میں گھس گئے تھے۔

جو جہاں تھا وہ وہیں لڑ رہا تھا۔ شور و غل سے تمام قلعہ گونج رہا تھا بلکہ قلعہ سے باہر دور دور تک آواز جا رہی تھی۔ ایرانی قلعہ کی ایک ایک انچ زمین کے لئے سرفروشانہ جنگ کر رہے تھے بڑی بہادری اور بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو قلعہ سے باہر دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسلمان نہایت صبر۔ بڑے استقلال۔ کمال جوش سے لڑ رہے تھے وہ ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے نہایت خون آشام جنگ ہو رہی تھی۔ ہر طرف تلواریں بلند ہو ہو کر جانبازوں کے سروتن کے فیصلے کر رہی تھیں سر گیندوں کی طرح اچھل رہے ہے خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

ایرانیوں نے سنبھل کر جوش میں بھر کر غصہ میں آکر ایک زبردست حملہ کیا مسلمان حملہ کے صدمہ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مگر وہ سنبھلے اور جم کر لڑنے لگے۔ تھوڑی

ہی دیر میں پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ ایرانیوں اور مسلمانوں نے قلعہ کے دروازہ کی طرف دیکھا۔ مسلمان باہر سے دروازہ میں داخل ہوتے نظر آئے۔ یہ شرجیل اور ان کے ہمراہی تھے۔ دروازہ کو عبور کرتے ہی وہ ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے ایرانی ان تازہ دم مسلمانوں کو دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور دوسرے دروازہ سے قلعہ سے باہر نکل گئے۔ مسلمان سارے قلعہ میں پھیل گئے تھوڑے ہی عرصے میں مسلمانوں کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

اسلامی علم قلعہ کے اوپر لہرا دیا گیا۔ اس طرح بابل کے بعد کوتی پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

چودھواں باب

مغموم بادشاہ

یزدگرد نے مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑا عظیم الشان لشکر روانہ کیا تھا اسے اس کی کامیابی پر پورا اطمینان تھا۔ وہ سمجھے ہوئے تھا کہ ایرانی مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں گے اسے روزانہ لشکر کی نقل و حرکت کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس لشکر کی کامیابی کی طرف لگی ہوئی تھیں نہ صرف اس کی بلکہ تمام ایران کی خصوصاً سارے مدائن والوں کی طرف لگی ہوئی تھیں کیونکہ مادر وطن کے سپوت۔ مدائن کے بہادر ایران کے مایہ ناز فرزند اس مہم پر گئے تھے لوگ بے چینی سے نتیجۂ جنگ کا انتظار کر رہے تھے روزانہ صبح سویرے ہی سے دفتر جنگ کے سامنے ایسے لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے تھے جو جنگ کی خبریں معلوم کرنے کے لئے آتے۔ دفتر جنگ میں جو خبریں آتی تھیں وہ انکو سنا دی جاتی تھیں۔ آخر ایک دن یہ خبر پہونچی کہ مسلمانوں نے بابل فتح کر لیا ایرانیوں کو زبردست ہزیمت ہوئی۔ کئی بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ لشکر کا زیادہ حصہ کام آیا۔ اس وحشتناک خبر نے مدائن والوں پر کوہ غم گرا دیا۔ سارے شہر پر غم و حسرت کی گھٹا چھا گئی۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ کوچہ کوچہ سے نالہ و شیون کی آوازیں آنے لگیں۔

اس جنگ میں مدائن سے ہر طبقہ۔ ہر محلہ اور ہر خاندان سے رضا کار بھرتی ہو ہو کر گئے تھے۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے کون زندہ رہا کون مارا گیا۔ سب کو اپنے عزیزوں دوستوں اور یگانوں کا فکر تھا۔ سب سرفروشوں کو یاد کر کر کے رونے لگے تھے۔
اس جنگ سے پہلے تو یزدگرد ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ غرور کا مجسمہ تھا۔ فتح و کامرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر اس شکست نے اس کے غرور و تمکنت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ زعم باطل مٹ گیا تھا۔ تباہی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ دل شکستہ ہو گیا تھا۔ اسے زوال سلطنت کا یقین ہو گیا تھا لیکن جس طرح ایک بگڑا ہوا رئیس اپنی مالی حالت کو کمزور دیکھ کر سدھار کرنے کی بجائے عیش و عشرت میں ڈوب کر اپنی حالت کو بد سے بدتر کر لیتا ہے اسی طرح یزدگرد عشرت کے گڑھے میں گر گیا اور رنگ رلیوں میں مشغول ہو گیا۔ اس کی دلبستگی کے لئے اس کے قصر میں سیکڑوں سیم تن لڑکیاں تھیں۔ ابیلا اس کے پاس موجود تھی۔ وہ نہ صرف اس کی ہمراز تھی بلکہ اسکے جذبات عشرت کو بھڑکا کر اسے عیش کے بحر ناپائیدار میں غوطے دے رہی تھی۔ جس سیم تن پری چہرہ پر اس کا قابو چلتا۔ اسے بہلا پھسلا کر قصر میں لاتی اور یزدگرد کے سپرد کر دیتی۔ بادشاہ کی اس نازیبا حرکت سے اسکے ندیم مشیر بہی خواہ سب اس سے فرنٹ ہو گئے تھے۔ ایک دن رات کے وقت یزدگرد اپنے کمرہ خاص میں بیٹھا تھا ابیلا اسکے سامنے کھڑی تھی۔ پرستاریں پیچھے پرا باندھے کھڑی تھیں ایک مہ جبین لڑکی اس کے برابر بیٹھی تھی۔ سامنے چھوٹی سی میز تھی میز پر کنٹر تھے سونے کا پیالہ تھا۔ کنٹروں میں شراب تھی۔ تمام کمرہ روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا فانوسوں سے تڑپ تڑپ کر نکلنے والی روشنی مہ جبین پرستاروں حور طلعت لڑکیوں کے چاند سے منور چہروں پر جلوہ ریز ہو کر ان کی صورتوں میں چکاچوند پیدا کرنیوالی ناز آفریں چمک پیدا کر رہی تھیں۔ یزدگرد نے برابر بیٹھنے والی مہ جبیں کو اشارہ کیا۔ وہ ہزار ناز و ادا سے بل کھاتی اٹھلاتی اٹھی کنٹر میں سے شراب پیالہ میں انڈیلی اور مسکراتے ہوئے پیالہ یزدگرد کے سامنے کیا۔ یزدگرد نے پیالہ لیکر لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر کے خوبصورت لڑکی کی طرف بڑھایا۔ لڑکی نے پیالہ لیکر میز پر رکھ دیا یزدگرد نے ابیلا کیطرف دیکھا۔ ابیلا ہاتھ باندھے کھڑی تھی نیچی نظروں سے بادشاہ کو دیکھ رہی تھی۔ یزدگرد نے کہا۔ ابیلا ذرا اسوقت لیلی کو تو لا! ابیلا اظہار اطاعت کے لئے

جھک گئی وہ سیدھے قدموں چل کر کمرہ سے باہر نکل گئی۔ یزدگرد نے اس لڑکی سے جو اس کے پاس بیٹھی تھی خطاب کر کے کہا۔

زرینہ لیلیٰ کی یاد میرے تمام عیش کو متعفن کر دیتی ہے کمبخت ایسی ضدی لڑکی ہے کہ کسی طرح مانتی ہی نہیں۔ پری چہرہ لڑکی کا منور چہرہ یہ بات سن کر کسی قدر افسردہ ہو گیا آنکھوں سے علامات حسد ظاہر ہونے لگیں۔ یزدگرد پر مدہوشی طاری تھی۔ وہ اس پری نادک حسود نظروں سے اس کے جذبات کو معلوم نہ کر سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابیلا گھبرائی ہوئی آئی اس نے آتے ہی کہا۔ عالیجاہ لیلیٰ اور آسیہ دونوں غائب ہو گئیں یہ سن کر یزدگرد کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اس نے متحیرانہ انداز سے ابیلا کو دیکھ کر استعجاب بھرے لہجہ میں دریافت کیا۔ غائب ہو گئیں۔ . . اس سے تیرا کیا مطلب ہے۔

ابیلا نے جواب دیا۔ ذرہ تواز تالا بدستور جنگلہ میں لگا ہوا ہے لیکن آسیہ اور لیلیٰ موجود نہیں۔

یزدگرد نے بے اعتمادی کی نظروں سے ابیلا کو دیکھ کر کہا۔ ناممکن ہے . . . بالکل غیر امکان ابیلا تو نے فریب دیا ہے۔

ابیلا کانپ گئی۔ جانتی تھی کہ یزدگرد مغلوب الغضب ہے زود رنج ہے اور غصہ میں اگر سخت سے سخت سزا دیتا ہے اس نے کہا غریب پرور مجھ جیسی نمک حلال سے دغا ناممکن ہے۔

یزدگرد نے کسی قدر غصہ میں آ کر کہا۔ دغا ناممکن ہے تو لیلیٰ اور آسیہ کس طرح فرار ہو گئیں۔

ابیلا۔ یزدان ہی جانتا ہے۔

یزدگرد نے طیش میں آ کر کہا۔ یزدان . . . دغا باز کیا جنگلہ کی چابی تیرے پاس نہ رہتی تھی۔ ابیلا نے نہایت عاجزی سے کہا۔ بیشک چابی میرے پاس تھی میرے ہی پاس رہی نیز میرے ہی پاس اب بھی ہے لیکن . . . .

یزدگرد نے غضبناک ہو کر قطع کلام کر کے کہا لیکن تجھے لیلیٰ پر رحم آ گیا تو اس خوبصورت چڑیا کو اڑا دیا۔

ابیلا۔ شاہ عالم نہیں۔

یزدگرد۔ پھر کس نے اسے رہا کر دیا۔

ابیلا۔ یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔
یزدگرد۔ اب آ جائے گی چل تو مجھے جنگلہ دکھا۔
فوراً یزدگرد بڑھا۔ ابیلا اس کے پیچھے چلی۔ یزدگرد نے چلتے چلتے کنیزوں کو اپنے پیچھے آنیکا اشارہ کیا وہ بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوئیں۔ ابیلا نے کہا حضرت زرتشت کی قسم مجھے خبر نہیں۔ یزدگرد سخت غضبناک ہوا اس نے کڑک کر کہا۔ بیوقوف بکتی ہے چابی تیرے پاس تھی پھر دوسرا کون ان کو رہا کرتا۔
ابیلا نے نہایت عاجزی سے کہا حضور والا مجھے بالکل خبر نہیں میں خود سخت حیران ہوں میرا اس میں ذرہ برابر قصور نہیں۔ یزدگرد نے غیظ بھری نظروں سے ابیلا کو دیکھ کر کہا۔ اچھا نہ بتا۔ یہ کہہ کر وہ کنیزوں کیطرف مخاطب ہوا۔ اس نے درشت لہجہ میں ان سے کہا فوراً ایک زنجیر لاؤ۔
دو کنیزیں دوڑتی ہوئی روانہ ہوئیں وہ بہت جلد ایک زنجیر لے آئیں۔ یزدگرد نے زنجیر ان سے لیکر ابیلا کو مخاطب کر کے کہا۔ ابیلا اب بھی سچ سچ بتا دے۔ ابیلا کو معلوم ہی کیا تھا جو وہ بتاتی اس نے پھر کہا۔ یزدان کی قسم مجھے معلوم نہیں ہے۔
یزدگرد نے غصہ کی نظروں سے گھور کر کہا تو ہرگز نہ بتائے گی۔ اچھا ہاتھ بڑھا نمک حرام دغاباز۔
چارہ ہی کیا تھا۔ ابیلا نے ہاتھ بڑھا دیئے یزدگرد نے اس کے ہاتھوں میں زنجیر ڈال دی۔ ابیلا سخت مغموم اور خوفزدہ ہو گئی اس نے پھر کہا عالیجاہ میں بے قصور ہوں۔
یزدگرد نے کچھ نہ سنا اس نے جنگلہ کا تالا کھولکر ابیلا کو بند کیا اور کمرہ سے باہر چلا گیا آج ابیلا کو معلوم ہوا کہ بڑے آدمی کس قدر زود رنج ہوتے ہیں ان کا قرب کس قدر خطرناک ہوتا ہے جب وہ خوش ہوتے ہیں تو کچھ انعام دیدیتے ہیں اور جب بگڑتے ہیں تو جان لینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ وہ خاموش بیٹھ کر اپنی حالت کا اندازہ کرنے لگی۔
یزدگرد اپنے کمرہ میں آ کر بیٹھ گیا اسوقت وہ سخت پریشان اور متفکر تھا۔ دل غم و افکار کے طوفان میں ہچکولے لینے لگا تھا کنیزیں ادب سے سر جھکائے پرا باندھے سامنے کھڑی تھیں۔ زرینہ اس کے برابر بیٹھی اس کے چہرہ کے مدوجزر کو دیکھ رہی تھی۔
کمرہ میں خاموشی طاری تھی۔ بادشاہ چپ تھا۔ مغموم تھا سب چپ تھے گویا اس سے ہمدردی کر رہے تھے۔
تھوڑی دیر کے بعد زرینہ نے شہنشاہ ایران کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا شہنشاہ عالم پریشانی، فکر و غم انسان کے بدترین دشمن ہیں ان سے عمر گھٹتی ہے آپ ان۔۔۔۔۔۔

یزدگرد نے قطع کلام کر کے کہا۔ زرینہ تو نہیں جانتی اس وقت مجھے کس قدر قلق ہے میری روح رواں۔ میرے دل کی دیوی فرار ہو گئی یا بھگا دی گئی ہے میرے لشکر کو شکست ہوئی مجھے رنج نہ ہوا۔ قادسیہ۔ بابل اور کوثی پر عربوں کا قبضہ ہو گیا مجھے فکر نہ ہوا میرے بہادر اور آزمودہ کار سپہ سالار مارے گئے۔ مجھے پریشانی نہ ہوئی۔ میرا خزانہ جو رستم لے گیا تھا۔ عربوں نے لوٹ لیا۔ مجھے ملال نہ ہوا۔ لیکن زرینہ جسے میں چاہتا تھا ہزار جان سے چاہتا تھا جس کی صورت دیکھ کر جیتا تھا وہ غائب کر دی گئی آہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے میں اس کی جدائی میں کیسے زندہ رہوں گا۔

زرینہ نے لگاوٹ آمیز ادا سے اپنے پھول سے رخسار یزدگرد کے سامنے کر کے کہا فکر کریں آپ کے دشمن۔ قصر شاہی میں ایک سے ایک گلعذار ایک سے ایک ماہ طلعت ایک سے ایک پری رخسار موجود ہے ان زہرہ جبینوں سے دل بہلائیے شراب ناب کے جام اڑائیے۔

اگر یزدگرد اس وقت پریشان نہ ہوتا تو حور وش زرینہ کے پھول سے زیادہ شاداب گالوں کو چوم لیتا۔ مگر وہ مغموم تھا اس کا دل پریشان تھا اس نے زرینہ کو پیچھے ہٹا دیا۔ زرینہ اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔ ٹھیک اسی وقت ایک کنیز آئی اس نے دونوں ہاتھ اپنے ابھرے ہوئے سینہ پر رکھ کر ادائے جانانہ سے جھک کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا۔ کیا ہے کنیز نے کہا عالیجاہ مہران باریاب ہونا چاہتا ہے۔

مہران کا نام سن کر بادشاہ قدرے سرد ہوا اس نے کہا فوراً بلا لاؤ۔ کنیز چلی گئی تھوڑی دیر میں مہران آیا۔ اس نے زمین بوس ہو کر بادشاہ کو سلام کیا۔ مہران کچھ نحیف ہو رہا تھا چہرہ ستا ہوا تھا۔ آنکھیں غم کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں بادشاہ نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ مہران تم آ گئے؟

مہران نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا غریب پرور آ گیا ندامت کا بوجھ سر پر لادے ہوئے آ گیا۔

یزدگرد۔ تم بھی شکست کھا گئے۔

مہران۔ جی ہاں ایک مارستین کی وجہ سے شکست ہوئی کاش میں اس کو پہلے ہی کچل ڈالتا۔

یزدگرد۔ وہ کون بد بخت تھا۔

مہران۔ جوشماہ۔

یزدگرد نے حیرت بھری نظروں سے مہران کو دیکھ کر استعجاب بھرے لہجہ میں کہا۔ میرا وفادار خادم جوشماہ؟

مہران۔ حضور۔

یزدگرد۔ اُس نے کیا کیا؟

مہران۔ دشمنوں سے ساز باز کر کے بابل پر ان کا قبضہ کرا دیا۔

یزدگرد۔ تم نے اُسے فوراً ہی کیوں قتل نہ کر ڈالا۔

مہران۔ میں نے اس قدر غدار نہ سمجھا تھا۔ عالیجاہ اس نے مسلمانوں سے ساز باز کیا۔ عبید اور عاصم کو اپنے ہمراہ لیا۔ عربوں سے اپنے اور اپنے خاندان کیلئے معاہدہ کیا۔ رات کو بابل کا دروازہ کھول کر دشمنوں کو چڑھا لایا۔ سوتے ہوئے ایرانیوں کو قتل کرا دیا۔

یزدگرد۔ مگر تم نے کوثی پر مسلمانوں کا کیوں مقابلہ نہ کیا۔

مہران۔ مجھے ایرانیوں پر اعتماد نہ رہا۔ جب جوشماہ جیسا وفادار غدار بن سکتا ہے تو اور کا ذکر ہی کیا ہے!

یزدگرد۔ ایک اور غضب ہو گیا۔

مہران۔ غالباً حضور لیلیٰ اور آسیہ کی فراری کا ذکر فرما رہے ہیں۔

یزدگرد کو حیرت ہوئی۔ حیرت اس بات پر ہوئی کہ ان دونوں سیم تن پری زاد لڑکیوں کی فراری کا حال خود بادشاہ کو بھی ابھی معلوم ہوا تھا۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے مہران کو دیکھ کر کہا۔ تم کو ان کی فراری کا حال معلوم ہو گیا۔

مہران نے کہا۔ عالیجاہ میں نے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

یزدگرد کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اس نے جلدی سے دریافت کیا کہاں اور کب دیکھا۔

مہران نے کہا آج ہی مدائن کے باہر۔

یزدگرد۔ کیا وہ تنہا تھیں۔

مہران۔ نہیں ان کے ساتھ پچاس ساٹھ نقاب پوش تھے۔

یزدگرد۔ تم نے ان کو گرفتار کیوں نہ کر لیا۔
مہران۔ میرے ہمراہ صرف پانچ آدمی تھے اگر میں ان کو گرفتار کرنیکی کوشش کرتا تو نقاب پوش یقیناً مجھے مار ڈالتے۔
یزدگرد۔ اچھا تو چلو ان کا تعاقب کریں۔
مہران۔ بیکار ہے وہ گھوڑوں پر سوار تھے تیزی سے بھیرہ شیر کیطرف دوڑے جا رہے تھے۔ وہ یقیناً اسلامی لشکر میں مل گئے ہوں گے۔
یزدگرد نے کمال حیرت انگیز نظروں سے مہران کو دیکھ کر کہا۔ اسلامی لشکر میں؟..
مہران نے قطع کلام کر کے کہا۔ حضور والا اسلامی لشکر میں۔
اسلامی لشکر نے بھیرہ شیر کا محاصرہ کر لیا ہے جنگل کا شہنشاہ حضور کا وفادار دوست اسد بھیرہ مار ڈالا گیا۔
یزدگرد کو یہ سن کر کمال افسوس ہوا۔ اس نے کہا میرے شیر کو کس نے مارا؟
مہران نے کہا مسلمانوں کے ایک افسر نے۔
یزدگرد غمزدہ ہو گیا اس نے کہا افسوس جو خبر سنتا ہوں پریشان کن اور غم انگیز ہوتی ہے یہ کم بخت مسلمان فتح کرتے کرتے مدائن کے دروازہ ہی پر آ گئے۔ اب کیا ہو گا مہران؟
مہران۔ مجھے آثار اچھے نظر نہیں آتے مسلمان جوش خروش سے فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے بڑھے چلے آ رہے ہیں میرے خیال میں بھیرہ شیر بھی عنقریب فتح ہو جائیگا تب مدائن ان کے رحم و کرم پر ہو گا۔
یزدگرد نے غم آلود نظروں سے مہران کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا مدائن بھی فتح ہو جائے گا!!
مہران نے جواب دیا۔ آثار و قرائن تو یہی کہتے ہیں۔ اب مدائن میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اول تو نقاب پوش مار آستین ہیں ضرور مسلمانوں سے ساز باز کر کے تباہ کریں گے۔ دوسرے مسلمان جس جوش سے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ اسے دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ مدائن ان کے سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔
یزدگرد۔ آہ ساسانی خاندان کا چراغ گل ہو جائیگا۔ کیا کیانی یادگار مٹ جائے گی۔ کیا تمام ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائیگا!!

مہران نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ میرے حضور یہ نہ ہوگا مسلمانوں کا جوش ہانڈی کا اُبال ہے۔ مدائن تک ان کا سیلاب آکر رک جائیگا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرم شاہی کو فی الحال بھیجدیا جائے اگر ہم نے مسلمانوں کو شکست دی تو حرم اور خاندان شاہی کو یہاں بلوا لیا جائے گا اور اگر ہم کو ہزیمت ہوئی تو ہم بھی حلوان کو چلے جائیں گے۔

یزدگرد۔ رائے تو تمھاری معقول ہے اچھا کل اس کا انتظام کیا جائیگا۔

مہران۔ حضور ایک ایک لمحہ قیمتی ہے کوئی بات کل پر نہ اٹھا رکھئے ممکن ہے کل ہی مسلمان مدائن کے سامنے آجائیں اور پھر شاہی خاندان کو یہاں سے نکلنے کا موقع نہ مل سکے اس لئے جو کچھ کرنا ہے آج ہی کیجئے۔

یزدگرد کو مہران کی بات پسند آئی اُس نے کہا مناسب ہے ابھی وقت انتظام کرد یزدگرد کھڑا ہو گیا۔ وہ مہران کو ہمراہ لے کر ایک وسیع کمرہ میں پہونچا۔ یہ کمرہ اس قدر وسیع تھا کہ درباری ہال معلوم ہوتا تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ کافی روشنی ہو رہی تھی۔ یزدگرد نے اس کمرہ میں تمام شاہی خاندان کے افراد کو طلب کیا۔ عورتیں مرد بچے جوق در جوق آنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ اس مجمع میں مرد کم تھے۔ بچے عورتیں زیادہ تھیں سب کے سب نفیس اور بیش قیمت لباس سے ملبوس تھے۔

عورتیں سونے چاندی۔ ہیرے اور جواہرات کے زیورات سے لدی ہوئی تھیں سب کی سب ماہ طلعت۔ زہرہ جبین۔ رشک حور۔ چاندی صورت والیاں تھیں۔ ان کے شاداب چہرے روشنی میں چمک رہے تھے ان کے حسن نے کمرہ کو جگمگا دیا تھا کمرہ نگار خانہ حسن بن گیا تھا۔ یزدگرد ان سب کو لے کر قصر سے باہر آیا۔ باہر گاڑیاں اور گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ یزدگرد نے سب کو سوار کرایا۔ افسردہ دلی سے ان کو روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ چلے افسردہ دلی سے چلے آزردہ ہو کر چلے۔ آخری مرتبہ مدائن کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر چلے اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

یزدگرد انہیں رخصت کر کے مغموم و محزون قصر میں داخل ہوا۔ مہران اس کے ساتھ تھا۔ دونوں کمرۂ خاص میں جا کر بیٹھے۔ بادشاہ کو پریشان اور غمزدہ دیکھ کر

مہران نے تسلی دہ گفتگو شروع۔

پندرھواں باب

معزول ملکہ

حور وش لیلیٰ اور پری جمال آسیہ نقاب پوش کے ساتھ چور دروازہ میں داخل ہو کر تیرہ و تار زینہ میں پہونچیں۔ یہاں اس بلا کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ غور کرنے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دروازہ میں داخل ہوتے ہی نقاب پوش نے بتا دیا تھا کہ وہ اس وقت زینہ میں ہیں سنبھل کر سیڑھیاں طے کریں۔ دونوں حور طلعت لڑکیاں آہستہ آہستہ سنبھل سنبھل کر زینہ طے کرنے لگیں۔ زینہ طے کر کے سب ایک کمرہ میں پہونچے۔ یہ کمرہ ظلمات سے زیادہ تاریک اور قبر سے زیادہ خاموش تھا ان تینوں کے کپڑوں کی سرسراہٹ اور سانس لینے کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی نقاب پوش نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ آسیہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ چپ چاپ بولنا بالکل نہیں۔ آہستہ بولنے سے بھی یہ کمرہ اس قدر گونج اٹھتا ہے کہ اس کے اوپر کمرہ میں بیٹھنے والے صاف طور پر آواز سن لیتے ہیں نہ بولو۔ نہ زور سے قدم رکھو۔ خاموشی اور آہستگی سے چلی آؤ!

دونوں رشک قمر لڑکیاں چپ چاپ انتہائی آہستگی سے نقاب پوش کے پیچھے روانہ ہوئیں یہ کمرہ طے کرنے کے بعد وہ پھر زینہ پر چڑھنے لگے ہر سیڑھی پر نقاب پوش ان کو ہوشیاری سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کی ہدایت کرتا جاتا تھا۔ یہ آخر دونوں دوشیزہ لڑکیاں نہایت احتیاط سے زینہ طے کر رہی تھیں۔ زینہ کے اختتام پر اس نقاب پوش نے کوئی چیز پکڑ کر کھینچی۔ فوراً دروازہ نمودار ہوا۔ تینوں اس دروازہ عبور کر کے باہر نکلے۔ یہاں تازی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مشام جان کو تازگی بخشنے لگے۔ نقاب پوش نے خفیہ طریقے پر دروازہ بند کر دیا۔ ماہ پیکر لڑکیوں نے اپنی خوبصورت نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ سیاہ آسمان پر ستارے چمکتے نظر آئے۔

فرطِ مسرت اور انبساط سے ان کے دل لبریز ہو گئے۔ آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی۔ فوراً لیلےٰ نے بیٹھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ نقاب پوش نے حیرت سے لیلےٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے دریافت کیا۔ ماہ پیکر دوشیزہ تمھارے سامنے نہ انوارِ آلہی (آگ) تھی نہ کوئی تصویر تم نے سجدہ کسے کیا۔

لیلےٰ نے سروقد کھڑی ہو کر جواب دیا۔ اس خدا کو جو ہر جگہ موجود ہے۔

نقاب پوش عجیب بات ہے جو چیز نظر نہیں آتی اُسے سجدہ کرنا بھی کوئی دانائی ہے

لیلےٰ۔ خدا جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے جو ہر ذی روح کو رزق پہونچاتا ہے وہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ہر وقت ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ وہ ہماری نظروں سے اسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح خوشبو۔ پھول نظر آتے ہیں مگر خوشبو نظر نہیں آتی۔

نقاب پوش۔ یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔ دیکھو نصف سے زیادہ رات گزر چکی۔

آسیہ نے کہا چلئے۔ دونوں نقاب پوش کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ رات اندھیری اور خاموش تھی۔ سارے خاموش کائنات کو حیرت سے تک رہے تھے البتہ ایک خفیہ گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی۔ جو خاموش فضا میں ترنم سا پیدا کر رہی تھی۔

آسیہ نے نقاب پوش سے دریافت کیا۔ یہ آواز کیسی ہے؟

نقاب پوش نے جواب دیا۔ دریائے دجلہ مدھم شور کے ساتھ بہہ رہا ہی نقاب پوش قدم بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ دونوں حورِ طلعت۔ نازآفریں لڑکیاں اس کے پیچھے چل رہی تھیں۔ کئی گلیوں اور کوچوں کو طے کر کے یہ تینوں اسی مکان میں داخل ہوئے جس میں خسرو۔ مراجل۔ سودابہ اور روزبہ کو لے گیا تھا۔ اس وقت بھی مکان کے اندر خاموشی تھی اس کے مکیں خواب میں مدہوش پڑے خراٹے بھر رہے تھے۔

نقاب پوش ان ماہ پیکر لڑکیوں کو ہمراہ لے کر ایک کمرہ میں پہونچا۔ یہ کمرہ خالی تھا کمرہ کے وسط میں ایک کوچ پڑی تھی۔ نقاب پوش نے شمع روشن کی۔ روشنی میں نازآفریں لڑکیوں نے کمرہ کو دیکھا۔ کمرہ اچھا خاصا وسیع تھا۔ نقاب پوش نے دونوں لڑکیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ رات بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے تمھاری آنکھیں نیند کے باعث بوجھل ہو رہی ہیں اس کمرہ میں اطمینان اور آرام سے سو جاؤ

آسیہ نے کہا میں اور بہن لیلےٰ آپ کے بحد مشکور ہیں۔ ہم آپ کا نام دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔

نقاب پوش نے آہستہ سے نقاب اُتار کر آسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بھولی آسیہ میرا نام دریافت کر کے کیا کرو گی۔

آسیہ نے نقاب پوش کو دیکھا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں اُسے پہچان لیا وہ خسرو تھا آسیہ نے کچھ حیرت کچھ مسرت بھرے انداز سے کہا۔ آہا بزرگ خسرو۔

خسرو نے پھر نقاب اپنے چہرہ پر ڈال لیا۔ اس نے کہا۔ ہاں عمزدہ خسرو آسیہ اب میں صبح تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ تم دونوں اس کوچ پر پڑ جاؤ۔ یہاں کوئی تمہارے آرام میں خلل انداز نہ ہوگا۔

یہ کہتے ہی خسرو چلا گیا۔ لیلےٰ نے اپنی موسیقی نواز آواز سے کہا۔ آسیہ بزرگ خسرو بڑے نیک ہیں۔ انھوں نے ہم دونوں غم زدوں پر مہربانی کر کے ہم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

آسیہ نے کہا لیلیٰ خسرو انقلابی گروہ کے سرغنہ ہیں وہ یزدگرد اور اسکی حکومت سے ناراض ہیں۔ بادشاہ کو معزول کر کے موجودہ حکومت کو مفلوج کرنا چاہتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یزدگرد خود حکومت اور ملک کو تباہ کر رہا ہے!

لیلیٰ نے کہا۔ یزدگرد بے قصور ہے۔ اس کی نو عمری اس کی نادانی پر دلالت کرتی ہے قصور اس کے مشیروں کا ہے۔

ایک آواز آئی بیشک قصور مشیروں کا ہے لیکن یزدگرد اس قدر بچہ نہیں ہے کہ نیک و بد کو قطعاً نہ سمجھے۔

دونوں ماہ پیکر لڑکیاں کچھ خوفزدہ اور کچھ حیران ہوئیں۔ انھوں نے اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا اٹھا کر گھبرائی ہوئی نظروں سے جس طرف سے آواز آئی تھی اس طرف دیکھا۔

ایک سیاہ پوش سایہ ان دونوں کی طرف بڑھتا نظر آیا دونوں نازنین لڑکیاں سائے کو دیکھ کر سہم گئیں۔ انہیں خوف اور حیرت اس وجہ سے تھی کہ کمرہ کے تمام دروازے بند تھے کسی دروازے کے کھلنے کی آواز نہ آئی تھی۔ بغیر دروازہ کھلے کوئی آدمی کیسے کمرہ میں گھس آیا۔ سایہ آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنے لگا۔ فرط خوف و دہشت سے دونوں پریزاد لڑکیاں کے چاند سے بڑھ کر روشن چہرے عرق آگیں ہو گئے تھے۔ بڑھتے بڑھتے یہ سایہ بالکل ان کے قریب پہونچ گیا۔

یہ سایہ نہ تھا بلکہ سیاہ لبادہ لپیٹ کر کوئی آیا تھا۔ لڑکیوں کے قریب پہونچ کر سیاہ لبادہ والے نے کہا۔ معصوم لڑکیوں۔ کیا تم مجھے دیکھ کر ڈر گئیں؟

قبل اس کے کہ لڑکیاں کچھ جواب دیں۔ لبادہ پوش نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھایا آسیہ نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ وہ ملکۂ پوران رخت تھی اسکا چہرہ چمک رہا تھا۔ آنکھیں روشن ہو رہی تھیں۔ آسیہ بڑھ کر اس کے سامنے دوزانو ہو گئی۔ اس نے کہا آہ ملکہ عالم.....

ملکہ نے قطع کلام کر کے کہا۔ ملکہ نہیں! ہاں کبھی ملکہ تھی اب... بیکسوں کی حامی۔ مظلوموں کی ممد و معاون ایک معمولی عورت ہوں۔

آسیہ نے کہا آہ تمھارا زمانہ کہاں گیا جبکہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے جب ظلم و ستم کا نام بھی نہ تھا۔ وہ وقت کیا ہوا۔

ملکہ قدرے غمزدہ ہو گئی۔ اس نے کہا زمانہ بدلتا رہتا ہے ہمیشہ وقت یکساں نہیں رہتا۔ اگر وہ زمانہ نہیں رہا تو یہ بھی نہ رہے گا۔ معصوم لڑکیوں ظلم کی کشتی بھر کر ہی ڈوبتی ہے۔ اب ظلم انتہا کو پہونچ گیا ہے۔ سنگدلی کی حد ہو گئی ہے آثار و قرائن کہہ رہے ہیں کہ ایرانی حکومت کا چراغ ٹمٹمانے لگا ہے۔ ایرانیوں کے کندھوں پر غیروں کی مخالفت کا بھار کھا جانے والا ہے۔ آہ ایرانی غلام بننے والے ہیں۔ یونانیوں کی طرح عربوں کے غلام بنیں گے پوران دخت یہ کہتے ہی غمزدہ اور بے قرار ہو گئی۔ آسیہ نے کہا۔ ملکہ عالم آپ یزدگرد کو سمجھائیے آنے والے خطرات سے خبردار کیجئے۔

ملکہ سمجھانے کا وقت گذر گیا۔ سمجھانے والوں نے بہت کچھ سمجھایا۔ تمام خطرات سے آگاہ کیا۔ مگر بدبختی شامل حال تھی۔ اس نے ناصحوں کو اپنا دشمن سمجھا۔ ان کو انقلاب پسندوں کا خطاب دیا اور ان کے در پے آزار ہو گیا۔

آسیہ نے قطع کلام کر کے کہا۔ کیا انقلاب پسند ملک و قوم کے بہی خواہ ہیں۔

ملکہ: بیشک نقاب پوش انقلابی ملک و قوم کے خیر طلب ہیں بزرگ خسرو اس گروہ کے سرغنہ ہیں۔ مگر یزدگرد کی بدقسمتی دیکھو کر خیر اندیش بہی خواہوں کو اپنا دشمن سمجھے ہوئے ہیں اپنی اصلاح نہیں کرتا۔ انقلابیوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ آسیہ جس کا بات مجھے اندیشہ تھا وہی سامنے آ گئی۔ یزدگرد کی کوتاہ اندیشی نے ملک و قوم کے بہی خواہوں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ ایران میں انقلاب ہوگا اور زبردست انقلاب ہوگا۔

یہ کہتے ہی کہتے ملکہ کچھ اس قدر غمزدہ ہو گئی کہ بات پوری نہ کر سکی کچھ توقف کے بعد اس نے لمبی آہ کھینچتے ہوئے کہا۔ آسیہ تم سے میری یہ ملاقات شاید آخری ہے۔ میں پھر

نہ مل سکوں گی ہیں نے تم کو اور لیلیٰ کو رہا کرانے کے لئے بزرگ خسرو کو بھیجا تھا تم دونوں رہا ہو گئیں اب میں تم سے نہیں لیلیٰ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

آسیہ اور لیلیٰ دونوں کو پوران دخت کی گفتگو سن کر حیرت ہوئی اب تک وہ سمجھے ہوئے تھیں کہ بزرگ خسرو نے ان کو خود رہا کیا ہے لیکن ملکہ کی گفتگو نے ان کو حیرت میں ڈال دیا۔ خصوصاً لیلیٰ کو اسے نہایت ہی تعجب ہوا کہ موڈل ملکہ اس سے کیا کہنا چاہتی ہے وہ پوران دخت کے خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھنے لگی۔

آسیہ نے دریافت کیا۔ کیا حضور نے ہی ہم پر یہ عنایت کی ہے۔

ملکہ نے کہا۔ ہاں اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ لیلیٰ مجھے تم سے یہ کہنا ہے کہ عنقریب مسلمان مدائن پر قبضہ کریں گے۔ ایرانی ان کے غلام بنیں گے۔ اقرار کرو کہ تم مسلمانوں کو اس امر کی ترغیب دوگی کہ وہ کسی ایرانی کو تکلیف نہ پہونچادیں۔

لیلیٰ نے سُریلی آواز سے کہا۔ ملکۂ عالم میں اگرچہ قیدخانہ سے آزاد ہو گئی ہوں۔ لیکن ابھی تک ایرانیوں کے قبضہ میں ہوں مسلمانوں تک پہونچنا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن اگر میں مسلمانوں میں پہونچ گئی تو اقرار کرتی ہوں کہ مسلمانوں کو مجبور کردوں گی کہ وہ کسی ایرانی کو ذرہ برابر آزار نہ پہونچائیں۔

ملکہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ شاباش نیک لڑکی شاباش مجھے تجھ سے ایسی ہی توقع تھی۔ سُنو! تم کل مدائن سے رخصت کردی جاؤگی بزرگ خسرو تمھارے ساتھ جائیں گے اب ایرانیوں کو بچانا تمھارے اقرار پر موقوف ہے۔

لیلیٰ۔ انشاءاللہ اپنا اقرار پورا کروں گی۔

ملکہ۔ اچھا اب تم آرام کرو۔ کل شام کو تمھیں رخصت کردیا جائیگا۔

یہ کہہ کر ملکہ چلی گئی۔ دونوں لڑکیاں مسہری پر پڑ گئیں۔ چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اس لئے تھوڑی ہی دیر کے بعد دونوں کو نیند آگئی۔

سولھواں باب

آزادی

دوسری صبح جب دونوں نور طلعت لڑکیاں بیدار ہوئیں تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا اس کی رنگ برنگی کرنیں دریچوں کے راستوں سے آ آکر کمرہ میں بائیسکوپ کا سا پرتو ڈال رہی تھیں دونوں جلدی سے اٹھیں۔ ضروریات سے فراغت کر کے پھر کمرہ میں آبیٹھیں ابھی انہیں آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مراجل آگئی۔ اس نے آتے ہی کہا آہاہا آسیہ تم رہا ہو گئیں۔ یزدان نے بڑی مہربانی کی۔ آسیہ نے حیرت سے مراجل کو دیکھا اس نے کہا مراجل۔ کیا تم حسن کے ڈاکو کے پنجہ سے نکل آئیں۔

مراجل نے کہا ہاں میں اسی دن نکل آئی تھی۔ بزرگ خسرو مجھے بچا لائے تھے غالباً وہی تم کو بھی لائے ہیں!!

آسیہ۔ ہاں وہی لائے ہیں۔ مگر تم اس مکان میں کیسے ہو اپنے قصر میں کیوں نہ گئیں؟

مراجل۔ یزدگرد کی خوف کی وجہ سے وہ میرا۔ میرے باپ کا۔ میرے خاندان کا دشمن ہو گیا ہے!!

اب مراجل آسیہ کے پاس جا بیٹھی۔ اس نے لیلیٰ کو دیکھ کر پھر دریافت کیا۔ کیا یہ وہی عرب دوشیزہ ہے جس پر کوتاہ اندیش یزدگرد ہزار جان سے فریفتہ ہے۔ آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ ہاں یہ وہی غارت گر صبر و شکیب ہے۔ کیا یہ خوبصورت نہیں؟

مراجل نے کہا۔ خوبصورت ہے حسن کا آفتاب ہے اس کے چہرہ میں اس قدر دلکشی ہے کہ مرد تو مرد میرا دل بھی کھنچ گیا ہے۔

آسیہ ہنس پڑی اس نے کہا۔ گویا تم بھی لیلیٰ کو چاہنے لگی ہو؟

مراجل نے مسکرا کر کہا۔ چاند کسے پیارا نہیں لگتا کیا تم اس حور کو پیار نہیں کرتی ہو آسیہ اس نے کن آنکھیوں سے لیلیٰ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھ پر تو اس خوبصورت ساحرہ نے جادو کر دیا ہے۔ مراجل! میں اس پر ہزار جان

سے والہ وشیدا ہوں آفتاب کی کرنوں میں چاند کی گہرائیوں میں کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کے رُخ پُر نور کا پرتو ہے۔ میں نے اس سے کہا ہے بار بار کہا ہے اور اب پھر کہتی ہوں

بر تو جو پُرار دے پُر انوار نہ ڈالے
بے نور ہو خورشید سیاہ خانہ جہاں ہو

مراجل نے کہا بیشک یہی بات ہے۔ میں نے ایسی پیاری۔ ایسی دلکش ایسی روشن جبیں کسی کی نہیں دیکھی۔

لیلیٰ اپنی تعریف سن کر شرم و حیا سے دبی جارہی تھی۔ اس کی موٹی موٹی نرگسیں آنکھیں بار حیا سے زمین کی طرف جھک گئی تھیں۔ وہ شرم و حیا کی تصویر بن گئیں۔ مراجل اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مراجل نے لیلیٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے حسن کے چاند اس قدر کیوں شرما رہی ہو۔ نظریں اٹھاؤ۔ آنکھیں ملاؤ کچھ باتیں کرو۔

رشک حور لیلیٰ کے مسیحا صفت لبوں پر روح پرور تبسم نمودار ہوا۔ اس نے بجلیاں گرانے والی صبر و شکیب چھین لینے والی آنکھیں اٹھا کر مراجل کو دیکھا۔ اور فردوسی حوروں جیسے لہجہ میں کہا۔ میں کیا کہوں مراجل بے وست دپا ہوں۔ وطن اور عزیزوں سے دور دیار غیر میں پڑی ہوں۔ رنج و غم اور فکر پریشانی میرے دمساز ہیں کیا کہوں۔

لیلیٰ یہ کہتے کہتے افسردہ ہوگئی۔ آسیہ اور مراجل دونوں پر اس کی افسردگی کا اثر ہوا مراجل نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ لیلیٰ اب غم نہ کرو غم و فکر کا دور ختم ہونے والا ہے بزرگ خسرو کہتے تھے کہ آج رات کو تم اسلامی لشکر کی طرف روانہ کردی جاؤ گی!

لیلیٰ نے کہا میں آسیہ کی بیحد مشکور ہوں اس کی وجہ سے لیل و نہار کٹنے لگے تھے۔ اسی کی بدولت بزرگ خسرو نے رہائی دلائی۔

مراجل۔ مگر اب افسردگی کی کیا وجہ ہے۔

لیلیٰ۔ آسیہ کی مفارقت جس سے میرا دل مانوس ہوا ہے وہ مجھ سے چھوٹنے والی ہے۔

مراجل۔ جب یہ بات ہے تو تم کیوں مسلمانوں میں جاتی ہو یہیں رہو نہ۔

لیلیٰ۔ نہ میں خود آئی۔ نہ خود جاتی ہوں۔ گردش تقدیر لائی۔ خوبی بخت لئے جاتی ہے اس میں میرے بس کی کیا بات ہے۔

مراجل۔ تو تم آسیہ کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہو۔

لیلیٰ۔ ہاں آرزو تو یہی ہے لیکن میرا اختیار کیا۔

آسیہ نے لیلےٰ کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچتے ہوئے کہا۔ میری حور رخلط! دُنیائے حُسن کے آفتاب۔ نورِ جمال کی دیوی۔ میں تیری پرستار ہوں تیرے ہمراہ ہی رہوں گی جہاں جائے گی ساتھ ہی جاؤں گی!!

لیلےٰ آہستہ آہستہ آسیہ کی آغوش سے نکلی۔ اسکی مست سرشار آنکھوں سے تشکر و امتنان کے آثار ہویدا ہوئے۔ اس نے کہا۔ آسیہ تمھارا شکریہ ہزار بار شکریہ تم نے میرے ہمراہ چلنے کا وعدہ کرکے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ مراجل نے تعجب کی نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا۔ تم لیلیٰ کیساتھ جاؤگی مسلمانوں میں، خیریت تو ہے ایسی کیا بات ہوگئی آسیہ؟

آسیہ نے کہا۔ مراجل میں مسلمان ہوگئی ہوں مسلمان مسلمانوں میں ہی رہ کر خوش ہو سکتا ہے۔

مراجل کو کمال حیرت ہوئی۔ اس نے انتہائی استعجاب بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا مسلمان ہوگئی ہے کیا ایک پارسی لڑکی مسلمان ہو سکتی ہے۔ تجلی الٰہی کو چھوڑ کر خیالی خدا کی آغوش میں جا سکتی ہے۔

آسیہ۔ خدا کی آنکھوں سے مستور ہے آگ انوار الٰہی نہیں جو چیز دوست اور دشمن کو جلا ڈالے وہ پرستش کے قابل نہیں ہو سکتی!

مراجل۔ تعجب ہے جس مقدس آگ کو تونے۔ تیرے باپ دادا۔ نے پوجا آج تو اس سے منحرف ہوگئی۔ آسیہ تجھے کیا ہوگیا۔

آسیہ۔ میں نے اس خدا کو پالیا۔ جو کائنات کا خالق ہے ذرہ ذرہ پر جس کی نظر ہے مراجل سوچو آگ کیا ہے؟ کیا خدا کا نور ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا کا نور آگ سے زیادہ لطیف ہے اس لئے دیکھنے کی طاقت انسان میں نہیں ہے آگ گرمی کا شعلہ ہے انسانی ضروریات کی ایک چیز ہے دوست دشمن سب کے کام آتی ہے اس کی پرستش کرنا جہالت ہے ایرانی ستارہ پرست تھے۔ بزرگ زرتشت نے ستارہ پرستی کو آتش پرستی سے بدل دیا۔ بادشاہ وقت نے اس مذہب کو قبول کرلیا تمام ایران میں آتش پرستی رائج ہوگئی۔

مراجل حیرت سے جو روش آسیہ کی گفتگو سن رہی تھی اس نے قطع کلام کرکے کہا۔ یہ باتیں کس نے بتائیں؟

آسیہ نے کہا لیلیٰ نے۔ اس مست شباب نے مجھ پر احسان کیا ہے میری آنکھوں سے ضلالت کا پردہ اٹھا کر ایمان کی روشنی کا نقاب ڈال دیا۔ خدا کو کسی نے دیکھا ہے مراجل نے
مراجل نے کہا آسیہ تیری گفتگو نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے لیلیٰ ضرور ساحرہ ہے خوبصورت ساحرہ اس نے تجھ پر جادو کر دیا ہے بزرگ خسرو کہتے تھے کہ لیلیٰ ساحرہ ہے۔
آسیہ نے مسکرا کر کہا لیلیٰ کا حسن سحر خیز ہے جو اس رشک سحر کو دیکھ لیتا ہے اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے مگر یہ حور ساحرہ نہیں ہے۔ خدا کی پرستش کی تلقین جادو نہیں کہلاتی۔
مراجل کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خسرو آ گیا۔ اسوقت وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے نہیں تھا۔ وہ آ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے کہا بیٹی لیلیٰ تم نے ملکہ عالم سے جو وعدہ کیا ہے اُسے پورا کرو گی؟
لیلیٰ نے کہا۔ بزرگ محسن ضرور پورا کروں گی۔ ایک مسلمان جو وعدہ کر لیتا ہے زندگی کے آخری سانس تک اُسے پورا کرتا ہے۔
خسرو۔ میں نے یہی تعریف مسلمانوں کی سنی ہے۔ سچائی۔ ایفائے وعدہ ایمان کا جز ہے مسلمانوں میں یہ دونوں موجود ہیں تمام ایرانیوں کا خیال ہے کہ مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ضرور ہو جائے گا۔ اسوقت اے رشک قمر دوشیزہ تو ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایرانیوں کو بچا سکے گی!!
لیلیٰ۔ میں بچاؤں گی۔ اپنی زندگی میں کسی ایرانی پر آنچ نہ آنے دوں گی!!
خسرو۔ تجھ سے تو یہی توقع ہے آج دن چھپنے کے بعد تجھے مدائن سے رخصت کر دیں گے۔
مراجل نے کہا لیلیٰ کے ہمراہ آسیہ بھی جانے کو تیار ہے خسرو نے حیرت سے آسیہ کی طرف دیکھ کر دریافت کیا کیا آسیہ تو بھی جا رہی ہے؟
آسیہ نے جواب دیدیا۔ مجھے لیلیٰ سے محبت ہے میں اُسے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔
خسرو۔ کیا تو اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑ جائے گی۔
آسیہ نے افسردگی سے کہا۔ عزیزوں کو۔۔۔ میرا ایک بھائی ہے وہی میرا عزیز ہے لیکن اب میرا دشمن ہے اُس نے ہی مجھے گرفتار کرایا اُس نے ہی مجھے آہنی زنجیر دا سے مار مار کر زخمی کیا۔ اگر لیلیٰ کو رحم آیا اور اس نے مدد کرنی چاہی تو اُسے جھڑ

اور علیحدہ کر دیا ایسے بھائی کو کیا کروں۔

خسرو۔ میں نے سنا ہے تو مسلمان ہو گئی ہے۔

آسیہ۔ ہاں میں مسلمان ہو گئی ہوں اب مسلمانوں ہی میں رہنا چاہتی ہوں

خسرو۔ تجھے اختیار ہے جہاں تیرا دل چاہے رہ لیلیٰ تیرے کپڑے خراب ہو گئے ہیں میں تیرے لئے کپڑے لاتا ہوں اتنے میں تو غسل کر لے۔

مراجل نے کہا آپ کپڑے کہاں سے لاویں گے میرے کئی کپڑوں کے جوڑے موجود ہیں۔ میں ایک جوڑا لائے دیتی ہوں۔ یہ کہتے ہی مراجل چلی خسرو نے اسے روک کر کہا۔ آسیہ کے کپڑے بھی بالکل پھٹ گئے ہیں ایک جوڑا اس کے لئے بھی لیتی آنا۔ بہت اچھا کہہ کر مراجل چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد خسرو بھی چلا گیا۔ اب آسیہ نے کہا لیلیٰ آؤ غسل کر آئیں۔

لیلیٰ نے کہا پہلے کپڑے آلینے دو۔ غسل کر کے میلے کپڑے نہ پہننا چاہئے آسیہ نے مسکرا کر کہا لیلیٰ اگرچہ تم میلے کپڑے پہنے ہو عرصہ سے غسل بھی نہیں کیا ہے۔ زلف شبگوں میں شانہ بھی نہیں کیا گیا ہے غم و فکر نے گھلا رکھا ہے ان وجوہات سے تمھارا حسن پھیکا پڑ جانا چاہئے تھا مگر تعجب ہے حسن کی بہار میں کوئی کمی واقع نہیں ہے۔ چہرہ کی آب و تاب۔ شادابی۔ رعنائی بدستور باقی ہے دراصل حسن تم پر خود فریفتہ ہے۔

لیلیٰ مسکرائی اداے عروان بہشتی کی شان سے مسکرائی۔ اس نے مسکرا کر کہا اور آسیہ تم! تمھارے کپڑے پھٹ گئے پھٹے ہوئے سوراخوں سے تمھارا بدن اس طرح جھلملا رہا ہے جس طرح چاند بادلوں کے ٹکڑوں میں جھلملایا کرتا ہے۔ تمھارا حسن عالم سوز ہے آسیہ!!

آسیہ نے کھل کر مسکراتے ہوئے۔ شکر ہے میرے حسن کی بھی ثنا خواں پیدا ہوئی اب تک میں خود کو ایک معمولی لڑکی سمجھتی تھی۔ مگر آج سے ......

لیلیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا اپنے آپ کو حسینوں میں شمار کرنا۔ تم بہترین حسینہ ہو آسیہ! ایک آواز آئی آسیہ تم سے کم خوبرو ہے وہ ستارۂ حسن ہے اور تو مہتاب حسن آسیہ نے دروازہ کیطرف دیکھا۔ مراجل کپڑے لئے مسکراتی ہوئی آرہی تھی اور وہ دونوں جب آ کر اس نے کپڑے دیئے دونوں جوڑے ریشمیں تھے۔ دوپٹوں کے پلو نہ

پر موتیوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں ۔لیلیٰ اور آسیہ کپڑے لیکر غسل کرنے چلی گئیں ۔ مراجل یہیں بیٹھ گئی ۔ تھوڑی دیر میں دونوں غسل کر کے کپڑے بدل کر آ گئیں ۔ ریشمیں کپڑوں نے دونوں کے حسن کو نکھار دیا ۔ موتیوں کی سفید جھالروں نے ان کی خوبصورت چہروں کو اس قدر جگمگا دیا تھا کہ ان کو نظر بھر کر دیکھنا دشوار ہو گیا خصوصاً لیلیٰ کا چہرہ ایسا معلوم ہونے لگا ۔ جیسے اس کے پیارے چہرہ میں بجلی بھر دیگئی ہو ۔ رخسار اور گال گلاب کے پھولوں سے بڑھ کر شاداب اور گلابی ہو گئے ۔ موہنی آنکھوں سے سحر خیز چمک پیدا ہو گئی ۔ مراجل نے حیرت سے لیلیٰ کو دیکھا وہ اٹھ کر بیساختہ اس سے بغلگیر ہو گئی ۔ اس نے حور وش لیلیٰ کے دونوں رخسار چوم لئے ۔ لیلیٰ شرما گئی مراجل نے کہا ۔ اے آفتاب حسن ۔ یزدان کی قسم تیرا حسن ساری دنیا کو مسخر کر سکتا ہے ۔ عورت ۔ مرد ۔ بچے اور بوڑھے سب تیرے گرویدہ ہو سکتے ہیں ۔ بزدگرد بے قصور ہے وہ نوجوان ہے اس کے پہلو میں ارمان بھرا دل ہے ۔ تجھے دیکھ کر وہ کیسے صبر کر سکتا تھا ۔

لیلیٰ خاموش تھی ۔ شرما رہی تھی ۔ چپکے چپکے مسکرا رہی تھی ۔ مراجل نے کہا ۔ لیلیٰ بالوں کو سکھاؤ ۔ یہاں مشاطہ نہیں ہے آج تمہارے بالوں میں میں شانہ کروں گی رشک قمر لیلیٰ نے دوپٹہ اتار کر مسہری پر رکھ دیا اور اپنے سر کے گھنگھریالے سنہری مائل بال دوش پر بکھیر دیئے ۔ سیاہ بالوں میں اس کا روشن چہرہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے سیاہ بادلوں میں چاند معلوم ہوا کرتا ہے ۔

آسیہ نے بھی دوپٹہ اٹھا کر رکھ دیا ۔ اس نے بھی بال کھول کر بکھیر دیئے اس کے بال بھی ملائم ۔ سیاہ اور چمکدار تھے اس کا چہرہ بھی چمکنے لگا ۔ چونکہ کمرہ میں آفتاب کی شعاعیں آرہی تھیں اس لئے بال جلدی خشک ہو گئے ۔

مراجل دوڑ کر خوشبو دار تیل اور کنگھی لے آئی ۔ اس نے پہلے لیلیٰ کے سر میں شانہ کر کے عربی عورتوں کی طرح چوٹی گوندھی اور پھر آسیہ کے سر پر تیل لگا کر شانہ کر کے ایرانی وضع پر بال بنا دیئے ۔ کنگھی چوٹی سے فراغت کر کے دونوں نے ہاتھ منہ دھوئے اور دوپٹے اوڑھ اوڑھ کر بیٹھ گئیں ۔ وہ دونوں خوبصورت تھیں ۔ اچھے کپڑے پہن لئے تھے حسن کی ملکہ معلوم ہونے لگیں ۔ اب دوپہر ہو گیا تھا ۔ تینوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا قیلولہ کرنے کے لئے مسہری پر لیٹ گئیں ۔ تینوں خوبصورت تھیں کمال خوبصورت

تھیں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے تین چاند برابر ایک ہی جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ آفتاب ڈھلنے پر لیلیٰ اور آسیہ اٹھیں وضو کیا اور نماز پڑھنے لگیں۔ مراجل حیرت سے انہیں نماز پڑھتے دیکھنے لگی۔ نماز سے فراغت کر کے وہ پھر مسہری پر آ بیٹھیں۔ مراجل گویا لیلیٰ پر فریفتہ ہو گئی تھی وہ اسے چھیڑتی۔ اس کے گد گدیاں کرتی۔ اسے اپنی آغوش میں کھینچ کر بھینچتی کبھی باتیں کرنے لگتی۔ اس طرح چھیڑ چھاڑ اور باتیں کرتے عصر کا وقت ہوا آسیہ اور لیلیٰ نے عصر کی نماز پڑھی۔ عصر کے بعد مغرب کا وقت آیا۔ دن چھپ گیا۔ دونوں نے مغرب کی نماز پڑھ کر مراجل کو ساتھ لیا اور باہر صحن میں نکل آئیں اب رات ہو گئی تھی۔

چاندنی رات تھی۔ چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی تمام صحن میں پھیل رہی تھی۔ مراجل نے پہلے چاند کو اور پھر لیلیٰ کو دیکھا۔ اس نے کہا لیلیٰ آسمان کے چاند سے زمین کا چاند کہیں زیادہ خوبصورت ہے دیکھو آسمان کا چاند زمین کے چاند کو تک رہا ہے لیلیٰ نے مسکرا کر کہا۔ زمین پر چاند کہاں ہے۔

مراجل نے لیلیٰ کو سینہ سے لگا کر کہا زمین کا چاند تو ہے لیلیٰ۔

ٹھیک اسی وقت خسرو آ گیا۔ مراجل لیلیٰ سے الگ ہو گئی۔ خسرو نے قریب آ کر کہا۔ لیلیٰ تیار ہو جاؤ میں نے تمہاری روانگی کا سب انتظام کر لیا ہے۔ لیلیٰ نے کہا میں تیار ہوں۔ مجھے تیاری ہی کیا کرنی ہے۔

خسرو۔ اچھا تم کھانا کھا لو۔

تینوں ماہ طلعت لڑکیاں خسرو کے ساتھ پھر کمرہ میں واپس آ گئیں۔ اس وقت کمرہ میں روشنی کر دی گئی تھی۔ تینوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر لیلیٰ اور آسیہ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر تیار ہو گئیں۔ خسرو نے کہا۔ اب چلو دیر کرنا اچھا نہیں۔

تینوں لڑکیاں اٹھیں۔ مراجل۔ آسیہ اور لیلیٰ سے بغلگیر ہو کر ملی وہ انہیں رخصت کرتے وقت آبدیدہ ہو گئی۔ لیلیٰ نے اسے آزردہ خاطر دیکھ کر کہا مراجل ہم انشاء اللہ پھر جلد ہی ملیں گے۔ آزردہ کیوں ہوتی ہو۔

مراجل نے کہا۔ لیلیٰ مجھے بھول نہ جانا۔ تمہاری یاد مجھے بے چین کرتی رہے گی۔ اب لیلیٰ خود مراجل سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا۔ میں تم کو ہرگز نہ بھولوں گی۔ تمہاری یاد اپنے ساتھ لئے جا رہی ہوں۔ امانت میرے دل میں رہے گی۔ مراجل نے دونوں کو رخصت کیا۔ رخصت کرتے وقت اس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے خسرو دونوں

یہ تینوں لڑکیوں کو ہمراہ لے کر قصر سے باہر آیا۔ یہاں پچاس سوار تیار کھڑے تھے دو کوتل گھوڑے بھی تھے۔ خسرو نے دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں پر سوار کرا کر ایک سوار کو ایک کاغذ کا پرزہ دیتے ہوئے کہا۔ کو یہ مدائن سے باہر نکلنے کا اجازت نامہ ہے ان دونوں کی حفاظت اپنی زندگی کے آخری دم تک کرنا۔ انہیں اسلامی لشکر میں پہونچا دینا اور پھر واپس چلے آؤ۔

سوار نے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔ اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوگی۔ اب یہ سب آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ گلیوں اور کوچوں کو طے کرکے کھلی ہوئی سڑک پر آئے ساری سڑک پر سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک پر پہونچے۔ پھاٹک تیزی سے چلنے لگے تقریباً ایک گھنٹہ چل کر شہر پناہ کے پھاٹک پر پہونچے۔ پھاٹک پر پہرہ تھا۔ سوار نے پروانہ راہداری پیش کیا۔ پہرہ والوں نے غور سے پروانہ کو دیکھ کر ان کو باہر جانے کی اجازت دی۔ یہ لوگ پھاٹک سے نکل کر سیدھے اس سڑک پر ہو لئے جو بصیرہ شیر کو گئی تھی۔ چاندنی رات میٹھا ہوا ٹے لطیف، اور جنگل کا منظر اچھا معلوم ہو رہا تھا۔

ابھی یہ لوگ مدائن سے دو تین ہی فرلانگ گئے تھے کہ بصیرہ شیر کی جانب سے چند سوار آتے نظر آئے۔ قریب آنے پر انھوں نے دیکھ کر معلوم کر لیا کہ مہران چند ہمراہیوں کے ساتھ آرہا ہے۔

مہران ان لوگوں کے قریب آکر رکا۔ اس نے ان لوگوں کو دیکھا۔ اس کی نظر آسیہ اور لیلیٰ پر پڑی۔ اس نے ان کو پہچان لیا۔ اسے کمال حیرت ہوئی اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا کون آسیہ اور لیلیٰ؟

آسیہ نے کہا ہاں مہران ہم ہیں ہمیں انقلاب پسندوں نے شاہی قید خانہ سے نکال لیا ہے۔ یزدگرد سے کہہ دینا کہ اس کی تباہی بس اب کوئی شبہ نہیں رہا ہے چونکہ مہران کے ہمراہی کم تھے اس لئے اسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ چپ چاپ مدائن کی طرف چل پڑا۔ یہ لوگ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ بصیرہ شیر کی طرف چلتے رہے حتیٰ کہ وہ دریائے دجلہ کے پل پر پہونچ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس طرح عرصہ دراز کے بعد لیلیٰ کو مصائب و آلام سے چھٹکارا ملا اس نے آزادی کی فضا میں سانس لیا۔

سترھواں باب

راز و نیاز

تمام اسلامی لشکر کوثی میں جمع ہو گیا۔ چونکہ یہ تاریخی مقام تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ بت پرستی، ستارہ پرستی، چاند پرستی، آفتاب پرستی کے خلاف جہاد شروع کیا۔ تو کفار میں غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہوئے ان کی قوم ان کے اہل وطن حتیٰ کہ بادشاہ تک ان کے دشمن ہو گئے۔ ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ لالچ دیا۔ حق پرستی کی ترغیب دی لیکن اس حق و صداقت کے شیدائی نے ایک نہ مانی۔ برابر سختیاں جھیلتا اور بت پرستی کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ ان کا باپ آذر بت تراش تھا وہ پتھر کے بت بناتا، اس کے تراشے ہوئے بتوں کی لوگ پرستش کرتے حضرت ابراہیمؑ نے انہیں سمجھایا۔ بت تراشی سے منع کیا۔ باپ نے بیٹے کی بات نہ مانی۔ رفتہ رفتہ لوگوں پر حضرت ابراہیمؑ کے وعظ کا اثر ہوا۔ وہ بت پرستی چھوڑ چھوڑ کر مسلمان ہونے لگے۔

اس زمانہ میں نمرود بادشاہ تھا۔ نمرود کو یہ بات ناگوار گذری۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو کوثی میں قید کر دیا جس جگہ حضرت ابراہیم قید رہے تھے وہ اس وقت تک بدستور باقی تھی۔ تمام مسلمان اس جگہ کی زیارت کو گئے۔ خود حضرت سعدؓ نے بھی اس مقام کی زیارت[1] کی آج ابن سعود نے اماکن مقدسہ کے متبرک مزارات کو اس لئے منہدم کرا دیا ہے کہ لوگ قبہ پرستی کرتے تھے اس کا یہ فعل کیسے مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ مسلمانوں کے بزرگوں نے ان مقامات کی زیارت کی ہے جو کسی پیغمبر یا اولیاء کی وجہ سے مشہور تھے اگر قبہ پرستی کا اندیشہ تھا تو مزارات پر پہرے لگا دیئے جاتے لیکن انہیں منہدم کرانا مناسب نہ تھا۔ افسوس ابن سعود نے بہت سے تاریخی مقامات

---

[1] از الفاروق، و فتوح العجم و تاریخ اسلام۔

کو تباہ کرا دیا۔ کاش وہ اتنی عجلت کے بجائے مآل اندیشی سے کام لیتا۔

کئی دن تک اسلامی لشکر کوثی میں مقیم رہا۔ مجاہدین مناظر قدرت کی سیر کرتے رہے مینو سواد گلزار۔ دلفریب آبشار سبزہ زار پہاڑ ہونے کی وجہ سے یہ جگہ عراق کی بہشت تھی۔ مسلمانوں نے اس جگہ کو بہت پسند کیا۔ عاصم اس جگہ کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا وہ اس لئے کہ اس جگہ سے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا وہ ایک سیم تن دوشیزہ پر عاشق ہوا یہیں سے اسیر کر کے لے جایا گیا۔ یہ جگہ اس کے لئے محبوب ترین تھی۔

حور وش پروین کو بھی یہ جگہ بہت زیادہ محبوب تھی۔ اسی جگہ اس نے عاصم کو دیکھا تھا۔ اس عاصم کو جس پر پری رخساروں کی طبیعتیں مائل ہو جاتی تھیں۔ اسی جگہ وہ عاصم کی خدنگ نظر سے زخمی ہوئی تھی اسی جگہ اس نے اپنا دل عاصم کو نذر کر کے سودائے محبت خریدا تھا۔ دراصل یہ جگہ عاصم و پروین کی محبت کی یادگار تھی۔

ایک دن ایران کی حسینہ حور وش دوشیزہ قمر طلعت پروین رخیزران سے چھپ کر تنہا اسی مقام پر آئی جہاں پہلی مرتبہ وہ اور عاصم ملے تھے ڈھلوان میدان میں سرو کے درختوں کو پیچھے چھوڑتی نشیب کی طرف چلی۔ اسوقت چار گھڑی دن باقی رہ گیا تھا۔ آفتاب مغرب کی طرف ڈھل گیا تھا۔ دھوپ کی سفید رنگت سنہری مائل ہو گئی تھی چونکہ اس ڈھلوان میدان کے کناروں پر کثرت سے درخت کھڑے تھے اس لئے دھوپ سمٹ کر شرقی کنارہ پر پہنچ گئی تھی۔ یہ تمام میدان سبزہ زار تھا۔ سایہ میں گہرا سبز رنگ نہایت دل فریب معلوم ہو رہا تھا۔

حسن اور خوبصورتی کی تصویر ماہ پیکر پروین خراماں خراماں اس مسطح ٹیلے کی طرف بڑھ رہی تھی جو میدان کے وسط میں واقع تھا۔ چلتے چلتے خدا جانے کیا خیال آیا کہ وہ گھوم کر اس طرف چلی جس طرف پھولوں کا کنج تھا۔ مسطح ٹیلے سے آگے بڑھ کر وہ چمن زار میں داخل ہوئی۔ یہ چمن نہایت خوش سواد تھا۔ چھوٹے چھوٹے پودے رنگ برنگ کے پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ روح پرور خوشبو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اپنے دامنوں میں لئے چل رہے تھے یہ جگہ خوشبو سے مہک رہی تھی۔ حور ادا پروین پھولوں کے تختہ میں گھس گئی۔ ایک نامعلوم جذبہ ایک پر اسرار سا نہ کشش اس طرف کھینچے لئے چلی جا رہی تھی۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلی تھی کہ اس نے قریب ہی اپنے سامنے عاصم کو

سبز سبز گھاس پر بیٹھے دیکھا۔ وہ اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ عاصم خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ کسی خیال میں مستغرق تھا۔ اس نے پروین کو دیکھا نہ اس کے آنے کی چاپ محسوس کی۔ پروین کچھ دیر کھڑی رہ کر دلربایانہ شان سے بڑھی عاصم کی طرف دیکھتی ہوئی نہیں بلکہ خوش رنگ پھولوں کو دیکھتی ہوئی جس سے اُسے دیکھنے والا یہ خیال نہ کرے کہ وہ عاصم کو دیکھکر بڑھی ہے بلکہ یہی سمجھے کہ پھولوں کو دیکھتی ہوئی بڑھ رہی ہے۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو عاصم نے اس کے نازک قدموں کی چاپ سنی اس نے خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس حسن مجسم اس پیکر نور۔ رعنائی اور دلربائی کی بے نظیر تصویر کو دیکھکر پہلے حیران ہوا پھر جلدی سے اُٹھا گویا وہ حسن کی ملکہ کے استقبال کے لئے اُٹھا ہے۔ مگر ایران کی حسینہ دوسری طرف متوجہ تھی۔ پھولوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عاصم کو رشک ہوا کہ وہ کوئی پھول کیوں نہ ہوا۔ تاکہ پروین اور پھولوں کی طرح اسے بھی دیکھتی۔ پروین کی نظر پھولوں سے گذرتی ہوئی عاصم پر پڑی جس طرح اتفاقیہ اور اچانک خلاف امید کسی چیز کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اسی طرح کا اظہار پروین کو حیرت ہوئی۔

حالانکہ یہ اس کی حیرت مصنوعی تھی۔ وہ پہلے ہی عاصم کو دیکھ چکی تھی۔ عاصم نے اس بت طناز کے قریب آ کر کہا۔ آج یہ چاند کدھر سے نکلا۔۔ تم کیسے یہاں آگئیں کہیں میرا جذب دل تو نہیں کھینچ لایا۔

پروین مسکرائی چٹکنے والی کلی کی طرح مسکرائی اعجاز مسیحائی کے ساتھ مسکرائی۔ فردوسی حور کی طرح نغمہ داؤدی لہجہ میں بولی۔ میں تو ادھر اتفاقیہ چلی آئی۔ مگر تم کیسے آگئے کیا ہر روز آیا کرتے ہو یہاں؟۔

عاصم نے محبت بھری نظروں سے اس حور و جمال کو دیکھکر بیساختگی سے کہا۔ ہر روز ہی آتا ہوں۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہے۔

پروین کے پیارے چہرے سے رشک کی ناگوار علامات نمودار ہوئیں اس نے کہا ہر روز ہی آتے ہو۔۔۔ کسے دیکھنے کے لئے؟

عاصم نے محبت کی رو میں کہا تم کو دیکھنے کے لئے۔

پروین نے کچھ تعجب کچھ بے اعتباری کی نظروں سے عاصم کو دیکھ کر کہا مجھے؟۔۔

کاش یہ صحیح ہوتا!

عاصم نے اس کے گلابی رخساروں پر نظریں جما کر کہا۔ کیا تم کو اس میں شبہ ہے پروین؟

پروین نے انداز معشوقانہ سے بگڑ کر کہا۔ شبہ کرنے کا مجھے حق ہی کیا ہے۔

عاصم نے اس ابت خوش جمال کا دست نازک اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ یقین کرو پروین میں تم کو دیکھنے کے لئے ہر روز یہاں آتا ہوں۔ اس جگہ کا میرے دل میں احترام ہے میری محبت کا افسانہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ جگہ مجھے بہت زیادہ محبوب ہے۔

عاصم رکا۔ پروین کی بڑی بڑی سرگیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ پروین تم میری نہیں ہو سکتیں تم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک میں تمہارا مذہب اختیار نہ کرلوں تمہیں نہیں پا سکتا میں نے سوچا ہے اور گھنٹوں بیٹھ کر سوچا ہے۔ سوچنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں کسی طرح بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ . . . . . .

آہ تم میری نہیں ہو سکتیں میں جب تک زندہ رہوں گا سوز فرقت میں جلتا رہوں گا۔ . . . میں نے بہت چاہا کہ تمہاری محبت کو اپنے دل سے نکال دوں۔ بہت کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ . . . کاش میں تم کو نہ دیکھتا مجھے موت بھی تو نہیں آجاتی پروین میں میدان کارزار میں اس لئے نڈر ہو کر لڑا کہ شہید ہو جاؤں مگر جو موت کی خواہش کرتے ہیں موت ان سے بھاگتی ہے اوروں کو موت آئی اور شہید ہوئے۔ مگر مجھے موت نہ آئی۔ میں شہید نہ ہوا۔ تم ہی دعا کرو پروین کہ خدا مجھے موت دے۔

یہ کہتے ہی کہتے عاصم کچھ ایسا بیقرار ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے وہ حسرت و افسوس بھری نظروں سے پروین کو دیکھنے لگا۔

پروین پر اس کی حسرت آمیز گفتگو اور یاس بھری نظروں کا گہرا اثر ہوا اس نے کپکپائی ہوئی آواز سے کہا۔ عاصم تمہاری اس گفتگو نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے جس طرح تم زندگی سے تنگ ہو اسی طرح میں بھی ہوں تمہاری ضد نے دو جانوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے کیوں نہیں اپنی ضد چھوڑ دیتے اور کیوں

زرتشتی نہیں بن جاتے۔

عاصم نے کہا۔ ایک مسلمان اور سب کچھ کر سکتا ہے لیکن مذہب نہیں چھوڑ سکتا مسلمانو کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر امر کا قادر ہے وہی پرستش کے لائق ہے۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ سورج۔ چاند۔ ستارے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی پوجنے کے لائق نہیں اس عقیدہ کو چھوڑ کر کوئی مسلمان کیسے اور کسی چیز کی پرستش کر سکتا ہے۔

پروین۔ لیکن مقدس آتش بھی تو پرتو جمال الہٰی ہے اس کے پوجنے میں کیا ہرج ہے۔

عاصم۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں خدا کا نور مستور ہے وہ دنیائے جہاں کے چپہ چپہ پر موجود ہے۔ چونکہ ہر چیز میں پرتو جمال الہٰی ہے اس لئے تمہارے عقیدہ کے مطابق ہر چیز قابل پرستش ہونی چاہئے۔ لیکن یہ عقیدہ درست نہیں!

پروین مسکرائی۔ اس نے کہا۔ تم اپنا عقیدہ نہ بدلو۔ تم اپنا مذہب نہ چھوڑو تمہارے لئے میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گی۔

عاصم نے کمال حیرت سے اس رشک نفر کو دیکھا۔ پروین مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا تم حیران کیوں ہو رہے ہو۔ کیا میں تمہارا مذہب اختیار نہیں کر سکتی اب عاصم کی حیرت کم ہوئی۔ اس نے کہا۔ اسلام ایسا مذہب ہے جس کو ہر شخص ہر وقت اختیار کر سکتا ہے۔ تم کیسے مسلمان ہو سکتی ہو۔ جو شاہ کیسے تم کو مسلمان ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ پروین نے کہا۔ میں نے اپنے والد کو مسلمان ہو جانے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اب عاصم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اسے سخت تعجب تھا اس نے حیرت بھری نظروں سے پروین کو دیکھ استعجاب بھرے لہجہ میں کہا۔ کیا جو شاہ بھی مسلمان ہونے پر آمادہ ہیں۔

پروین نے سنجیدگی کے لہجہ میں متین صورت بنا کر کہا۔ ہاں! وہ آمادہ ہو گئے ان کے ساتھ تمام شاہی رسالہ بھی مسلمان ہونے پر تیار ہے یہ تن پروین کے ہر خوبرو عاصم کی حیرت۔ حیرت کے ساتھ ہی مسرت بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے مسرت سے بے تاب ہو کر خوشی کے لہجہ میں کہا۔ اوہ پروین یہ کس قدر روح پرور خوشخبری ہے لیکن کیسے تم۔ تمہارے والد شاہی رسالہ کے سوار مسلمان ہونے پر آمادہ ہو گئے؟

پروین۔ کچھ تو مسلمانوں کی ہم نشینی نے آمادہ کیا۔ کچھ اسلام کی جاذبیت نے اپنی طرف کھینچا۔ ہر شخص اس بات کا قائل ہو گیا ہے کہ اسلام کے اصول بہترین اور سادہ ہیں اسلام نہایت سادگی سے خدا کی توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کی راستبازی۔ باہمی اخوت۔ مذہب کی پختگی نے انہیں اسلام کا گرویدہ بنا لیا ہے۔

عاصم۔ یہ لوگ کب مسلمان ہو جائیں گے۔

پروین۔ آج ہی غالباً۔ اس وقت سب کے سب سپہ سالار اعظم کی خدمت میں پہنچ گئے ہوں گے۔

عاصم۔ آؤ ہم بھی چلیں۔ پروین کیسی دل خوش کن خبر ہے!

پروین۔ عاصم ٹھہرو! ایک اقرار کرو!

عاصم نے حیرت سے پروین کو دیکھ کر دریافت کیا کیا؟

پروین نے اپنی جادو نگاہ نظروں سے عاصم کو دیکھکر کہا تم میرے ہو میرے ہی رہو گے۔ کبھی کسی دوسری لڑکی سے محبت نہ کرو گے!

عاصم کے ہاتھوں میں اب تک نازآفرین پروین کا دست ناز تھا اس نے آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے سینہ پر دل کے پاس رکھکر کہا۔ پروین یہ دل تیرا ہے نہیں میرا تھا اب تیرا ہو گیا ہے میں بھی تیرا ہوں اقرار کرتا ہوں دل سے اقرار کرتا ہوں تیرا ہی رہوں گا بخدا اگر جنت الفردوس کی حور بھی آجائے تو کبھو نگاہ بھر کر نہ دیکھوں۔ اے بت ہوشربا میں تجھے دیکھ کر دنیا و جہاں کی حسینوں سے بیگانہ ہو گیا ہوں۔ ؎

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

ایک سُریلی آواز آئی اللہ اللہ اس قدر فریفتگی۔ خوب اقرار کرایا پروین۔

؎ زبانی اب اقرار تمہارے ہوئے
تم ان کا ہوئیں وہ تمہارے ہوئے

پروین اور عاصم نے حیرت سے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ خیزران مسکراتے ہوئے اس طرف بڑھی چلی آرہی تھی۔ پروین شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی۔ اس کا چہرہ عرق آگیں ہو کر اور نکھر آیا۔ اور وہ پہلے سے بھی

زیادہ حسین اور دلربا معلوم ہونے لگی۔

خیزران پروین کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا اقرار کر لیا اب تو یقین آگیا۔ ہائیں تم تو شرما رہی ہو پروین سر اٹھاؤ آنکھیں ملاؤ۔ شرم کی گڑیا نہ ہو جب تم ننھی منی گڑیا تھیں وہ زمانہ تو گذر چکا۔ پروین نے شرمیلی نظروں سے شوخ و شریر خیزران کو دیکھ کر شرم و حیا کی شان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم خلاف توقع اس وقت کیسے آگئیں۔ خیزران!!

خیزران نے شوخی آمیز نظروں سے پروین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے تم کو تلاش کیا، ہر جگہ دیکھا کہیں نہ ملیں۔ ڈھونڈتی ڈھونڈتی اس طرف آنکلی۔

پروین کوئی کام ہی ہو گا۔ جو تم ڈھونڈتی پھر رہی ہو!!

خیزران۔ کام تو کچھ نہ تھا۔ تم کو دیکھے دیر ہو گئی تھی۔ دل بیقرار تھا صرف ایک نظر دیکھنے کے لئے ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر تم تو غیر کی ہو چکیں پروین۔ عاصم نے تم کو موہ لیا ہے اب تم میری کیوں پرواہ کرنے لگیں۔ کیوں پروین درست ہے نہ؟

پروین حیا آلود نظروں سے خیزران کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی اس نے کہا اس قدر از خود رفتہ نہ ہو میں جعفر نہیں ہوں!!

کسی نے کہا جعفر غریب کو کون پوچھتا ہے۔

یہ آواز جعفر کی تھی۔ وہ قدم بڑھائے چلا آرہا تھا۔ خیزران جعفر کو دیکھ کر شرما گئی پروین کی چڑھ بنی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے خیزران کو دیکھ کر کہا۔ تم بھولتے ہو جعفر۔ خیزران تو تم کو تلاش کرتی ہوئی ادھر آئی ہوں۔

جعفر نے محبت پاش نظروں سے خیزران کے چاند سے چہرہ پر نظریں جما کر کہا مجھے؟ . . . میری ایسی قسمت کہاں۔

پروین نے کہا ان سے پوچھ لو تم۔

جعفر ایک قدم خیزران کی طرف بڑھا۔ اس نے دریافت کیا کیا یہ سچ ہے؟

خیزران نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ کبھی پروین نے سچ بولا ہے!!

جعفر نے کسی قدر افسردگی کے لہجہ میں کہا۔ نہیں میں بھی کہتا تھا کہ میری ایسی قسمت کہاں؟

پروین نے کہا۔ اب یہ سب کے سامنے اقرار کیسے کر لیں انہیں علٰحدہ لیجا کر

دریافت کیجئے۔

خیزران شرم سے دبی جا رہی تھی جعفر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ عبید آ گیا۔ اور اس نے کہا آپ سب یہاں ہیں وہاں آپ کی ڈھونڈیا پڑی ہے۔

عاصم نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے ہم کو کون ڈھونڈھ رہا ہے۔

عبید۔ سالار اعظم۔ جوشماہ معہ شاہی رسالے کے سواروں کے تمام مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔

عاصم۔ جب تو چلو۔ خدا کا شکر ہے ان لوگوں نے خدا کو پہچانا۔

اب یہ سب لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی کیمپ قریب ہی تھا بہت جلد یہ سب کیمپ میں پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ تمام مجاہدین ایک وسیع میدان میں سبز سبز گھاس پر صف در صف بیٹھے ہیں۔

مغرب کی طرف حضرت سعدؓ سبزہ زار پر بیٹھے تھے ان کے قریب ہی جوشماہ ہرمزان اور شاہی رسالہ کے چار ہزار سوار خاموش بیٹھے تھے یہ سب بھی حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے۔ سعدؓ نے عاصم کو دیکھ کر کہا۔ تم کہاں چلے گئے تھے۔ دیر سے تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے۔

عاصم نے جواب میں کہا۔ میں چہل قدمی کرتا ڈھلوان میدان کی طرف چلا گیا تھا۔

سعدؓ۔ آؤ بیٹھو۔

یہ سب سعدؓ کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت سعدؓ نے جوشماہ سے کہا میں خوش ہوں کہ آپ مسلمان ہونا چاہتے ہیں میری خواہش تھی کہ آپ مسلمان ہو جائیں لیکن میں نے اپنی اس خواہش کو آپ پر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا البتہ خدا سے دعا ضرور کرتا رہا۔۔۔۔۔

جوشماہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ خدا نے آپ کی دعا قبول کر لی ہم سب مسلمان ہونے پر آمادہ ہو گئے۔

سعدؓ۔ لیکن یہ بتائیے کہ کسی نے آپ پر مسلمان ہونے کے لئے زور تو نہیں دیا۔

جوشماہ۔ نہیں!

سعدؓ۔ آپ کسی سے ڈر کر مسلمان نہیں ہو رہے ہیں۔

جوشماہ۔ نہیں!

سعدؓ۔ کوئی لالچ تو آپ کو مسلمان ہونے کی ترغیب تو نہیں دے رہا؟

جوشماہ۔ نہیں۔ لالچ۔ ڈر۔ ترغیب ان باتوں سے مذہب نہیں چھوٹا کرتا ہم نے مسلمانوں میں رہ کر اسلام کی حقانیت کو سمجھ لیا ہے اسلام کو اچھا مذہب سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

سعدؓ۔ جزاک اللہ اچھا تم کلمہ پڑھو۔

سعدؓ نے کلمہ کی تلقین کی جوشماہ نے کلمہ پڑھا۔ دم کے دم میں وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد سعدؓ نے ہزاروں مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا وہ اٹھے اور ایرانیوں کے پاس جا جا کر انہیں کلمہ کی تلقین کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام ایرانی خیزران ہرمزان پروین وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔

ان کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو کمال مسرت ہوئی۔ سب نے خوش ہو ہو کر اللہ اکبر کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا۔ تمام میدان نعرہ کی آواز سے گونج گیا۔ بجر وحجر کنکر و پتھر سب نے نعرہ کی تکرار کی۔

مسلمانوں کا خوش ہونا حق بجانب تھا۔ چار ہزار شاہی رسالے کے سوار[1] جوشماہ جلولہ کا رئیس۔ اس کی حور و جمال بیٹی پروین۔ مدائن کا با اثر شخص ہرمزان اس کی پرجمال ہمشیرہ خیزران سب مسلمان ہو گئے تھے۔ اس وقت تمام لشکر پر مسرت اور شادمانی کی بارش ہو رہی تھی ہر آدمی مسرور تھا۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں مغرب کی اذان ہوئی اذان سنتے ہی تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے وضو کئے اور نماز پڑھنے لگے۔

لہ شاہی رسالہ کے چار ہزار سوار تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ الفاروق و تاریخ اسلام۔

اٹھارہواں باب

ایک اور فتح

چار ہزار شاہی رسالہ کے سوار جوشماہ اور اس کے ہمراہیوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں کو بے حد مسرت تھی۔ ساری رات کو تمام لشکر میں ان کا ہی تذکرہ ہوتا رہا۔

اگرچہ جب سے مسلمان حدود عراق میں داخل ہوئے تھے بہت سے ایرانی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ مگر ایک دم چار ہزار تو کیا ایک ہزار بھی کبھی مسلمان نہ ہوئے تھے اس قدر ایرانیوں کا ایک دم مسلمان ہونا عجوبہ روزگار بات تھی اسی وجہ سے مسلمانوں کو دلی مسرت تھی وہ ان کی مدارات میں ان کے سامنے بچھے جاتے تھے۔

ایرانیوں پر مسلمانوں کی مدارات۔ اخوت اور مسرت کا خاص اثر ہو رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ جو وقعت ان کی آج ہو گئی تھی۔ وہ آج سے پہلے نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں کی مسرت میں برابر کے حصہ دار ہو گئے تھے۔ رات نہایت مسرت اور چہل پہل میں بسر ہوئی۔ صبح نماز پڑھتے ہی سعدؓ نے لشکر کو بھیرہ شیر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

زہرہ پانچہزار لشکر کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کے پیچھے تھوڑی دیر کے وقفہ سے خالد بن عرطفہ پانچہزار لشکر لیکر چلے۔ خالد کے بعد شرجیل چار ہزار لشکر کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کے پیچھے سعدؓ تمام لشکر لے کر چل پڑے۔ جوشماہ زہرہ کیساتھ روانہ ہوئے شاہی رسالہ کے چار ہزار سوار جو مسلمان ہو گئے تھے حضرت سعدؓ کے ہمراہ تھے۔ بہرمزان اس کی ہمشیرہ خیزران اور پری جمال پروین سب جوشماہ کے ساتھ تھے۔

چونکہ ایرانی دارالسلطنت مدائن بہت قریب رہ گیا تھا۔ بھیرہ شیر جو مدائن کے پاس دریائے دجلہ کے اس کنارہ پر آباد تھا۔ ایرانی مفرورین کا پناہ گاہ ہوا تھا چاروں طرف سے ایرانی دوڑ دوڑ کر بھیرہ شیر میں پہنچ رہے تھے۔ تمام راستے

ایرانیوں سے بھرے ہوئے تھے اس لئے مسلمانوں کو قدم قدم پر خطرہ تھا۔

کبھی کبھی ایرانیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا لیکن ابتک لڑائی کی نوبت نہ آئی تھی۔ ایرانی مسلمانوں کو دیکھتے ہی راستہ کاٹ کر بھاگ جاتے تھے۔ اسلامی بہادر نہایت ہوشیاری، استقلال اور عزم صمیم کے ساتھ کوچ کر رہے تھے مسلمانوں کی پیش قدمی کا غلغلہ تمام ایران میں پھیل گیا تھا متواتر اسلامی فتوحات اور ایرانیوں کی پے در پے شکستوں نے ایرانیوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی تھی۔ ہر ایرانی خوف و ہراس سے ترساں نظر آنے لگا تھا۔ خصوصاً وہ ایرانی جو مدائن اور کوثی کے درمیان آباد تھے۔ سخت پریشان اور خائف ہو گئے۔

رات کو مسلمانوں کا تمام لشکر ایک ہی جگہ مل کر قیام کرتا اور صبح ہوتے ہی حسب ترتیب مذکورہ روانہ ہو جاتا۔

ایک روز جبکہ آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا سفید سفید دھوپ چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سامنے بھیرہ شیر کی طرف علین راستہ پر دور غبار اُڑتا نظر آیا۔ اسلامی جاسوسوں کی زبانی زہرہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ایرانی نہایت زور شور سے تیاریاں کر رہے ہیں اور صبح و شام میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

زہرہ نے سمجھ لیا کہ ایرانی لشکر مسلمانوں کے روکنے یا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ انھوں نے تمام مجاہدین کو ہوشیار اور مستعد رہنے کی تاکید کر دی مسلمان مستعد ہو گئے۔ ہتھیاروں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ تلواریں نکال نکال کر تولنے لگے صاف اور صیقل شدہ تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں بجلی کی طرح چمکنے لگیں۔

ادھر سے مجاہدین بڑھ رہے تھے ادھر سے غبار بڑھتا آ رہا تھا ہر قدم پر فاصلہ کم رہتا جاتا تھا۔ آخر ہوتے ہوتے غبار بالکل قریب آ گیا۔ غبار کا دامن چاک ہوا ایرانی سوار نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ نظر آئے یہ سوار ڈیڑھ سو کے قریب تھے سب ریشمین کپڑے پہنے ہوئے تھے اور چاندی کے بازو بند بازوؤں پر باندھے تھے۔ خود کے اوپر چاندی کی کلغی لگائے تھے۔ ان کے کپڑے زیورات ہتھیار۔ کلغیاں سب ہی دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ ان سواروں کے درمیان میں ایک جوان العمر سوار تھا۔ نہایت بیش قیمت کپڑے۔ مرصّع زیورات پہنے تھا۔ سر پر سونے کا درخشاں تاج تھا۔ کاٹھی میں بجائے لوہے کے چاندی لگی ہوئی تھی

چاندی کی رکابیں تھیں۔ چاندی کا لگام تھا۔ وہ کوئی تاجدار معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر ایرانی علم لہرا رہا تھا۔

انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو تعجب ہوا کہ اس قدر تھوڑے آدمی کس لئے آئے ہیں جب آنے والے ایرانی بالکل قریب آ گئے تو دونوں لشکر رک گئے۔ ایک فریق دوسرے کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ایرانی بڑھ کر اسلامی لشکر کے سامنے آیا۔

اس نے فارسی زبان میں بلند آواز سے کہا۔ عربوں میں تمہارے سردار سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

ہاشم بن مرقال سب سے اگلی صف میں تھے۔ نہایت بہادر اور جوشیلے مجاہد تھے۔ فارسی بات خوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے فارسی ہی زبان میں دریافت کیا۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ ہمارے سردار سے کیا کہنا چاہتے ہو۔

ایرانی نے کہا ہم ساباط سے آئے ہیں۔ ایک خاص بات تمہارے سردار سے کہنا ہے۔

ساباط کوفی اور بصرہ شہر کے درمیان ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس ریاست کا حکمران آزاد اور خود مختار تھا۔

ہاشم نے کہا آؤ میں تم کو سردار کے پاس لے چلوں۔

ایرانی نے چلئے کہا اور ہاشم کے ساتھ ہو لیا۔ ہاشم صفوں کو چیرتا ہوا زہرہ کے سامنے پہنچا۔ ایرانی نے زہرہ کو سلام کیا زہرہ نے مترجم کے ذریعہ سے دریافت کیا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

ایرانی نے جواب دیا۔ ساباط کا تاجدار مسلمانوں سے مصالحت کے لئے آیا ہے۔ وہ نہایت نیک، رحمدل اور خدا ترس انسان ہے خونریزی کو پسند نہیں کرتا کیا آپ مصالحت کا ہاتھ بڑھائیں گے!

زہرہ نے جواب دیا۔ کیوں نہیں۔ ہم بھی خونریزی کو پسند نہیں کرتے جو صلح کرنے کے لئے ہماری طرف جھکتا ہے ہم اس کی طرف جھکتے ہیں اور جو ہم سے لڑنا چاہتا ہے ہم اس سے لڑتے ہیں۔ تم ساباط کے تاجدار سے کہدو کہ وہ بے خوف و خطر یہاں آئے اور ہم سے مصالحت کرلے۔

ایرانی نے کہا ایسا تو نہ ہوگا کہ ہمارا بادشاہ مصالحت کرنے کے لئے آئے اور آپ سے گرفتار کر لیں۔

زہرہ نے مسکرا کر کہا۔ ہرگز نہ ہوگا۔ ہم نے اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو اس وقت تک امان دی۔ جب تک مصالحت نہ ہو جائے یا تمہارا تاجدار ساباط میں واپس نہ پہنچ جائے۔

ایرانی نے متشکرانہ نظروں سے زہرہ کو دیکھ کر کہا۔ تمہارا شکریہ مسلمان صادق القول ہوتے ہیں۔ تمام ایران میں تمہاری قوم کی سچائی اور ایمانداری کی دھوم ہے جو وعدہ کرتے ہو اُسے نباہتے ہو۔ میں تاجدار کو لے کر حاضر ہوتا ہوں۔

زہرہ۔ تمہارے تاجدار کا کیا نام ہے۔

ایرانی۔ سرزاد۔ نہایت شریف اور بے حد خلیق ہے۔

زہرہ۔ تم سرزاد سے کہنا کہ اسلامی لشکر کے ہراول کے سردار زہرہ نے تم کو سلام کہا ہے اور پیام دیا ہے کہ تم ایک دوست کی طرح آؤ جن شرائط پر کہو گے مصالحت کر لی جائے گی۔

بہت خوب ایرانی نے کہا۔ اور جھک کر سلام کر کے واپس چلا گیا

زہرہ نے ہاشم کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ساباط کے تاجدار سے مصالحت ہو جانے پر بحیرہ شیر کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ اس وقت لشکر اسلامیہ کو رسد کی اشد ضرورت ہے ممکن ہے سرزاد رسد کا انتظام کر سکے۔

ہاشم نے کہا ضرور کر سکے گا۔ رسد کا انتظام کرنے میں تو اسے یا اس کی قوم کو ہی فائدہ ہوگا۔ ہم مناسب قیمت پر چیزیں خریدیں گے۔

زہرہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جس قدر سامان خریدنا چاہتے ہیں وہ فراہم بھی کر سکتے ہیں یا نہیں!!

ہاشم۔ چونکہ جنگ کا زمانہ ہے اس لئے اہل ساباط نے ضرور ذخیرہ جمع کیا ہوگا۔ یقین ہے رسد خاطر خواہ مل جائے گی!!

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ساباط کا تاجدار سرزاد مع دس سواروں کے سامنے سے آتا نظر آیا۔

جب وہ قریب آ گیا تو زہرہ اس کی تعظیم کے لئے گھوڑے سے اتر پڑے۔

ان کے گھوڑے سے اترتے ہی تمام مسلمان گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔
سرزاد یہ دیکھ کر کمال مسرور ہوا اور اس کے ساتھی بھی گھوڑوں سے اُتر پڑے اور پیادہ ہی زہرہ کی طرف بڑھے۔
ادھر سے زہرہ بھی استقبال کے لئے بڑھے۔ سرزاد اور زہرہ کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو دوست بغلگیر ہونے کے لئے بڑھ رہے ہوں۔
جب دونوں مل گئے تو ایک نے دوسرے سے مصافحہ کیا۔ نہایت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ زہرہ نے کہا۔ آپ کا مصالحت کی طرف قدم کرنا نہایت مبارک فعل ہے میں آپ کے اس فعل سے کمال متاثر ہوا ہوں۔ جن شرائط پر آپ چاہیں مصالحت کر لیں۔
سرزاد نے مسکرا کر کہا۔ میں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں میں مصالحت کیلئے آیا ہوں۔ جن شرائط پر بھی ہو مجھے آپ کی کسی شرط میں ترمیم و تنسیخ نہیں کرنی ہے۔
زہرہ۔ لیکن میں اپنی طرف سے کوئی شرط پیش کرنی نہیں چاہتا آپ جن شرائط پر چاہیں مصالحت کر لیں۔
سرزاد۔ میں فی الحال، آپ کو اور اپنی قوم کی طرف سے ایک لاکھ دینار دوں گا ایک سال تک آپ اس کے علاوہ ایک حبہ بھی نہ لے سکیں گے۔ میں اور میری رعایا آپ کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔ لیکن آپ کی کوئی امداد بھی نہ کریں گے!!
زہرہ۔ اگرچہ اس طرح دب کر صلح کرنا ایک فاتح قوم کی اغراض و مقاصد کے منافی ہے لیکن آپ بلا تحریک کے مصالحت کے لئے آئے ہیں اس لئے ہم ان شرائط کو منظور کرتے ہیں البتہ چند ایک باتیں دریافت کرنا نہایت ضروری ہیں۔
سرزاد۔ وہ کیا؟
زہرہ۔ آپ ہمارے مخالفوں کو پناہ تو نہ دیں گے۔
سرزاد۔ ہرگز نہیں!!
زہرہ۔ نہ ہماری خبریں یزدگرد تک پہنچائیں گے۔
سرزاد۔ بالکل نہیں!
زہرہ۔ بس تو مصالحت منظور ہے۔
سرزاد۔ آپ کا شکریہ۔
زہرہ۔ کیا آپ کی رعایا ہمارے ساتھ تجارت کرنا پسند کرے گی!!!

سرزاد۔ نہایت مسرت سے۔ ساباط پہنچ کر میں آپ کے لشکر میں بازار لگوا دوں گا۔

زہرہ۔ بہتر ہے ہم کو سردست رسد کی ضرورت ہے۔

سرزاد۔ ہمارے پاس رسد کا کافی ذخیرہ موجود ہے ہم بخوشی آپ کے ہاتھ فروخت کر دیں گے۔ لیکن آپ اپنے عہد پر قائم رہیں گے۔

زہرہ۔ یقیناً قائم رہیں گے۔

اس طرح زبانی ہی معاہدہ پر مصالحت ہو گئی۔ دونوں فریق اس مصالحت پر خوش ہوئے۔ مصالحت ہوتے ہی زہرہ اور سرزاد گھوڑوں پر سوار ہوئے ان کے ساتھ ہی تمام مسلمان اور سارے ایرانی بھی سوار ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ ساباط کی طرف روانہ ہوئے۔

ساباط یہاں سے قریب تھا۔ ایک میل چل کر شہر کی فلک رفعت عمارات دھوپ میں چمکتی نظر آنے لگیں۔ مگر اب بھی شہر کئی میل دور تھا۔ چونکہ میدان صاف تھا۔ راستہ درخت وغیرہ نہ تھے اس لئے فاصلہ زیادہ ہونے پر بھی شہر نظر آنے لگا۔

مسلمان نہایت اطمینان۔ پوری خاموشی بڑے استقلال سے بڑھے چلے جا رہے تھے جب شہر دو میل کے فاصلہ پر رہ گیا۔ تو ایک ایرانی شہر کی طرف سے گھبرایا ہوا آتا ملا۔

یہ ایرانی گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کو تیزی سے دوڑائے چلا آ رہا تھا مسلمان اسے بدحواس بھاگ کر آتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوئے مسلمانوں کے قریب آ کر ایرانی رکا۔ وہ اسلامی صفوں کو چیرتا ہوا زہرہ کے سامنے پہنچا۔ زہرہ نے اسے پہچان لیا۔

وہ مسلمانوں کا جاسوس تھا۔ جو ایرانیوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ زہرہ نے اس سے دریافت کیا۔ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو۔ کہاں سے آ رہے ہو۔ ایرانی اس وقت کیا کر رہے ہیں!!

جاسوس نے جواب میں کہا۔ میں بُری خبریں لایا ہوں۔ ایرانی اپنی پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں بھرہ شیر ایرانی جانباز سپاہیوں سے لبریز تھا۔

مدائن میں بے شمار لشکر فراہم ہو چکا ہے۔ یزدگرد پوری شان۔ پورے دبدبہ اور

پوری جمعیت سے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے۔ جاسوس خاموش ہو گیا۔ زہرہ نے کہا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ (ترجمہ) ہم کو قوت و توانائی نہیں ہے مگر بتوفیق پروردگار عالم کے" خدا ہی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہماری امداد کرے گا۔

ان باتوں کا ہمارے دل پر اثر نہیں پڑتا اور کوئی بات!؟

جاسوس۔ ایک بات اور ہے جو زیادہ خطرناک ہے فیروز نہایت بہادر اور پختہ کار سپہ سالار ہے اس کی دلیری کی تمام ایران میں دھوم ہے۔ ساری قوم اس کی دلیری کا لوہا مانے ہوئے ہے۔ وہ پندرہ ہزار خاصے کی راہ لیکر آرہا ہے۔ یہ سپاہ کسریٰ کی فوج کہلاتی ہے۔ کسریٰ کو اس فوج پر بڑا اعتماد ہے مشکل کے وقت سخت مہم پر اس لشکر سے کام لیا جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ لشکر کم اور عام سپاہی ہیں۔ فیروز کے ساتھ زیادہ لشکر اور چیدہ سوار ہیں۔ وہ آپ سے لڑنے کے لئے آرہا ہے۔

زہرہ۔ خدا پر بھروسہ کرنے والوں کو ان باتوں کا کیا خوف۔ فیروز کا لشکر کہاں تک آچکا ہے۔

جاسوس۔ میں نے ساباط میں چھوڑا تھا۔ اسی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

زہرہ۔ خدا حافظ و ناصر ہے۔ تم سالار اعظم سے اس کی اطلاع کر دو۔

جاسوس۔ بہتر ہے۔

جاسوس چلا گیا۔ زہرہ اور ان کا لشکر روانہ ہوئے۔ سرزاد نے کہا۔ فیروز غضب کا آدمی ہے۔ بڑا انڈر۔ بڑا جری۔ بڑا اتھہ یار۔ بڑا تجربہ کار اور بڑا لڑنے والا ہے۔ آج تک اس نے کبھی شکست نہیں کھائی۔

زہرہ نے کہا۔ فیروز رستم سے زیادہ بہادر تو نہ ہو گا۔ آپ نے رستم کا انجام سنا لیا۔ آج فیروز کا انجام آنکھوں سے دیکھ لینا!!

سرزاد۔ میرا بھی یہ پختہ یقین ہے کہ فیروز کو شکست ہو گی۔ کچھ یہ میں منھ دیکھے کی خوشامد نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ آپ کے اور آپ کے لشکر کے تیور دیکھکر کہہ رہا ہوں۔

زہرہ کچھ کہنے والے تھے کہ سامنے سے ایرانی لشکر نمودار ہوا۔ جو درختوں کے جھنڈ میں سے نکل رہا تھا۔ زرنگار بیرقیں ہوا میں لہرا اور دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ سواروں کی وردیاں۔ ہتھیار گھوڑے کے ساز سب دھوپ میں جگمگا

رہے تھے!!

چونکہ فاصلہ کم رہ گیا تھا۔ اس لئے زہرہ نے اپنا لشکر روک کر نہایت پھرتی سے صف بستہ کر دیا۔ ایرانی لشکر بھی مقابلہ میں آکر پیرا باندھ کر کھڑا ہو گیا یہ لشکر فیروز کی سرکردگی میں تھا۔ فیروز وسط لشکر میں کھڑا تھا۔ ایرانی علم اس کے سر پر لہرا رہا تھا۔

دونوں لشکروں کے صف بستہ ہوتے ہی فیروز آگے بڑھ کر میدان میں آیا۔ وہ تنومند نوجوان تھا چہرہ بارعب۔ جسم گٹھیلا۔ لباس شاہانہ تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ بازوؤں پر طلائی بازوبند تھے۔ کلائیوں میں سونے کے کڑے۔ گلے میں آبدار موتیوں کا ہار پہنے تھا۔ کانوں میں دو گوشوارے پڑے تھے۔ گوشوارو میں چھوٹے چھوٹے دو لعل تراشیدہ لٹک رہے تھے اس نے تلوار ہاتھ میں نکال رکھی تھی۔ وہ بجتہ کاروں کی طرح تلوار کو جرغ دے رہا تھا۔

آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے تلوار بجلی کی طرح کوند رہی تھی وہ شاہانہ شان اور بہادروں کی پوری آن بان کے ساتھ گھوڑے پر تنہا بیٹھا تھا۔ اس نے نخوت مباہات کے لہجہ میں مغرورانہ انداز سے بلند آواز سے کہا۔

اے قوم عرب شما خوشتین را بطمع زدیدہ و بخریکہ دسترس شمابانشد عزم آوردید و بدست گمان شما و باطل است زعم شما مالک ملک عراق شوید و آں را از دست کسرائیاں عجم در گیرید و زنہار ہچو نہ تواند شد۔ چہ ما بہمہ پیش کسرائیم کہ صاحبان بطش و شدت و ذی قوت و ہیبت اتم در مار اپیشگاہ شان پائیگاہ و تقرب بہست و بحضور آنہا خوش عزتی داریم و قرار تر باری یابیم!

(ترجمہ) اے قوم عرب تمہارا یہ خیال خام ہے کہ تم عراق کے مالک ہو جاؤ گے۔ اس ملک کو ملک عجم سے چھین لوگے ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ اس لئے کہ ہم کسریٰ کے سپاہی ہیں بڑے سخت گیر اور زور آور ہیں۔ ہمارا رعب غالب ہے۔ شاہوں کے رو برو ہماری بڑی عزت و منزلت ہے۔ اور ان سے ہم کو بہت قربت اور خصوصیت ہے۔

اپنے سردار کو مجھ سے لڑنے کے لئے بھیجو!!

ابھی اسکے یہ الفاظ فضا میں گونج ہی رہے تھے کہ ہاشم بن عرقال گھوڑا بڑھا کر لشکر اسلام سے نکلے اور نیزہ کو جرخ دیتے ہوئے فیروز کے قریب پہنچے!!

ہاشم کچھ زیادہ تومند نہ تھے۔ فیروزان سے کہیں زیادہ عظیم الجثہ تھا اس نے ہاشم کو حقارت کی نظروں سے دیکھا۔ فوراً تلوار میان میں کر کے نیزہ نکالا اور ہاشم پر حملہ کیا۔

ہاشم نے نہایت ہوشیاری سے اس کا وار روکا۔ فیروز اس کی ہوشیاری دیکھکر سمجھ گیا کہ اس کا مقابل بھی کچھ کم تجربہ کار نہیں ہے۔ اس نے سنبھل کر دوسرا حملہ کیا۔ ہاشم نے گھوڑے کو کاوہ دے کر یہ حملہ بھی روکا۔ اب فیروز کو غصہ آیا۔

اس کی آنکھیں مارے غیظ و غضب سے جلنے لگیں چہرہ تمتما کر سرخ ہو گیا اس نے گھوڑا پیچھے لوٹا کر نہایت تیزی سے ہاشم کی طرف دوڑایا۔ اور نیزہ ہاشم کے سینہ پر مارا۔

ہاشم نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس نے بھی اپنا نیزہ فیروز پر جھونک دیا اور اپنی نظر فیروز کے نیزے پر جمائے رکھی۔ جب فیروز نے اسکے سینہ پر نیزہ مارا ہاشم نے ڈھال سامنے کر دی اور ساتھ ہی اس کے سینہ پر نیزہ تاک کر مارا۔ فیروز کا نیزہ ہاشم کی ڈھال پر پڑا اور ہاشم کا نیزہ فیروز کے سینہ میں ترازو ہو کر اس کی پشت کے پار نکل گئی۔ فیروز نے ایک دل دوز چیخ ماری اس کے چہرہ پر مردنی چھا گئی۔ بدن کانپنے لگا۔

ہاشم نے زور کر کے نیزہ نکالنا چاہا۔ لیکن نہ نکل سکا۔ فیروز نیزہ کے ساتھ ہی لٹک آیا۔ ہاشم نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام میدان اس ہولناک نعرہ کی آواز سے گونج اٹھا۔ ہاشم جلدی سے گھوڑے سے کود کر فیروز کی چھاتی پر چڑھے اور خنجر نکال کر اسکے سینہ میں گھونپ دیا۔ فیروز اچھلا۔ تڑپا۔ خون کا فوارہ ابلا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ جسم اکڑنے لگا۔ روح پرواز کر گئی۔ بدن سرد پڑ گیا۔ پیشانی پر سرد پسینہ کے قطرے نمودار ہو گئے۔

ہاشم نے جلدی جلدی اسکے زیورات اور تاج اتار لئے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسلامی لشکر کی طرف لوٹے جبکہ ہاشم لشکر کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔

خالد بن عرفطہ شرجیل اور حضرت سعدؓ تمام لشکر کے آ کر زہرہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ سعدؓ نے ہاشم کو پاس بلا کر اسکی پیشانی چومی اور یہ آیت پڑھی۔
اَوَلَمْ تَکُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَکُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔ ترجمہ۔ کیا تم نے پہلے قسم نہ کھائی تھی کہ تمہارے لئے زوال نہیں ہے۔

ایرانیوں نے اس اسلامی لشکر کو دیکھا جو ابھی آیا تھا۔ ایک تو اُن کا وہ سردار مارا گیا تھا جس پر ان کو ناز تھا جس کی بہادری کا شہرہ تھا۔ دوسرے مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ ان پر خوف طاری ہوا وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گھوڑوں کو لوٹا کر واپس ہوئے اور بھاگے۔

سعدؓ نے فوراً ان کے تعاقب کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر کو حرکت ہوئی۔ وہ تیزی سے تعاقب میں روانہ ہوئے ساباط بائیں ہاتھ پر رہ گیا ایرانی آگے اور مسلمان ان کے پیچھے۔ دوڑتے چلے گئے۔ حتی کہ ساباط پیچھے رہ گیا۔ دو گھنٹوں کی بھاگ دوڑ کے بعد بھرہ شیر کے فلک نما مکانات نظر آنے لگے۔

ایرانی جان بچانے کے لئے بے تحاشہ دوڑے جا رہے تھے۔ مسلمان بھی پیچھے ہی لگے ہوئے تھے۔ سب سے آگے ہاشم تھے۔ ہاشم کے پیچھے زہرہ تھے۔ زہرہ کے پیچھے تمام لشکر اڑا چلا جا رہا تھا بھاگتے بھاگتے ایرانی بھرہ شیر میں پہنچے اور جس طرح خوفزدہ گیدڑ اپنے بھٹ میں جان بچانے کے لئے داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایرانی بھاگ بھاگ کر قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ ہاشم قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازہ میں گھسنے والے ایرانیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ زہرہ بھی فوراً ہی آ گئے۔ انہوں نے بھی بہت سے ایرانیوں کو مار ڈالا جس وقت کہ ہاشم ایرانیوں کو قتل کر رہے تھے قلعہ کے دروازہ میں سے ایک شیر دہاڑتا ہوا نکلا بھرہ شیر میں یزدگرد نے ایک شیر پال رکھا تھا۔ وہ نہایت خونخوار تھا۔ اسی وجہ سے اس شہر کا نام بھرہ شیر پڑ گیا تھا۔

ہاشم نے شیر نکلتے ہی اس پر حملہ کیا شیر اُچھل کر ہاشم پر گرا۔ اس نے غصہ میں آ کر پنجہ مارا۔ مسلمانوں کو جو قریب آ گئے تھے اندیشہ ہو گیا شیر ہاشم کو مار ڈالے گا۔ وہ اسکی طرف لپکے!

ہاشم نے ایک ہاتھ سے ڈھال سامنے کر دی۔ شیر ڈھال پر گرا دوسرے ہاتھ

سے ہاشم نے تلوار کا وار کیا۔ تلوار کا وار کاری پڑا۔ شیر دو ٹکڑے ہو گیا۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔ ایرانی اس نعرہ کو سن کر لرز گئے۔

انھوں نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے بہت کوشش کی کہ دروازہ ٹوٹ جائے۔ مگر ناکام رہے پھاٹک نہایت مضبوط تھا۔ کواڑوں پر لوہے کی موٹی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ ایرانی فصیل پر جا چڑھے انھوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے مجبوراً مسلمان پیچھے ہٹے۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا اس لئے انھوں نے پیچھے ہٹ کر خیمے نصب کرنے شروع کر دیئے۔

انیسواں باب

بچھڑوں کا ملاپ

مسلمانوں نے بھرہ شیر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر مدائن کی طرف انھوں نے کوئی دستہ متعین نہ کیا تھا۔ اس طرف سے برابر ایرانی قلعہ میں آتے رہتے تھے جس وقت مسلمانوں نے بھرہ شیر کا محاصرہ کیا ہے۔ مہران قلعہ کے اندر موجود تھا۔ اسے جاسوسوں کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ جوشماہ بھی اس لشکر کے ساتھ ہے لیکن اس کے مسلمان ہونے کی خبر نہ سنی تھی اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جوشماہ عام ایرانیوں کے نہیں بلکہ اس کے سخت مخالف ہے۔

جس شان سے مسلمان فتوحات حاصل کرتے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اس نے مہران کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی تھی کہ بھرہ شیر کو بھی مسلمان فتح کر لیں گے۔ بھرہ شیر کے فتح ہونے پر اس کا ہنگامہ کارزار میں مارا جانا یا گرفتار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑ جانا یقینی تھا۔ دونوں حالتوں میں اسے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ وہ گناہگار تھا۔ بدکار تھا۔ اوباش تھا۔ گناہگار موت سے ڈرتے ہیں لہٰذا وہ بھی ڈرتا تھا۔

چنانچہ اس نے مزید کمک لانے کا وعدہ کر کے مدائن کی راہ لی۔ راستہ میں

دارالسلطنت کے قریب اسے لیلیٰ اور آسیہ ملیں مگر ان کے ساتھ انقلاب پسندوں کی جماعت زیادہ تھی اس لئے اسے ان سے کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ مدائن میں داخل ہو کر یزدگرد کے حضور میں پہنچا۔ اس کے بعد کے تمام واقعات ناظرین کرام باب ہائے ماسبق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ایرانی مدائن سے برابر آآ کر قلعہ میں داخل ہو رہے ہیں تو انھوں نے دو دستے ایک دستہ ہمارے ناول کے ہیرو عاصم کی اور دوسرا زہرہ کی سرکردگی میں اس طرف بھی متعین کر دیئے۔ عاصم کے ہمراہ اس کا دوست عبید۔ جعفر۔ جوشماہ۔ جبران۔ بردین۔ اور شاہی رسالہ کے چار ہزار سوار بھی تھے۔

اب چاروں طرف سے قلعہ محصور کر لیا گیا اور اس شدت سے نگرانی شروع کر دی گئی تھی کہ پرندہ بھی قلعہ پر پر نہ مار سکتا تھا۔ ایرانی محاصرہ سے عاجز آ گئے تھے لیکن قلعہ سے باہر نکل کر شیران اسلام کا مقابلہ کرتے ڈرتے تھے۔ یہ خوف اس وجہ سے نہ تھا کہ ایرانیوں کی تعداد کم تھی۔ نہیں ایرانی مسلمانوں سے چہار گنا تھے۔ بلکہ خوف مسلمانوں کی دلیری اور بہادری کا تھا۔

وہ دیکھا در سن چکے تھے کہ جب اور جہاں مسلمانوں نے حملہ کیا کامیاب ہوئے اب تک ایک جگہ بھی ایرانیوں کو مسلمانوں پر فتح نہ ہو سکی تھی۔ چونکہ قلعہ نہایت مضبوط تھا اور بجا تھا۔ سنگی دیواروں کا تھا اس لئے بہت کچھ کوشش کرنے پر بھی فتح نہ ہوا تھا ایرانی قلعہ کی دیوار سے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش صبح سے شام تک برساتے رہتے۔ چونکہ مسلمان نیچے تھے اس لئے ان کو نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ روزانہ مسلمان زخمی ہو جاتے۔

سعدؓ نے ہر چند کوشش کی کہ ایرانی قلعہ کی فصیل سے پیچھے ہٹ جائیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ایک دن انھوں نے سرزاد والی ساباط کو جو ان کے ساتھ تھا اور جوشماہ کو طلب کیا۔ ان دونوں سے دریافت کیا کہ کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے ایرانی فصیل سے ہٹ جائیں انھوں نے منجنیق بنانے کا مشورہ دیا۔

اس زمانہ میں ایران میں منجنیق[1] بنانے کا رواج ہو گیا تھا۔ منجنیق بھوٹا سا ایک

---

[1] منجنیق کی ایجاد گیارھویں صدی عیسوی میں بہت کچھ ترقی کر گئی تھی (بقیہ صفحہ ۱۳۷ پر)

چوبی قلعہ ہوتا تھا۔ جو کہ پہیوں پر بنایا جاتا تھا۔ جسے جس وقت اور جہاں چاہتے لے جاتے تھے۔ مسلمان منجنیق بنانا نہ جانتے تھے۔ جو شاہ اور سرزاد نے نقشہ کھینچ کر سمجھایا۔

مسلمانوں نے منجنیق بنانا شروع کی۔ وہ قوم جو لڑنے کے سوائے لوہار اور بڑھئی کے کام سے ناواقف تھے۔ منجنیق بنانے میں مصروف ہو گئی۔ دوسرے دن میں ایک بڑی منجنیق بنا کر کھڑی کردی۔

منجنیق ایسی اچھی بنائی کہ مسلمان تو مسلمان ایرانی بھی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سعدؓ نے اسی ساتھ کی اور منجنیق بنانے کا حکم دیا۔ مسلمان لپٹ گئے انھوں نے تین ہی دن میں بیس منجنیقیں تیار کرلیں اور قلعہ کے چاروں طرف پانچ پانچ منجنیقیں تقسیم کردیں تقسیم رات کے وقت کی گئی۔

صبح جب آفتاب طلوع ہوا اور ایرانی قلعہ کی فصیل پر امنڈ آئے تب انھوں نے منجنیقوں کو دیکھا۔ ان کو مسلمانوں کی چابکدستی اور صنعت پر کمال حیرت ہوئی۔ منجنیقوں کے اندر مسلمان بیٹھ گئے۔ فلاخن کے آلات نصب کر دیئے گئے۔ پتھروں کے ڈھیر لگا دیئے گئے اور آہستہ آہستہ مسلمانوں نے ان کو قلعہ کی طرف ڈھکیلنا شروع کیا۔ ایرانیوں نے ہر طرف سے ان پتھروں کی بارش کر کے انہیں منہدم کرنا چاہا۔ لیکن وہ اس مضبوطی سے بنائی گئی تھیں کہ پتھروں کا ان پر بالکل بھی اثر نہ ہوا۔

جب منجنیقیں ڈھکیل کر فصیل کے قریب کر دی گئیں تو مسلمانوں نے آلات فلاخن کو حرکت دی۔ بڑے بڑے پتھر فلاخن کے ذریعہ سے فصیل پر پھینکنے شروع کئے۔ ایرانی ہر طرف فصیل پر لدے ہوئے تھے پتھروں نے انکے سروں کو توڑنا آنکھوں کو پھوڑنا ہاتھوں اور پیروں کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تو وہ استقلال سے کھڑے ترکی بترکی جواب دیتے رہے۔ لیکن جب انھوں نے زیادہ نقصان ہوتے دیکھا تب پیچھے ہٹ گئے۔ اسلامی لشکر قلعہ کے چاروں طرف مسلح کھڑا تھا۔ ایرانیوں کے فصیل سے پیچھے ہٹتے ہی وہ بڑھا۔ نہایت جوش میں آکر بڑھا اللہ اکبر کا دل ہلا دینے والا نعرہ لگاکر بڑھا۔ ایرانیوں نے چھپ کر ابھر ابھر کر دیکھا۔ مسلمانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ان پر خوف طاری

بقیہ ۱۳۶کا) سلطان صلاح الدین کے مقابلہ میں عیسائیوں نے بڑی بڑی منجنیقیں بنائی تھیں۔ منجنیقوں کی جنگ کا حال ہمارے مشہور ناول "مشرق کی حوریں" ملاحظہ ہو۔ (صادق سردھنوی)

ہو گیا۔ ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ بڑھتے بڑھتے مسلمان قلعہ کی فصیل کے قریب جا پہنچے۔ منجنیقیں پیچھے رہ گئیں۔ لیکن وہ بدستور فلاخنوں کے ذریعہ سنگ باری کر رہی تھیں اور کسی کو فصیل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔

اگرچہ مسلمانوں نے صبح ہی سے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ مگر تین بجے سے پہلے وہ فصیل کے قریب نہ پہنچ سکے۔ جب آفتاب ڈھل گیا۔ اور وہ فصیل کے قریب پہنچے تو انھوں نے قلعہ کے نیچے کھڑے ہو کر فصیل پر پہنچنے کے لئے غور کرنا شروع کیا۔

قلعہ کی دیواریں نہایت مضبوط اور اونچی تھیں۔ کوئی سبیل فصیل تک پہنچنے یا اسے کھود ڈالنے کی نظر نہ آئی۔ حالانکہ ہر پہلو پر غور کیا گیا اسی غور و فکر میں شام ہو گئی۔ آفتاب ڈھلتے ڈھلتے جلد مغرب میں پہنچ کر روپوش ہو گیا۔ مغرب کی طرف سے سیاہی بڑھ کر کرۂ ارض پر پھیلنے لگی۔ ستارے نکل کر آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔

اسلامی لشکر واپس لوٹا۔ جنگ بند کر دی گئی۔ مسلمانوں نے واپس جاتے ہی سب سے پہلے نماز پڑھی اور پھر آگ روشن کر کے کھانا پکانے کا انتظام کرنے لگے اتنے میں کھانا تیار ہو عشا کا وقت ہو گیا۔

سب نے عشا کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔ اگرچہ مسلمان تمام دن کمربستہ رہے تھے میدان جنگ میں لڑنے کے لئے نکلے تھے۔ تھک گئے تھے مگر وہ آجکل کے مسلمانوں کی طرح موم کے نہ تھے نہ عیش و عشرت کے خوگر تھے کہ تھک کر یا تھکنے کا بہانہ کر کے سویرے سے بستروں پر چلے جاتے اور نیند آتی یا نہ آتی سونے کی کوشش کرتے۔

وہ جفاکش مسلمان تھے انہیں ایسی قوم کی تعمیر کرنی تھی جس کے کارنامے دنیا ابد تک یاد کرتی رہے ان میں زیادہ تر تو قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے اور کچھ ہتھیار صیقل کرنے لگے۔ کچھ گذشتہ جنگ کے واقعات سنانے لگے۔ یہ سلسلہ گیارہ بجے تک جاری رہا۔ اس وقت تک لشکر میں خوب چہل پہل رہی۔

اس کے بعد لوگ سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ خاموشی بڑھنے لگی۔ بارہ بجے تک سب لوگ سو گئے۔ کامل سکون طاری ہو گیا۔ صرف محافظ دستہ طلایہ گردی میں مشغول رہا۔ آج عاصم۔ جلید۔ سہران بھی محافظ دستے کے ہمراہ تھے وہ قلعہ کی طرف گشت کر چکے تھے۔ اب دوسری طرف گشت کر رہے تھے۔ اس وقت چاند پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی سفید چادر کی طرح ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہر وہ چیز جس پر چاند بنا

پر توڈال رہا تھا۔ چمک رہی تھی۔

پاس کی چیز صاف اور دور کی قدرے دھندلی نظر آرہی تھی۔ عاصم اور ہرمزان کی نظر پرہ مدائن کی جانب تھی۔ مدائن کی صاف سڑک دور تک نظر آرہی تھی۔ سامنے افق میں انہیں چند سائے حرکت کرتے معلوم ہوئے۔ عاصم نے ہرمزان اور ہرمزان نے عاصم کو ان متحرک سایوں کو دکھایا۔ دونوں کھڑے ہو کر غور سے دیکھنے لگے۔

عاصم نے غور کرنے کے بعد کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سوار آرہے ہیں۔

ہرمزان۔ یہی میرا بھی خیال ہے۔

عاصم۔ غور کیجئے اس وقت آدھی رات کو کون لوگ آسکتے ہیں۔

ہرمزان۔ ظاہر ہے کہ مدائن سے آرہے ہیں ایرانی ہوں گے۔

عاصم۔ شاید قلعہ والوں کے لئے کوئی پیغام لارہے ہوں۔

ہرمزان۔ یہی میرا بھی خیال ہے۔

عاصم۔ آؤ تو چھپ جائیں اور جب یہ قریب آئیں تو ان کو گرفتار کرلیں۔

ہرمزان۔ مناسب ہے!!

جلدی سے یہ لوگ چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے اور آنے والوں کا انتظار کرنے لگے۔ سائے برابر بڑھتے چلے آرہے تھے۔ جب بڑھتے بڑھتے وہ بالکل قریب آگئے تو عاصم نے دیکھ کر معلوم کرلیا کہ وہ ایرانی تھے۔ ایرانی لباس پہنے ہوئے تھے۔ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ آہستہ آہستہ آرہے تھے اور قریب آنے پر ان کے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کیا اسی وقت لشکر کے اندر چلنا چاہئے!

کسی دوسرے نے کہا۔ کیوں نہیں اندیشہ کیا ہے۔

پہلا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی محافظ ہم پر اچانک حملہ کردے۔

دوسرا۔ یہ وہم فضول ہے مسلمان کبھی ہوشیار کئے بغیر حملہ نہیں کرتے۔

اس گفتار کو سن کر عاصم اور اس کے ہمراہیوں کو سخت حیرت ہوئی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ قلعہ والوں کے لئے بادشاہ کا پیام لارہے ہیں مگر ان کی گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ عربوں کے پاس آرہے ہیں۔

ابھی وہ حیرت ہی میں تھے کہ کسی نے شریلی آواز سے کہا۔ کوئی اندیشہ مت کرو۔ بے خوفی سے چلو۔ میں سب سمجھ لوں گی!!

عاصم کو یہ آواز کان آشنا معلوم ہوئی۔ اس نے جلدی سے کہا آہ یہ آواز میری ہمشیرہ لیلیٰ سے مشابہ ہے۔ خدایا کیا لیلیٰ آگئی۔ کیا میں ایسا خوش قسمت ہوں ارحم الراحمین تجھے سب کچھ قدرت ہے۔ تو مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ بچھڑے ہوؤں کو ملا دینا تو کوئی بڑی بات نہیں۔

یہ کہتے ہی وہ کمینگاہ سے نکل آیا۔ بے اختیار ہو کر آنے والوں کی طرف بڑھا عبید بھی بے تاب ہو کر اس کے پیچھے چلا۔ ہرمزان بھی ساتھ ہو لیا۔ مدائن کی جانب سے آنے والے عاصم۔ عبید اور ہرمزان کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر ٹھٹکے۔ خوفزدہ ہوئے۔ اور گھوڑوں کی باگیں کھینچ کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ عاصم ان کے قریب پہنچا۔ اس نے پُر اشتیاق لہجہ میں دریافت کیا۔ لیلیٰ کیا واقعی تم آگئیں یا میرے کانوں نے دھوکا کھایا۔

ایک حور طلعت لڑکی عاصم کی طرف بڑھی اس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا بھائی جان میں آگئی ہیں تمہاری ہمشیرہ لیلیٰ ہی ہوں۔

عاصم نے غور سے دیکھا۔ ایک ماہ پیکر لڑکی ایرانی لباس پہنے اس کے سامنے آگئی پہلی نظر میں اس نے اسے نہ پہچانا۔ ایرانی لباس نے اسے دھوکا دیا اس نے کہا لیلیٰ... نہیں مگر دوسری نگاہ پڑتے ہی اس نے شناخت کر لیا۔ وہ لیلیٰ ہی تھی وہ گھوڑے سے کود پڑا لیلیٰ بھی کود دی عاصم آغوش کشادہ اس کی طرف بڑھا۔

میری عزیز ہمشیرہ۔ لیلیٰ بھی بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ میرا بھائی اللہ تیرا ہزار ہزار شکر ہے۔

دونوں بغلگیر ہو گئے۔ لیلیٰ رو رہی تھی۔ عاصم کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب تک ذوعزیز جدا رہتے ہیں جدائی کے غم سے روتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو خوشی کے مارے رونے لگتے ہیں مگر لیلیٰ کا رونا خوشی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ وہ ان مصائب کو یاد کر کے رونے لگی تھی جو اس نے اٹھائے تھے۔

عاصم نے آہستہ آہستہ اس حور جمال کو علیحدہ کیا۔ اسکے نازک سر پر ہاتھ پھیر کر اسے تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ لیلیٰ نہ رو۔ اب نہ رو تجھے کیا خبر کہ میں تجھے یاد کر کر کے کسقدر رو چکا ہوں اب ہمیں خوش ہونا چاہیئے۔ خدا کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے!!

لیلیٰ نے ریشمین دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھے۔

عبید ایک طرف غم و مسرت کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ دوڑ کر شیریں ادا ماہ پیکر دوشیزہ کو اپنی آغوش میں لے لے۔ لیکن تمدن اور معاشرت کی زنجیروں نے اسے جکڑے رکھا تھا۔ وہ اپنے دل کی آرزو پوری نہ کر سکتا تھا۔

اسے حور ادا لیلیٰ کے رونے سے تکلیف ہو رہی تھی اور اس کے آجانے سے مسرت تھی۔ ان متضاد باتوں نے اس کی عجیب کیفیت کر رکھی تھی۔ عاصم نے لیلیٰ سے کہا۔

پیاری ہمشیرہ! تو شاید تمام رات چلتی رہی ہے۔

لیلیٰ نے شیریں لہجہ میں جواب دیا۔ جی ہاں۔ ساری رات ایرانیوں کے تعاقب کے خوف نے ذرا دیر کو بھی آرام نہ کرنے دیا۔

عاصم۔ اچھا اب چل کر آرام کرو۔ صبح سنانا کہ تم کیسے رہا ہوئیں۔

لیلیٰ۔ میرے ہمراہ آسیہ بھی ہے۔ وہ آسیہ جس کی بدولت میں نے رہائی پائی ہے۔

عاصم۔ وہ محسنہ کہاں ہے۔

لیلیٰ نے ادھر اُدھر دیکھا۔ آسیہ قریب ہی کھڑی تھی۔ لیلیٰ نے اسکی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ خلق و مہربانی کی تصویر رنگی و ہمدردی کا پیکر یہ ہے۔

عاصم نے آسیہ کو دیکھا۔ وہ اسکی طرف بڑھا۔ جب قریب پہنچا تو پہچان کر بولا۔ آہا! یہ وہ آسیہ ہے جس نے مجھے رہائی دلانے کے لئے کوشش کی تھی اور جو لیلیٰ تجھے آزاد کرانے کے لئے مدائن میں رہ گئی تھی۔ آسیہ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ تمہارے احسانات کا شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

آسیہ کے مسیحا صفت لبوں پر ہلکا تبسم کھیل رہا تھا۔ اس نے کہا میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ عاصم انسان کا فرض ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کرے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

عاصم۔ میں تمہارے اس احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکوں گا۔ آفتاب صبح ہونے والی ہے کچھ دیر آرام کرنا۔

عاصم اور لیلیٰ گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ سب چلے لشکر میں گھس کر عاصم کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

بیسواں باب

بھیرہ شیر کی فتح

حور جمال لیلیٰ ۔ پری پیکر آسیہ ان کے ساتھ آنے والے پچاس ایرانی سب کے سب خیمہ پر پہنچے ۔ دونوں لڑکیاں خیمہ کے اندر چلی گئیں اور ایرانیوں کے لئے باہر فرش کر دیا گیا ۔ سب پڑ رہے ۔ چونکہ رات بھر چلتے رہے تھے ۔ جاگتے گئے تھے ۔ اس لئے پڑتے ہی سو گئے ۔ عاصم ۔ علیہ ۔ ہرمزان بھی ایرانیوں کے پاس ہی فرش پر سو گئے ۔

صبح سویرے بیدار ہوئے ۔ لڑکیوں نے اندر ۔ مردوں نے خیمے کے باہر جماعت کیساتھ نماز پڑھی ۔ نماز پڑھتے ہی لشکر مسلح ہو کر قلعہ کے سامنے جا پہنچا ۔ لیکن آج ایرانی فصیل پر نہ آئے ۔ کچھ دیر انتظار کر کے مسلمان بھی لوٹ گئے ۔ جنگ ملتوی ہو گئی ۔

لیلیٰ اور آسیہ عاصم کے خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھیں ۔ ہرمزان نے جوشماہ اور خیرمان اور پروین سے لیلیٰ اور آسیہ کے آنے کی خبر جا سنائی ۔ دونوں پری جمال لڑکیاں لیلیٰ اور آسیہ سے ملنے کے لئے دوڑی آئیں ۔ جب وہ عاصم کے خیمہ کے اندر پہنچیں تو ان دونوں کی نظریں سب سے پہلے آفتاب حسن لیلیٰ کے چاند سے زیادہ روشن چہرہ پر پڑیں ۔ دونوں اس کے بڑھے ہوئے عدیم النظیر حسن کو دیکھ کر حیران رہ گئیں ۔

لیلیٰ نے اٹھ کر دونوں نمین مہ وشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا ۔ آسیہ بھی اٹھی چاروں بغلگیر ہو کر ملیں ۔ ایسے جوش اور مسرت سے ملیں گویا چاروں بہنیں ہیں ۔

آسیہ نے لیلیٰ سے پروین و خیرمان کا تعارف کرایا ۔ معانقہ کرنے کے بعد چاروں فرش پر بیٹھ گئیں ۔ پروین نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ لیلیٰ میں حیران تھی کہ یزدگرد کیوں تم پر اس قدر فریفتہ ہے کہ کسی کی نصیحت نہیں سنتا ۔ ہر وقت تمہارے خیال میں مستغرق رہتا ہے آج تم کو دیکھ کر حیرت دور ہو گئی ۔ تم اس زمانہ کی بہترین حسینہ ہو ۔ حسن و جمال کی ملکہ ہو ۔ سارا دنیا پر حکومت کرنے کے قابل ہو ۔ تم کو دیکھ کر کوئی شخص اپنے دل پر قابو ہی نہیں رکھ سکتا !!

لیلیٰ مسکرا رہی تھی۔ برق پاش نظروں سے پروین کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی اسکا تبسم بجلیاں گرا رہا تھا۔ دوشیزگی کی حیا نے رعنائی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ گلاب کے پھولوں کی رنگت کو ماند کر دینے والے رخسارے شہابی رنگ میں ڈوب گئے تھے۔
اس کا چہرہ نہایت دلفریب نہایت دلکش۔ نہایت ہی پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے کہا پروین میں تمہاری مشکور ہوں۔ مجھے آسیہ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میری اور میرے بھائی جان کی رہائی کے لئے تمہاری کوششیں قابل صد ہزار تحسین ہیں میں تم کو دیکھنے کے لئے بے قرار تھی اپنے بھائی کی منظور نظر کو دیکھنے کے لئے کیوں بے قرار نہ ہوتی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں کسی معمولی حسینہ کو میرے بھائی پیار نہ کرنے لگے ہوں لیکن تم کو دیکھکر میری آنکھیں کھل گئیں۔
بھائی جان کا انتخاب نہایت اچھا ہے۔ تم پیکر حسن ہو۔ نور مجسم ہو۔ رعنائی اور دلربائی کا پیکر ہو۔ خوبصورت ساحرہ ہو۔ تمہاری آنکھ میں جادو ہے نازک لبوں پر سجائی ہے رخساروں پر طلسم ہوش ربا۔ جسے نظر بھر کر دیکھ لو۔ بندۂ بے دام بن جائے۔
آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ تم سچ کہتے ہو لیلیٰ ان پر ایک دو نہیں سیکڑوں فریفتہ ہیں۔
پروین نے مسکرا کر پوچھا اور تم پر؟
آسیہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ مجھ پر کوئی فریفتہ نہیں!!
پروین نے کہا اے رشک گل تر۔ تجھ پر تو میرا عم زاد بھائی ہزار جان سے شیدا ہے کل ہی تمہارا ذکر کر رہے تھے۔ بڑی نیک ہے۔ جب میں نے دریافت کیا کہیں تم اُسے اپنا دل تو نہیں دے بیٹھے تو مسکرا کر چپ ہو گئے۔
آسیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے میرا بھی کوئی پرستار ہو گیا لیکن یقین نہیں آتا خیزران مسکرا رہی تھی۔ اس نے شوخی سے ہنس کر کہا۔ جب وہ تم سے ملیں گے۔ اظہار محبت کریں گے تب یقین آ جائے گا۔
آسیہ نے کہا تب تو تم ہی ایک ایسی رہ گئیں۔ جس کا کوئی شیدائی نہیں ہے۔
پروین نے کن انکھیوں سے خیزران کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا ان پر بھی ایک دل چلے عنایت کرنے لگے ہیں۔
آسیہ نے کہا وہ کون ہیں؟
پروین نے جواب دیا لیلیٰ کے بھائی جان کے ایک دوست جعفر ہیں۔

خیزران نے شوخی کی نظروں سے پروین کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھ پر کوئی کیوں فریفتہ ہونے لگا۔

پروین نے بیساختہ ہنس کر کہا۔ ہاں میں بھی دراصل یہ جعفر پر شیدا ہو گئی ہیں۔

خیزران نے نازک اندام پروین کے بلکے سے چٹکی لے کر کہا۔ ان کا کلیجہ!!

پروین اُچھل پڑی۔ اس نے کہا۔ جعفر کا نام سنتے ہی کس قدر طاقت آجاتی ہے۔ کس زور سے چٹکی لی ہے کہ نیلا پڑ گیا۔

خیزران نے ہنس کر کہا اللہ رے نزاکت ذرا بدن کو ہاتھ لگایا تھا کہ اچھل پڑیں۔

ابھی خیزران کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ عاصم آ گیا۔ عاصم کو دیکھ کر ان پریوشوں کی چھیڑ چھاڑ بند ہو گئی۔

خیزران نے کہا۔ بھائی عاصم مبارک ہو۔ بہن لیلیٰ آ گئیں!

عاصم نے پہلے آپ اور پھر پروین کو دیکھ کر کہا میں آپ اور پروین دونوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ ان دونوں کی مہربانی نے آج مجھے بھی خوشی کا دن دکھایا۔

خیزران نے شوخی بھرے لہجہ میں کہا۔ آپ غریب کا کیوں نام لیتے ہو بس تم پروین ہی کا شکریہ ادا کرو۔

عاصم اس نوخیز کی شرارت آمیز گفتگو کو نہ سمجھا۔ اس نے کہا نہیں۔ خیزران آپ نے سب سے زیادہ مہربانی کی ہے۔

خیزران نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ مگر ممنون و مشکور تو تم پروینا کے ہو اچھا کہہ دو تم ان کے مشکور نہیں ہو۔

اب عاصم سمجھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ تم بڑی شوخ ہو۔

عاصم کے ہاتھوں میں کپڑے تھے۔ اس نے لیلیٰ کو کپڑے دیتے ہوئے کہا لیلیٰ یہ لو کپڑے بدل لو۔

خیزران۔ جو کپڑے یہ پہنے ہوئے ہیں پھر کپڑے بدلنے کو کیوں کہتے ہو!!

عاصم۔ ہر قوم کو اپنا ہی لباس پہننا چاہئے۔ دوسری قوم کا لباس پہننے سے اس قوم کی خو بو آ جاتی ہے۔ مسلمان سوائے اپنے قومی لباس کے کسی دوسری قوم کا لباس نہیں پہن سکتا!!

خیزران۔ بیشک قوم کی تعمیر کے لئے یہ اصول بھی ضروری ہے۔

عاصم چلا گیا۔ جب وہ خیمہ سے باہر نکلا تو عبید اُسے ملا۔ عبید نے بغیر کسی جھجک کے دریافت کیا کہئیے لڑکیاں بیدار ہو گئیں!!

عاصم۔ عرصہ ہوا وہ تو صبح کی نماز کے وقت بیدار ہو گئی تھیں۔ اس وقت خیمہ کے اندر پریاں جمع ہیں۔ سارا خیمہ پرستان بنا ہوا ہے آئیے آپ بھی آسیہ کا شکریہ ادا کر لیجئے۔ حقیقت میں اُس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر لیلےٰ کو رہا کرایا ہے۔

عبید۔ بیشک نہایت بہادر اور نڈر لڑکی ہے۔ اس نے ہم پر ایسا زبردست احسان کیا ہے کہ ہم اسے اُس کا کوئی معاوضہ ہی نہیں دے سکتے۔

عاصم۔ سچ کہتے ہو آؤ عبید اس کا شکریہ ادا کرنا۔

عاصم چلا۔ عبید اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ مگر اسوقت عبید کے دل کی عجب کیفیت تھی کسی کا نظارہ کرنے کے لئے مچل رہا تھا۔

دونوں خیمہ میں داخل ہوئے۔ عبید کی نظر سب سے پہلے رشک قمر لیلےٰ کے پھولوں سے بڑھ کر گلابی اور شاداب رخساروں پر پڑی لیلےٰ نے سیاہ اور نشیلی آنکھوں کو اٹھا کر عبید کی طرف دیکھا۔

آنکھیں چار ہوتے ہی جیسے عبید کے دل پر ہزاروں تیر پڑ گئے۔ وہ گھبرا گیا اور لڑکھڑا گیا۔ لیلیٰ کی تیر افگن آنکھوں سے آنکھیں چار نہ کر سکا۔ لیلیٰ کو دیکھکر عبید مست و بیخود ہو گیا۔ بھول گیا کہ وہ کس لئے خیمہ میں آیا۔ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔

وہ ایسا ساکت و صامت کھڑا رہ گیا ہے۔ جیسے کسی جادوگر نے جادو کا پتلا کھڑا کر دیا ہو۔

عاصم نے کہا۔ بھائی عبید یہ ہے وہ محسنہ جس کے احسان نے ہم کو دبا لیا ہے۔

عبید۔ چونکا سنبھلا۔ اس نے کہا۔ بہنا آسیہ زبان میں طاقت نہیں کہ تمہارا شکریہ ادا کر سکے۔ ہم عمر بھر کے لئے تمہارے زیر بار احسان ہو گئے۔

آسیہ نے کہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں نے تکلیفیں اٹھائیں۔ جان پر بن گئی زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ لیکن میں خوش ہوں کہ جس کام کے کرنے کا میں نے عزم کیا تھا۔ خدا نے اُسے پورا کر دیا۔

عاصم نے کہا تم نے واقعات تو سنائے نہیں۔ آسیہ سارا حال سناؤ۔

یہ کہتے ہی عاصم بیٹھ گیا۔ اس کے پاس ہی عبید بیٹھ گیا۔
شوخ و شریر خیزران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ذرا بھائی جان کو اور بُلا لیجئے ان کا حال سننے کے لئے سب سے زیادہ بے چین تو وہی تھے۔
آسیہ نے گھور کر خیزران کو دیکھا۔ خیزران نے کہا گھور کر کیا ڈراتی ہو میں سچ کہہ رہی ہوں آسیہ جب میں آئی تو کہتے تھے کہ کسی طرح آسیہ سے ان کی سرگذشت سنواؤ۔
آسیہ کچھ کہنے والی تھی۔ کہ باہر سے ہرمزان نے دریافت کیا میں آسکتا ہوں۔
پروین نے نغمہ زا لہجہ میں کہا آ جایئے بھائی جان اس نے دریافت کیا۔ میرا ذکر کون کر رہا تھا؟
خیزران نے کہا آسیہ . . . یہ کہتے ہی وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ ہرمزان بھی عاصم کے پاس بیٹھ گیا۔ عاصم نے کہا۔ آسیہ لو۔ اب کہو ہرمزان بھی آ گئے۔
آسیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ گویا میں ہرمزان کا انتظار کر رہی تھی!
پروین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس میں کچھ شک بھی ہے تمہاری نظریں کسے ڈھونڈھ رہی تھیں آسیہ!
ہرمزان نے کسی قدر آزردگی سے کہا مجھ بے چارہ کا کون تذکرہ کرتا ہے رہنے دو پروین!!
آسیہ کے دل پر ہرمزان کی۔ آزردگی سے چوٹ لگی اس نے کہا۔ تذکرہ تو آپ ہی کا تھا لیکن . . . .
خیزران نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔ میں کہہ رہی تھی ملے دو ورنہ میرا نام۔
آسیہ۔ ہاں تم ہی تو کہہ رہی تھیں۔
ہرمزان۔ بھلا تم میرا تذکرہ کیوں کرتیں بڑی بے درد ہو آسیہ۔
خیزران نے ہنس کر کہا۔ بیدرد نہیں سنگدل بے وفا۔ قاتل!!
پروین نے کہا۔ زیادہ نہ چھیڑو ورنہ روٹھ جائیں گی!! . . . ہاں آسیہ تم اپنا حال سناؤ۔
آسیہ نے تمام واقعات نہایت تفصیل سے بیان کئے۔ جب اس نے اپنے مسلمان ہونے اور زنجیروں سے پٹے جانے کا واقعہ بیان کیا تو اور سب کو تو افسوس ہوا مگر ہرمزان کو جوش آ گیا۔

اس نے کہا خدا کی قسم مہران جس وقت میرے سامنے آئے گا قتل کر ڈالوں گا سب اسکی طرف دیکھنے لگے۔ ہرمزان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عاصم نے کہا۔ ہرمزان جوش کو کم کرو۔ مہران آسیہ کا بھائی ہے۔ آسیہ نے ہم پر احسان کیا ہے ہم اس کے بھائی کو بغیر اسکی مرضی کے کیسے قتل کر سکتے ہیں۔

ہرمزان۔ بے شک تم سچ کہتے ہو۔ مگر میں اب قسم کھا چکا ہوں۔

عاصم۔ قسم کا کفارہ دے دینا۔

ہرمزان چپ ہو گیا۔ اب دوپہر ہو گیا تھا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ وہ بقیہ دن آرام اور اطمینان سے گذر گیا۔ دوسرے دن آفتاب طلوع ہوتے ہی قلعہ کے اندر طبل جنگ بجا۔ مسلمان ہوشیار ہو کر مسلح ہو گئے۔ انھوں نے میدان کارزار میں نکل کر صفیں مرتب کر لیں۔

زہرہ۔ عاصم۔ عبید۔ جعفر۔ ہرمزان۔ جوشماہ سب ایک ہی جگہ گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے ایک اونچے ٹیلے پر آسیہ۔ لیلیٰ۔ خیزران اور پروین بیٹھی میدان کارزار کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

زہرہ کی زرہ بوسیدہ اور کہنہ تھی۔ اس میں متعدد سوراخ ہو رہے تھے۔ عاصم نے کہا آج ایرانی قلعہ سے نکل کر مقابلہ کرنے پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی زرہ خراب ہو گئی ہے۔ بہتر ہوتا کہ دوسری زرہ پہن لیتے۔

زہرہ نے مسکرا کر کہا۔ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر دشمنوں کے تیر میری طرف آئیں۔

ابھی عاصم کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ قلعہ کا دروازہ کھلا اور آتش پرست نہایت جوش و خروش سے نعرہ لگاتے باہر نکلنے لگے۔ بڑے بڑے گروہ کے گروہ نہایت تیزی سے برآمد ہو رہے تھے۔ وہ قلعہ سے برآمد ہو رہے تھے۔ وہ قلعہ سے باہر نکل نکل کر پھیلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام میدان ان سے بھر گیا۔

ان کے سرداروں نے جلد جلد صف بندی کی۔ زور زور سے طبل جنگ بجا اور تیر اندازوں کو تیر اندازی کا حکم دیدیا۔ فوراً سواروں نے کمانیں سنبھالیں۔ تیر جوڑے اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔

مسلمانوں نے بھی تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تیروں کی آمد و رفت نے عجب

سماں پیدا کر دیا۔ اس طرف مسلمان کم تھے۔ بہت ہی کم۔ ایرانی ان سے دس حصے زیادہ تھے وہ مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے بڑھے۔

ان کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو بھی جوش آگیا انھوں نے بھی بڑھنا شروع کیا۔ بڑھتے بڑھتے دونوں لشکر بل گئے۔ ٹکرا گئے۔ تلواریں کھنچ گئیں۔ مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ عاصم۔ عبید۔ جعفر۔ زہرہ سب شیر ان ہر بر کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دشمنوں کی تلواروں کو باڑھ پر رکھ لیا جس بہادر میں سے کسی کی خارا شگاف تلوار پڑی۔ اس کو لکڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ تمام محاذات پر خونریز جنگ ہونے لگی۔

ہر طرف خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ خون آلود تلواریں بلند ہونے لگیں۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون زمین پر پڑ پڑ کر لالہ کاری کرنے لگا۔ زخمیوں کی چیخ پکار۔ قومی نعروں کی آواز اور آلات حرب کی جھنکار سے تمام میدان گونج اٹھا۔

ایرانی چاروں طرف قلعہ کی فصیل پر کھڑے پتھر اور تیر برسا رہے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ اور اطراف کے مسلمان زہرہ اور عاصم کی امداد کے لئے نہ آسکیں انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس طرف کے مٹھی بھر مسلمانوں کو قتل کر کے ہی واپس لوٹیں گے۔

سعد یا اور کسی سردار کو یہ خبر نہ تھی کہ ایرانی قلعہ سے باہر نکل کر زہرہ عاصم اور ان کے ہمراہیوں سے لڑ رہے ہیں۔ جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی سر فروش کمال جیالدی سے لڑ رہے تھے۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ صفیں قائم نہ رہی تھیں مسلمان ایرانیوں میں ایرانی مسلمانوں میں گھس گئے تھے اور بڑی دلیری ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔

زہرہ بڑی سرگرمی بڑے جوش بڑے انہماک سے لڑ رہے تھے وہ جس طرف حملہ کرتے تھے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ جس پہان کی تلوار پڑتی بغیر دو ٹکڑے کئے نہ چھوڑتی۔ ایرانی ان سے ڈرنے لگے تھے۔

شہر زاد ایرانیوں کا سردار بھی بڑی جرأت سے لڑ رہا تھا۔ اس کی تلوار بھی مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھی۔ اس نے زہرہ کو اور زہرہ نے اُسے

دیکھ لیا۔

شہزاد نے دور سے ہی تیر کمان میں رکھ کر مارا۔ تیر سیدھا زہرہ کی طرف آیا۔ بدقسمتی سے اس وقت زہرہ ایک اور ایرانی کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔ تیر ان کے سینہ میں پیوست ہو گیا۔ انھوں نے ایک خفیف آہ کی۔

عاصم ان کے قریب تھا اس نے آہ کی آواز سن لی اور ان کے پاس آیا چاہا کہ تیر کھینچے۔ زہرہ نے کہا۔ تیر مت کھینچو۔ جب تک یہ بدن میں پیوست ہے اس وقت تک میں بھی زندہ ہوں۔

عاصم نے ہاتھ روک لیا۔ اسے طارہ آگیا۔ اس نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایرانیوں پر حملہ کیا۔ جو اس کے سامنے آیا۔ اُسے کاٹ کر ڈال دیا جس طرف ایرانیوں کا زور دیکھا اسی طرف حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا پسپا کر دیا۔ عاصم کے ساتھ ہی زہرہ نے بھی حملہ کر دیا۔ پوری قوت اور پورے جوش سے حملہ کیا جس پر تلوار ماری کشتہ کیا۔ دم کے دم میں اس نے متعدد ایرانی مار ڈالے۔

کیسے بہادر لوگ تھے کس قدر لڑائی کا شور و شغب تھا۔ اپنی تکلیف کا خیال نہ تھا۔ لڑائی کی دھن تھی۔ شہادت کی تمنا تھی۔ مجروح ہونے پر بھی پورے جوش سے لڑتے تھے۔

زہرہ کو تکلیف تھی سخت تکلیف تھی۔ تیر سینہ میں ترازو تھا سانس مشکل سے لیا جاتا تھا۔ ہر لمحہ تکلیف بڑھتی جاتی تھی۔ مگر کچھ پرواہ نہ تھی اس حالت میں بھی لڑ رہے تھے جیسے وہ زخمی ہی نہ تھے۔ عربوں میں انتقام کا مادہ بڑھا ہوا تھا۔ جب تک وہ انتقام نہ لے لیتے۔ ان کو آرام نہ آتا تھا۔ زہرہ زخمی ہو گئے تھے شہزاد نے ان کو زخمی کیا تھا وہ اس سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ تمام ایرانیوں سے لڑتے ان کو قتل و پسپا کرتے اسکی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایرانی ان سے ڈرنے لگے تھے جس طرف وہ بڑھتے ان کے سامنے سے کترا جاتے راستہ دیدیتے وہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچے کہ شہزاد کے سامنے جا پہنچے شہزاد نے انہیں دیکھا اس نے نیزہ سے ان پر حملہ کیا۔ زہرہ نے بھی نیزہ نکال لیا۔ شہزاد کا وار روکا اور پوری قوت سے اسکے نیزہ مارا۔ شہزاد نے ڈھال سامنے کر دی۔ نیزہ ڈھال پر پڑا لیکن اسکا ہاتھ لغزش کھا گیا۔ ڈھال جھک گئی۔ نیزہ کی انی زرہ توڑ کر زیر ناف پیوست ہو گئی۔ شہزاد نے

ایک دلدوز چیخ ماری۔ چیخ کی آواز سن کر ہر طرف سے ایرانی اسکی مدد کے لئے دوڑ پڑے۔ سب نے زہرہ پر نرغہ کر لیا۔ زہرہ نے جلدی سے نیزہ کھینچا۔ نیزہ کھینچا کے ساتھ شہزاد کی آنتیں اور انتڑیاں نکل آئیں۔

اس نے ایک لمبی آہ کی اور مردہ ہو کر گھوڑے سے گرا۔ ایرانیوں نے چاروں طرف سے زہرہ پر تلواروں کا مینہہ برسا دیا۔ عاصم نے دیکھا وہ ایرانیوں کو ڈپٹ کر بڑھا۔ نہایت جوش سے حملہ آور ہوا۔ مگر زہرہ کے پاس پہنچنے سے پہلے کئی تلواریں زہرہ پر پڑیں اور وہ شہید ہو کر گر پڑے۔

عاصم کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اپنے امیر سردار کو شہید ہوتے دیکھکر جو ہر معرکہ میں پیش پیش رہا تھا جس نے بہت سے امور ایرانیوں کو مار ڈالا تھا اس کا جوش ہیجان میں آگیا۔ اس نے کمال جوش اور دلیری سے حملہ کیا۔ ایرانیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا جن ایرانیوں نے زہرہ کو شہید کیا تھا ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا جن چن کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک کو قتل کر ڈالا۔

عاصم کے پیچھے ہی عبید اور جعفر تھے ان دونوں نے بھی بڑی سرفروشی بڑے جوش اور بڑی دلیری سے حملہ کیا۔ ہر اس ایرانی کو مار ڈالا جو ان کی زد میں آگیا۔ ان لوگوں کو اس طرح سے حملہ کرتے دیکھ کر تمام مسلمانوں نے سمٹ کر غیظ و غضب میں بھر کر اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ نہایت سخت ہوا ایسا سخت کہ اگر سنگی چٹانیں بھی ہوتیں تو ریزہ ریزہ ہو جاتیں لیکن ایرانیوں نے کمال جیداری۔ کمال دلیری کمال استقلال سے ان کا حملہ روکا۔ وہ آہنی دیوار کی طرح ڈٹ گئے اپنے سردار کا انتقام لینے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ بڑے جوش سے لڑنے لگے۔

جنگ کی آگ پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہو گئی۔ تلواریں جلد جلد بلند ہو ہو کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ دلیروں کا انہماک بڑھ گیا انسانی اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے سر ٹھوکریں کھانے لگے۔ ہاتھ پیر اور دھڑ پامال ہونے لگے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں شور و غل اس قدر بڑھ گیا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔

مسلمان کم تھے۔ بہت کم۔ لیکن کمال جیداری اور جوش سے لڑ رہے تھے جس طرح ایرانی انہیں قتل کر ڈالنے کا عزم صمیم کر کے آئے تھے۔ اسی طرح انہوں نے بھی ایرانیوں کو مار ڈالنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چونکہ متخاصمین کا مطمح نظر ایک ہی تھا۔ اس

بڑے جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی۔ سعدؓ نے محاصرہ کرتے ہی ایک لشکر جس میں دو ہزار مجاہدین اسلام تھے گرد آوری پر مقرر کر دیا تھا۔ وہ قلعہ کے ہر طرف گشت کرتا تھا جس طرف مدد کی ضرورت سمجھتا اسی طرف مدد کرتا۔ یہ لشکر شرجیلؓ کی سرکردگی میں تھا۔

اتفاق سے یہ لشکر گشت کرتا اس طرف کو نکلا۔ جنگ ہوتے دیکھ کر وہ بھی ایرانیوں پر جھپٹ پڑا۔ نہایت سختی سے حملہ کیا۔ دم کے دم میں ہزاروں ایرانیوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔

ایرانی اب بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے۔ وہ اب بھی بڑے جوش سے لڑ رہے تھے جو مسلمان ذرا بھی غافل ہوتا۔ اسے لپک کر قتل کر ڈالتے۔ در اصل ایرانی بھی بہادر تھے۔ بہادر قوم کی یادگار تھے لڑتے تھے اور خوب لڑتے تھے۔ جان دے دیتے تھے۔ مر جاتے تھے۔ مگر پسپا نہ ہوتے تھے۔ لیکن انہیں لڑانے والے ان کے سردار عیش و عشرت میں ڈوب گئے تھے۔ وہ موت سے ڈرتے تھے۔ ذرا سا دباؤ پڑنے پر بھاگ نکلتے تھے۔ سرداروں کے بھاگتے ہی لشکر بھی بھاگ جاتا تھا۔

ایسا ہی اب بھی ہوا۔ تازہ دم مسلمانوں نے افسروں پر حملہ کر دیا۔ کچھ دیر تو افسر جمے رہے لڑتے رہے۔ لیکن جب مرنے لگے۔ زخمی ہونے لگے تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بے افسر کی فوج کیا اور کیا لڑتی اس کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ پسپا ہوئے مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر نعرہ تکبیر لگا کر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ تمام سابقہ حملوں سے سخت ہوا۔ ہر مسلمان جوش میں بھر گیا تھا۔ ایرانیوں کے پسپا ہونے سے انکے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ انھوں نے ہر محاذ پر ایرانیوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اس قدر جدال و قتال کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کا دریا بہہ گیا۔ اب ایرانی خوفزدہ ہو گئے۔ وہ بھاگے ایک دم پشت دے کر بھاگے۔ بے اوسانی اور بے ترتیبی سے بھاگے۔ مسلمان انکے تعاقب میں ایسے نہیں دوڑے۔ نہایت تیزی سے دوڑے۔ مارتے کاٹتے ایرانیوں کے پیچھے لگے چلے گئے اتنے میں کہ ایرانی قلعہ کے اندر داخل ہوں۔ انھوں نے ان کا آدھے سے زیادہ لشکر قتل کر دیا۔ قلعہ کی فصیل پر جو ایرانی کھڑے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ جب انھوں نے ایرانیوں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو تعاقب میں آتے دیکھا تو ان کے دل ڈوب گئے۔ حوصلے پست ہو گئے وہ

فصیل سے پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے ایک سردار نے قلعہ کی بلندی سے ایرانی علم اتار کر اس کا سفید جھنڈا لہرا دیا۔ مسلمانوں نے اس جھنڈا کو دیکھا انھوں نے فوراً جنگ بند کر دی۔ تلواریں چوم چوم کر میانوں میں ڈالیں اور جوش مسرت سے بے خود ہو کر اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ فوراً ایک سوار سعدؓ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ سعدؓ نے تمام لشکر لیکر اس طرف سے آئے۔ قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسلامی لشکر فاتحانہ انداز سے قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ اور قلعوں کی طرح یہ قلعہ بھی اندر سے معمولی ہوگا۔ مگر جب قلعہ کے اندر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نہایت شاندار قلعہ ہے۔ بہترین عالی شان عمارتیں بنی ہوئی تھیں جو کہ نہایت کشادہ تھیں بھیرہ شیر میں عمارتیں نہایت نفیس اور آبادی بڑے قرینہ سے تھی۔ بات یہ تھی کہ شاہ کسریٰ چھ ماہ مدائن میں دجلہ کے اس پار رہتا تھا اور چھ ماہ بھیرہ شیر میں اس پار رہا کرتا تھا۔ بادشاہ کے رہنے کی وجہ سے قلعہ نہایت آراستہ و پیراستہ رہتا تھا۔ جب مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایرانی لشکر کا ایک سوار بھی کہیں نظر نہ آیا۔ شہری لوگ البتہ موجود تھے۔ جو خوف زدہ تھے بعض اپنی قسمت پر رو رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تمام ایرانی لشکر خفیہ راستوں سے مدائن بھاگ گیا۔ سعدؓ رحمدل تھے۔ انھوں نے حکم دیا کہ کسی ایرانی سے تعرض نہ کیا جائے کسی گھر کو نہ لوٹا جائے۔

یہ اسوقت کا ذکر ہے جبکہ تمدن ابتدائی حالت میں تھا۔ جب دشمنوں سے بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ فاتح قوم مفتوح قوم کے بچہ بچہ کو قتل کر ڈالتی تھی جھلہ چھلہ لوٹ لیتی تھی، گھروں کو آگ لگا کر آبادی کو ویران کر دیتی تھی۔

آج ہی جبکہ تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا ہے۔ یورپ کو اپنی تہذیب پر ناز ہے فاتح قوم مفتوح قوم کو بالکل کچل ڈالتی ہے۔ تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ سعدؓ نے قصر شاہی میں قیام کیا لشکر چھاؤنی میں مقیم ہوا۔ تین دن دم لیکر سعدؓ مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔

اکیسواں باب

انتباہ

یزدگرد سخت پریشان تھا۔ غمزدہ تھا۔ مسلمان قلعہ پر قلعہ، شہر پر شہر فتح کرتے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ ہر محاذ پر ایرانیوں کو ہزیمت ہو رہی تھی۔ جانباز افسر مارے جا رہے تھے لیکن جس پر وہ ہزار جان سے شیدا تھا۔ بھگا دی گئی تھی۔ شاہی خاندان کی مستورات کو حلوان بھیجدیا گیا تھا قصر شاہی کی چہل پہل جاتی رہی تھی۔ ویرانی اور بربادی! اپنا بھیانک چہرہ دکھانے لگی تھی۔ مہران اسے تسلی دیتا تھا۔ اس دل بہلانے کی سعی کرتا تھا۔ لیکن غمزدہ یزدگرد کا دل کسی طرح نہ بہلتا تھا اب وہ پچھتاتا کہ کیوں اس نے مسلمانوں کو ستا کر سارے عجمیوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ جب اس نے مسلمانوں پر دست ستم دراز کیا جب مسلمانوں نے اس سے فریاد کی تھی اس وقت وہ یہ نہ سمجھتا تھا کہ مسلمان دور دراز کی مسافت طے کر کے اپنے بھائیوں کی مدد کو آئیں گے اور اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے اسے اپنی قوت و شوکت پر بھروسہ تھا۔ جانتا تھا کہ ساسانی حکومت نہایت مستحکم اور زور آور ہے۔ ایرانیوں کی دھاک روئے زمین پر بیٹھی ہوئی ہے۔

ہر حکومت ان سے ڈرتی ہے عربوں کی کیا مجال ہے کہ اس پر حملہ کریں اگر حملہ بھی کریں گے تو منہ کی کھائیں گے لشکر کی کثرت۔ مال کی بہتات صد ہا سالہ حکومت کی رعونت نے اسے یقین دلا رکھا تھا کہ وہ ہر اس قوم کو پیس ڈالے گا۔ جو اس پر حملہ کرے گی۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسلمانوں کی سفارت آئی۔ تو اس نے فخر و غرور میں بھر کر سفیروں کی ہر بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور رستم کو حکم دیا تھا کہ وہ قادسیہ میں جا کر مسلمانوں کو کچل ڈالے لیکن بہت جلد اسے اپنی غلطی معلوم ہو گئی۔ اب اسے اپنا اپنی حکومت کا۔ اپنی قوم کا۔ اپنے ملک کا انجام تاریک نظر آنے لگا تھا۔ بدبختی روز بروز بڑھتی گئی۔ روزانہ دلشکن خبریں آ رہی تھیں وہ ابیلا کو قید کر کے اسے بالکل بھول گیا تھا۔ غم و پریشانی کے ہجوم نے اسے ابیلا کا خیال ہی نہ آنے دیا۔ حالانکہ اسکی بے گناہی ثابت ہو گئی تھی۔ تقریباً دو ماہ

کے بعد رات کے وقت جب وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقیہ اسے ایلا یاد آئی وہ پشیمان ہو کر گھبرا کر اٹھا جس کمرہ میں ایلا قید تھی اس میں پہنچا۔ اس نے ایلا کو دیکھا ایلا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا غم و فکر نے گھلا کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا چہرہ کی رونق جاتی رہی تھی۔ رخسارے پچک گئے تھے ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ آنکھیں حلقوں کے اندر گھس گئی تھیں۔ یزدگرد کو دیکھتے ہی وہ اٹھی۔ اس نے کہا۔ اے شہنشاہ عجم میں بے قصور ہوں۔ بالکل بے خطا مجھ پر رحم کرو تو مجھے رہا کر دو۔ یا قتل کرا دو۔ میں تنہائی کی مصیبت نہیں برداشت ہو سکتی۔ تنہائی کی قید بدترین مصیبت ہے۔

یہ کہتے ہی وہ رونے لگی۔ افسردہ رخساروں پر آنسوؤں کا دریا جاری ہو گیا۔ یہ وہی ایلا ہے جو یزدگرد کو خوش کرنے کے لئے ذلیل سے ذلیل اور کمینہ سے کمینہ کام کرتی تھی۔

جبکہ نیلے قید تھی۔ ایلا اس کی نگرانی کرتی تھی۔ یا آسیہ قید کر دی گئی تھی اور ایلا کو اس کی حفاظت کا کام تفویض ہوا تھا۔ تو ایلا کو احساس نہ ہوا تھا کہ قید میں کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ اب جبکہ وہ قید ہو گئی تو اسے محسوس ہوا کہ قید و بند کی تکلیف تمام تکلیفوں سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

یزدگرد نے کہا۔ تو واقعی بے قصور ہے۔ مجھے تحقیق ہو گیا ہے میں نے تجھ پر ظلم کیا ہے کیا تو میرے بدسلوکی کو بھول جائے گی۔

ایلا جیل خانہ سے رہا ہونا چاہتی تھی۔ اس نے کہا بھول جاؤں گی بالکل بھول جاؤں گی بلکہ بالکل بھول گئی ہوں اور حضور جو خدمت میرے سپرد کریں گے۔ میں نہایت ایمانداری سے نہایت وفاداری اور دیانتداری سے انجام دوں گی۔ میرے حضور میرے سرکار مجھے اس جیل خانہ سے نکالئے۔ یزدگرد نے چابی نکالی۔ تالا کھولا۔ جنگلہ کھینچا ایلا جلدی سے باہر نکل کر یزدگرد کے قدموں پر گر پڑی۔ یزدگرد نے کہا۔ ایلا اٹھو! تم پھر اپنے عہدہ پر بحال کی جاتی ہو۔ اپنے مفوضہ کام کو اسی طرح انجام دینا جس طرح پہلے دیا کرتی تھیں آؤ میرے ہمراہ آؤ۔

یزدگرد چلا، ایلا پیچھے چلی۔ دونوں خوابگاہ کے کمرہ میں پہنچے۔ یزدگرد نے کہا۔ ایلا پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ کم بخت مسلمانوں نے میرا سارا عیش منغص کر دیا ہے کاش میں تمام عربوں کو دریائے دجلہ میں ڈبو سکتا۔

ابیلا کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا واقعات ہو گئے ہیں اور کیا ہو رہے ہیں۔ اس کی دنیا جدا گانہ تھی۔ دنیا کے واقعات کا تو کیا اسے قصر کے واقعات کا بھی کچھ علم نہ تھا۔ اس نے کہا۔ حضور فکر نہ کیجئے۔ آپ عربوں کو ضرور دریائے دجلہ میں ڈبو سکیں گے۔ مگر وہ یہاں تک آنے ہی نہ پائیں۔

یزدگرد نے کہا۔ ابیلا آ گئے وہ بہرہ شیر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔

ابیلا نے حیرت سے بادشاہ کو دیکھ کر کہا۔ کیا عربوں کو اس قدر جرأت ہو گئی ہے۔

یزدگرد۔ ہاں ان کی جسارت ایرانیوں کی پیہم شکست نے بہت کچھ بڑھا دی ہے مجھے اندیشہ ہے کہیں بہرہ شیر بھی فتح نہ ہو جائے لیکن اس بات کو جانے دو۔ تم باتدبیر ہو۔ آنے والے خطرات کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ ابیلا تجھے۔ وزیر کی دختر یاد ہے۔

ابیلا۔ پیر مرشد یاد ہے مراجل نہایت خوبصورت لڑکی ہے۔ کیا حضور کو اسکا کچھ پتہ چلا ہے؟

یزدگرد۔ اگر پتہ چلتا تو وہ آج قصر شاہی میں ہوتی۔ اگرچہ شاہی خاندان کی عورتوں کے ساتھ اسے بھی حلوان جانا پڑتا۔ . . .

ابیلا نے قطع کلام کر کے دریافت کیا۔ کیا شاہی خاندان حلوان چلا گیا؟

یزدگرد۔ ابیلا! میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تمام عورتوں کو حلوان بھیج دوں جب اطمینان سے بیٹھوں گا پھر بلوا لوں گا لیکن مراجل . . .

ابیلا نے کہا۔ مراجل کو میں ڈھونڈھ نکالوں گی میں اسے پھر قصر شاہی میں لاؤں گی۔

یزدگرد۔ شاباش ابیلا اگر تم اسے لاؤ گی تو مالا مال کر دی جاؤ گی۔

ابیلا۔ میں لاؤں گی اور ضرور لاؤں گی . . . .

کبھی نہ لا سکے گی۔ ایک آواز آئی۔ دونوں حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگے پہلو کے دروازہ سے ایک سفید پوش ہستی نمودار ہوئی جو آہستہ آہستہ بڑھ کر یزدگرد کے سامنے آ کھڑی ہوئی اسے یزدگرد اور ابیلا نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے اپنے چہرہ پر پڑا ہوا نقاب اتارا۔ دونوں نے دیکھا۔ وہ ملکہ پوران دخت تھی۔ دونوں اسے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔

ملکہ نے کہا۔ بد قسمت بادشاہ یہاں تک تو نوبت آ چکی ہے کہ ملک کا کثیر حصہ قبضہ سے نکل گیا مسلمان دار السلطنت کے سامنے پہنچ گئے۔ رعایا تباہ ہو گئی۔ ساسانی حکومت

خطرہ میں پڑ گئی اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ اگر یہی عیش پرستی ہے تو سلطنت ہاتھ سے جانے میں کوئی شبہ نہیں۔ یزدگرد نے کہا۔ اگر حکومت جانے والی ہے جا کر رہے گی۔ تباہی آنے والی ہے ضرور آئے گی۔ پھر کیوں آئندہ کی دھمکیوں میں موجودہ عیش کو ضعف کریں۔

پوران دخت۔ لعنت ہے تم پر۔ اور تمہارے ان خیالات پر تم ننگ خاندان پیدا ہوئے ہو۔ ایران کی صدہا سالہ حکومت کو خاک میں ملانا چاہتے ہو تم نے قوت بازو سے حکومت نہیں لی ہے اس لئے اس کی قدر نہیں کرتے۔ یزدگرد پچھتاؤ گے۔

یزدگرد کو بڑا غصہ آیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے طیش بھرے لہجہ میں کہا۔ ملکۂ عالم اگر میرے دل میں تمہارا احترام نہ ہوتا تو میری تلوار تمہاری گردن اڑا دیتی۔ میں تم کو تنبیہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی گفتگو نہ کرنا۔

ملکہ۔ آئندہ گفتگو کرنے کا موقع ہی نہ آئے گا۔ میں آج مدائن سے چلی جاؤں گی۔ صبح تم سن لو گے کہ مسلمانوں نے بہرہ شیر فتح کر لیا ہے اور پھر تم بھی بھاگ جاؤ گے۔ فتح و شکست مقدر سے ہے۔ لیکن افسوس تم ایک معرکہ میں بھی شریک نہ ہوئے۔ آنے والی نسلیں تم کو برائی سے یاد کریں گی۔ خیر جو کچھ ہو گا بھگتو گے۔ میں صرف یہ کہنے آئی تھی کہ مراجل کے پیچھے نہ پڑو۔ گھر میں آگ نہ لگاؤ۔ مراجل کی پشت پر تمام انقلاب پسند ہیں۔

یزدگرد نے قطع کلام کر کے کہا۔ اور تم انقلاب پسندوں کی پشت پناہ ہو۔

ملکہ۔ نہیں میں نے کبھی ان کی مدد نہیں کی۔ ہمیشہ ان کو تمہارے خلاف سازش کرنے سے روکا۔ تمہارے مشیروں نے اپنی حماقت سے ان کو ہر مرتبہ برانگیختہ کر دیا۔ اب ان کو نہ چھیڑو مراجل کو بھول جاؤ۔

یزدگرد نے جوش میں آ کر کہا۔ کبھی نہیں بھول سکتا۔ کل ہی وہ میرے قصر میں موجود ہو گی کیوں ایبلا۔ ایبلا نے سر تسلیم خم کر کے کہا بیشک۔

ملکہ نے حقارت آمیز نظروں سے یزدگرد کو دیکھ کر کہا۔ تم کبھی اسے نہ پا سکو گے کوشش کر دیکھو اپنی تباہی کی کوشش کرو۔ ایک ہی دو دن میں قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔

یہ کہتے ہی ملکہ چلی گئی۔ یزدگرد نے ایبلا سے کہا۔ ایبلا اب جا کر آرام کرو۔ اور کل ہی سے اس کی تلاش شروع کر دو۔ جس وقت وہ مل جائے فوراً اسے قصر میں لے آؤ۔ ایبلا نے بہت خوب کہا۔ اور چلی گئی۔ یزدگرد بھی مسہری پر دراز ہو گیا۔ ملکہ نے جو

کچھ کہا تھا۔ وہ اس کی بدبختی کی شرح تھی۔ تباہی کی پیشین گوئی تھی۔ اُسے ہولناک خیالات نے آن دبایا۔ دیر تک بڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ آدھی رات کے بعد نیند نے اس پر غلبہ کیا۔ اور وہ سو گیا۔ صبح بیدار ہوا تو ابیلا کو موجود پایا۔ اس نے دریافت کیا ابیلا کیا بات ہے۔ کیا تم کہنے آئی ہو!

ابیلا نے جواب دیا۔ عالیجاہ مہران باریاب ہونا چاہتے ہیں۔

یزدگرد نے کہا آج کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ جو مہران صبح سویرے ہی آیا ہے جاؤ اُسے فوراً ہی بھیج دو۔ ابیلا چلی گئی۔ یزدگرد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں مہران آیا۔ اُس نے نہایت ادب سے سلام کیا۔ یزدگرد نے سر کے اشارہ سے سلام لیکر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ آنکھیں غم و فکر میں ڈوبی ہوئی تھیں اُس نے دریافت کیا مہران کیا کوئی نئی بات ہے۔

مہران نے افسردگی سے کہا۔ عالیجاہ بہرہ شیر بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی یزدگرد پر گویا بجلی گری۔ اس کا چہرہ فق پڑ گیا۔ آنکھیں غم والم میں ڈوب گئیں۔ اس نے لمبا سانس لیکر کہا۔ آہ بدبختی تباہی آکر رہے گی۔

مہران نے کہا۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہمارے پاس کافی لشکر ہے۔ ہم دریائے دجلہ کے اس پار ہی مسلمانوں کو روک سکتے ہیں۔

یزدگرد۔ روکو جس طرح ممکن ہو ان بدبختوں کو روکو۔ مہران تمام لشکر کو مدائن سے لے جاکر دریا کے کنارے پر ڈال دو جس قدر دریا پر پل ہیں سب تڑوا دو۔ جاؤ جلدی کرو۔ میں بھی تمہارے پیچھے ہی آتا ہوں۔

مہران اور کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ واپس لوٹا اور کمرہ سے باہر نکل گیا۔ یزدگرد اٹھا۔ غسل کیا۔ شاہی لباس پہنا قصر سے باہر آیا گھوڑے پر سوار ہوا اور محافظ دستہ کو ہمراہ لے کر مدائن سے باہر نکلا۔ اس نے شہر کے سامنے دریتے میدان کو اپنے لشکر سے لبریز دیکھا۔ مدائن سے دریائے دجلہ تک انسانوں کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔ اس قدر لشکر دیکھ کر وہ خوش ہوا۔ خوش ہو کر آگے بڑھا۔ اس کے لشکر نے اسے دیکھا۔ شاہ عجم زندہ باد۔ کے نعرے لگائے۔ تمام میدان نعروں سے گونج اٹھا ایرانی لشکر نفیس کپڑے پہنے پوری شان سے دریا کے کنارے صف بستہ کھڑا تھا۔ سپاہیوں کی ریشمی وردیاں۔ افسروں کے زرِ نگار زیورات۔ تاجداروں کے تاج دھوپ میں چمک

رہے تھے۔

یزدگرد بڑھ کر دریا کے کنارے پہنچا۔ مہران اس کے پاس آیا یزدگرد نے اس سے دریافت کیا۔ کیا تمام پل توڑ ڈالے؟

مہران نے جواب دیا۔ ایک ایک کر کے سب پُل توڑ دیئے گئے ہیں اسلامی لشکر روانہ ہو چکا ہے لیکن ہماری خوش قسمتی سے دریا میں طغیانی آ گئی ہے۔ میں نے ساری کشتیاں بھی تباہ کرا دی ہیں۔ اب کوئی ذریعہ مسلمانوں کے اس پار آنے کا باقی نہیں رہا ہے۔

یزدگرد بھیرہ شیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بھیرہ شیر کی سربفلک عمارتیں نظر آ رہی تھیں دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی لشکر نمودار ہوا۔ یزدگرد اور تمام ایرانیوں نے فاتح لشکر کو آتے ہوئے دیکھا۔ تمام ایرانیوں نے جوش و خروش سے قومی نعرہ لگایا۔

یزدگرد نے مہران سے کہا۔ تیراندازوں کو آگے بڑھاؤ۔ لمبی صفوں میں ان کو دریا کے کنارے پر کھڑا کر دو۔!

مہران نے کہا۔ یہ تمام انتظامات پہلے ہی سے کر دیئے گئے ہیں۔ حضور کے پیچھے تیراندازوں کی صفیں ہیں!!

اسلامی لشکر آہستہ آہستہ نہایت شان و وقار سے آ رہا تھا مجاہدین جوش شجاعت سے بڑھتے آ رہے تھے۔ سب سے پہلا دستہ عاصم کی سرکردگی میں آ کر دریا کے دوسرے کنارہ پر رکا۔ عاصم کے ساتھ نبید۔ جعفر۔ جوثماہ اور ہرمزان تھے۔ اس کے بعد دوسرے سردار آ آ کر رکتے چلے گئے۔ یہانتک کہ تمام اسلامی لشکر آ گیا۔ دونوں لشکروں کے درمیان میں دریائے دجلہ حائل تھا۔ دریا طغیانی پر تھا۔ اونچی اونچی لہریں اٹھتیں ساحل سے ٹکراتیں اپنا زور دکھاتیں۔

پُل تمام توڑ دیے گئے تھے۔ کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ کوئی ذریعہ دریا کو عبور کرنے کا نہ تھا۔ اس طرف مسلمان اور ادھر ایرانی اس طرف کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

بائیسواں باب

مدائن کی شاندار فتح

تمام ایرانی لشکر دریائے دجلہ کے اس پار کنارہ پر کھڑا تھا مسلمان دوسری طرف تھے۔ دریا نہایت جوش وخروش سے بہہ رہا تھا۔ یہ دریا نہایت عریض تھا بہت گہرا تھا کسی جگہ سے بھی پایاب نہ تھا۔ چونکہ آج پانی زیادہ چڑھ آیا تھا۔ اونچی اونچی موجیں اٹھ اٹھ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس لئے کسی کو دریا میں اترنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سعدؓ نے دور تک دریا کو دیکھا اس کے کنارہ جا کر معائنہ کیا۔ کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں سے لشکر آرام واطمینان کے ساتھ پار ہو سکے جس قدر پل تھے وہ تمام ایرانیوں نے توڑ ڈالے تھے۔ سعدؓ حیران تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں کس طرح دریا کے پار پہنچیں۔ ایرانی دوسرے کنارہ پر صفیں مرتب کئے کھڑے مسلمانوں اور ان کی نقل وحرکت کو دیکھ رہے تھے دریا کی طغیانی۔ پانی کی زیادتی موجوں کے تلاطم نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ مسلمان کسی طرح بھی دریا کو عبور نہیں کر سکتے ایرانی اس بات سے خوش ہو رہے تھے کہ دریا نے مسلمانوں کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ خوش ہو ہو کر قومی نعرے لگا رہے اور زور زور سے طبل جنگ بجا رہے تھے۔ تمام میدان بلکہ ساری فضا مختلف آوازوں سے گونج رہی تھی۔ سارا مدائن مسلمانوں کے دیکھنے کے لئے امنڈ آیا تھا۔ تماشائی لشکر سے فاصلہ پر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے سب کو یہ اطمینان تھا کہ مسلمان دریا کے اس پار کسی طرح نہیں آ سکتے!!

دریائے دجلہ نے گویا ایرانیوں کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ دور دور سے پانی کو کھینچ کھینچ لا رہا تھا۔ شور کرتا ہوا۔ مسلمانوں کو ڈبو دینے کی دھمکی دیتا ہوا نہایت جوش سے بہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی موجیں اٹھ کر پانی کو ساحل سے باہر پھینک دیتی تھیں ایرانی خوش ہو رہے تھے سمجھ رہے تھے کہ یزدان نے ان کی مدد کے لئے دریا میں طغیانی کو بھیج دیا ہے۔

سعدؓ دور تک گھوڑا دوڑاتے دیکھ رہے تھے ہر جگہ پانی کا زور یکساں تھا موجیں ایسی زبردست اُٹھ رہی تھیں کہ گھوڑے تو گھوڑے ہاتھیوں کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیں۔

سعدؓ کو بیماری کی شفا ہو چکی تھی۔ وہ بالکل تندرست ہو گئے تھے اگرچہ وہ ضعیف العمر تھے مگر ان میں جوش زیادہ تھا۔ وہ جس طرح بھی بنے دریا کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے عاصم بن عمرو کو جو سفیر بن کر دربار ایران میں گئے تھے بلا کر کہا میں دریا کے کنارہ پر پڑ کر طغیانی دور ہونے کا انتظار کرنا نہیں چاہتا۔ اگر پل توڑ ڈالے گئے کشتیاں تباہ کر دی گئیں تو پرواہ نہیں ہے میں دریا کو گھوڑوں پر عبور کرنا چاہتا ہوں۔

عاصم بن عمرو نے حیرت سے سعدؓ کو دیکھ کر کہا۔ گھوڑے طوفانی امواج کا مقابلہ کر سکیں گے؟

سعدؓ نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا۔ ہم یا ہمارے گھوڑے کچھ نہیں کر سکتے جو کچھ کرے گا خدا کرے گا۔ دریا میں طغیانی بلاوجہ نہیں ہے خدا ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ ہم دریا سے۔ دریا کی طغیانی سے۔ موجوں کے تلاطم سے ڈر کر اس پار رہتے ہیں یا خدا پر بھروسہ کر کے دریا میں کود کر پار اترتے ہیں ہم امتحان دیں گے کامیابی خدا کے ہاتھ ہے۔

عاصم۔ بس تو بسم اللہ کیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

سعدؓ۔ میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ جب لشکر اسلام دریا میں کود یگا اور دوسرے کنارہ کے قریب پہونچے گا تو ایرانی تیروں سے استقبال کریں گے چونکہ ہم پانی کا مقابلہ کر رہے ہوں گے اس لئے ایرانیوں کے تیروں کا جواب نہ دے سکیں گے لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم چھ سو تیر اندازوں کو لیکر اس طرف ایک لمبی صف میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور جب یہ دیکھو کہ ایرانی ہم پر تیر اندازی کرنے لگے ہیں تو تم اس کثرت سے ان پر تیر برساؤ کہ وہ یا تو ساحل سے دور ہٹ جائیں یا تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں۔

عاصم۔ ایسا ہی ہوگا۔

خود سعدؓ نے چھ سو تیر اندازوں کو منتخب کر کے عاصم کے سپرد کیا اور چونکہ دریا

کے کنارہ پر دور تک لشکر پھیلا ہوا تھا اس لئے نقیبوں کے ذریعہ سے تمام سرداراور سارے افسروں کو خبر پہنچادی کہ تمام لشکر دریا میں کود کر پار اُترنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ سارے مسلمانوں نے سالار اعظم کے اس حکم کو تعمیل کے لئے تیار ہو گئے۔ آج کتنے ایسے راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ جو قرون اولے کے مسلمانوں کی نقلیر کرنے کو تیار ہو جائیں شاید ایک بھی نہیں اگر آج کسی ایسے موقع پر ان کا کوئی قائد اعظم انہیں ایسا ہی کرنے کا حکم دے تو وہ قائد اعظم کو مجنون۔ فاتر العقل کوتاہ اندیش اور خدا جانے کیا کیا کہنے لگیں؟ خدا پر عدم اعتمادی، ایمان کی کمزوری دنیا کی محبت۔ موت کا خدشہ اس کے باعث ہیں۔

قرون اولے کے مسلمان کبھی موت سے نہ ڈرے۔ ہمیشہ موت کو یاد رکھا عیش و عشرت کے خوگر نہ ہوئے۔ جفاکشی کرتے رہے۔ خدا پر اعتماد رکھا انہوں نے ایسے محیر العقول کام کئے۔ جو آج تاریخوں کے صفحات میں جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور جن کو پڑھ کر اور سن کر اقوام عالم حیران رہ جاتی ہیں۔ دنیا کی موجودہ اقوام موجودہ مسلمانوں کو دیکھ کر ان کے بزرگوں کے کارنامے محض دماغی اختراع سمجھتی ہیں وہ مقابلہ کرتی ہیں آج کل کے مسلمانوں کا قرون اولے کے مسلمانوں سے گویا موجودہ مسلمانوں میں بھی وہی جوش و خروش وہی ذوق جہاد دیکھنا چاہتی ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے تھا۔ لیکن نہیں سمجھتیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی دوسری اقوام کی طرح عیش پسند ہو کر آبائی جوش و خروش کے ذوق کو خیر باد کہہ بیٹھے ہیں۔ جو قوم عیش و عشرت میں غرق ہو جاتی ہے اسکی تمام خوبیاں زائل ہو جایا کرتی ہیں۔

دنیا کی محبت خدا تک کو بھلادیتی ہے آج مسلمان بھی اسی راستہ پر گامزن ہیں ان کے تمام جوہر زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ مگر یہ زنگ دور ہو سکتا ہے۔ اگر قرآن شریف پر پورا پورا عمل شروع کر دیں۔ احادیث کو مشعل راہ ہدایت بنائیں آج بھی تمام اقوام سارے تاجداران کے سامنے جھک جائیں ان کی وہی قدر و منزلت ہو جائے جو قرون اولے کے مسلمانوں کی تھی۔ جب سعدؓ نے تمام لشکر کو آمادہ دیکھا تو دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر عجز الحاح کے ساتھ کہا۔ خدایا ہم جو تیری پرستش کرتے ہیں۔ تجھے شاہ رگ سے قریب جانتے ہیں۔ تیرے بندوں کو تیرے سامنے جھکانے کا جذبہ لئے پھرتے ہیں۔ تیرے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ ہر

خیر و شر تیری طرف سے سمجھتے ہیں۔ تیرا نام لے کر تیری امداد و اعانت کے بھروسہ پر اس بے انتہاء دریا میں کودتے ہیں طوفان خیز امواج کا مقابلہ کرتے ہیں ہماری امداد کر اور ہمیں دریا کے اس پار پہنچا کر فتح و نصرت عطا فرما۔ پاس کھڑے ہونے والوں نے اس دعا پر آمین کہی سعدؓ نے گھوڑا دریا کی طرف بڑھایا۔ تمام اسلامی لشکر کو حرکت ہوئی۔ سب کنارہ پر پہنچ گئے۔ سعدؓ نے بلند آواز سے کہا۔ نستعین باللہِ وَنتوکلُ علیہِ وحسبُنا اللہُ ونعمَ الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ترجمہ۔ (”فتح اللہ کی طرف سے ہے وہی بھروسہ کے قابل ہے اللہ کافی ہے وہی اچھا مددگار ہے کوئی قوت نہیں ہے اللہ بڑی ہی قدرت والا ہے“) یہ کہتے ہی انھوں نے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ فوراً گھوڑا دریا میں جا کودا۔ انکے دریا میں کودتے ہی تمام افسر سارے سردار کود پڑے سرداروں کے پیچھے ہی تمام لشکر کود پڑا مسلمانوں کے دریا میں کودتے ہی اونچی اونچی موجیں دب گئیں۔ دریا ساکن ہو گیا۔ البتہ گھوڑوں کے کودنے کی وجہ سے جو خفیف لہریں اٹھتی تھیں وہ دوسری لہروں میں مل کر معدوم ہو جاتی تھیں۔ تمام لشکر دریا میں اتر کر نہایت ہی اطمینان۔ بڑی شان۔ بڑے دبدبہ کے ساتھ دوسرے کنارہ کی طرف تیرنے لگا مسلمان اس بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے باگیں پکڑے ہوئے تیرتے چلے جا رہے تھے۔ گویا کہ وہ زمین پر چل رہے ہیں۔ سعدؓ کے ہاتھ میں اسلامی علم تھا۔ نہایت دبدبہ کے ساتھ لہراتا ہوا دریا میں جا رہا تھا۔ ایرانی دوسرے کنارہ پر کھڑے نہایت حیرت۔ کمال استعجاب۔ بڑے تعجب سے مسلمانوں کو تیرکر آتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جس وقت مسلمان منجدھار میں پہنچیں گے۔ پانی ان سب کو بہالے جائیگا۔ مگر جب وہ منجدھار کو بھی عبور کر گئے تو ایرانیوں کو کمال حیرت ہوئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شیران اسلام کو دیکھنے لگے ایرانی لشکر کا سپہ سالار خرزاد تھا۔ نہایت بہادر اور مشہور آدمی تھا اس نے ایرانیوں کو تیراندازی کا حکم دیا۔ فوراً ایرانیوں نے تیراندازی شروع کر دیکہ۔ عاصم نے جو دریا کے دوسرے کنارہ پر کھڑے تھے اپنے ہمراہیوں کو تیراندازی کا اشارہ کیا۔ مسلمانوں نے کمانیں کھینچیں تیر جوڑے اور ایک ساتھ اس طرح چلائے گویا وہ ایک کمان سے نکلے ہیں۔

مسلمانوں کے تیروں نے ایرانیوں کو گھبرا دیا وہ پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں کے تیر وہاں
بھی انکو نقصان پہنچانے لگے۔ وہ اپنے بچاؤ کی فکر میں لگ گئے جو مسلمان دریا میں
تیر کر آ رہے تھے ان پر تیر برسانے بھول گئے۔ حضرت سعدؓ اور تمام اسلامی لشکر
نہایت اطمینان سے برابر تیر رہے تھے۔ دریا میں کودتے ہی انھوں نے صفیں قائم
کر لی تھیں وہ ایسے ضبط و نظم کے ساتھ تیر رہے تھے ان کے میمن و یسار میں بھی
فرق نہ آیا تھا سب سے تحیر خیز بات یہ ہوئی کہ نہ کوئی سوار ڈوبا۔ نہ کوئی چیز گری
نہ کوئی اور حادثہ پیش آیا۔ البتہ ایک سوار کا چوبی کاسہ جو پانی پینے کا تھا جس چرم
میں وہ بندھا تھا وہ ٹوٹ کر دریا میں گر گیا۔ اس سوار کو پیالہ گر جانے کا بڑا افسوس
ہوا۔ اس نے کہا کسی کی کوئی چیز اب تک ضائع نہیں ہوئی ہے صرف میرا پیالہ گرا
ہے خدا کی ذات سے مجھے امید ہے کہ میرا پیالہ بھی گم نہ ہوگا بلکہ مل جائے گا۔ خدا کی
شان ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ پیالہ مل گیا۔ عاصم کے ہمراہیوں نے اس زور سے
تیر اندازی کی کہ ایرانی اپنی تیر اندازی بھول کر اپنے بچاؤ کی فکر کرنے لگے مجاہدین اسلام
کو اس سے بڑی مدد ملی۔ وہ بے خوفی سے تیرتے رہے۔ جب وہ دوسرے کنارے
کے قریب پہنچے تو یزدگرد نے کہا۔ یہ عرب انسان ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ایسے تلاطم خیز
دریا کو جیسا دجلہ ہے تیر کر عبور کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ مہران اسکے قریب
کھڑا تھا اس نے کہا۔ ایشان کہ بیحد بے پروا مے آیند مگر جن و آسیب بود وہ پادشاہ
(ترجمہ۔ جو اس بے پروائی سے آ رہے ہیں۔ انسان نہیں جن و آسیب ہیں) یزدگرد
نے کہا۔ تم ان لوگوں کو دریا کے کنارہ ہی پر روکو میں مدائن جاکر شہر کا بندوبست
کرتا ہوں لیکن میرے یہاں سے جانے کی خبر لشکر کو نہ ہو ورنہ تمام ایرانی بد دل ہو
جائیں گے۔ مہران نے کہا آپ شوق سے جائیے آپ کے جان نثاران ان مٹھی بھر
مسلمانوں کو دریا سے نکلتے ہی کاٹ کر ڈال دیں گے۔

یزدگرد چلا گیا۔ اس پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جو قوم
بے تکلفی سے بحر ذخار جیسے دریا کو تیر کر عبور کر سکتی ہے اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم
نہیں کر سکتی اسے ایرانیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کا یقین کامل ہو گیا تھا۔
عاصم کے ہمراہی ابھی تک لڑ رہے تھے ایرانی ان تیروں سے بچنے کے لئے ساحل
سے پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ جب مسلمان کنارہ کے قریب پہنچے تو تمام ایرانیوں پر

ان کی بے نظیر جرات و ہمت کی دہاک بیٹھ گئی۔ وہ دیوآن آمدند۔ دیوان آمدند۔ (ترجمہ۔ دیو آگئے۔ دیو آگئے!!) کہتے ہوئے کنارہ سے دور ہٹتے چلے گئے۔ اب مسلمان دریا سے نکل نکل کر خشکی پر پہنچنے لگے۔ گھوڑے دم اور ایال ہلا ہلا کر ہنہنا ہنہنا کر خوشی کا اظہار کرنے لگے دوسرے کنارہ پر پہنچتے ہی سعد نے فتح دربتہ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر عام حملہ کا اعلان کر دیا۔ تمام مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس نعرہ کی زوردار آواز سے دشت و جبل میں گونج پیدا کر دی مدائن کے قلعہ کی آواز لرز گئی۔ ایرانی کانپ گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ نعرہ لگاتے ہی مسلمانوں نے عام حملہ کر دیا۔ نہایت جوش، پوری قوت اور بڑی سرگرمی سے حملہ کیا۔ تلواریں تڑپ کر میانوں سے نکلیں بجلی کی طرح کوندیں اور ایرانیوں کے سر و سینہ میں در آئیں ایرانیوں نے بھی تلواریں کھینچ کر مقابلہ شروع کر دیا جنگ شعلوبہ شروع ہو گئی ایرانی سنگی چٹانوں کی طرح ڈٹ گئے۔ انھوں نے بھی مسلمانوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ چونکہ دونوں فریق جوش میں تھے دونوں گتھ گئے تھے دونوں کی تلواریں تیزی سے کاٹنے لگی تھیں اس لئے دم کے دم میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہزاروں جانباز کٹ کٹ کر خاک و خون میں لوٹنے لگے سر ٹھوکریں کھانے لگے۔ ہاتھ پیر اور دھڑ پایوں میں روندے جانے لگے خون کا دریا بہنے لگا۔ آفتاب نے اپنی روشنی میں خون آشام منظر دیکھا مسلمان بڑے جوش و خروش میں تھے۔ نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ سر جھکائے مصروف قتل تھے۔ ہر مسلمان سامنے والے ایرانی کو قتل کر کے دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتا تھا۔ گویا وہ کسی بیش قیمت چیز کو لوٹنے کے لئے دوڑ رہا تھا در اصل وہ ایرانیوں کو قتل کر کے ثواب لوٹ رہے تھے۔ جہاد سے زیادہ ثواب بھی کیا ہے خوش قسمت تھے وہ لوگ کہ جو فرمان خداوندی کے بموجب لڑ کر دشمنوں کو قتل کر کے اپنی عاقبت سنوار رہے تھے ایرانی ایک ایک انچہ زمین کے لئے نہایت سرفروشی سے لڑ رہے تھے بڑی جیداری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر ان میں وہ جوش و خروش نہ تھا جو مسلمانوں میں تھا لڑتے تھے ہمت کرتے حملہ کرتے تھے لیکن جب ان پر حملہ ہوتا تھا تو کٹ کر گر پڑتے تھے لیکن ایرانی زیادہ تھے بہت زیادہ۔ اگر ایک ایرانی مارا جاتا تھا دوسرا اسکی جگہ پر آنے کے لئے تیار

ہوتا تھا۔ سعدؓ ایک ہاتھ میں اسلامی علم لئے نہایت بہادری۔ بڑی جیداری۔ کمال
جوش سے لڑ رہے تھے وہ جس پر حملہ کرتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے جس طرف
حملہ کرکے جاتے صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے ایرانی حیرت سے انکو دیکھ رہے تھے انکے
سن و سال انکی ضعیف العمری کو دیکھکر خیال کرتے تھے کہ یہ کیا لڑ سکیں گے۔ مگر جب
وہ شیر کی طرح حملہ کرتے تو ہر حملہ میں ایک دو ایرانیوں کو مار ڈالتے جس سے انکی
حیرت بڑھ جاتی۔ اپنے سپہ سالار کو اس طرح لڑتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کا جوش
المضاعف ہو رہا تھا۔ وہ بڑی سرگرمی۔ بڑی جانبازی۔ بڑی دلیری سے لڑ رہے
تھے۔ ہر مسلمان کی یہ آرزو تھی کہ وہ تنہا تمام ایرانیوں کو مار ڈالتے۔ عاصم عبید۔
جعفر۔ ہرمزان گھوڑوں کی کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے بڑی بے جگری بڑی سرفروشی
سے لڑ رہے تھے جس طرف ان کا رخ ہو جاتا کشتوں کے پشتے لگا دیتے خون کا
دریا بہا دیتے صفیں اُلٹ دیتے۔ عاصم، عبید، جعفر یا دوسرے عربوں کا لڑنا
تحیر خیز نہ تھا۔ وہ عرب تھے ایرانیوں سے لڑ رہے تھے لیکن تعجب تھا تو ہرمزان کی
جنگ پر جو ایرانی ہوتے ہوئے ایرانیوں سے لڑ رہا تھا۔ سیکڑوں ایرانیوں کو کسی
وقت تک فنا کے گھاٹ اُتار چکا تھا۔ کون سی تلوار تھی جو اسکے سر پر سایہ ڈالنے کے
لئے اٹھائی ہوئی تھی۔ کون شخص تھا جو اُسے لڑنے پر مجبور کر رہا تھا وہ اب اور اب
سے پہلے آزاد رہا تھا۔ اپنی خوشی سے مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ اپنی خوشی سے دریا
میں تیر کر آیا تھا اور اپنی خوشی سے اپنی قوم سے لڑ رہا تھا۔ یہ عامیانہ خیال کہ لوگوں
کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ناواقف یا بیہودہ لوگوں کا ہے یا ان بزدلوں کا
ہے جو مسلمانوں کی صورت دیکھتے ہی لرز جاتے ہیں ڈرتے ہیں کہیں انکو تلوار دکھا کر
مسلمان نہ بنا لیا جائے۔ کس قدر احمقانہ خیال ہے کہ مسلمان تلوار کے زور سے دوسری
اقوام کو مسلمان کرتے رہے۔ گویا دنیا کی تمام قومیں بزدل تھیں۔ ڈرپوک تھیں۔ لامذہب
تھیں۔ اپنے مذہب کو کچھ نہ سمجھ کر۔ موت سے ڈر کر مسلمان ہو گئیں۔ اس احمقانہ خیال کی
اسوقت کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ جب یہ دیکھا جاتا کہ مسلمان ہونے والے پشتہا پشت
سے مسلمان ہیں نہ انکے سر پر کوئی تلوار لٹک رہی ہے نہ ہی کسی کا خوف ہے یہ مسلمانوں
اور اسلام پر ایک الزام احمق لوگ لگاتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو تاریخ عالم سے ناواقف
محض ہیں۔ یا وہ بزدل جو مسلمانوں کی تلوار کا اب بھی لوہا مانتے ہیں حالانکہ مسلمان عرصہ

ہو۔ تلوار چھوڑ چکے ہیں اب انکو تلوار چلانا تو کیا اٹھانا بھی نہیں آتا۔ مہران اور خرزاد
ایرانیوں کو جوش دلا دلا کر ابھار ابھار کر لڑوا رہے تھے۔ اتفاق سے عاصم اور ہرمزان
نے مہران پر حملہ کر دیا۔ چاروں گتھم گتھا ہو گئے بڑے جوش سے لڑنے لگے۔ ایرانی اور
مسلمان انکو لڑتا ہوا دیکھ کر پیچھے دب گئے۔ ہرمزان نے جھکائی دیکر تلوار ماری مہران
نے ڈھال سامنے کر دی۔ ڈھال کا ایک حصہ کٹ گیا۔ مہران نے جوش میں آکر وار کیا
ہرمزان نے تلوار بڑھا کر اپنی تلوار پر اسکی تلوار روکی۔ مہران کی تلوار ہرمزان کی تلوار
پر پڑی ہرمزان نے کاٹ کا اشارہ کیا۔ مہران کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ مہران نے یہ دیکھ
کر تلوار کا دستہ پھینک دیا۔ اور بھاگنا چاہا۔ ہرمزان سمجھ گیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔
بزدل مکار میں چاہوں تو تجھے قتل کر سکتا ہوں۔ لیکن آسیہ کے بھائی کو کبھی قتل نہ
کروں گا۔ یہ کہتے ہی اس نے مہران کی پیٹی میں ہاتھ ڈال کر کھینچا۔ مہران نے بھی زور
کیا۔ سنبھلنا چاہا۔ مگر نہ سنبھل سکا ہرمزان نے چھوٹے بچے کی طرح اٹھا کر اسے اپنے آگے
کھینچ کر رکھ لیا۔ ادھر عاصم نے خرزاد پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ وہ زخمی ہو کر بھاگا
اسکے بھاگتے ہی تمام لشکر بھاگ پڑا۔ مسلمانوں نے بھگوڑے ایرانیوں کا تعاقب کیا۔
انھوں نے ہزاروں ایرانیوں کو بھاگتے ہی بھاگتے مار ڈالا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام
میدان ایرانیوں سے صاف ہو گیا یا تو وہ مارے گئے یا حلوان کی طرف بھاگ گئے
انکے بھاگتے ہی سعدؓ نے تمام لشکر کو اکٹھا کیا۔ عاصم بن عمروؓ بھی اس عرصہ میں دریا عبور
کر کے اس طرف آگئے تھے وہ بھی شامل ہو گئے اب اسلامی لشکر نہایت شان کے
ساتھ مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ مدائن قریب ہی تھا۔ اسکی فصیل صاف نظر آ رہی
تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں لشکر مدائن کے سامنے جا پہنچا۔ آج مدائن کے دروازہ
پر نہ پہرہ تھا نہ پہرہ دار۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پہرہ دار غائب تھے عساکر اسلامیہ
بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہوا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں ہر وقت بازاروں راستوں
عام گذرگاہوں میں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے چہل پہل رہتی تھی۔ آج تمام سڑکیں
سارے کوچے سب بازار سونے پڑے تھے۔ ایک شخص کا بھی پتہ نہ تھا عام اداسی
برس رہی تھی۔ یہ دیکھ کر مسلمان زیادہ متاثر ہوئے ان پر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھنچ
گیا۔ بڑی عبرت ہوئی۔ سعدؓ کی زبان سے بے اختیار یہ آیات نکل گئیں۔

"کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ وَّنَعْمَةٍ

کَانُوا فِیھَا فٰکِھِیْنَ o کَذٰلِکَ وَ اَوْرَثْنٰھَا قَوْماً آخَرِیْنَ" ترجمہ بہت کچھ چھوڑ گئے باغوں سے۔ اور چشموں سے کھیتوں سے اور مقام پاکیزہ سے اور آرام کی چیزوں سے ان میں عیش کرتے اس طرح اور وارث کیا ہم نے ان کا دوسری قوم کو!!

تیئسواں باب

نادرات زمانہ

اسلامی لشکر نہایت جاہ وحشم سے فاتحانہ مدائن میں داخل ہوا تھا۔ وسیع راستوں سے گذر رہا تھا۔ سر بفلک محلات کو دیکھتا جا رہا تھا تمام بازار تمام محلات بند پڑے تھے۔ مسلمان اس عبرتناک منظر کو دیکھتے ہوئے قصر شاہی کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ اسوقت آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا ہر طرف دھوپ نہایت آب وتاب سے پھیلی ہوئی تھی۔ مجاہدین اسلام کے ہتھیار دھوپ میں چمک رہے تھے۔ سب سے آگے حضرت سعدؓ تھے اسلامی علم لئے ہوئے جا رہے تھے انکے پیچھے افسران فوج تھے افسروں کے پیچھے پیچھے عام لشکر تھا۔ مدائن کا فتح ہونا ایک عجوبۂ روزگار بات تھی۔ ایرانی بہادر تھے اور انکا لشکر بے شمار تھا جس قدر چاہتے اور لشکر فراہم کر لیتے دولت کی کمی نہ تھی خزانے بھرے پڑے تھے رسد اور آلات حرب کے خرید پر جس قدر چاہتے خرچ کر دیتے۔ مدائن ساسانیوں کا سدا بہار دار السلطنت تھا اسکے بچانے کے لئے ایرانیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا قدم قدم پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اپنی تاریخی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت بہادری سے لڑے۔ دار السلطنت کو بچانے کے لئے جو کچھ وہ کر سکتے تھے کیا لیکن کوئی کوشش کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ حملہ کرنا تو درکنار مدافعت بھی نہ کر سکے۔ بھاگے اور بری طرح بھاگے۔ دار السلطنت اور اسکے باشندے انکے حال پر چھوڑ دیئے گئے۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ وہ کسریٰ کو زیر کر لیں گے دار السلطنت پر قبضہ کر لیں گے۔ ساسانیوں کے خزانہ پر تصرف حاصل کریں گے اس یقین کی وجہ آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی تھی۔ ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔ مستفتح علیٰ امتی کنوز کسریٰ و قیصر۔ (ترجمہ) قریب ہے کہ میری امت پر کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھل جائیں گے۔ مسلمانوں کو اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا ایسا ہی یقین

تھا جیسے دن میں سورج کا نکلنا۔ آخر آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کسریٰ کو شکست ہوئی۔ دار السلطنت مدائن پر قبضہ ہو گیا کسریٰ کا خزانہ ہاتھ لگنے میں اب کیا بات باقی رہ گئی تھی۔ بڑھتے بڑھتے سعدؓ قصر شاہی پر آ کر رک گئے۔ آپ نے حیرت سے اس بادشاہ کے عالی شان محل کو دیکھا جس کی ہیبت تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ یورپ اور ایشیا کے بادشاہ جس سے ڈرتے تھے۔ عیسائیوں کا پار عب وجلال بادشاہ ہرقل اعظم جس سے خائف رہتا تھا۔ فوراً سعدؓ گھوڑے سے نیچے اتر آئے انکے اترتے ہی تمام لشکر گھوڑوں سے اتر اتر کر پیادہ ہو گیا۔ اب سعدؓ بسم اللہ کر کے قصر کے دروازہ میں داخل ہوئے۔ دروازہ عبور کر کے باغیچہ میں پہنچے۔ دوسرا دروازہ عبور کیا چمن زار میں آئے تمام لشکر آپ کے ہمراہ تھا تھوڑے سے آدمی گھوڑوں کی حفاظت کے لئے باہر رہ گئے تھے۔ جب آپ قصر شاہی میں داخل ہوئے اور چبوترہ پر چڑھ گئے۔ تو بے ساختہ آپ کی زبان پر یہ آیت آئی۔ كَمْ تَرَكُوا مِن جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ

ترجمہ۔ یعنی وہ بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ عمدہ مقام اس ناز ونعمت کو چھوڑ گئے جس کے نشہ میں وہ باتیں بنایا کرتے تھے ایسا ہی ہوا اور ان چیزوں کا ہم نے دوسرے لوگوں کو وارث کر دیا۔"

چلتے چلتے سعدؓ ایک وسیع کمرہ میں پہنچے یہاں ٹھہر گئے۔ وضو کے لئے پانی منگایا پانی آتے ہی وضو کیا اور صلوٰۃ الفتح (نماز فتح) کی آٹھ رکعتیں ایک ہی نیت سے پڑھیں۔ نماز پڑھ کر حکم دیا کہ قصر میں جو ایرانی ملے اسے اسیر کر لاؤ۔ ہر طرف مسلمان پھیل گئے ہر کمرہ میں پہنچے تمام کمرے بیش قیمت سامان سے آراستہ تھے۔ دلہن کی طرح سجے ہوئے تھے دنیا بھر کا سامان عیش موجود تھا۔ مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ مگر انھوں نے کسی کمرہ کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ حالانکہ بڑی بڑی بیش قیمت چیزیں تھیں۔ سونے چاندی کے برتن موتیوں کی جھالریں ہیرے جواہرات کی مالائیں مرصع صندوقے کے زیورات سبھی کچھ تھے۔ لیکن کسی مسلمان نے بھی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان کس قدر سیر چشم اور متدین تھے۔ مسلمانوں نے ہر کمرہ کو دیکھا سارے قصر میں پھر ے لیکن ایک ایرانی بھی نہ ملا۔ سعدؓ کو اطلاع کر دی گئی۔ انکو تعجب ہوا کہ شاہی قصر خالی پڑا ہے ایک متنفس بھی نہیں لوگ کہاں گئے۔ دراصل قصر کے محافظ۔ سارے نوکر چاکر بھاگ گئے تھے سعدؓ کو یہ حیرت تھی کہ یزدگرد کہاں چلا گیا

کہیں روپوش ہوگیا۔ آسیہ کو تہہ خانوں کا کچھ کچھ حال معلوم ہوگیا تھا۔ وہ عاصم اور عبید کو ہمراہ لے کر تہہ خانوں کے خفیہ کمروں میں گئی یہ کمرے بھی خالی تھے یہ تینوں واپس لوٹ رہے تھے کہ ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے ہوئے آسیہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ آسیہ نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا یہ خسرو تھا وہی خسرو جس نے اسے اور لیلیٰ کو رہا کرایا تھا۔ آسیہ نے نہایت ادب سے اُسے سلام کیا۔ خسرو نے اپنا نقاب اُتار ڈالا۔ اس نے کہا آسیہ یزدگرد کی حماقت اور عیش پرستی آخر اپنا رنگ لائی آج عراق سے ساسانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ایرانی عربوں کے محکوم ہو گئے۔

آسیہ نے کہا ہر ظالم کا انجام یہی ہوتا ہے۔ مگر وہ گیا کہاں ہے؟

خسرو۔ وہ بھاگ گیا۔ کاش وہ پکڑا جاتا بیٹی کیا مسلمان مدائن میں قتل عام کریں گے کیا مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں بنالیں گے؟!

آسیہ۔ میرے خیال میں ایسا نہ کریں گے۔ جو لوگ جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں ان کے ساتھ وہ چاہے جو کریں لیکن شہریوں کے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے۔

خسرو۔ لیکن بیٹی یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فاتح قوم مفتوح قوم کو پامال کر دیتی ہے مسلمانوں نے تلوار کے زور سے شہر فتح کیا ہے کیا وہ خونریزی سے باز رہ جائیں گے۔ کیا لوٹ مار نہ کریں گے۔ کیا گھروں کو نہ جلائیں گے کیا قصر شاہی کو آگ نہ لگادیں گے۔

آسیہ۔ کبھی نہیں بزرگ خسرو! آپ مسلمانوں سے واقف نہیں ہیں نہایت رحمدل۔ سیر چشم بامروت قوم ہے اب تک جس شہر یا قلعہ پر انھوں نے قبضہ کیا ہے وہاں کے ایک شخص کو بھی ہلاک نہیں کیا۔ ایک گھر کو بھی نہیں لوٹا۔ ایک محل کو بھی آگ نہیں لگائی۔ علاوہ اس کے لیلیٰ نے سالار اعظم سے سفارش کی ہے۔

خسرو۔ میری بیٹی اگر انھوں نے مدائن میں قتل و غارتگری کرنی چاہی تو کیا تو بچا لیگی۔

آسیہ۔ ضرور بچاؤنگی اپنے وطن کو اپنی قوم کو ضرور بچاؤنگی لیلیٰ بھی انتہائی کوشش کریگی۔

عاصم اور عبید نے آسیہ سے اسکی سرگذشت سُننے کے وقت یہ سُن لیا تھا کہ خسرو نے اُسے اور لیلیٰ کو آزاد کرایا ہے دونوں اس کے مشکور تھے۔ عاصم نے کہا۔ بزرگ محسن آپ نے میری ہمشیرہ اور آسیہ کو ظالموں کے پنجے سے چھڑایا تھا۔ ہم آپ کے مشکور ہیں جو آپ کہیں گے منظور کیا جائے گا۔

خسرو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اہل مدائن کو اماں دی جائے وہ بے قصور ہیں۔

تصویر یزدگرد یا اس کے مشیروں کا ہے۔

عاصم۔ ہم سپہ سالار سے اس بات کی سفارش کریں گے

آسیہ نے خسرو سے دریافت کیا۔ بزرگ محسن مراجل کہاں ہے۔

خسرو۔ اسی قصر میں جہاں تم نے اسے چھوڑا تھا۔

آسیہ۔ اسے یہاں لے آؤ۔

خسرو۔ لاؤں گا۔ شام کے وقت کیا مجھے واپس جانے کی اجازت ہے۔

عاصم نے کہا۔ تمہارے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ تم ہر طرح آزاد ہو۔ جب جی چاہے آؤ۔

خسرو۔ آپ کا شکریہ میں دن چھپنے سے پہلے حاضر خدمت ہوں گا۔

خسرو چلا گیا بلبید۔ عاصم اور آسیہ واپس آئے اس وقت آفتاب نصف النہار سے آگے بڑھ گیا تھا۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز ظہر سے پہلے پڑھی جاتی ہے مسلمان نماز پڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ چمن زار میں چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں۔ تمام مسلمان نہروں کے کناروں پر بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ عاصم اور بلبید نے بھی وضو کرنا شروع کیا۔ اب اذان ہوئی۔ خدائے بزرگ و برتر کا پُر ہیبت و جلال نام پہلی مرتبہ کسریٰ کے محل میں بلند آواز سے پکارا گیا اذان ہوتے ہی تمام مسلمان ایک نہایت وسیع کمرہ میں پہنچے اس کمرہ میں کسریٰ کا تخت رکھا تھا۔ تخت علیحدہ کر کے منبر نصب کیا گیا اس کمرہ میں حضرت خضرؑ کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ زرتشت گشتاسپ اور اسفندیار کی تصویریں آویزاں تھیں اور بہت سی مجسم قد آدم تصویریں ایک طرف لگ رہی تھیں۔ سعدؓ نے ان تصویروں کو نہ توڑا۔ نہ ہٹایا۔ بلکہ بدستور رہنے دیا۔ تمام مجاہدین ایک کمرہ میں نہ آسکے باہر چبوترہ پر فرش کر دیا گیا۔ دور تک چبوترہ بھر گیا تھا۔ نماز پڑھی گئی نہایت رجوع قلب سے پڑھی گئی۔ خلوص دل سے خدا کا شکریہ ادا کیا گیا۔ یہ پہلا جمعہ تھا۔ جو عراق میں خاص ایوان کسریٰ میں قصر ابیض کے اندر ادا کیا گیا۔ ابتک نمازیں قصر میں ادا کی جاتی رہی تھیں مگر اب قیام کا ارادہ ہو گیا تھا اس لئے پوری نمازیں ادا کی جانے لگیں۔ چونکہ عراق میں داخل ہونے کے بعد سے ابتک برابر سفر جاری رہا تھا کسی مقام پر اطمینان سے قیام نہ ہوا تھا اس لئے نمازیں قصر میں ادا کی جاتی رہیں۔ جمعہ پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ آج اطمینان ہوا تو جمعہ کی نماز ادا کی گئی۔ نماز سے فراغت کر کے لشکر اسلام کو آرام کرنے کا حکم دیا گیا۔

سب سے پہلے مجاہدین نے کھانے کا انتظام کیا۔ کھانے سے فراغت کر کے آرام کرنے لگے عورتیں قصر کے شمالی حصہ میں اُتاری گئیں۔ ہر قبیلہ کی عورتیں جُدا جُدا کمروں میں ٹھہریں ایک وسیع کمرہ میں لیلیٰ۔ پروین۔ خیزران اور آسیہ نے قیام کیا تھا۔ چاروں مہ پارہ لڑکیاں کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھیں دل لگی کر رہی تھیں۔ خیزران نہایت شوخ تھی اسکی کوئی بات شوخی سے خالی نہ ہوتی تھی اسوقت اسکا جی آسیہ کے چڑھانے کے لئے چاہ رہا تھا اس نے پری جمال آسیہ سے کہا۔ تم جادو کب سے سیکھ گئی ہو آسیہ؟ آسیہ نے حیران ہو کر خیزران کو دیکھا۔ خیزران کے چہرہ پر شوخی کا نشان بھی نہ تھا۔ بڑی بھولی بنی بیٹھی تھی لیلیٰ اور پروین نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ خلاف معمول اسوقت اسکے منور چہرہ سے شوخی کے بجائے بھولاپن دیکھکر انکو اور بھی تعجب ہوا۔ آسیہ نے کہا جادو۔ میں جادو کیا جانوں خیزران؟ خیزران نے انتہائی بھولے پن سے کہا۔ پھر یہ کیا بات ہے؟ لیلیٰ اور پروین حیران ہو ہو کر اُسے دیکھ رہی تھیں آسیہ بھی سخت متحیر تھی۔ اس نے دریافت کیا کیا بات ہے؟

خیزران۔ بھائی جان تمھارا ہی کلمہ کیوں پڑھنے لگے۔

حور جمال لیلیٰ۔ پری جمال پروین اور رشک قمر آسیہ سمجھی تھیں کہ خیزران کوئی خاص بات کہے گی۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ وہ محض چھیڑنا چاہتی ہے تو لیلیٰ اور پروین مسکرانے لگیں۔ آسیہ شرما گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے شوخ و شریر خیزران کو دیکھکر کہا۔ خیزران تم بہت زیادہ شوخ ہو گئی ہو۔ میں تمہارا لحاظ کر رہی ہوں ورنہ۔ . . پروین نے مسکرا کر کہا۔ سزا دیتیں۔

خیزران نے بھولے پن سے کہا سزا جس قدر چاہے دے لو مگر للہ شرم افزا ہوشربا نگاہوں سے نہ دیکھو۔ خدا کی قسم تمہاری آنکھوں میں جادو کوٹ کوٹ کر بھرا ہے بھلا ان مست انکھڑیوں کو دیکھکر کون اپنے دل پر قابو رکھ سکتا ہے۔" پروین نے ہنس کر کہا: "تو برا کوئی نہیں۔"

آسیہ نے پروین کو دیکھکر کہا نگاہیں تو تمہاری ہوشربا ہیں۔ جادو تو تمہاری آنکھوں میں بھرا ہے جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی ہے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔"

خیزران۔ اپنی بات دوسروں پر نہ تھوپو۔

آسیہ۔ اچھا عاصم کو بلا کر دریافت کر لو دیکھو کیا کہتے ہیں۔

اب پروین کے شرمانے کی باری تھی اسکی پلکیاں گرانے والی آنکھیں جھک گئیں منور چہرہ شرم و حیا کی رنگینیوں میں ڈوب گیا۔ خیزران نے کہا اچھا تم یہ چاہتی ہو کہ بھائی حسان کو بلا کر دریافت کرو ٹھہرو میں ان کو بلاتی ہوں۔ خیزران اُٹھنے لگی۔ آسیہ نے اسکا آنچل

پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا اچھا بیٹا اب بھی اس بہانہ سے جعفر کو دیکھنا چاہتی ہو تم کیوں کہیں جاتی ہو میں ہی بلا دوں گی نہ۔ اب خیزران بھی آ گئی اس نے جادو نگار نرگسی نظروں سے آسیہ کو دیکھ کر کہا تم ان کا ذکر کیوں لے بیٹھیں یا وہ تو بڑے نیک ہیں۔

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ دنیا میں نیک دو ہی ہیں ایک تم اور ایک جعفر۔

پروین نے مسکرا کر کہا۔ جعفر تو بے شک نیک ہیں۔ مگر خیزران کی نیکی میں مجھے شبہ ہے۔

آسیہ۔ کیا یہ نیکی نہیں ہے کہ یہ کسی کی یاد ہر وقت کرتی رہتی ہیں۔

پروین۔ اگر ایسا ہوتا تو بے شک نیک ہوتیں یاد رکھو نیک کبھی سنگدل نہیں ہوتا۔ مگر یہ تو سنگدل ہیں۔ جب جعفر کو دیکھتی ہیں منہ پھیر لیتی ہیں وہ بے چارا ٹھنڈا سانس بھر کر رہ جاتا ہے۔

خیزران نے مسکرا کر کہا۔ تم رحمدل ہو پروین جا تم کو دیکھتے ہی باغ باغ ہو جاتی ہو۔ خوب کھل مل کر باتیں کرتی ہو۔ اب عصر کا وقت قریب آ گیا تھا دھوپ سمٹ سمٹ کر دیواروں کی بلندی پر پہنچ گئی تھی۔ تمام دن گرم گرم چلنے والی ہوا کے جھونکے دھیمے ہو کر خوشگوار بن گئے تھے اس وقت مراجل اس کمرہ میں داخل ہوئی۔ نہایت بیش قیمت پوشاک پہنے ہوئے تھی اس کے پیارے چہرہ سے غم و فکر کے آثار ظاہر تھے اسکے دیکھتے ہی عارض سیم تن لڑکیاں استقبال کے لئے اٹھیں۔ خوش ہو کر اسکی طرف بڑھیں مراجل کے فکرمند چہرہ سے بھی ہلکی سی مسرت کی جھلک نمودار ہوئی۔ وہ خندہ پیشانی کیساتھ سب سے ملی خصوصاً لیلیٰ سے نہایت گرم جوشی سے ملی اسے خوب پیار کیا مراجل کو متفکر اور غمزدہ دیکھ کر تمام لڑکیاں متاثر ہوئیں۔ آسیہ نے دریافت کیا تم غمزدہ کیوں ہو مراجل؟ مراجل نے آہ سرد بھر کر کہا۔ آج ہر ایرانی غمزدہ ہے ساسانی حکومت کی بہار خزاں سے تبدیل ہو گئی۔ ایران کے آزاد باشندے غلامی کی لعنت میں اسیر ہو گئے مادر وطن پر اغیار کا قبضہ ہو گیا۔ پروین نے کہا۔ غم نہ کرو مراجل تم جانتی ہو کہ ایرانی حکومت کس قدر تکلیف دہ تھی۔ ہر شریف مصیبت میں گرفتار تھا۔ ہر محب وطن جان چھپائے پھرتا تھا۔ شکر کرو وہ جور و استبداد کا دور ختم ہو گیا۔ اگرچہ ایرانی غلام ہو گئے لیکن اس قوم کے غلام ہوئے ہیں جس کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں نثار ہیں۔ اب یہ سب پری جمال لڑکیاں بیٹھ گئیں۔ مراجل نے لیلیٰ سے خطاب کر کے کہا۔ لیلیٰ یقین ہے کہ تم مجھے بھولی نہ ہو گی؟ لیلیٰ نے مسکرا کر کہا۔ میں تم کو بھول سکتی ہوں۔ تم کو تو کوئی بھی نہیں بھول سکتا۔ آسیہ نے ہنس کر کہا غیر ممکن ہے جو تم کو کوئی بھول جائے تمہاری پیاری صورت پہلے ہی نظر میں دل پر نقش ہو کر اپنی یادگار چھوڑ

جاتی ہے مراجل مسکرانے لگی۔ اُس نے کہا۔ میری صورت ایسی تو نہیں ہے آسیہ خیزران نے ہنس کر کہا۔ جی بالکل نہیں۔ لیکن یزدگرد شاید کسی اور پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ مراجل نے کن انکھیوں سے لیلیٰ کو دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ تو لیلیٰ پر فدا تھے۔ آسیہ نے شوخی سے ہنس کر کہا اچھا میں سمجھی تم اسی رشک کی وجہ سے یزدگرد کی گرفت سے نکل کر بھاگی تھیں مراجل نے شرما کر آسیہ کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ ٹھیک سمجھیں۔ مگر بہت دیر میں سمجھ آئی۔

آسیہ۔ اب میں کسی کے دل کو ٹٹولتی تو نہیں پھرتی تھی . . .

ابھی آسیہ کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ عصر کی اذان ہوئی۔ سب خاموش ہو گئیں اذان ختم ہوتے ہی دعا پڑھی اور وضو کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں کمرہ سے باہر آکر وضو کیا۔ واپس جاکر نماز پڑھنے لگیں۔ مراجل۔ آسیہ۔ خیزران۔ اور پروین کو لیلیٰ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھکر سخت متعجب ہوئی اُسے آسیہ کے مسلمان ہونے کا حال تو معلوم تھا مگر پروین اور خیزران کے متعلق معلوم نہ تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو مراجل نے پروین سے دریافت کیا کیا تم بھی مسلمان ہو گئی ہو؟ پروین نے کہا ہاں میں خیزران ہرمزان میرے والد اور شاہی رسالہ کے چار ہزار سوار سب مسلمان ہو گئے ہیں۔

مراجل۔ تعجب ہے جب مذہب کی آغوش میں تم پل کر جوان ہوئیں جس مذہب پر تمہارے بزرگ چلے تم نے اس مذہب کو چھوڑ دیا۔

پروین۔ مراجل تم کو معلوم ہے کہ ہمارے پہلے بزرگ مہ آبادی مذہب رکھتے تھے چاند اور ستاروں کو پوجتے تھے۔ حضرت زرتشت نے آتش پرستی کی بنیاد رکھی مہ آبادی مذہب چھوڑ کر آتش پرست بن گئے وہ آگ کا انوار الٰہی سمجھ کر پوجنے لگے۔ یزدان اور اہرمن دو خداؤں کے قائل ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگ کسی ایسے مذہب کی تلاش میں تھے۔ جو خدا تک راہ نمائی کر سکے خدا کا شکر ہے ہم کو ایسا مذہب مل گیا۔ اسلام صرف خدا پرستی کی تلقین کرتا ہے۔ خدا پرستی کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ ستارے چاند سورج۔ آگ۔ پانی۔ مٹی۔ پتھر۔ شجر۔ تصویریں سب کی پرستش سے منع کرتا ہے ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ مراجل کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عاصم آ گیا اس نے کہا آسیہ تم کو سالار اعظم نے بلایا ہے۔ اُس نے حیرت بھری نظروں سے عاصم کو دیکھکر دریافت کیا۔ مجھے بلایا ہے؟ خیزران نے ہنس کر کہا۔ ہاں تمہیں کسی سے سن لیا ہوگا کہ آسیہ بڑی خوبصورت ہے دیکھنے کے لئے بلایا ہے۔

آسیہ نے مسکرا کر کہا۔ جب تو پروین کو لے جاؤ۔ سب سے زیادہ خوبصورت تو یہ ہے۔ چاند کا ٹکڑا ہیں۔ چاند سے بڑھ کر حسین۔ پروین شوخی سے گھور کر آسیہ کو دیکھنے لگی۔ عاصم نے کہا۔ مگر انھوں نے تعریف تو تمہاری سُنی ہے۔

آسیہ۔ نام میں دھوکا ہوا ہوگا۔ یا ممکن ہے خیزران کی تعریف سُنی ہو یہ بڑی بیگم ہیں نورِ مجسم ہیں حسن کی دل کش تصویر ہیں!!

عاصم ان پریوں کی چھیڑ چھاڑ سن کر محظوظ ہوا وہ چاہتا تھا کہ کچھ دیر اور ان کی دلکش ظریفانہ باتیں سُنے۔ لیکن وہ سالارِ اعظم کے پاس سے آیا تھا۔ جلد واپس جانا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ سالارِ اعظم نے نہ کسی کی تعریف سُنی ہے نہ کسی حسینہ کو حسن کی ملکہ کا خطاب دینا چاہتے ہیں۔ اسوقت مہران کا معاملہ درپیش ہے آسیہ کو اس لئے بلایا ہے کہ اسے اپنے بھائی کے متعلق کچھ کہنا تو نہیں ہے۔ آسیہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا میں اپنے کے لئے اُڑوں گی۔ بہت کچھ کہونگی۔ چلو عاصم میں اسے بچانے کے لئے گڑگڑاؤں گی۔ لیلیٰ نے کہا آسیہ تم اس بات کو بھول جانا کہ مہران نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے۔ تم اسے بچانا۔ ایک شریف لڑکی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی پر اپنی اولاد، اپنی دولت اپنی جان نثار کر دے۔ بھائی کیسا بھی کیوں نہ ہو۔ لیکن پھر بھائی ہے بھائی کا ملنا مشکل ہے آسیہ نے کہا میں جاؤں گی سالارِ اعظم کے سامنے گڑگڑاؤں گی۔ ہاتھ جوڑوں گی پاؤں پڑوں گی۔ غرض اسے بچانے کے لئے سب کچھ کروں گی۔

لیلےٰ۔ شاباش جاؤ۔ یقین ہے سالارِ اعظم تمہارے کہنے سے اسے معاف کر دیں گے۔

عاصم نے لیلیٰ سے خطاب کر کے کہا لیکن اس پر الزامات زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ یہ الزامات سنگین ہیں ایک آسیہ کو زدوکوب کرنے کا اور دوسرا لیلیٰ پر مصیبت کے پہاڑ توڑنے کا۔ ایک اور الزام بھی ایسا سنگین ہے لیکن ۔ ۔ ۔ ۔

آسیہ نے لیلیٰ کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھ کر قطع کلام کر کے کہا لیلیٰ کیا تم میرے بھائی کو معاف کر دو گی لیلیٰ نے کہا آسیہ میں نے معاف کر دیا بھائی عاصم میری طرف سے تصدیق کر دیں گے اب آسیہ عاصم کی طرف مخاطب ہوئی اس نے کہا اور کون سا الزام ہے۔ عاصم نے کہا۔ جب لیلیٰ نے معاف کر دیا تو اب وہ الزام باقی ہی نہ رہا۔

آسیہ۔ آخر وہ کون سا الزام تھا!

عاصم۔ جلید کو گرفتار کر کے لانے کا۔

آسیہ۔ لیکن وہ گرفتار تو انہیں بھی کر کے لائے تھے۔

عاصم۔ ہاں مگر میں نے پہلے ہی اسے معاف کر دیا تھا۔ عبید نے کہا تھا کہ اگر لیلےٰ اسے معاف کر دے گی تو وہ بھی کر دیں گے۔

آسیہ۔ آہ تم مسلمان کس قدر نیک ہو تم دشمنی کو کس قدر جلد بھول جاتے ہو۔ میں آپ سب کی مشکور ہوں۔

عاصم۔ اس میں شکریہ کی کیا بات ہے تم مسلمان ہو گئی ہو اسلام نے تمہیں ہماری بہن بنا دیا ہے ایک بھائی ایک بہن کی دل شکنی کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

آسیہ۔ آؤ چلو یقین ہے سالار اعظم بھی انہیں معاف کر دیں گے۔

عاصم۔ یقیناً معاف کر دیں گے۔

آسیہ نے نقاب اپنے چہرہ پر ڈالی، دونوں چلے کمرہ سے باہر نکلے اس بڑے کمرہ میں پہنچے جس میں نماز جمعہ پڑھی گئی تھی۔ تمام کمرہ آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا صدر میں حضرت سعدؓ بیٹھے تھے انکے برابر داہنی طرف خالد بن عرطفہ۔ عبید شرجیل۔ ہاشم اور بائیں طرف عبداللہ۔ عاصم بن عمرو، سواد بن سلمان۔ زیاد۔ بلال۔ ہجری اور باقی کمرہ میں دوسرے افسر اور سرداران لشکر بیٹھے تھے۔ سعدؓ کے عین سامنے روزبہ خسرو اور جند اور سربر آوردہ ایرانی بیٹھے تھے۔ انکے برابر مہران ریشم کی مضبوط ڈوری سے بندھا بیٹھا تھا عاصم آسیہ کو ہمراہ لیکر سعدؓ کے پاس پہنچے سب سے پہلے مہران کی اس پر نظر پڑی آسیہ نے اُسے دیکھا!!

مہران کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ہونٹ خشک تھے وہ نہایت خائف معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گھبرا کر آسیہ کو دیکھا۔ اسکی نگاہیں مایوسی کی جھلک لئے ہوئے تھیں۔ آسیہ رحمدل تھی۔ نہایت رحمدل وہ پہلے ہی مہران کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی دل سے اسے معاف کر چکی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے قلبی صدمہ ہوا۔ جی چاہا دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ جائے مگر مردوں کی موجودگی نے اسے روکا۔

عاصم نے سعدؓ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا آسیہ آگئی ہے۔

سعدؓ نے کہا۔ آسیہ بیٹھ جاؤ۔ آسیہ بیٹھ گئی۔ سعدؓ نے پھر کہا۔ آسیہ تم جانتی ہو کہ مہران نے مسلمانوں پر کس قدر مظالم کئے ہیں۔ یزدگرد اور اس کے مشیروں نے کلمہ گوؤں پر جو ستم کے پہاڑ توڑے ہیں ان سب میں مہران پیش پیش رہا ہے عاصم کے کہنے سے میں نے وہ تمام قصور معاف کر دیئے لیکن تم پر جو اس نے ظلم کیا ہے یا لیلیٰ پر جو سختیاں کی وہ ناقابل عفو ہیں

میں انکو معاف نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اس نے نشانۂ ستم بنایا۔ وہ زیادہ تر شہید ہو چکے ہیں۔ ایرانی سلطنت کے زوال نے ان کا خون بہا ادا کر دیا۔ لیکن تم اور لیلیٰ جب تک اسے معاف نہ کر دو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ سعدؓ خاموش ہو گئے آسیہ نے کچھ کہنا چاہا۔ سعدؓ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ٹھہرو جو کچھ کہو سوچ سمجھ کر کہنا۔ انہیں خبر نہیں کہ مہران خطا کار ہے قصور وار ہے۔ مگر تمہارا بھائی ہے۔ ممکن ہے تم کو جوش انتقام بدلہ نہ لینے پر مجبور کر دے اور تم اسے معاف نہ کرو۔ اس صورت میں وہ سزائے موت پائے گا۔ مگر اس کی موت تم کو خون کے آنسو رلائے گی پھر تم اپنے بھائی کو نہ پا سکوگی۔ اب سوچ سمجھ کر جواب دو بدلہ چاہتی ہو یا معاف کرتی ہو؟

آسیہ نے جلدی سے کہا۔ میں نے معاف کر دیا۔ میں بدلہ لینا نہیں چاہتی۔ سعدؓ خوش ہوئے اور انھوں نے کہا۔ عورت کی فطرت مردوں کی سمجھ سے بالاتر ہے یہ وہ آسیہ ہے جسے مہران نے گرفتار کرایا۔ شاہی انگشتری کی چوری کا الزام لگایا مسلمان ہونے پر زنجیروں سے مارا۔ پیاس سے لبوں پر جان آ جانے پر بھی پانی کا ایک قطرہ نہ دیا۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ اس سے اپنا انتقام لیتی مگر اسکی نسوانی فطرت نے سب کچھ بھلا دیا۔ اس بھائی کو جو اسے قتل کرنے پر تیار تھا۔ موت کے قریب دیکھ کر معاف کر دیا۔ آسیہ مہر و وفا کا پیکر ہے۔ مہران ظلم و بیدردی کا مجسمہ مہران تو نے ایک لڑکی کے جذبات محبت کو دیکھا۔ مہران نے کہا ”دیکھا۔ میرا قلب اس پیکر وفا نے منقلب کر دیا۔ اب میں وہ مہران نہیں رہا۔ جو اب سے پہلے تھا۔ وہ مہران مر گیا۔ وہ ظالم تھا۔ ناخدا ترس تھا۔ عیار تھا۔ سفلہ تھا اب وہ مہران آپ کے سامنے بیٹھا ہے جو ان باتوں سے بالاتر ہے۔ آسیہ۔ خسرو۔ روزبہ۔ عاصم اور علیمہ کو حیرت ہوئی۔ انھوں نے اس کے چہرہ کو دیکھا۔ اسکی آنکھیں اسکے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ اسکے دل نے نیکی کو قبول کر لیا ہے اور وہ اپنی گذشتہ شیطانی کرتوت پر متاسف ہے۔ سعدؓ نے عاصم سے دریافت کیا آپ نے لیلیٰ سے دریافت کیا تھا۔ عاصم نے جواب دیا۔ لیلیٰ نے بھی معاف کر دیا ہے۔ سعدؓ نے مہران سے خطاب کر کے کہا۔ مہران اب تم آزاد ہو۔ یہ کہتے ہی انھوں نے ایک عرب سردار کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً مہران کے بند کھول دیئے۔ مہران نے اٹھ کر کہا۔ اب آپ نے مجھے آزاد کر دیا آپ کا کسی قسم کا دباؤ مجھ پر نہیں رہا کیا میں مختار ہوں کہ جہاں چاہوں جا سکوں؟!

سعدؓ۔ ہاں تم مختار ہو۔ غالباً تم یزدگرد کے پاس جاؤ گے۔

مہران۔ نہیں وہ بزدل بادشاہ تھا۔ اُسے اپنی قوم اور ملک کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی قربان کر دینا چاہئے تھا۔ مگر وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گیا ملک قوم کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی ایسے شخص سے کسی کو کیا امید ہو سکتی ہے۔

سعدؓ۔ پھر کہاں جانے کا قصد ہے۔

مہران۔ کہیں نہیں میں آپ کے ہمراہ رہنا چاہتا ہوں۔

سعدؓ۔ بہتر ہے تم ہمارے ساتھ رہو۔ ہمارے ہمراہ ایرانی جاسوس ہیں تم کو ان پر افسر مقرر کر دیا جائے گا۔

مہران۔ کیا میں مسلمان نہیں ہو سکتا!۔

سعدؓ۔ ہو سکتے ہو ہر شخص ہر وقت مسلمان ہو سکتا ہے۔

مہران۔ تو مجھے مسلمان کر لیجئے۔

سعدؓ اور تمام مسلمان خسرو اور روزبہ حیران ہو رہے۔ سعدؓ نے کہا مہران تم برے نہیں تھے۔ بری صحبت نے تم کو برا کر دیا تھا۔

مہران۔ نہیں میں خود ہی برا تھا میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں میں مسلمان ہو کر گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا۔

فوراً سعدؓ نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ یوں تو سارے ہی مسلمان اس کے مسلمان ہونے سے خوش ہوئے۔ مگر سب سے زیادہ مسرت آریہ کو ہوئی اب سعدؓ نے خسرو سے کہا۔ ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں۔ آپ نے لیلی اور آریہ کو رہا کرا کے ہم پر احسان کیا ہے ہم نے لیلی کی سفارش سے مدائن میں قتل اور غارت گری نہیں کی شہر والوں کیلئے آپ جو مراعات چاہیں حاصل کر لیں۔ خسرو نے کہا میں اور میری قوم مسلمانوں کے مشکور ہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام شہر والوں کو امن دیا جائے۔ ایرانی ڈرے ہوئے گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ بازار بند ہیں۔ اگر آپ امن کی منادی کرا دیں تو کاروبار شروع ہو جائے۔

سعدؓ۔ جو تم کہو گے منظور ہے۔ مجھے میں نے تمام اہل شہر کو امن دیا آپ منادی کرا دیجئے البتہ شاہی خزانہ، قصر کسریٰ، حکومت ایران کی تمام اشیاء بحق گورنمنٹ اسلامیہ ضبط کی جائیں گی۔

خسرو۔ اس میں کچھ حرج نہیں مگر ایرانی نادرات کا کیا ہوگا۔

سعدؓ۔ ایرانی نادرات جو شاہی خزانہ میں محفوظ جس کا تعلق حکومت ایران سے

ہے سب اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگئیں۔

خسرو۔ اس میں ہم کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اچھا اب اجازت دیجئے تاکہ منادی کرادوں۔

سعدؓ۔ ہاں تم منادی کرادو۔

اب وہاں ٹھیرنا بیکار تھا خسرو اور روزبہ اٹھے آسیہ بھی اٹھی تینوں اس کمرہ سے نکل کر باہر آئے روزبہ سے آسیہ نے کہا کیا آپ مراجل کو اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔

روزبہ۔ کیا تم اسے روکنا چاہتی ہو آسیہ۔

آسیہ۔ ہاں بشرطیکہ آپ خوشی سے اجازت دیں۔

روزبہ۔ مراجل سے دریافت کرلو اگر وہ ٹھہرنا چاہتی ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔

آسیہ۔ آئیے میں آپ کے سامنے دریافت کروں۔

یہ تینوں اس کمرہ میں پہنچے جس میں لیلیٰ۔ پروین وغیرہ سب تھیں۔ آسیہ نے مراجل سے کہا عزیز مراجل میں چاہتی ہوں کہ آج تم یہیں رہ جاؤ۔ مراجل نے مسکرا کر کہا رہ جاؤں گی کیا ابا جان اجازت دے دیں گے۔ روزبہ نے کہا۔ کچھ ہرج نہیں بیٹی میں دیکھتا ہوں مسلمان بڑے نیک ہیں۔ تم اگر ٹھہرنا چاہتی ہو ٹھہر سکتی ہو۔ مراجل نے کہا بس تو میں کل آؤں گی۔ روزبہ اور خسرو چلے گئے خسرو نے جاتے ہی منادی کرادی کہ مسلمانوں نے اہل شہر کو امان دے دی ہے۔ صبح ہی سے کاروبار شروع کر دیا جائے۔ جو شخص دکان نہ کھولے گا اسکا سامان ضبط کرلیا جائے گا۔ اس منادی نے ایرانیوں کا خوف دور کر دیا۔ منادی سنتے ہی گھروں سے چھپے ہوئے لوگ باہر نکلنے لگے۔ شہر کی خموشی ٹوٹ گئی۔ بازاروں میں کچھ چہل پہل نظر آنے لگی۔ دوسرے دن تمام بازار کھل گئے کاروبار شروع ہوگیا اور ان کو دیکھکر کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ حکومت میں تغیر و تبدل ہوگیا ہے ہر شخص اپنے کام میں منہمک ہوگیا تھا۔ سعدؓ نے علی الصباح ہی حکم دیا کہ تمام خزانہ ساری نادرات نقد اور قصر کسریٰ کا سارا سامان باہر نکال کر ذخیرہ کیا جائے مجاہدین دوڑ پڑے ہر چیز ہر جگہ سے لا لا کر ذخیرہ کرنا شروع کی۔ سونے چاندی کے انبار لگ گئے۔ چاندی کی تھیلیوں میں جواہرات لا لا کر رکھے گئے۔ چاندی اور سونے کے سکے۔ ریشمین کتھان۔ زرہ بکتر۔ دیبا حریر کے بڑے بڑے دور تک ڈھیر کر دیئے گئے۔ شہنشاہ ایران کی بہت سی نادر روزگار چیزیں لائی گئیں۔ چاندی سونے کی مورتیں جو جواہرات سے مزین تھیں کسریٰ کا زرنگار شاہی لباس۔ جواہرات اور لعلوں سے بنا ہوا تاج۔ سونے کی مرصع زرہ۔ چاندی کی

کی کانٹھیاں۔ طلائی ظروف۔ چاندی کی میزیں اور کرسیاں۔ خالص چاندی کا سونے اور
جواہرات سے پچی کاری کیا ہوا تخت سب لا لا کر رکھے گئے۔ کیانی سلسلہ سے لے کر نوشیرواں
کے عہد تک کی ہزاروں یادگاریں تھیں۔ خاقان چین۔ قیصر روم داہر شاہ ہند بہرام گور
بادشاہ۔ نعمان بن منذر۔ کسریٰ۔ ہرمز۔ فیروز کی زرہیں۔ تلواریں۔ خنجر۔ غرض عجائبات روزگار
جو کہ ایرانی خزانے میں محفوظ تھے نکالے گئے۔ نوشیرواں کا زرنگار تاج اور ملبوسات شاہی
جو اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور جس کو نادر زمانہ سمجھ کر بطور یادگار رکھا گیا تھا۔ لایا گیا۔
سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت جڑے
ہوئے تھے۔ چاندی کی اونٹنی تھی جس پر سونے کا پالان تھا۔ اور مہار میں بیش قیمت موتی
پروئے ہوئے تھے جس کا سر سے لے کر پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ اس
کے ساتھ لا کر کھڑے کئے گئے تھے۔ سیکڑوں آدمی مل کر ایک فرش کو اٹھا لائے۔ یہ فرش ایوان
پر بچھا دیا گیا۔ جب اس کی پیمائش کی گئی تو دس گز چوڑا اور نوے گز لمبا تھا۔ اس فرش کا
نام "بہار" تھا۔ یہ فرش ایک مینو سواد چمن زار تھا۔ بیچ میں سبزہ کا بنا تھا۔ چاروں طرف
جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت۔ درختوں میں شگوفے، پھل اور پھول سب تھے۔ طرفہ
بات یہ تھی کہ جو کچھ تھا۔ زرنگار تھا۔ سونے کی زمین تھی زمرد کا سبزہ تھا۔ پکھراج کی جدولیں
تھیں سونے چاندی کے گنگا جمنی درخت تھے۔ حریر کے پتے تھے۔ جواہرات کے پھل تھے
یہ فرش ایک مختصر باغیچہ تھا۔ جس وقت اسے کھولا گیا مسلمان اسے دیکھ کر حیران رہ گئے
ایسی عجوبہ چیز انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ فرش اس لئے تیار کیا گیا تھا کہ موسم خزاں
میں جب تمام چمن والی زینتوں کو خیر باد کہہ دیتے تھے تو شاہان فارس اس فرش پر
بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ یہ تمام دولت یہ ساری نادرات عام سپاہیوں نے
لا لا کر ذخیرہ کی تھیں، ہر چیز بیش قیمت تھی لوگوں کے ایمان ڈگمگا سکتے لیکن آفرین ہے
رہنے والے کے مسلمانوں کو وہ ایسے دیانتدار ایسے ایماندار ایسے راستباز تھے کہ
کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگایا جو چیز جس شخص کو ملی احتیاط سے لا کر رکھ دی۔ جب یہ تمام
سامان سجایا گیا اور آفتاب کی شعاعوں سے جگمگانے لگا تو تمام مسلمانوں نے حیرت
سے دیکھا۔ بے اختیار حضرت سعدؓ نے کہا جس قوم نے ایسی نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا
وہ بے شبہ انتہا درجہ کی دیانتدار ہے عجائبات کی نمائش کے بعد حسب قاعدہ
سعدؓ نے پانچواں حصہ نکال کر باقی سب مجاہدین پر تقسیم فرما دیا ہر مسلمان کو اس قدر

مالِ غنیمت علاوہ غنی ہو گیا۔ معمولی سے معمولی سپاہی دولت مند بن گیا۔ فرش اور قدیم یادگارِ
خسروی کے علاوہ دربارِ خلافت میں بھیجنے کے لئے محفوظ رکھ لی گئیں۔ چند دنوں کے قیام کے
بعد ایک مختصر قافلہ کے ہمراہ یہ سب سامان مدینہ منورہ بھیجنے کا انتظام کیا گیا اس عرصہ میں
جو مسلمان مدائن میں قید تھے سب رہا کئے گئے ان کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا گیا خرداد
روزبہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اور بھی بہت سے تونگروں نے اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔
مالِ غنیمت لے کر جو قافلہ چلا اس کے ساتھ شہزادہ ہرمزان۔ مہران۔ عاصم۔ عبید۔ جعفر بیلی
آسیہ۔ بہادر دین یزدان۔ مہراجل خسرو۔ روزبہ سب روانہ ہوئے۔ بصیرہ و بشیر تک
حضرت سعد پہنچانے آئے۔ ایک شب وہاں قیام کر کے دوسرے دن صبح ہی یہ قافلہ
حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔

چوبیسواں باب

مسرّت کی دنیا

مدائن کے فتح کی خبر برقی اثر لگا کر اطراف عالم میں پہنچ گئی اس خبر نے مسلمانوں کو مسرور
اور غیر مسلموں کو متحیر کر دیا۔ اول اول تو مسلمانوں کو یقین نہ آیا کہ ایران جیسی عظیم الشان
حکومت زوال کے عمیق گڑھے میں جا پڑی۔ مدائن جو صدہا سال سے ساسانی حکومت کا
دارالخلافہ تھا فتح ہو گیا۔ ایرانی جیسے بہادروں کو مٹھی بھر مسلمانوں نے شکست دے دی
شہرۂ آفاق دلیرانِ ایران قتل ہو گئے۔ یزدگرد بھاگ گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب ان تمام
باتوں کی تصدیق کی گئی تو دنیا حیران رہ گئی حیرت کی بات بھی تھی۔ ایرانی نہایت بہادر
تھے ایرانیوں کا لشکر کثیر التعداد تھا جس ملک پر وہ چڑھ گئے اسے فتح کیا جس قوم نے
ان پر لشکر کشی کی ہزیمت اٹھا کر فرار ہوئی تمام دنیا میں ان کی دھاک تھی۔ خاقانِ چین۔
قیصر روم شاہانِ (راجگان) ہند ان سے ڈرتے تھے۔ بڑی بڑی حکومتیں مدائن پر جبہ
سائی کرتی تھیں۔ عرب تھوڑے تھے کمزور تھے کوئی قوم بھی ان سے نہ ڈرتی تھی۔ انہوں
نے ساسانی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ مدائن فتح کر لیا تھا۔ یہ کچھ حیرتناک بات نہ تھی

دنیا میں بہت سی قومیں نہیں۔ ترقی کے لئے اٹھیں لیکن جب کسی زبردست قوم سے ٹکرائیں تو فنا ہو کر رہ گئیں۔ تاریخیں اس کی شاہد ہیں مگر جب مسلمانوں کی قوم اٹھی تو فتح و کامرانی ہمراہ چلیں جس طرف رخ کیا پانی کی سیلاب کی طرح بڑھتی چلی گئی۔ جو قوم سامنے آئی اسے بہا لے گئی جس قوم نے مقابلہ کیا شکست کھائی۔ کوئی ملک کوئی قوم اس کی ٹکر نہ سہار سکی یہ شرف مسلمانوں کو رہا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے دوگنے اور تگنے ہی نہیں دس دس اور بیس بیس گنوں سے لڑے اور فتحیاب ہوئے دنیا نے ان کی طاقت کا لوہا مان لیا۔ انہیں انسانوں سے بالاتر سمجھا حالانکہ وہ بھی انسان تھے انسانوں سے بالاتر نہ تھے مسلمانوں کی کامیابی کا راز قوت ایمانی۔ خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت میں مضمر تھا۔ ہادیان دین نے ان کے لئے جو لائحہ عمل تیار کر دیا تھا آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرتے تھے کامیاب ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ جو کچھ مقدر میں لکھا ہے پیش آئے گا ہر مسلمان کے دل پر باری تعالیٰ کا یہ کلام نقش تھا۔ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ" ترجمہ۔ تم جہاں ہو گے موت تم کو لے لیگی اگرچہ تم نہایت مضبوط برجوں میں متمکن ہو۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ مقررہ وقت پر آئے گی اور ضرور آئے گی۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی پھر اس سے ڈرنا کیا۔ چونکہ وہ موت سے نہ ڈرتے تھے اس لئے ایسے کارہائے نمایاں کر گئے غیر تو غیر خود مسلمان ان کے کارناموں پر حیرت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے کہ مدد اسکی کی جاتی ہے جو خود اپنی مدد کرتا ہے مسلمان کم تھے کمزور تھے کسی طرف سے مدد کی امید نہ تھی اس لئے اپنی مدد آپ کرتے تھے خدا ان کی مدد کرتا تھا وہ ہر کام میں کامیاب ہوتے تھے مسلمانوں نے مدائن فتح کر لیا ساسانی حکومت کا تختہ الٹ دیا زبردست ایرانی حکومت کا خاتمہ کر دیا اطراف عالم میں ان کی شہرت ہو گئی اقوام عالم ان سے ڈرنے لگی۔ مال غنیمت لے جانے والا قافلہ جس طرف سے گذرا حیرت انگیز نظروں سے دیکھا گیا۔ چونکہ اس قافلہ میں وہ لوگ بھی شریک ہو گئے تھے جو کہ ایران میں قید رہ چکے تھے اس لئے قافلہ کی شان مختصر لشکر کی سی ہو گئی تھی رستمؓ نے بہت سے خیمے ان کے ساتھ کر دیئے تھے یہ خیمے ڈالتو تھے جہاں قافلہ کا قیام ہوتا خیمہ ایستادہ کر دیئے جاتے بالکل ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے کوئی لشکر خیمہ زن ہو۔ حجاز کی سرحد میں داخل ہو کر یہ قافلہ تیزی سے سفر کرنے لگا لیکن حجاز کی باد سموم نے سفر میں رکاوٹ ڈالنی شروع کر دی۔ حجاز کا ریگستان مشہور ہے جس طرح

آبی سمندر طوفان کے وقت متلاطم ہو جاتا ہے۔ فلک رفعت امواج اس میں اُٹھنے لگتی ہیں اسی طرح ریگزار کے سمندر میں بادسموم سے لہریں اٹھ جاتی ہیں بڑے بڑے ریت کے تودوں کو سخت و تند ہوا جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر اپنے دوش پر اٹھا لیتی ہے اور نہایت پھرتی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہے ایسی حالت میں سفر کرنا دشوار ہو جاتا ہے خاک آلود ہوا کے تیز اور بدن کو جھلسا دینے والے جھونکے آنکھوں کو گرد و غبار سے اٹ کر مسافروں کو کھڑا ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں ہمایہ جب ہوائے تند کے جھونکے چلتے ریت اٹھ جاتا تو اس قافلے کو بھی کھڑا ہو جاتا پڑتا مگر جہاں ہوا کا جھونکا نکل گیا ریت کا دیوار سامنے سے ہٹ گئی اور قافلہ نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ طے مراحل کرتا یہ قافلہ ان کھجوروں کے دونوں باغوں کے قریب پہنچا جہاں فتح قادسیہ کی خوش خبری لیجانے والا قاصد کچھ دیر ٹھہرا تھا اور ایک گیارہ سالہ عرب دوشیزہ نے مہمان نوازی کی تھی اس قافلہ کے ساتھ وہ قاصد بھی تھا۔ دیار حبیبؐ کی زیارت کا شوق اسے دوبارہ کھینچ لایا تھا۔ اس قاصد کا نام یاسر تھا۔ باغ کے قریب پہنچ کر قافلہ رکا۔ یاسر باغ میں داخل ہوا سامنے ہی چمڑہ کا خیمہ نصب تھا خیمہ کے دروازہ پر تیر کمان لئے وہی معصومہ ملکوتی صفات عرب دوشیزہ بیٹھی تھی۔ جو ایک دفعہ پہلے یاسر کی خدمت کر چکی تھی۔ جب یاسر قریب پہنچا تو لڑکی نے غور سے اسے دیکھا۔ اس نے اسے پہچان لیا وہ اٹھ کر خیمہ سے باہر آئی اس کے نازک اور معصوم لبوں پر ہلکا تبسم نمودار ہوا اس نے نہایت ادب سے یاسر کو سلام کیا اور کہا کیا آج بھی تم فتح کی خوشخبری لئے جا رہے ہو۔ یاسر نے اس معصومہ کو دعا دے کر کہا۔ ہاں پیاری بیٹی خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ زبردست فتح۔ مدائن فتح ہو گیا ایرانیوں کا بادشاہ یزدگرد بھاگ گیا ساسانی حکومت کا چراغ گل ہو گیا۔ یہ سنتے ہی عربی دوشیزہ کی آنکھیں چمکنے لگیں فرط مسرت سے اس کا چہرہ شگفتہ ہو گیا وہ تیر کمان ڈال کر ایک طرف سجدہ میں گر گئی اُس نے کہا خداوند تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے مسلمانوں کو زبردست فتح دی ہے اپنے رسولؐ کی پیشین گوئی کو پورا کیا ہے۔ لڑکی کھڑی ہو گئی یاسر نے کہا میری بیٹی آج تمہارے والد کہاں ہیں لڑکی نے جواب دیا خیمہ کے اندر سو رہے ہیں آپ تشریف رکھیں میں انکو جگاتی ہوں وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے پانچوں وقت نماز کے بعد وہ مسلمانوں کی فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ خدا نے انکی دعا قبول کر لی یاسر نے کہا۔ پیاری بچی انکو

مت جگاؤ سونے دو اب میرا ارادہ تمہارے پاس رہنے کا ہے میری کوئی بیٹی نہیں ہے میں نے تم کو ہی اپنی بیٹی بنا لیا ہے لڑکی یہ سُن کر کمال مسرور ہوئی فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ چمکنے لگا اس نے کہا بس تو آؤ خیمہ میں چلو اب ہم دو سے تین ہو جائیں گے یاسر نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا میں تیرے پاس آؤں گا ابھی قافلہ کے ساتھ جا رہا ہوں۔

لڑکی۔ کیا آج کھجوریں بھی نہ کھاؤ گے؟

یاسر۔ اس وقت نہیں قافلہ جا رہا ہے مجھے بھی اس کے ہمراہ جانا ہے واپس آکر ہر روز ہی کھجوریں کھاؤں گا۔

یہ کہتے ہی یاسر اسے پیار کر کے لوٹا۔ لڑکی دور تک اس کے ہمراہ آئی باغ کے کنارہ پر پہنچ کر اس نے قافلہ کو مدینہ منورہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا قافلہ روانہ ہو چکا تھا یاسر اس سے رخصت ہو کر تیزی سے چلا اور قافلہ میں مل گیا راستے میں کھجوروں کے درخت کثرت سے کھڑے تھے ان درختوں کے دوسری طرف مدینہ منورہ تھا منزلِ مقصود قریب دیکھ کر قافلہ اور تیزی سے چلنے لگا۔ فاصلہ ہی کیا تھا بہت جلد درختوں کے پاس جا پہنچا بہت سے اعرابی ان درختوں کے سایہ میں بیٹھے تھے قافلہ کو دیکھتے ہی وہ اٹھے قافلہ میں آئے اور ان سے فتح کی خوشخبری سن کر مدینہ منورہ کی طرف دوڑ گئے شہر میں جاتے ہی انھوں نے فتح کی خوشخبری اور قافلہ کی آمد کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ دوپہر کا وقت تھا۔ تیز دھوپ پڑ رہی تھی گرم ہوا کے تیز جھونکے چل رہے تھے لوگ گھروں میں چھپے بیٹھے تھے بازار اور راستے سنسان پڑے تھے۔ مگر قافلہ کی آمد اور فتح کی خوشخبری سن کر تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل نکل کر قافلہ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے تمام راستے آدمیوں سے بھر گئے جس وقت قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا ہزاروں آدمیوں نے نہایت پُرجوش استقبال کیا اللہ اکبر کے نعروں سے تمام شہر گونج اٹھا۔ مدینہ منورہ کی گلیاں، کوچہ و بازار در و دیوار سب نعرۂ تکبیر کی تکرار کرنے لگے اس قافلہ نے مسرت جلوس اختیار کر لیا دور تک پھیل گیا وسیع راستے انسانوں سے لبریز ہو گئے لوگوں کا اس قدر اژدہام ہوا کہ چلنا دشوار ہو گیا ہر شخص مسرور تھا کمال مسرور۔ سب کے چہرے فرطِ مسرت سے چمکنے لگے تھے۔

جوشاہ۔ ہرمزان، خسرو، روزبہ مسلمانوں کا جوش ان کا اژدہام ان کی مسرت دیکھ کر

بہت محظوظ ہوتے آہستہ آہستہ چل کر یہ قافلہ مسجد نبویؐ کے سامنے والے میدان میں پہنچا یہاں پہنچ کر قافلہ رکا مسجد کے اندر سے امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ برآمد ہوئے تمام مسلمانوں نے خلیفہ کو سلام کیا ان کو دیکھتے ہی مسلمان جلد جلد گھوڑوں سے نیچے اتر آئے حضرت عمرؓ ایک کھجور کے درخت کے سائے میں آکر کھڑے ہو گئے ان کا چہرہ اسوقت مسرت و شادمانی میں ڈوبا ہوا تھا آنکھیں خوشی اور انبساط سے چمک رہی تھیں جو شاہ اور ان کے ایرانی ساتھی سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کا بادشاہ نہایت کر و فر سے رہتا ہو گا زرنگار پوشاک ہوگی مرصع تاج ہوگا سیکڑوں نہیں ہزاروں آدمی اس کی حفاظت پر مامور ہوں گے مگر جب انھوں نے مسلمانوں کے اس خلیفہ کو دیکھا جس سے ملوک عالم کانپ رہے تھے جس کی دنیا جہاں میں شہرت تھی جس کا نام سنتے ہی بڑے سے بہادر انسان کے بدن میں لرزہ پڑ جاتا تھا تو بہت حیران ہوئے مسلمانوں کا شہنشاہ ایک جبہ پہنے تھا جس میں کثرت سے پیوند لگے ہوئے تھے ایک یا دو پیوند چمڑے کے تھے سر پر سفید عمامہ تھا عمامہ پر ایک رومال باندھ کر کانوں کے دونوں طرف اس کے سرے چھوڑ دیئے گئے تھے ہاتھ میں درہ تھا پاؤں میں تسمہ دار معمولی جوتہ تھا۔ ظاہرا امتیازی شان کوئی نہ تھی اس سادگی میں چہرہ پر وہ جلال تھا کہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ وہ شان تھی کہ ملوک عجم میں کسی کو ایسی شان نہ نصیب ہوئی تھی امیرالمومنین کبھی انکے پاس ہی ایک طرف بیٹھ گئے چونکہ آدمی زیادہ تھے دور تک فرش بچھایا گیا تھا تمام فرش قافلہ والوں سے بھر گیا شہر والے مسلمان ان کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے اب مال غنیمت کے انبار لگائے گئے سونے چاندی کے ڈھیر الگ۔ ملبوسات شاہی کے ڈھیر الگ۔ طلائی اور نقرئی سکوں کے ڈھیر الگ، ریشمی تھانوں کے ڈھیر الگ غرضیکہ سب سامان الگ الگ رکھا گیا۔ بہار نامی فرش ایک طرف کھول کر بچھا دیا گیا۔ چاندی کی اونٹنی اور سونے کا گھوڑا فرش کے پاس کھڑے کر دیئے گئے مسلمان اس خزانہ اور ان نادرات کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ سامان سجاتے سجاتے ظہر کا وقت آگیا سب نے اس جگہ ظہر کی نماز پڑھی نماز پڑھکر حضرت عمر فاروقؓ نے محکم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا وہ بڑھ کر امیرالمومنین کے پاس پہنچا۔ محکم موزوں قامت اور خوبرو شخص تھا۔ امیرالمومنین نے اسے ملبوسات شاہی پہننے کا حکم دیا۔

یہ شاہی لباس مختلف حالتوں کا تھا۔ سواری کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تہنیت کا جدا۔
محلم نے ایک ایک کر کے تمام ملبوسات پہنے ایک سے ایک لباس بیش قیمت اور
شاندار تھا۔ جب اس نے جشن کا لباس پہنا تاج زریں سر پر رکھا تو شاہان کسریٰ
کی شان آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا اے خدا کے
پرستارو دنیا کی بے ثباتی۔ انقلاب کائنات۔ زمانہ کی نیرنگیاں دیکھیں کسریٰ کو ناز
تھا اپنی دولت پر۔ زعم تھا اپنے لشکر پر فخر تھا اپنے ملک پر۔ آج اسکی یہ تمام باتیں
مٹ گئیں۔ اسکی قسمت کے انقلاب کو لشکر روک سکا نہ دولت وملک روک سکے
نہ ذاتی وجاہت یزدگرد دولت کے نشہ میں چور تھا۔ خدا اور اسکی طاقت کو بھول
گیا تھا عشرت میں غرق تھا۔ دنیا نے کروٹ لی اسکا شیرازہ بکھر گیا دولت وسلطنت
چھن گئی گھر سے بے گھر ہو گیا اس بات کو پہلے سے نہ سمجھا کہ جس خدا نے یہ حشمت دی
ہے وہ چھین بھی سکتا ہے غرق حسرت ہو کر غور کرنے لگا دل میں تکبر آگیا خدا کا مقابلہ
کرنے کو تیار ہو گیا۔ خدا کی مخلوق پر دست ستم دراز کیا۔ خدا نے جس قدر اسے ڈھیل دی
اسی قدر وہ ظلم وجبر۔ عیش وعشرت۔ غرور وتکبر میں غرق ہوتا چلا گیا نہ سمجھا کہ خدا کی گرفت
سخت ہے آخر پکڑا گیا۔ ذلیل کیا گیا۔ کہاں ہے؟ آج اسکی سلطنت اسکی شان وعظمت
اسکے حشم وخدم۔ اسکا لشکر اسکے مشیر اسکے ہوا خواہ۔ خدا کی آنکھ پھرتے ہی زمانہ پھر
گیا۔ ع یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
مسلمانو! جو قوم عشرت کے دلدل میں پھنس جاتی ہے رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتی ہے جس
دولت کو دیکھ کر اسوقت تم خوش ہو رہے ہو مجھے مغموم کر رہی ہے جس قوم میں یہ آگئی
اسے برباد کر کے رہی اس سے بچو۔ یہ وہ مار سیاہ ہے کہ جس کے ڈسے کا منتر بھی نہیں
دولت کو عیش وعشرت کے لئے مت لو محض ضروریات رفع کرنے کیلئے لو۔ جو فاضل
بچے اسے خیرات کر دو قارون کی طرح جمع بھی نہ کرو۔ مسلمان نہایت توجہ سے امیر المومنین
کی تقریر سن رہے تھے سب کے دلوں پر بے ثباتی کا نقش ہوتا جا رہا تھا۔ تقریر ختم کر کے
حضرت عمرؓ نے سب سے دریافت کیا ان نادرات کے متعلق کیا مشورہ ہے
انہیں بدستور رہنے دیا جائے یا تقسیم کر دیا جائے حضرت علیؓ نے کہا۔ باقی رکھنے سے
کیا فائدہ ہے جس طرح ساسانی بادشاہ اسکی حفاظت کرتے چلے آئے کیا ہم بھی اسی
طرح کریں ان چیزوں کو جمع کر کے رکھنے سے ہم میں بھی شان وشوکت کی خواہش پیدا

ہو جائے گی۔ جاہ و حشم کا چسکا پڑ جائیگا اس قوم کی تعمیر میں دھکا لگے گا بیکار ہے ان
نادرات کا ذخیرہ کر کے رکھنا بہتر ہے کہ آپ ان تمام چیزوں کو توڑ پھوڑ کر تقسیم
کر دیں۔ سب نے حضرت علیؓ کی رائے کی تائید کی تقسیم شروع کر دی گئی۔ تمام چیزیں
اسی وقت تقسیم کر دی گئیں" بہار پر بھی خزاں آگئی اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم
کر دیا گیا۔ ایک شخص نے اسی وقت اپنا حصہ بیس ہزار میں فروخت کر دیا۔ تقسیم
سے فارغ ہو کر امیر المومنین جو شاہ ایران کے ہمراہیوں سے نہایت خلق سے ملے
اس طرح ملے گویا وہ ان کے وہ بھائی تھے جو مدت سے بچھڑے ہوئے تھے فوراً
ان کے لئے ایک بڑا مکان خالی کرا دیا گیا یہ سب اس مکان میں پہنچے۔ مکان بڑا تھا
مگر معمولی قسم کا بنا ہوا تھا۔ رفیع الشان قصر میں رہنے والے اس مکان کو کیا پسند کرتے
لیکن مسلمانوں کی سادہ معاشرت نے ان پر رفتہ رفتہ ایسا اثر کیا تھا۔ زرق برق
پوشاکیں چھوڑ کر انھوں نے بھی سادہ کپڑے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔
عاصم عبید اور جعفر تینوں اپنے قبیلہ میں جا کر ٹھہرے جعفر کو معلوم ہو گیا تھا کہ عبید کو
لیلیٰ سے محبت ہے مگر آتش الفت دل ہی دل میں سلگ رہی ہے عبید سوز محبت سے
جل رہا ہے لیکن اُف نہیں کرتا۔ وہ دن بدن نحیف و ناتواں ہوتا جاتا ہے جعفر
نے ایک دن عاصم سے عبید کی شادی کا تذکرہ کیا اُس نے دبے الفاظ میں عبید
کا پیغام لیلیٰ کے لئے دیا۔ عاصم نے بلا کسی حیل و حجت کے منظور کر لیا۔ جس وقت
جعفر نے یہ مژدۂ روح افزا عبید کو سنایا وہ فرط مسرت سے شادی مرگ کے قریب
پہنچ گیا وہ بے اختیارانہ طریقہ پر جعفر سے لپٹ گیا۔ اس نے کہا دوست میں عمر
بھر تمہارا احسان نہ بھولوں گا۔ تم نے مجھے مرنے سے بچا لیا۔ جعفر نے کہا میں
جانتا تھا کہ تم لیلیٰ پر مٹے ہوئے ہو یہ بھی معلوم تھا کہ معاشرت کی زنجیر پاؤں میں
پڑی ہے لیلیٰ کا نام کبھی زبان پر نہیں لا سکتے مجھ سے نہ دیکھا گیا میں نے عاصم سے
کہا اس نے منظور کر لیا۔ اب تم تیاری شروع کرو۔ عبید نے کہا تیاری کیا کروں
اسلام نے جس سادگی کا حکم دیا ہے اسی سادگی سے شادی ہوگی دوست آج میں
تمہارے اور بھائی عاصم کے لئے کوشش کروں گا۔ جعفر نے حیرت سے عبید کو
دیکھ کر کہا میرے لئے کہاں کوشش کرو گے۔

عبید۔ میں ہرمزان کو تمہارے لئے خیرزان کے ساتھ اور عاصم کا پروین

کے لئے یزدجرد شہنشاہ کو پیغام دوں گا۔
جعفر۔ مشکل ہے ایسا تو ہرمزان اور یزدجرد شہنشاہ کیوں منظور کرنے لگے اگر وہ منظور کر بھی لیں تو امیر المومنین غیر کفو میں شادی کرنے کی اجازت کیسے دیں گے!
عبید۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ابتدا میں کچھ مسلمان آتش پرست لڑکیوں سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن سعد نے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جب تک امیر المومنین کی تحریری اجازت نہ آ جائے اس وقت تک ایسی شادیاں ملتوی رکھی جائیں۔
جعفر۔ معلوم ہے۔
عبید۔ امیر المومنین نے اجازت دیدی ہے۔
جعفر۔ جب تو شاید امیر المومنین ہمیں بھی اجازت دیدیں۔
عبید۔ یقین ہے ضرور دیدیں گے۔
جعفر۔ لیکن ہرمزان اور یزدجرد شہنشاہ کیسے آمادہ ہو جائیں گے۔
عبید۔ میں امیر المومنین سے ہی تحریک کراؤں گا۔
جعفر۔ جب تو یقین ہے کہ ضرور منظور کر لیں گے۔
عبید۔ یقیناً میں اسی وقت امیر المومنین کے حضور میں جا رہا ہوں۔
جعفر۔ دوست جاؤ خدا کرے امیر المومنین ساری باتیں مان لیں۔
عبید جعفر سے رخصت ہو کر چلا چند گلیوں کو عبور کر کے مسجد نبوی میں آیا پہنچا وہ خوش قسمتی سے اسوقت حضرت عمرؓ تنہا بیٹھے تھے عبید سلام کر کے ان کے پاس جا بیٹھا امیر المومنین نے غور سے اس کے چہرہ کو دیکھ کر کہا تم شاید مجھ سے کچھ کہنے کے لئے آئے ہو کہو کیا کہنا ہے عبید کو تعجب ہوا کہ امیر المومنین کو اس کے دل کا حال کیسے معلوم ہو گیا تعجب کے بعد کچھ جھجک کچھ شرم دامنگیر ہوئی وہ سر جھکا کر سوچنے لگا کہ کس عنوان سے سلسلہ گفتگو شروع کرے امیر المومنین نے پھر کہا تم شرما رہے ہو جھجک رہے ہو آخر کیوں؟ جو کہنا ہے بیدھڑک کہہ ڈالو۔ عبید کسی قدر جرأت سے بولا یا امیر المومنین سنا ہے آپ نے سعدؓ کو یہ حکم لکھ کر بھیجدیا ہے کہ جو مسلمان کسی ایرانی دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو تو اس کے لئے اجازت ہے۔
امیر المومنین۔ ہاں میں نے ایسا لکھدیا ہے کیا تم بھی کسی ایرانی دوشیزہ سے شادی

کرنا چاہتے ہو۔
عبید میں نہیں بلکہ جعفر اور عاصم چاہتے ہیں بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔
امیرالمومنین۔ کیا وہ دونوں پھر ادھر واپس جائیں گے؟
عبید۔ جن لڑکیوں سے وہ شادی کرنا چاہتے ہیں وہ یہیں موجود ہیں۔
امیرالمومنین نے حیرت سے عبید کو دیکھکر دریافت کیا یہیں یہیں؟ کون ہیں۔
عبید۔ ایک جوشناہ کی بیٹی پروین اور دوسری ہرمزان کی ہمشیرہ شیرزان ہیں۔
امیرالمومنین۔ شاید جوشناہ کی بیٹی سے عاصم شادی کرنا چاہتے ہیں۔
عبید۔ حضور نے صحیح اندازہ لگایا۔
امیرالمومنین۔ میں ایسی شادیوں کو بے جوڑ اور غیر مناسب خیال کرتا ہوں شادی اپنے ہی قبیلہ میں ٹھیک ہوتی ہے لیکن میں اپنی طرف سے کوئی رکاوٹ بھی ڈالنا نہیں چاہتا اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو شوق سے کرلیں!!
عبید۔ مگر جوشناہ اور ہرمزان کی طرف سے اندیشہ ہے کہ شاید وہ منظور نہ کریں۔
امیرالمومنین۔ تمہارا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں تحریک کروں کچھ مضائقہ نہیں میں ہی تحریک کرونگا تمام مسلمان میرے بھائی اور عزیز ہیں اپنے عزیزوں کے لئے کون سی نہیں کیا کرتا۔
عبید امیرالمومنین کا بیحد شکر گزار ہوا اس نے کہا حقیقت میں آپ مسلمانوں کے بیحد خیر طلب اور بہی خواہ ہیں ٹھیک اسی وقت جوشناہ اور ہرمزان اور مہران آگئے تینوں سلام کر کے بیٹھ گئے مہران بدل گیا تھا اسکے دل میں مکر و فریب۔ جور و ستم کا شائبہ بھی نہ رہا تھا۔ نماز روزہ کا پابند ہو گیا تھا۔ تعجب ہوتا تھا کہ کس طرح اس نے اپنی مذموم عادات چھوڑ دیں امیرالمومنین نے بلا کسی پرواز کے جوشناہ سے کہا غالباً اب آپکا ارادہ ایران واپس جانے کا نہیں۔
جوشناہ۔ حضور اب میں واپس جانا نہیں چاہتا اسی جگہ رہنا اور یہیں مرنا چاہتا ہوں۔
امیرالمومنین۔ اور ہرمزان؟
جوشناہ۔ ہم میں سے کوئی بھی واپس جانا نہیں چاہتا نہ ہرمزان نہ روزبہ نہ خسرو نہ مہران۔
امیرالمومنین۔ جب تو تم کو اپنی لڑکیوں کے عقد کا فکر کرنا چاہئے۔

جوشماہ۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے یا کرنا نہیں چاہتے ہم نے آپ کے دامن میں پناہ لی ہے آپ ہی ہمارے سب کچھ ہیں لڑکیوں کی فکر آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔

امیر المومنین۔ دیکھیئے میں تجویز پیش کرتا ہوں اگر مناسب سمجھیں اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں اگر مناسب نہ معلوم ہو تو انکار کر دیں یہ میری تجویز ہے حکم نہیں ماننا یا نہ ماننا یہ آپ کی رضی ہے۔

جوشماہ۔ فرمایئے اگر ماننے کے قابل ہوگی تو ضرور مان لیں گے!!

امیر المومنین۔ یہی بات ہے اس میں لحاظ و مروت کو کچھ دخل نہیں ہونا چاہئے یہ لڑکیوں کی بہبودی اور ان کی عمر بھر کے نیک و بد کا سوال ہے اگر مناسب معلوم ہو تو عاصم کو آپ اور جعفر کو ہرزان اپنے دامنوں میں چھپا لیں۔

جوشماہ۔ قطعی مناسب تجویز ہے۔

امیر المومنین۔ اچھا تو آپ تیاری کریں میں چاہتا ہوں جس روز عبید کا عقد ہو اسی روز عاصم اور جعفر کا بھی ہو جائے۔

جوشماہ۔ مناسب ہے لیکن . . . . .

امیر المومنین۔ لیکن کیا؟

جوشماہ۔ میں چاہتا ہوں اس روز ایک شادی اور بھی ہو جائے۔

امیر المومنین۔ کس کی۔

جوشماہ۔ ہرزان کی، مہران اسے اپنے سینہ سے لگا لیں۔

مہران۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر آسیہ چلی گئی تو میں تنہا رہ جاؤں گا۔

جوشماہ۔ میں نے اس کا پہلے ہی انتظام کر لیا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو مراجل سے عقد کر لیں۔

مہران۔ آپ میرے بزرگ ہیں بزرگوں کی بات ماننا ضروری ہے لیکن شاید روزیہ اسے منظور نہ کرے۔

جوشماہ۔ میں نے انہیں پہلے ہی آمادہ کر لیا۔

مہران۔ یہ آپ کی مہربانی ہے آپ کی اس مہربانی کا بہت زیادہ مشکور ہوں۔

امیر المومنین۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسی جمعہ کے دن سب کے عقد ہو جائیں

جوشماہ۔ یہ نہایت مناسب ہے۔!!

اب سب اٹھ اٹھ کر روانہ ہوئے۔ علیہ نے جاتے ہی جعفر اور عاصم سے یہ خوشخبری جا سنائی۔ دونوں اس نوید روح پرور کو سن کر کمال مسرور ہوئے۔ دونوں طرف عقد کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جو شاد کا مکان عاصم کے مکان کے قریب تھا جعفر اور علیہ کچھ فاصلہ پر رہتے تھے۔ اکثر خیزران پروین آسیہ مرا ابلی لیلیٰ کے پاس جاتی رہتی تھیں۔ ایک روز جبکہ آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا یہ چاروں ماہ پارہ لڑکیاں لیلیٰ کے پاس آئیں تو اس نے نہایت خندہ پیشانی سے انکا استقبال کیا۔ سب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ خیزران نے کہا لیلیٰ انتظار کے دن تو مشکل سے کٹتے ہوں گے۔ کب ہوگی کہ امیرالمومنین نے جمعہ کی تاریخ کہاں سے لگا دی۔ لیلیٰ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پروین نے کہا بی ایسی بات دوسری پر کیوں ٹالتی ہو۔ خیزران دل ہی دل تو تمہارے گدگدیاں اٹھ رہی ہیں۔ چھیڑتی ہو بیچاری لیلیٰ کو۔ خیزران نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ اوہ یہ ٹھیک ہے بھولی سب سے زیادہ تو بھیجن تو تم ہی ہو۔ مگر کس قدر بگڑتی ہے پروین تم نے بیچارے عاصم کو پوچھا بھی نہیں آسیہ نے مسکرا کر کہا تم شاید جعفر کو روز پوچھا کرتی ہو۔ خیزران نے ہنس کر کہا روز پوچھا تو پوچھوں یا نہ پوچھوں مگر تم اپنی کہو روز چھپ چھپ کر بھائی جان کو دیکھا کرتی ہو۔

پروین۔ تم کو تو رشک ہوتا ہوگا کہ تم جعفر کو دیکھ نہیں سکتیں!!

خیزران۔ شرمیلے پن سے مسکرا کر کہا ہو گا۔ جانے اب میں تمہاری طرح تو ٹکٹکی تو دیکھا کی نہیں۔ آسیہ نے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا اسی لئے جمعہ کو بی میں نماز کے بہانے سے انہیں دیکھنے جایا کرتی ہو۔ خیزران نے شوخی سے ہنس کر کہا کیوں نہ جاؤں اپنی چیز اپنا مال دیکھنے میں کیا حرج ہے۔

آسیہ۔ ذرا اس مال کو چھپا رکھنا۔

خیزران۔ آنکھوں میں رکھوں گی۔ آنکھوں سے بہتر ان کے لئے کون سی جگہ ہے۔

آسیہ نے ہنس کر کہا۔ کوئی نہیں۔ دو ہی باقی رہ گئے ہیں۔ خیزران پھر جہاں چاہا رکھنا۔ تھوڑی دیر اور ہنسی مذاق کر کے یہ چاروں رخصت ہو گئیں۔ لیلیٰ بھی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ قاعدہ ہے کوئی دن کوئی تاریخ مقرر ہوتی اور آ ہی گئی۔ جمعہ میں دن ہی کے باقی رہ گئے تھے آنکھ جھپکتے ہی گزر گئے۔ جمعہ کا دن آگیا۔ اپنی تمام لطافتوں تمام رنگینیوں تمام مسرتوں کو ساتھ لیکر آگیا۔ جمعہ کی حسین صبح مسرت و شادمانی میں ڈوبی ہوئی اپنی تمام جلوہ ریزیوں سے مسکراتی ہوئی۔ سرشاران محبت نے مسرت و انبساط سے اس کا استقبال کیا۔ مدینہ منورہ

کا کوچہ کوچہ مسرت وشادمانی میں مستغرق نظر آنے لگا۔ صبح ہی لیلیٰ۔ پروین۔ خیزران۔ آسیہ
مراجل۔ پانچوں ماہ طلعت لڑکیوں کو بنا سنوار کر دلہن بنایا جانے لگا۔ پانچوں رشک قمر
زہرہ جبیں، حور ادا تھیں بننے سنورنے سے اور بھی حسین ہو گئیں ان کے پُرنور چہرے
چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگے مشہور ہے کہ اچھا لباس اچھے زیورات
حسینوں کے حسن میں چار چاند لگا دیتے ہیں لیکن حقیقی مسرت۔ دلی شادمانی بشاش
چہرہ۔ خندہ پیشانی۔ حسینوں کی صورتوں کو بیحد دلکش بنایا کرتے ہیں۔ پانچوں ماہ
طلعت دوشیزہ لڑکیاں بن سنور کر حسن کا جلوہ گر آفتاب بن گئیں ان کے منور چہروں کو
دیکھنا نہیں ناممکن تھا۔ عصر کے وقت ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے امیر المومنین حضرت
عمرؓ فاروق۔ حضرت عثمانؓ غنی۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ اور بہت سے اکابر رؤسا
شریک ہوئے شادی کا دن تھا۔ ارمان بھرے دل تھے رئیسوں کے بچوں کی شادیاں
تھیں جس قدر دھوم دھام ہوتی کم تھی مگر وہ قرون اولیٰ کا زمانہ تھا نہ دھوم دھام
تھی نہ تزک واحتشام تھا نہ شان شوکت تھی، نہ باجے تھے نہ آتشبازی تھی کچھ بھی نہ
تھا۔ نہایت سادہ طریقہ پر شادیاں ہو رہی تھیں۔ حالانکہ ان کے پاس کافی دولت
تھی جس قدر چاہتے خرچ کر دیتے مگر وہ بیجا خرچ کر کے خدا اور خدا کے رسولؐ کی نافرمانی
کر کے گنہگار نہ بننا چاہتے تھے۔ غور سے دیکھئے تو باجے آتشبازی یا ایسی فضولیات میں
خرچ کرنے سے سوائے نقصان کے فائدہ کیا ہے اگر یہ محض نام و نمود کیلئے کیا جاتا
ہے تو وہ کام کیجئے جس سے نام بھی ہو اور عاقبت بھی سدھرے یتیموں کو کھانا
کھلائیے بیواؤں کی مدد کیجئے مسکینوں کی خبر لیجئے مذہبی مدرسے کھلوائیے طالبعلموں
کی مدد کیجئے۔ اکابر قوم کے آتے ہی عقد ہو گئے مبارکباد کا غل مچ گیا اور ہر طرف
سے مبارکباد کی صدا آنے لگی عقد ہوتے ہی خرمے تقسیم کئے گئے رخصتی کا سامان
ہونے لگا۔ مغرب سے پہلے ہی رخصتی ہو گئی رخصت کرا کر کہیں دور تو جانا ہی نہیں
تھا قریب ہی مکان تھے مغرب سے پہلے ہی سب اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے عبید مغرب
کی نماز پڑھ کر مکان پر پہنچا اسکی رشتہ دار ہمسایہ عورتیں آئی ہوئی تھیں تمام مکان
عورتوں سے بھرا ہوا تھا اسے معلوم نہ تھا کہ اسکی دلہن کس کمرہ میں ہے وہ عورتوں
کی نظروں سے بچتا ہوا ایک کمرہ میں گھس گیا جوں ہی اس نے اس کمرہ میں قدم رکھا
اس نے سامنے ہی آفتاب حسن پری پیکر لیلیٰ کو حسن کی تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ مسہری

بیٹھے دیکھا وہ اس نور مجسم کو دیکھکر جھجکا ٹھٹکا لیکن کچھ سوچ کر آگے بڑھا اس رشک قمر کے قریب پہنچا اور اسکے چاند جیسے چہرہ کو دیکھنے لگا لیلیٰ کا چہرہ بیحد دلکش تھا وہ بہشت بریں کی حور معلوم ہو رہی تھی سوتی جو آنکھیں جادو کر رہی تھیں۔ نازک لبوں پر بلکا تبسم کھیل رہا تھا اس کے شرابی رخساروں میں بجلیاں چمک رہی تھیں وہ عبید کو دیکھ کر شرما گئی اس نے نگر غلط انداز سے عبید کو دیکھا خود آگیا اس کی بے تاب نظریں جھک گئیں عبید نے بڑی ہمت کر کے کہا اے میری آفتاب کی دنیا۔ اے میری مسرت کے درخشاں چاند تو نے میرے کاشانہ احزان کو اپنے جلوہ گر حسن سے منور کر دیا۔ لیلیٰ نے شرما کر لجا کر اپنا خوبصورت سر جھکا لیا وہ حسن کی دیوی کان حیاء بن گئی رعب حسن سے عبید کو بھی اور کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چونکہ کسی نہ کسی عورت کے آجانے کا اندیشہ تھا اس لئے عبید جلد ہی کمرہ سے باہر نکل آیا۔ خدا خدا کر کے راحت کے بعد مسرت حاصل ہوئی۔ پانچوں جوڑے نہایت اطمینان، نہایت آرام نہایت شادمانی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ انھوں نے کلفت کے بعد مسرت کا دنیا دیکھی۔

یہ تھی وہ جنگ جس نے ایرانی جیسی زبردست سلطنت کا تختہ الٹ دیا ساسانی حکومت کا چراغ گل کر دیا مسلمانوں نے اپنی بہادری کا تمام عالم پر سکہ بٹھا دیا۔

ختم شد